ادھورا ادھوری
محی الدین نواب

بہترین معاشرتی ناول

محی الدین نواب

علی بک سٹال

چوک میو ہسپتال، نسبت روڈ لاہور فون: ۷۲۲۳۸۵۳

نام کتاب ______ اَدھورا اَدھوری

ناشر ______ عبدالستار

باہتمام ______ عبدالغفار

تعداد ______ ۱۰۰۰

مطبع ______ اے۔وائی پرنٹرز، لاہور

قیمت ______ 150/-

ملنے کا پتہ

علی میاں بک سیلرز

عزیز مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

فون: 7247414

انتساب

پیارے قارئین کے نام

وہ طلبا اور طالبات کے درمیان بیٹھی لیکچر سُن رہی تھی اور کاپی پر جھکی ہوئی لکھتی جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی۔ پروفیسر نے اِسے مخاطب کیا۔ ”ساحرہ!“

وہ کھڑی ہو گئی۔ ”یس سر!“

”نادرہ کہاں ہے؟“

ساحرہ نے پاس والی خالی سیٹ کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ”سر! میں نہیں جانتی۔“

پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا ”چاند کہے، چاندنی کو میں نہیں جانتا۔ آنکھ کہے، بینائی کو نہیں پہچانتی تو کیا یقین کر لینا چاہیئے؟“

ایک لڑکی نے کہا ”یہ بنتی ہے، نادرہ کے ممّی ڈیڈی بھی اِسے اتنا نہیں جانتے جتنا یہ جانتی ہے۔“

کلاس روم کی آخری سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک لڑکے نے کہا۔ ”یہ پکّی سہیلیاں ہیں۔ پورے کالج میں مشہور ہیں۔ ابھی جو کچھ لکھ رہی ہے اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی نادرہ کو ضرور دے گی۔“

پروفیسر نے کہا۔ ”اسے ناغے کرنے کی عادت سی پڑ گئی ہے اور اس کی اس عادت کو ساحرہ نے پختہ کیا ہے۔ ایک بات تم کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ کتابوں سے اور فوٹو اسٹیٹ کاپی سے علم حاصل ہوتا تو اسکولوں، کالجوں اور استادوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ کتابیں پڑھنے کے باوجود سمجھنے کے لئے بہت کچھ رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتابیں خود پڑھی نہیں جاتیں۔ استادوں سے پڑھوائی اور سمجھی جاتی ہیں۔ بیٹھ

جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئی۔ قلم سنبھال کر لکھنے کے لیے تیار ہو گئی۔ پروفیسر کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ اِس کا دھیان تعلیم حاصل کرنے کی طرف تھا مگر پاس والی خالی سیٹ کو دیکھ کر دل خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ نادرہ کے بغیر صرف کلاس روم ہی نہیں، اپنا گھر بھی ویران سا لگتا تھا۔ اگر وہ اس کے پڑوس میں نہ رہتی تو جانے اس کے بغیر کیسے گزارا کرتی۔

اِسے نادرہ کی زندہ دلی پسند تھی۔ اس کا غصّہ بھی اچھا لگتا تھا۔ جب وہ غصّہ کرتی اور ناراض ہوتی تو اسے منانے میں مزہ آتا تھا اور جب زندہ دلی کا مظاہرہ کرتی تو ہنستے ہنستے ساحرہ کی آنکھیں رونے لگتی تھیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک لڑکی کسی لڑکے سے محبت کرے۔ کسی سہیلی سے بھی عشق ہو سکتا ہے اور یہ عشق یکطرفہ نہیں تھا۔ نادرہ بھی اِسے ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ اس کی چاہت کا یہ عالم تھا کہ نادرہ کسی اور لڑکی سے بات کرتی یا اِس کے ساتھ کنٹین میں چائے پی لیتی تو وہ غصّے سے منہ پھلا لیتی تھی۔ اگرچہ اِسے منانے میں بڑا وقت لگتا تھا مگر ساحرہ کو اپنی اہمیت کا احساس ہوتا تھا۔ نادرہ کا غصّہ بھی بے پناہ محبت کا مظہر تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ساحرہ اس کی محبت کو دوسری لڑکیوں میں بانٹنا شروع کر دے۔

وہ سوچتے سوچتے چونک گئی۔ پروفیسر علمِ معاشیات کے سلسلے میں کہہ رہا تھا "طلب کن حالات میں بڑھتی ہے اور کن حالات میں کم ہوتی ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔"

وہ لکھنے لگی۔ پروفیسر کہہ رہا تھا "سونا قیمتی ہے لیکن اس کی قیمت اور بڑھ جاتی ہے جب اِس سے زیورات بنائے جاتے ہیں۔ کیونکہ زیورات کی صورت میں سونے کی طلب بڑھ جاتی ہے۔

ایک پتھر کی بھی کچھ قیمت ہوتی ہے لیکن اس پتھر کو تراش کر خوبصورت مجسّمہ بنایا جائے تو اِس کی طلب بڑھ جاتی ہے اور قیمت بھی۔

طلب کو بڑھانے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو چیز آدمی کی ضرورت بن جائے اور اِس کی زندگی میں اہمیت اختیار کرے، اسے بازار سے غائب کر دیا جائے۔ اس کی طلب میں اتنی شدّت پیدا ہو جائے گی کہ جب وہ دوبارہ بازار میں آئے گی تو اِس کی قیمت بڑھ چکی ہو گی۔"

ساحرہ نے لکھتے لکھتے پاس والی خالی سیٹ کو دیکھا۔ نادرہ نہیں تھی۔ دل کے شہر سے غائب کر دی گئی تھی۔ اسی لیے اس کی طلب بڑھ گئی تھی۔ ایسا ہر محبت کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔

جیسا اِس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ یعنی وہ کلاس روم میں تھی۔ اس کے کان لیکچر سُن رہے تھے۔ انگلیاں قلم تھامے لکھ رہی تھیں لیکن خود شدّتِ شوق میں نادرہ کے پاس پہنچی ہوئی تھی۔

اِس نے چونک کر آس پاس دیکھا۔ طلبا اور طالبات اپنی جگہ سے اُٹھ کر جا رہے تھے۔ کلاس ختم ہو چکی تھی۔ اِس نے کاپی اور قلم کو بند کیا۔ دوپٹے کو سر پر اور سینے پر درست کرتے ہوئے چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے گریبان کو چٹکی میں پکڑ کر قلم کو اِس میں چھوڑ دیا۔ پھر اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

کلاس روم کے باہر دونوں ڈرائیور کھڑے ہوئے تھے۔ ایک اس کی اپنی کار کا ڈرائیور تھا۔ اس نے نادرہ کے ڈرائیور کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولا "بی بی جی نے آپ کو بینٹر میں بلایا ہے۔"

وہ پارکنگ میں جاتے ہوئے اپنے ڈرائیور سے بولی "تم جاؤ۔ پاپا سے کہنا، میں نادرہ کے ساتھ ہی آؤں گی۔"

"بی بی جی، صاحب نے جلدی آنے کو کہا ہے۔"

"آجاؤں گی۔"

"کہہ رہے تھے خاص مہمان آنے والے ہیں۔"

"میں نے کہا نا، آجاؤں گی۔"

پارکنگ میں دونوں گاڑیاں ایک ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ نادرہ کے ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ بیٹھنا چاہتی تھی مگر صفیہ کی آواز سُن کر رک گئی۔ وہ پروین اور کنیز فاطمہ کے ساتھ آ رہی تھی۔ دور ہی سے کہنے لگی۔ "آج اکیلی ہو، ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "میں تو کراٹے سینٹر جا رہی ہوں۔"

"تو کیا ہوا ہمیں حسن اسکوائر تک چھوڑ دینا۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی اگر نادرہ اِس کے ساتھ دیکھ لیتی تو ناراض ہو جاتی۔ اسے ہچکچاتے دیکھ کر صفیہ نے کہا "تمہیں اعتراض ہے تو جانے دو۔"

"نہیں ایسی بات نہیں، میری گاڑی خالی جا رہی ہے، اس میں چلی جاؤ۔"

اِس نے اپنے ڈرائیور سے کہا "بشیر! انہیں حسن اسکوائر ڈراپ کرتے ہوئے جاؤ۔"

وہ تینوں اس کی گاڑی کی طرف جانے لگیں۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر پچھلی سیٹ

پریوں آگئی جیسے نادرہ کے پاس آکر بیٹھ گئی ہو۔ اسی وقت اذان کی آواز سنائی دی۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ کالج کے احاطے میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ جس کے دو حصے کیے گئے تھے۔ ایک حصے میں طلبا اور دوسرے میں طالبات نماز ادا کرتی تھیں۔ وہ پس و پیش میں پڑ گئی۔ پہلے نماز ادا کرے یا نادرہ کے پاس جائے۔

ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ دل کہہ رہا تھا، اسے روکنا چاہیے۔ مسجد دو قدم پر ہے۔ عصر کی نماز مختصر ہوتی ہے۔ سہیلی کے پاس دیر سے پہنچے گی تو قیامت نہیں آجائے گی۔

اس کے سوچتے سوچتے گاڑی ریورس گیئر پر چلتی ہوئی رُک گئی تھی۔ اب وہ گھوم کر مین گیٹ کی طرف جانے والی تھی۔ ڈرائیور حکم کا بندہ تھا۔ اسے اب بھی روکا جا سکتا تھا۔ مگر وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہی تھی بے شک خُدا کا خوف تھا۔ اذان خدا کی طرف بلاتی ہے کہیں اور جانے سے روکتی ہے۔ آدمی کا المیہ یہی ہے۔ جہاں جانے سے روکا جاتا ہے وہیں جاتا ہے۔

کار احاطے سے نکل آئی تھی۔ یونیورسٹی روڈ کی کشادگی پر تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ وہ اپنے دل کو تسلی دے رہی تھی۔ میں نماز سے انکار تو نہیں کر رہی ہوں۔ یہ قضا بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ نادرہ کے ساتھ پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔

جان بوجھ کر نماز قضا نہیں کی جا سکتی لیکن جہاں تک مزے کی بات ہے، آدمی دُنیا کے اور دین کے ہر کام میں مزہ ڈھونڈتا ہے اور مزہ وہیں حاصل ہوتا ہے جہاں اپنے لیے دلچسپی پیدا کی جائے۔

گاڑی کراٹے سینٹر کے سامنے پہنچ کر رُک گئی۔ آس پاس چلنے والے بہت سے لوگ احاطے کی دیوار سے لگے کھڑے تھے اور سر اٹھا کر اندر دیکھ رہے تھے۔ احاطے کے اندر بڑے سے میدان میں لڑکے اور لڑکیاں کراٹے کی مشق شروع کرنے سے پہلے پینترے بازی کی مشق کر رہے تھے۔ وہاں عام لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی لیکن کار والے آسکتے تھے۔ اس کی کار کے لیے دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ ایک بڑے سے سائبان کے نیچے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جہاں کراٹے سیکھنے والی لڑکیوں اور لڑکوں کے والدین یا سرپرست بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی کار سے اتر کر نادرہ کو دیکھتے ہوئے سائبان کے نیچے پہنچ گئی۔ پاس ہی کرسی خالی تھی لیکن وہ سہیلی کو مشق کے دوران پینترے بدلتے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ بیٹھنا بھول گئی تھی۔ اُدھر سہیلی بھی رہ رہ کر پینترے بھول رہی تھی۔

انسٹرکٹر ماسٹر حاتمی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلتا ہوا اپنے شاگردوں کو دیکھتا جا رہا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "یو مس نادرہ، مائنڈ یور اسٹیپنگ۔"

پھر اس نے ساحرہ کی طرف گھوم کر کہا۔ "اب یہ غلطی کرے تو تم باہر چلی جانا۔"

ساحرہ جھینپ کر کُرسی پر بیٹھ گئی۔ دوسری طرف منہ پھیر کر سر کو جھکا لیا، اپنی اداؤں سے سہیلی کو سمجھانے لگی۔ "میرا تو آنا جرم ہو جاتا ہے۔ اب تمہاری طرف نہیں دیکھوں گی۔"

وہ اسی طرح منہ پھیر کر بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ نادرہ نے اس کی پیٹھ پر ہولے سے دھپ جماتے ہوئے کہا۔ "سیدھی طرح بیٹھو اور دیکھو میں فائٹ کرنے والی ہوں۔"

"میں تمہاری طرف دیکھتی رہوں گی۔ تم مار کھاتی رہوگی۔ فائٹ نہیں کر سکوگی۔"

"تم دیکھو تو سہی۔"

"وعدہ کرو، غلطی نہیں کروگی۔"

"وعدہ کرتی ہوں۔ جب تک دیکھتی رہوگی، میں اپنے مقابل کے حملوں کو ناکام بناتی رہوں گی۔"

وہ خوش ہو کر کُرسی پر سیدھی بیٹھ گئی۔ نادرہ پنجوں کے بل اسکیپنگ کرتی ہوئی میدان کی طرف جانے لگی۔ اس نے الیش کلر کا پاجامہ اور ڈھیلا کُرتا پہنا ہوا تھا۔ کمر سے ایک بیلٹ بندھا ہوا تھا۔ وہ ماسٹر حاتمی کے ان شاگردوں میں سے تھی جو بلیک بیلٹ حاصل کرنے کے مرحلے پر تھے۔ ایسے شاگردوں کو پہلے میدان میں بلایا گیا اور انہیں دو دو کی ٹولیوں میں بانٹ دیا گیا۔ ماسٹر حاتمی نے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلتے ہوئے کہا۔ "میں بار بار سمجھاتا ہوں، جوڈو اور کراٹے کا فن محض اپنے بچاؤ کے لئے سیکھا جاتا ہے۔ ظالمانہ سوچ رکھنے والے یہ فن سیکھ تو لیتے ہیں۔ اس کا بے جا استعمال بھی کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی طرح دوسرے بھی اس فن سے واقف ہیں، وہ ان سے برتر ہو سکتے ہیں۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیئے۔ ہم کسی کمزور کو ایک تھپڑ مار کر کون سی برتری حاصل کر لیتے ہیں یا اپنے سے برابر والے کو کمتر بنا کر کون سی روحانی خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔"

وہ اپنے شاگردوں کے چاروں طرف گھومتا جا رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا۔ "سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہم یہ فن کیوں سیکھتے ہیں۔ اس کے دو اسباب ہیں۔ ایک تو اپنے بچاؤ کے لیے، دوسرے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے سیکھا جاتا ہے لیکن دشمن ہمارے گھر کے لوگ نہیں ہوتے، دشمن ہمارے شہر اور ہمارے ملک کے لوگ نہیں ہوتے۔ دشمن دراصل وہ ارادہ ہوتا ہے جو دوسروں

کو کمزور اور مجبور بنانے پر اکساتا ہے۔ دشمن وہ فاتحانہ خوشی ہے جو اپنے ہی ہم وطن کی لاش پر رقص کرنے کی تحریک پیدا کرتی ہے۔ اس فن کو سیکھنے کا اہم مقصد ہے، خود کو صحت مند پاکستانی ثابت کرنا۔ صحت مند جسمانی طور سے اور صحت مند دماغی طور سے۔ ناڈو کیری آن یور لیسن۔"

وہ میدان سے باہر آگیا۔ دو دو کی ٹولی میں کراٹے کا مظاہرہ کرنے والی لڑکیاں اور لڑکے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگے۔ نادرہ کے مقابلے پر ایک صحت مند اور قد آور جوان تھا۔ وہ کبھی اس پر حملے کرتا ہوا اسے بچاؤ کا موقع دیتا تھا اور کبھی اسے حملہ کرنے کا موقع دیتے ہوئے خود بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ کبھی کبھی مار کھا جاتا تھا۔ نادرہ نے وعدہ کیا تھا، وہ غلطی نہیں کرے گی۔ اس لیے محتاط تھی۔ ساحرہ کو یقین تھا وہ پوری احتیاط سے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتی رہے گی۔ اسے اس کی یہی ادائیں پسند تھیں۔ وہ جو کہہ دیتی تھی، اس بات کو اپنی ضد بنا لیتی تھی۔

اچانک ہی ساحرہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ کرسی سے اُچھل کر کھڑی ہوگئی۔ نادرہ نے اپنے مقابل کو جوڈو کے داؤ پر لا کر ذرا دُور پھینک دیا تھا۔ مگر خود بھی تکلیف میں مبتلا ہوگئی تھی۔ پیٹ پکڑ کر جھکتی جا رہی تھی۔ چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔ ماسٹر حاتمی تیزی سے چلتا ہوا اس کی طرف جا رہا تھا۔ ساحرہ بھی دوڑتی ہوئی آگئی۔ اسے تھام کر بولی "کیا ہوا، کیا چوٹ لگی ہے؟"

نادرہ انکار میں سر ہلانے لگی۔ ماسٹر حاتمی نے اس کے مقابل سے پوچھا "کیا تم نے جارحانہ حملہ کیا تھا؟"

"نو ماسٹر، میں نے اسے ایک ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یہ بہت فاسٹ ہے۔ بڑی عمدگی سے بچاؤ کرتی ہے۔"

نادرہ نے کہا "مسٹر سجاد کی غلطی نہیں ہے۔ مجھے اکثر ایسی تکلیف ہو جاتی ہے۔"

ماسٹر حاتمی نے اس کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "گرین روم میں جا کر آرام کرو پھر چلی جانا۔"

وہ ساحرہ کے سہارے چلتے ہوئے کمرے میں آکر لیٹ گئی۔ جوڈو کراٹے سیکھنے والی لڑکیاں اس کمرے میں آکر وہاں کا مخصوص لباس پہنتی تھیں۔ پھر گھر جانے سے پہلے اپنا لباس پہن لیا کرتی تھیں۔ نادرہ ایک بڑے صوفے پر بائیں کروٹ لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ساحرہ نے بڑی محبت سے ہاتھ کو تھام لیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ وہ کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر سوچنے لگی "یہ ہاتھ کیسے سخت ہوتے جا رہے ہیں۔ کتنی بار

سمجھایا ہے، جوڈو کراٹے کا شوق رہنے دو۔ تم لڑکی ہو، لڑکی ہی رہو گی۔ لڑکا تو نہیں بن سکو گی۔"

اس نے سوچتے سوچتے اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ وہ لڑکا بنے یا نہ بنے مگر ہاتھ لڑکوں جیسا بن گیا تھا۔ اس کی ممی نے ایک دن بتایا تھا جب یہ چھوٹی سی تھی تو لڑکوں کی طرح بولتی تھی۔ میں آؤں گا۔ میں جاؤں گا۔ میں روٹی کھاؤں گا۔ اسے بڑی مشکلوں سے لڑکیوں کی طرح بولنے کا عادی بنایا گیا تھا۔

ساحرہ نے پوچھا "کیا تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟"

نادرہ نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ پھر کہا "بھلا تم سے کیا چھپاؤں گی؟"

"تم نے ماسٹر حاتمی کے سامنے کہا تھا کہ اکثر ایسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہو۔"

"کوئی تشویش ناک بیماری ہوتی تو تمہیں ضرور بتاتی۔"

"میں اپنے سر کا درد بھی نہیں چھپاتی۔ پھر تم نے کیوں چھپایا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ چلو ڈاکٹر شیرازی کو فون کرو۔ ہم ابھی جائیں گے۔"

وہ وہاں سے اُٹھ گئی۔ ٹیلیفون کے پاس آکر ریسیور کو اٹھایا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں ڈاکٹر شیرازی کے اسپتال میں تھیں۔ کئی مریض ویٹنگ روم میں بیٹھے اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ دونوں سیدھی چیمبر میں چلی گئیں۔ ڈاکٹر نے نادرہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا "تم کیوں آئی ہو؟"

نادرہ نے چور نظروں سے ساحرہ کو دیکھا۔ پھر کہا "میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"میں کچھ سُننا نہیں چاہتا۔ تم مجھے ڈاکٹر نہیں، گھسیارا سمجھتی ہو۔ اسی لیے تم نے تمام دوائیں پھینک دیں۔"

نادرہ اس کی میز کے پاس پہنچ کر بولی "یہ جھوٹ ہے۔ میں نے دوائیں استعمال کی تھیں۔"

"ایک نمبر کی جھوٹی ہو۔ میں نے تمہارا جھوٹ کیسے پکڑا ہے۔ جانتی ہو؟"

اس نے جھجکتے ہوئے ساحرہ کی طرف دیکھا۔ پھر کہا "ڈاکٹر انکل، آپ کا وقت بہت قیمتی ہے۔ باہر کئی مریض بیٹھے ہیں۔ پلیز، مجھے تھوڑا وقت دیجئے۔"

ڈاکٹر نے ساحرہ کی طرف دیکھا۔ نادرہ نے جلدی سے کہا "یہ میری سہیلی ہے۔ میرے

پڑوس میں رہتی ہے۔ ساحرہ! تم ذرا ویٹنگ روم میں جاؤ۔ میں آرہی ہوں۔"
ساحرہ کو حیرانی ہوئی۔ دکھ بھی ہوا۔ اس کی اتنی پیاری سہیلی، رازدار سہیلی اسے جانے
کے لیے کہہ رہی تھی۔ اس نے پوچھا "اگر نہ جاؤں تو؟"
ڈاکٹر نے کہا "یو ہیو ٹو گو۔ ڈاکٹر کے پاس صرف مریضہ کو رہنا چاہیے۔"
وہ نادرہ کو دیکھنے لگی۔ آہستہ آہستہ الٹے قدموں جانے لگی۔ اسے اب بھی خوش فہمی
تھی کہ سہیلی جانے سے روک لے گی۔ ڈاکٹر سے کہے گی "یہ میری سب کچھ ہے۔ میں اس سے
کچھ نہیں چھپاتی۔ ڈاکٹر، یہ میرے ساتھ ہی رہے گی۔"
لیکن وہ چپ کھڑی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں کہ اس پر مان کرنے والی
دل برداشتہ ہو کر کمرے سے باہر جارہی ہے۔ وہ سر جھکائے ایک مجرمہ کی طرح کھڑی ہوئی
تھی۔ آخر وہ باہر چلی گئی۔ دروازہ بند ہوگیا۔ ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لے کر کہا "تقریباً
چار ماہ پہلے میں نے تمہارے ہاں فون کیا تھا۔ میرا خیال تھا، تم سے رابطہ ہوگا تو دوائیں
جاری رکھنے کی ہدایت دوں گا مگر فون پر تمہاری ممّی سے بات ہوگئی۔"
وہ تیزی سے قریب آکر سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "کیا آپ نے
ممّی کو بتا دیا ہے؟"
"بتایا نہیں تھا۔ اب سوچ رہا ہوں، بڑی غلطی کی۔ بتا دینا چاہیے تھا۔"
"اوہ نو، ڈاکٹر انکل۔"
"بے وقوف لڑکی! ماں باپ سے کچھ نہ چھپاؤ۔"
"آپ نے ممّی سے کیا کہا تھا؟"
"صرف اتنا پوچھا تھا کہ دوائیں استعمال کر رہی ہو یا نہیں۔ انہوں نے پریشان ہو
کر پوچھا۔ کس قسم کی دوائیں؟ اسے کیا ہوگیا ہے؟ میں نے بات بنائی۔ نادرہ پڑھتی بھی
ہے اور کراٹے سینٹر بھی جاتی ہے۔ لہٰذا تھک جاتی ہے۔ میں نے تھکن دور کرنے
کے سلسلے میں دوائیں دی تھیں۔"
"نائس آف یو ڈاکٹر انکل۔ اب جیسا بھی علاج ہوگا، میں کراؤں گی۔ برابر دوائیں
کھاؤں گی۔ آپ جو کچھ کہیں گے وہی کروں گی۔"
"نہیں کرو گی تو دماغی مریضہ بن جاؤ گی۔ بہت جلد پاگل خانے بھیج دی جاؤ گی۔"

اس نے ایک پارٹیشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہاں جا کر لیٹ جاؤ۔
میں آرہا ہوں۔"
وہ کرسی سے اٹھ گئی۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پارٹیشن کے پیچھے جانے لگی۔ ساحرہ
ویٹنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے غصہ بھی آرہا تھا اور بے چینی بھی تھی۔ غصہ اس بات
پر آرہا تھا کہ وہ نادرہ سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی جب کہ وہ چھپا رہی تھی۔ بے چینی یہی تھی کہ
آخر وہ کیا چھپا رہی تھی؟
اس کے سامنے اور دائیں بائیں مریض آرام سے کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔
ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ ایک طرف چھوٹی سی میز کے پیچھے کاؤنٹر کلرک
بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آنے والے مریضوں کے نام لکھتا تھا اور ان کی باری کے مطابق انہیں
ڈاکٹر کے چیمبر میں بھیجتا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر کی مریضہ نے کہا "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہم اتنی دیر
سے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں اور وہ لڑکا باہر سے آیا اور سیدھا ڈاکٹر صاحب کے کمرے
میں چلا گیا۔ کیا ہم فیس نہیں دیتے ہیں؟ یا وہ لڑکا کوئی رشتے دار ہے؟"
کاؤنٹر کلرک نے پوچھا "آپ کس لڑکے کی بات کر رہی ہیں؟"
اس مریضہ نے ساحرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اے وہی، جو اس لڑکی کے
ساتھ ابھی آیا ہے۔"
ساحرہ نے ناگواری سے پوچھا "بڑی بی، کیا آنکھوں کا علاج کرانے آئی ہو۔ اگر نہیں تو
کرالو۔ میرے ساتھ آنے والا لڑکا نہیں، لڑکی ہے۔"
عورت نے بڑے تعجب سے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "اے، وہ لڑکی تھی۔ توبہ ہے۔
یہ لڑکیاں ایسے بال کٹواتی ہیں کہ پیچھے سے لڑکا ہی لگتی ہیں۔ اوپر سے پاجامہ اور ڈھیلی قمیص
پہن رکھی ہے۔"
کاؤنٹر کلرک نے کہا "باجی، یہ ایک خاص قسم کا لباس ہے۔ جوڈو کراٹے سیکھنے والے
ایسا لباس پہنتے ہیں۔"
"اے بھیّا، ایک جیسے لباس میں بھلا لڑکے اور لڑکیاں پہچانے کیسے جاتے ہیں؟"
ساحرہ نے جل کر کہا "آپ اس عمر میں لڑکوں کو پہچاننا کیوں چاہتی ہیں؟"
وہ خاتون ٹپٹا کر رہ گئیں۔ کچھ بولنا چاہتی تھیں، غصے سے بول نہ سکیں۔ ایک

صاحب نے فرمایا۔ "آج کل کی لڑکیوں کو بزرگوں سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔"
ساحرہ نے کہا۔ "اور بزرگوں کو بڑی تمیز ہے، خواہ مخواہ بچّوں پر تنقید کرتے ہیں۔ بال نہیں کٹوانا چاہیئے۔ کپڑے ایسے نہیں پہننا چاہئیں۔ لڑکے ہنسیں گے تو بدتمیز کہلائیں گے۔ لڑکیاں ہنسیں گی تو بے شرم کہلائیں گی۔ جواب میں کچھ کہا جائے گا تو نئی نسل کو منہ زور اور گمراہ کہا جائے گا۔ آپ لوگوں نے تو ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔"

جواب میں ایک اور شخص کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کاؤنٹر کلرک نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "پلیز، میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں، یہاں کسی موضوع پر بحث نہ کی جائے۔ آپ باہر جا کر ایک دوسرے کے دوست بھی ہو سکتے ہیں اور دشمن بھی۔ آپ ایک دوسرے کی نظروں میں جوان بھی ہو سکتے ہیں اور بزرگ بھی لیکن یہاں سب مریض ہیں۔ یہاں صرف دو ہی باتیں ہوتی ہیں۔ دُعا اور دوا۔ دُعا کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور دوا کے لئے ڈاکٹر صاحب کے۔ آپ کو اس سے زیادہ کچھ نہیں سوچنا اور سمجھنا چاہیئے۔"

وہ سب خاموش ہو گئے۔ بیمار لوگ کسی کے سمجھانے سے خاموش نہیں ہوتے۔ انہیں ان کی بیماری اور تھکن خاموش کر دیتی ہے۔ مریضوں کو ہانپتے اور خاموش ہوتے دیکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسانوں کو کس طرح کمزور بنا کر خاموش کرایا جا سکتا ہے۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لئے حالاتِ حاضرہ کے مطابق مرض کے مفہوم کو سمجھنا ہوگا۔

مرض کیا ہے؟

مرض ایک انجانا دشمن ہے۔ جو پہلے ایک وہم کی طرح انسان کے اندر چپکے چپکے رینگتا ہے۔

جب مرض کی تشخیص ہو جاتی ہے تو یہ انجانا دشمن نہیں رہتا۔ کھل کر سامنے آ جاتا ہے اور پھر دہشت بن جاتا ہے۔ جسم کے "قصبے" میں تخریب کاری شروع کر دیتا ہے۔ کہیں سے توڑتا ہے کہیں سے پھوڑتا ہے کہیں سے جلا دیتا ہے کہیں سے گلا دیتا ہے۔ دہشت گردی سے دہلا دیتا ہے۔ تب وہ اوپر سے ہانپنے لگتا ہے۔ بولنا چاہتا ہے، زیادہ بول نہیں سکتا۔ صرف اتنا ہی کہہ پاتا ہے "ڈاکٹر! ہتھیار دو۔ اس بیماری کو کچلنے کے لئے کوئی ہتھیار دو" اور جب دہشت گرد بیماری کے خلاف مناسب ہتھیار نہیں ملے گا۔ تو آدمی [illegible] تک تو بولے گا پھر تھک ہار کر خاموش ہو جائے گا۔ یہ موثر نسخہ ہے زبان بندی کا۔

نادرہ، ڈاکٹر کے کمرے سے آگئی۔ ساحرہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ مگر پاس آنے سے پہلے ہی وہ پھر کر ویٹنگ روم سے باہر آگئی۔ نادرہ اس کے پیچھے پیچھے آتے ہوئے بولی "سنو۔" وہ سُنی ان سُنی کر کے زینے سے اترتے ہوئے نیچے جانے لگی۔ نادرہ آوازیں دے رہی تھی مگر وہ نیچے آکر اس عمارت سے نکل کر فٹ پاتھ پر پہنچ گئی پھر سر گھما کر دیکھا جب نادرہ آتی ہوئی نظر آئی تو منہ پھیر کر آگے بڑھتے ہوئے کار کے پاس رک گئی۔ ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا، وہ سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ نادرہ نے آکر اسے دیکھا۔ ذرا سوچا پھر ڈرائیور سے کہا "تم گھر پہنچو، ہم آرہے ہیں۔"

ڈرائیور سلام کر کے چلا گیا۔ وہ اسٹیرنگ سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ دروازے کو بند کیا پھر عقب نما آئینے میں ساحرہ کو دیکھا۔ وہ منہ پھلائے بیٹھی ہوئی تھی "اللہ کتنی پیاری لگ رہی ہو۔"

وہ اپنی جگہ سے کھسک کر دوسری جگہ پہنچ گئی تاکہ نظر نہ آئے لیکن اس نے آئینے کا رُخ بدل دیا۔ وہ پھر نظر آنے لگی۔ نظریں جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اگر وہ دیکھتی تو آئینے میں نادرہ کے چہرے سے پریشانی صاف ظاہر تھی۔ اس کے باوجود اس نے بڑی محبت سے دیکھا، پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"آئینے میں ہم دونوں کے
چہرے لکھے ہیں، دیکھو تو"

وہ نہیں چاہتی تھی مگر بے اختیار نظریں اٹھ گئیں۔ آئینے میں اسے دیکھا تو دل پسیج گیا۔ نادرہ تھکی تھکی سی، خالی خالی سی لگ رہی تھی۔ اس کی پاس والی سیٹ خالی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ سے نکل کر اگلی سیٹ پر آگئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی "تم خود غرض ہو، بے مروت ہو۔ مجھے اپنا نہیں سمجھتیں۔ اب تک جانے مجھ سے کیا چھپاتی رہی ہو؟"

وہ جواباً خاموش رہی۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتی ہوئی شاہراہ پر آگئی۔ "کیا تم خاموش رہ کر سنجیدہ اور باوقار خاتون کہلانا چاہتی ہو؟"

وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے بولی۔ "ساحرہ! دو سہیلیاں کس حد تک ایک دوسرے کا ساتھ دے سکتی ہیں؟"

"آخری سانس تک۔"

"جذباتی نہ بنو۔ لڑکیاں شادی ہوتے ہی اپنے اپنے گھر کی ہو جاتی ہو۔"

وہ نادرہ کی طرف گھوم کر بولی "ہمیں ایسا نہیں کرنا ہے۔ ہم نے قسم کھائی ہے۔ ہم کسی ایسے گھر میں بیاہ کر جائیں گی جہاں دو سگے بھائی رہتے ہوں یا ایسے دوست ہوں جو ہم سہیلیوں کی طرح ایک دوسرے کو چاہتے ہوں، اگر وہ بھائی نہ ہوں۔ اگر وہ دوست نہ ہوں۔ اگر وہ ایک ہی گھر میں نہ رہتے ہوں تو ایسے جیون ساتھیوں کا انتخاب کرنا ہوگا جو بزنس پارٹنرز ہوں۔ ان کا مفاد ایک ہوگا۔ وہ کاروباری رشتے سے بندھے رہیں گے تو ہماری محبت کی قدر کرتے رہیں گے۔"

"یہ ہمارے خواب ہیں۔ ہم اپنے والدین کی دولت اور ان کے ذرائع سے بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن ہونی کبھی انہونی ہو جاتی ہے۔ ہم نے قسمیں کھا کر جو سوچا ہے، وہ اگر نہ ہو سکا تو؟"

ساحرہ نے تھوڑی دیر تک سوچا۔ پھر کہا "میں نے فلم سہیلی دیکھی تھی۔ اس فلم میں ایک سہیلی نے اپنے شوہر کو مجبور کیا تھا کہ وہ اس کی سہیلی سے شادی کر لے۔ میں بھی اپنے جیون ساتھی کو مجبور کروں گی اور تمہیں دلہن بنا کر لاؤں گی۔ تمہیں اُس گھر کی رانی بناؤں گی اور خود نوکرانی بن کر رہوں گی مگر تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

وہ مزارِ قائدِ اعظمؒ کے پچھلے راستے سے گزر رہی تھیں۔ نادرہ نے گاڑی کو ایک کنارے روک دیا۔ پھر اسٹیئرنگ کو تکتے ہوئے بولی "بے شک یہ دو سہیلیوں کی محبت کی انتہا ہے لیکن انتہا کی بھی انتہا ہوتی ہے۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں چند دنوں کی مہمان ہوں تو......؟"

ساحرہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی "میرا یقین کرو۔ تمہاری سہیلی نہیں رہے گی۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" ساحرہ پھٹ پڑی۔ اسے ایک دم سے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "تم جھوٹ بولتی ہو، بکواس کرتی ہو۔ اس ڈاکٹر نے ضرور تم سے کچھ کہا ہے۔ وہ غلط بھی کہہ سکتا ہے۔ اس کی تشخیص غلط ہو سکتی ہے۔ ابھی میرے ساتھ چلو...... میں کسی دوسرے ڈاکٹر سے معائنہ کراؤں گی۔ اس سے پوچھوں گی تمہیں کیا ہوا ہے۔ بتاؤ، تمہیں کیا ہوا ہے؟ چُپ کیوں ہو، بتاؤ۔ بتاتی کیوں نہیں ہو؟"

"کچھ بولنے دو تو بتاؤں۔"

وہ چُپ ہو گئی۔ اس کا منہ تکنے لگی۔ اس نے کہا "میں چار ماہ پہلے ڈاکٹر انکل کے پاس گئی تھی۔ انہوں نے میرا معائنہ کیا۔ پھر کہا۔ تشویش کی بات نہیں ہے۔ میں برابر دوائیں کھاتی رہوں گی اور ان سے کنسلٹ کرتی رہوں گی تو زندہ رہ سکوں گی ورنہ......"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اسے مکمل کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اُردو زبان میں 'ورنہ' ایک ایسا لفظ ہے جس کے بعد کا فقرہ ادائیگی کے بغیر بھی مکمل ہو جاتا ہے۔

ساحرہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "میں ایک بات جانتی ہوں۔ دنیا میں ہر بیماری کا علاج ہوتا ہے۔ سُنا ہے کینسر کا علاج بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ تم علاج کے لئے یو کے جا سکتی ہو۔ اسٹیٹ جا سکتی ہو۔ وہاں کے بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکٹروں کی فیس ادا کر سکتی ہو، وہاں کے اخراجات برداشت کر سکتی ہو۔ پھر میرا دل کہتا ہے، تمہیں وہم ہے، تمہیں کچھ نہیں ہوا ہے۔"

"خدا کرے یہ جھوٹ ہو۔"

"اگر سچ ہے تو کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولی "بعض اوقات کچھ نہیں ہوتا اور آدمی مر جاتا ہے۔ مرنے کے لئے کسی بیماری کا ہونا ضروری نہیں ہے۔"

ساحرہ نے کہا "میں بھی بیمار نہیں ہوں لیکن تمہاری طرح مرنے کا اعلان نہیں کر رہی ہوں۔ یہ بھلا کیا تک ہے؟"

"ڈاکٹر نے پیشگوئی کی ہے، میں زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ برس زندہ رہ سکتی ہوں۔"

وہ جل کر بولی "وہ ڈاکٹر ہے یا نجومی؟"

"دونوں ہی انسان کا ہاتھ دیکھتے ہیں۔ نجومی لکیریں دیکھتا ہے۔ ڈاکٹر نبض ٹٹولتا ہے۔"

ساحرہ نے ڈیش بورڈ پر گھونسا مارتے ہوئے کہا "لیکن دونوں پیشگوئیاں غلط بھی ہو جاتی ہیں۔"

وہ گھونسا مارنے کے بعد اپنے ہاتھ کو سہلانے لگی۔

"میں ابھی تمہارے گھر چلوں گی۔ انکل اور آنٹی کو بتاؤں گی۔ تمہیں کچھ ہو گیا ہے مگر کیا ہوا ہے، یہ تو ڈاکٹر بھی نہیں بتا رہا ہے۔"

"ڈاکٹر انکل آج ممی ڈیڈی سے بات کریں گے۔"

"پھر تو یقین ہے، وہ تمہیں علاج کے لئے باہر ضرور بھیجیں گے۔"

"کیا تم چاہتی ہو، میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں؟"

"میں تمہاری سلامتی چاہتی ہوں، اس کے لئے دو چار ماہ لگ سکتے ہیں۔ اگر زیادہ وقت لگا تو میں اپنی ممی اور پاپا سے کہوں گی، مجھے بھی تمہارے ساتھ بھیج دیں۔ ہمارے والدین چاہیں تو ہم لندن میں رہ کر ضرور اسٹڈی کر سکتے ہیں۔"

وہ گاڑی کی رفتار سست کرنے لگی۔ سامنے سڑک کے کنارے کاروں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ایک سپاہی ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے اور گاڑی کو قطار میں رکھنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ نادرہ نے گاڑی نہیں روکی۔ رفتار بڑھاتی ہوئی سیدھی سپاہی کی طرف جانے لگی۔ وہ بوکھلا کر ایک طرف ہٹتے ہوئے چیخ کر بولنے لگا "اے، اے گاڑی روکو۔ اے لاٹ صاحب کی بچی، ہم سمجھ لیں گے تمہیں۔۔۔۔۔۔"

وہ گاڑی تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی اُدھر آئی جہاں کچھ ٹریفک پولیس والوں کے ساتھ ان کے افسران بھی تھے۔ ایک افسر چھوٹی سی میز کے ساتھ ایک کرسی رکھے بیٹھا ہوا تھا۔ تمام گاڑیوں کے کاغذات باری باری چیک کر رہا تھا جن کے کاغذات مکمل نہیں تھے ان سے جرمانے کی رقم لی جا رہی تھی۔ نادرہ نے وہاں گاڑی روک دی۔ دو سپاہی دوڑتے ہوئے گاڑی کے پاس آئے پھر ایک نے ڈپٹ کر کہا "بی بی جی! اتنی لمبی لائن نظر نہیں آرہی ہے۔ پیچھے جاؤ اور اپنی باری سے آؤ۔"

نادرہ نے پوچھا "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

دوسرے نے چڑ کر کہا "اعمال نامہ دیکھا جا رہا ہے، اپنی گاڑی کے کاغذات نکال کر رکھو۔"

نادرہ نے معصومیت سے کہا "گاڑی کے کاغذات تو نہیں ہیں۔"

ڈانٹ کر پوچھا گیا "کیوں نہیں ہیں؟"

"ابھی تیار نہیں ہوئے ہیں۔"

"کیا سیدھی نیلام گھر سے آرہی ہو؟"

ٹریفک پولیس کے سارجنٹ نے آکر پوچھا "کیا بات ہے؟"

ایک سپاہی نے کہا "سر! ایک تو ان کے پاس گاڑی کے کاغذات نہیں ہیں۔

دوسرے سیدھی یہاں چلی آرہی ہیں۔"

سارجنٹ نے ناگواری سے نادرہ اور ساحرہ کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر انگلی کے اشارے سے کہا "لائسنس دکھاؤ۔"

نادرہ نے پھر معصومیت سے کہا "میں نے ابھی تک ڈرائیونگ لائسنس نہیں بنوایا ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا "اوہ، آپ نے لائسنس بنانے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ آپ کے والد صاحب یقیناً اتنے دولتمند ہوں گے کہ بغیر لائسنس گاڑی چلانے کے لیے یہاں کی سڑکیں خرید لی ہوں گی۔" پھر اس نے اچانک گرج کر کہا "باہر نکلو۔"

نادرہ نے اپنا پرس کھولا۔ اندر سو سو کے کئی نوٹ جھانک رہے تھے۔ پھر اس نے کہا "آفیسر! غصہ نہ دکھاؤ، ہم بہت جلدی میں ہیں۔"

اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا پھر مٹھی میں جتنے نوٹ آئے انہیں نکال کر دکھانے لگی۔ سارجنٹ کہتے کہتے ٹھٹھک گیا۔ اس نے چور نظروں سے دونوں سپاہیوں کو دیکھا پھر سخت لہجے میں نادرہ سے کہا "یہ۔۔۔۔۔۔ یہ کیا حرکت ہے؟"

"حرکت میں برکت ہے۔ قصہ ختم کریں۔ ہمیں جانا ہے۔"

وہ سیدھا ہو کر افسرانہ شان سے کھڑا ہو گیا۔ ادھر اُدھر محتاط نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر پلٹ کر جاتے ہوئے ایک کانسٹیبل کے پاس رُک گیا۔ اس کے سامنے پانچ انگلیوں کو ملا کر کھولتے ہوئے کہا "اس سے کم نہ ہوں، نہ مانے تو لٹکا دینا۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا میز کے پاس آیا پھر بڑبڑانے لگا "یہ رئیس زادیاں اپنے باپ کی سڑک سمجھتی ہیں۔"

میز پر جھک کر لکھنے والے افسر نے سر اٹھا کر پوچھا "کیا کہہ رہے ہو؟"

"وہ گاڑی دیکھو، ان چھوکریوں کے پاس حسن کا پاسپورٹ ہے مگر ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہے۔"

کرسی پر بیٹھا ہوا آفیسر گاڑی کی طرف دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا "ارے غضب ہو گیا۔ یہ تو ہمارے سینئر آفیسر کی صاحبزادی ہیں۔ مس نادرہ۔"

افسران ایسا ہی سوچتے ہیں۔ بھلا اخبار وخبار کی کیا ضرورت ہے، میرے علاقے میں ایک ہفتہ پہلے ایک قتل ہو گیا تھا۔ قاتل ابھی تک پکڑا نہیں گیا۔ اس کے باوجود محلے کی فلاحی تنظیموں نے میری حمایت میں بیان دیا ہے۔"

اس کا آخری فقرہ حقے کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ گڈمڈ ہو گیا۔ چوہدری صاحب نے کش لے کر دھواں چھوڑنے کے بعد پوچھا "کس نے دھیان دیا ہے؟"

"جی دھیان نہیں، بیان دیا ہے۔"

"اوہ اچھا، اچھا۔ تم تو پرانے گھاگ ہو۔ کوئی ڈمی قاتل پکڑ لیا ہو گا۔"

"سر جی! ایسا تو کرنا پڑتا ہے۔ اس کے دو فائدے ہیں، ایک تو اخبار والوں کو چپ لگ جاتی ہے۔ دوسرے اصل قاتل خوش فہمی میں مبتلا ہو کر سوچتا ہے کہ پولیس والے دھوکا کھا گئے۔ وہ ذرا کھل کر اپنی پناہ گاہ سے نکلتا ہے، پھر کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی ایسی غلطی کر بیٹھتا ہے کہ ہمارے جوتوں تلے آجاتا ہے۔"

نئے افسر نے حیرانی سے کہا "مگر جناب، وہ ڈمی قاتل تو مفت میں پکڑا جاتا ہے۔ خوامخواہ بدنام ہوتا ہے، اپنے گھر والوں سے دور حوالات میں رہتا ہے اور اپنے روزگار سے بھی جاتا ہے۔ اس کی عزت بھی دو کوڑی کی ہو جاتی ہے۔"

"ایسا تو ہوتا ہی ہے، شیر کا شکار کرنے کے لئے بکرے کو باندھنا پڑتا ہے۔"

چوہدری عنایت علی شاہ نے دھواں چھوڑنے کے بعد ذرا ناراض ہو کر کہا "تینوں کتنی وار سمجھایا اے، حقے نال آواز نہ ملایا کر۔ کیا بول رہے ہو۔ جلدی بولو۔"

"سر جی! میں آپ کے نئے افسر کو سمجھا رہا ہوں۔"

"تو باہر جا کر سمجھاؤ، میرا وقت ضائع نہ کرو۔"

اسی وقت نادرہ اور ساحرہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے چوہدری عنایت علی شاہ کو دیکھا، پھر مسکراتے ہوئے، ہاتھ ہلاتے ہوئے باری باری کہا۔

"ہیلو ڈیڈ۔ ہیلو انکل۔"

چوہدری صاحب نے ہنستے ہوئے کہا "اچھا، تم دونوں مجھے ہیلو کہتی ہو اور ممی اور آنٹی کو السلام علیکم۔"

ساحرہ نے کہا "آپ انگریزی بولتے ہیں اور آنٹی اردو۔"

نادرہ نے کہا "اور امی نماز پڑھتی ہیں۔ آپ نہیں پڑھتے۔"

ساحرہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "اوہ گاڈ، عصر اور مغرب کی نماز نکل گئی۔"

"تو کیا ہوا، عشاء کی پڑھ لیں گے۔"

"تم یہی کہہ کر میری نمازیں چھڑاتی ہو۔"

نادرہ اسے کھینچ کر لے جانے لگی۔ چوہدری صاحب نے کہا "ڈاکٹر شیرازی کا فون آیا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ از دیئر اینی پرابلم؟"

"نتھنگ ڈیڈ، اگزیکٹلی نتھنگ۔ آئی ایم آل رائٹ۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹی کے قریب آئے۔ پھر انہوں نے پوچھا "ڈاکٹر بار بار اصرار کر رہے ہیں کہ کل صبح تک تجھے ان سے ملنا چاہئے۔"

اس نے فوراً ہی باپ سے نظریں چرا لیں۔ ساحرہ کو دیکھا۔ پھر جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا "ڈاکٹر انکل کا کوئی پرسنل کام ہو گا۔"

"ہرگز نہیں۔ انہوں نے تاکید کی ہے، میں تمہاری ماں کے ساتھ ان سے ملنے جاؤں۔"

نادرہ نے فوراً ہی منہ پھیر لیا۔ تیزی سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ انہوں نے ساحرہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ساحرہ نے پریشان ہو کر اس دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے سہیلی گزر کر گئی تھی۔ پھر اس نے چوہدری انکل کو دیکھا۔ اس کے بعد پلٹ کر دوڑتی ہوئی اسی دروازے سے گزر کر نادرہ کے پیچھے چلی گئی۔ شاہ جی کا ماتھا ٹھنکا۔ دونوں لڑکیوں نے جس طرح پریشانی اور گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا تھا اور جس طرح نظریں چرا کر بھاگ گئی تھیں، اس سے صاف پتا چلتا تھا، نادرہ نے کوئی سنگین غلطی کی ہے۔ ایسی غلطی جو والدین کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑتی۔

انہوں نے گھوم کر ماتحت افسروں کو دیکھا۔ پھر کہا "پلیز آپ جائیں، میں مصروف ہوں۔"

وہ پاؤں پٹختے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں پہنچے۔ وہاں ان کی بیگم دونوں لڑکیوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے گرج کر کہا "میں تم دونوں لڑکیوں سے پوچھ رہا ہوں۔ سچ سچ بتاؤ، کیا بات ہے۔ میں پولیس کا آدمی ہوں، بڑے

بڑے مجرموں کو ان کی آنکھیں دیکھ کر پکڑ لیتا ہوں۔ نادرہ تم مجھ سے کچھ چھپا نہیں سکو گی۔ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔"

بیگم نے حیرانی سے پوچھا "آخر ایسی کیا قیامت آگئی ہے کہ آپ لال پیلے ہو رہے ہیں؟"

انہوں نے بیگم کو ڈانٹ دیا۔ "یو شٹ اپ۔"

نادرہ نے کہا "ڈیڈ! آج پہلی بار آپ پولیس افسر بن کر باتیں کر رہے ہیں اور میں نے بچپن سے اپنے باپ کو پولیس افسر بنتے نہیں دیکھا۔ بے شک، آپ بھاگنے والے مجرموں پر گولی چلاتے ہوں گے۔ میں آپ کے سوالوں کا جواب دیئے بغیر اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ ہو سکے تو گولی مار دیجئے۔"

وہ ساحرہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے زینے پر جانے لگی۔ زینے کے اوپری حصے پر پہنچ کر ساحرہ نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ پھر پلٹ کر چوہدری انکل کو دیکھتے ہوئے بولی "مجھے یہ سوچ کر شرم آ رہی ہے کہ آپ نے بیٹی پر شبہ کیا۔ یو ہیو ٹو سے سوری فار دیٹ۔"

نادرہ نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ دونوں زینے کے اوپری حصے میں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ شاہ جی کو ندامت سی ہوئی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ جو سمجھ رہے ہیں، بات وہ نہیں ہے۔ کچھ اور ہے مگر کیا ہے؟

انہوں نے بیگم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ بیگم نے طنزیہ انداز میں کہا "میں جانتی ہوں، آپ پولیس والے ہیں۔ آپ آنکھیں دیکھ کر مجرم کو نہیں پکڑتے۔ آنکھیں دکھا کر بے گناہوں کو پکڑ لیتے ہیں۔"

وہ بیگم سے نظریں چرا کر ٹیلیفون کے پاس آئے۔ ریسیور اٹھا کر اس کے کریڈل کو کھٹکھٹانے لگے۔ بیگم نے کہا "ڈاکٹر شیرازی نے آج ہی ملنے کے لئے کہا تھا۔ آپ نے ہی معذرت چاہی تھی۔ کہہ دیا تھا فرصت نہیں ہے۔ چوبیس برس میں کبھی آپ کو میرے لیے فرصت نہیں ملی۔ بیٹی کے لیے تو وقت نکالنا چاہیئے تھا۔ جو بات آپ اس سے معلوم کرنا چاہتے تھے، وہ بہ آسانی ڈاکٹر سے معلوم ہو سکتی ہے۔"

وہ کان سے ریسیور لگائے کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے کہا "ہیلو ساحرہ؟

ریسیور نادرہ کو دو۔"

وہ ذرا چپ ہوئے۔ پھر بیٹی کی آواز سنائی ——— "ہیلو ڈیڈ۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولے "وہ بیٹے! وہ بات یہ ہے کہ تمہارا باپ بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس عمر میں عقل کم ہوتی ہے۔ غصہ زیادہ آتا ہے۔ سو.... سوری بیٹے۔"

نادرہ کی ہنسی سنائی دی۔ "ڈیڈ! ایک بات کہوں۔ آج آپ کا غصہ دیکھ کر پتا چلا، باپ کیسے ہوتے ہیں۔ اگر ایسے ہوتے ہیں تو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ بے جرم ہی سہی، بیٹیاں ڈانٹ کھانا چاہتی ہیں اور آپ نے مجھے اس حق سے محروم کر رکھا تھا۔ یہ اچھا نہیں کیا تھا۔ آئندہ میرا حق ادا ہونا چاہیئے۔ او کے ڈیڈ۔"

"او کے مائی چائلڈ۔" انہوں نے ریسیور رکھ کر ٹیلیفون ڈائرکٹری کو کھولا۔ پھر اس کے اوراق اِدھر اُدھر الٹنے لگے۔ بیگم نے پاس آکر ریسیور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کیے۔ پھر ذرا انتظار کے بعد بولی "ہیلو ڈاکٹر شیرازی!"

شاہ جی ورق الٹتے الٹتے ٹھٹک گئے، چونک کر بیگم کو دیکھا۔ پھر جھنجلا کر ٹیلیفون ڈائرکٹری پٹخ دی۔ ریسیور بیگم سے چھین کر کان سے لگاتے ہوئے بولے۔ "ہیلو ڈاکٹر!"

جواب ملا "ہولڈ آن کریں۔"

وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتے رہے۔ پھر ڈاکٹر شیرازی کی آواز سنائی دی "ہیلو۔"

"ہیلو ڈاکٹر، میں چوہدری عنایت علی شاہ بول رہا ہوں۔"

"اوہ شاہ جی! آپ کو تو کل صبح آنا تھا۔"

"ڈاکٹر، آپ صبح کی بات کر رہے ہیں۔ ہماری نیند اڑ چکی ہے۔ پلیز، چند لفظوں میں بتائیے۔ کیا اسے کوئی تشویش ناک مرض لاحق ہو گیا ہے۔"

"وہ صحت مند ہے۔ فی الحال کوئی بیماری نہیں ہے، لیکن وہ غیر یقینی حالات سے گزر رہی ہے۔"

"کیسے حالات؟ پلیز، آپ وضاحت کریں۔"

"دیکھئے، یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے، فون پر سمجھانا مشکل ہے۔ آپ کو تفصیل سے بتانا ہوگا۔ غیر یقینی حالات سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی وقت بھی دماغی مریضہ بن سکتی ہے۔"

"اوہ نو...."

"میں جو کہہ رہا ہوں، اسے گرہ میں باندھ لیجئے۔ اس کا علاج توجہ سے کرنے کے لئے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ نادرہ کے پاؤں تلے بارود بچھی ہوئی ہے۔ کسی وقت بھی زبردست دھماکہ ہوگا پھر شاید وہ زندہ رہ سکے مگر زندوں کی طرح نہ رہ سکے۔"

"ڈاکٹر، کیا آپ چیمبر میں ہیں؟"

"میں گھر میں ہوں۔"

"پلیز، آپ انتظار کریں۔ ہم ابھی آرہے ہیں۔"

"میں انتظار کر رہا ہوں۔ آپ سہولت سے آئیں۔ میں نے جو کہا ہے، وہ اس بات پر زور دینے کے لئے کہ علاج توجہ سے ہونا چاہیئے۔ اگر سائیکلوجیکل ٹریٹمنٹ ہوتا رہے گا تو وہ دماغی مریضہ نہیں بنے گی۔ وہ بہت دلیر اور زندہ دل لڑکی ہے، میں منتظر ہوں، آپ بھابی کے ساتھ آجائیے۔"

انہوں نے ریسیور رکھ کر بیگم سے کہا۔ "چلو۔ ابھی ڈاکٹر سے ملنا ضروری ہے۔"

وہ ایک کمرے کی طرف جانے لگیں۔ انہوں نے پوچھا۔ "کہاں جارہی ہو؟"

"میں اپنی شال تو لے لوں۔"

"میں تمہیں مری یا سوات نہیں، ڈاکٹر کے پاس لے جارہا ہوں۔ شال کی کوئی ضرورت نہیں ہے چلو۔"

وہ ان کے پیچھے جاتے ہوئے بولیں۔ "آپ تو کچھ زیادہ ہی بدحواس لگ رہے ہیں۔ ہماری بچی پر پنجتن پاک کا سایہ ہے۔ ویسے ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔ کچھ مجھے بھی بتاتے چلیں۔"

نادرہ اور ساحرہ زینے کے اوپری حصے پر کھڑی انہیں جاتے دیکھ رہی تھیں۔ جب وہ چلے گئے تو ساحرہ نے کہا۔ "ڈاکٹر نے جو کہا، وہ ہمیں سننا چاہیئے تھا۔"

"فون پر دوسروں کی باتیں سننا اچھی بات نہیں ہے۔"

"بات دوسروں کی نہیں، تمہاری ہو رہی تھی۔ میں محسوس کر رہی ہوں، تم صرف میرے لئے مسکرا رہی ہو ورنہ کئی بار دیکھ چکی ہوں، میری بات سنتے سنتے یا خود کہتے کہتے کہیں گم ہو جاتی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے کمرے میں آگئیں۔ ساحرہ کو یوں لگ رہا تھا۔ جیسے سہیلی نے سب کچھ بتا دیا ہو مگر کچھ نہ بتایا ہو۔ اس نے فون بھی سننے نہیں دیا تھا۔ یقیناً وہ کچھ چھپانا چاہتی تھی۔ اس نے جذباتی انداز میں کہا تھا۔ چند دنوں کی مہمان ہے مگر بات بات پر ایسے مسکراتی تھی جیسے کوئی بات نہ ہو، یعنی بتانے کو تو کچھ بتا دیا تھا اور جو نہیں بتانا چاہیئے تھا اسے چھپانے کے لئے اپنی مسکراہٹوں سے بہلا رہی تھی۔

وہ باتھ روم سے وضو کر کے آئی۔ پھر اس نے تولیے سے چہرے اور ہاتھوں کو خشک کرتے ہوئے پوچھا۔ "نماز نہیں پڑھوگی؟"

"تمہیں تو معلوم ہے، میں چیک اپ کے لئے گئی تھی۔"

"تو؟" ساحرہ اسے حیرانی سے دیکھنے لگی۔

"تو کچھ نہیں۔ تم پڑھ لو۔"

وہ بستر پر گر پڑی۔ چاروں شانے چت ہو کر، دونوں ہاتھ پھیلا کر چھت کو تکنے لگی۔ ساحرہ اسے تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی، پھر میز پر سے جا نماز اٹھا کر فرش پر بچھائی۔ سر جھکا کر کھڑی ہوئی۔ نماز کی نیّت کی۔ پھر پڑھنا شروع کیا۔ اس نے دل ہی دل میں ایک اور نیت کی تھی کہ نفل نماز صرف اپنی سہیلی کی صحت مندی اور سلامتی کے لئے پڑھ رہی ہے۔

وہ بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ چہرے کی تازگی میں فرق آگیا تھا۔ ساحرہ کے سامنے وہ اسی لیے مسکراتی تھی کہ فرق محسوس نہ ہو۔ کسی کے لئے یہ بہت بڑی سزا ہے کہ وہ اندر سے ٹوٹ رہا ہو اور اوپر سے مسکرانے پر مجبور ہو رہا ہو مگر کوئی کتنی دیر تک جبراً مسکرا سکتا ہے۔ اندر سے لبالب بھرا ہو تو خود کو چھلکنے سے کب تک روک سکتا ہے۔ کوئی دوسری ہوتی تو اب تک آنکھیں چھلک پڑتیں۔ وہ بہت ہی سخت اور مستقل مزاج تھی۔ چاہے وہ کیسی ہی بات ہو، وہ اسے دماغ پر مسلّط نہیں کرتی تھی۔

سچائی کڑوی ہو اور نقصان پہنچاتی ہو تو اس کا زیادہ اثر نہ لینا اچھی بات ہے لیکن اس سے سچائی بدل نہیں جاتی۔ وہ اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور رہ رہ کر سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی لیے وہ ساحرہ کی موجودگی میں ہنستے بولتے رہنے کے دوران بے اختیا

سوچنے لگتی تھی۔ اس نے کتنی بار سوچا، ساحرہ تھوڑی دیر کے لئے کہیں چلی جائے۔ اسے
تنہا چھوڑ دے مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ آخر عشاء کی نماز نے یہ مشکل آسان کر دی تھی۔
وہ نماز کے بعد دونوں ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہی تھی۔ اسی وقت اپنی مم کی آواز
سنائی دی۔ "ساحرہ! کیا ابھی نماز نہیں ہوئی؟"

وہ آواز دیتی ہوئی اندر آگئیں۔ نادرہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں
نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی، جی ہاں، بالکل ٹھیک ہوں۔"

"کیا ٹھیک ہو؟ چہرہ اترا ہوا ہے۔ بیمار بیمار سی لگ رہی ہو۔"

"آنٹی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

ساحرہ جاء نماز پر دو زانو بیٹھی دعا مانگ رہی تھی اور سوچتی بھی جا رہی تھی۔ اگر مم
کہتی ہیں کہ نادرہ کا چہرہ اترا ہوا ہے اور وہ بیمار بیمار سی لگ رہی ہے تو یہی ہو گا۔ میری
سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھ سے کچھ نہ چھپانے والی آج کیا چھپا رہی ہے؟

اس کی مم نے پوچھا۔ "بیٹی، تمہاری ممی اور ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"کہیں باہر گئے ہیں، ابھی آجائیں گے۔"

ساحرہ نے سوچا۔ "یہ صاف کیوں نہیں کہتی کہ ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں۔ کیا میری مم اور
پاپا سے بھی یہ بات چھپائی جائے گی؟ یا خدا! یہ اتنی پُراسرار کیوں بن گئی ہے؟ یہ میرے
پوچھنے پر سب کچھ بتاتی ہے مگر اصل بات کہیں اٹک جاتی ہے، یا اللہ، اس کی مشکلوں
کو آسان کر دے۔ اسے توفیق دے کہ مجھ پر اعتماد کر سکے۔"

وہ تھوڑی دیر تک دعا مانگتی رہی پھر اس نے منہ پر ہاتھ پھیر کر جاء نماز سامنے
سے الٹ دی۔ سر گھما کر پہلے مم کو سلام کیا۔ پھر سہیلی کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔
نادرہ نے بات کرنے کے بہانے اس سے نظریں چرا کر مم سے کہا۔ "آپ ساحرہ سے
باتیں کریں۔ میں غسل کرنے جا رہی ہوں۔"

انہوں نے کہا۔ "میرے ہاں کھانا لگ رہا ہے اور تم غسل کرنے جا رہی ہو؟"

ساحرہ نے ناراضگی سے سہیلی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "مم، یہ بھول گئی ہے کہ رات کا کھانا
ہمارے ہاں کھاتی ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔ مگر نہیں کھاؤں گی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آج تم اپنی مم اور
پاپا کے ساتھ کھا لو۔"

"شکریہ، مجھے بھوک لگے گی تو کھا لوں گی۔ چلیے مم۔"

وہ فوراً پلٹ کر تیزی سے چلتے ہوئے دروازے کے پاس گئی۔ پھر رک گئی مگر پلٹ
کر سہیلی کو نہیں دیکھا۔ جب مم قریب آئیں تو ان کے ساتھ چلتے ہوئے زینے سے
اترتے ہوئے جانے لگی۔ اب اس کی چال سست پڑ گئی تھی۔ سوچ رہی تھی، نادرہ ضرور
آواز دے گی اور کہے گی، رک جاؤ۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے ساتھ کھانا نہ کھایا ہو
یا ساتھ بھوکی نہ رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں، تم میرے بغیر نہیں کھاؤ گی۔ ٹھہرو، میں آ رہی ہوں۔

وہ سوچتی رہی۔ زینے سے اترتی رہی۔ پھر اس ٹی وی لاؤنج سے گزر بھی گئی مگر نادرہ نے
آواز نہیں دی۔ وہ ساحرہ کے جاتے ہی دوڑتے ہوئے بیڈ روم میں آئی۔ کمرے کے
دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر شاور کو پوری طرح کھول دیا۔ پانی کی تیز پھواروں میں
بھیگنے لگی۔ سردی کا موسم تھا مگر بدن کے شہر میں گرم ہوا چل رہی تھی۔ شاور کا پانی اس
کے چہرے کو تر بتر کر رہا تھا۔ آنکھوں میں بھر رہا تھا۔ نتھنوں میں سرسراہٹ پیدا کر رہا
تھا۔ اپنی ٹھنڈک کے ساتھ چہرے سے اتر کر گردن کو گدگدا رہا تھا اور تمام جسم پر دھیرے
دھیرے میٹھی سرگوشیوں کی طرح رینگتا جا رہا تھا۔ اسے ایسی ٹھنڈک، ایسا سکون مل رہا
تھا کہ وہ کپڑوں سمیت بھیگتی جا رہی تھی۔

بڑے سے آہنی گیٹ کے کیبن کے سامنے دو رائفل بردار سپاہی کھڑے ہوئے
تھے۔ بڑے صاحب کی گاڑی دیکھتے ہی الرٹ ہو گئے۔ ایک نے آگے بڑھ کر گیٹ کو
کھول دیا۔ گاڑی اس پھاٹک سے گزرتے ہوئے کوٹھی کے پورچ میں آکر رک گئی۔
چوہدری عنایت علی شاہ اپنی بیگم کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک
سپاہی نے آکر سلام کیا۔ پھر اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ شاہ جی نے کہا۔ "تم جاؤ۔"
سپاہی چلا گیا۔ انہوں نے بیگم کی طرف گھوم کر کہا۔ "جیسا سمجھایا ہے، ویسا ہی کرنا۔
تم یہ بات اپنے میکے والوں سے بھی نہیں کہو گی۔"

"میں راستے بھر یقین دلاتی آ رہی ہوں مجھے اپنی بیٹی عزیز ہے۔ کیا میں اس کی بات
کسی اور سے جا کر کہوں گی۔"

"میں بار بار اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مرد بھی ہوتے ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ بیٹی کو تو سمجھانا ہوگا۔ وہ ہر اچھی بُری بات ساحرہ کو نہ بتایا کرے۔"

"میں یقین سے کہتی ہوں، اس نے یہ بات نہیں بتائی ہوگی۔"

"خدا کرے، نہ بتایا ہو۔"

وہ کار سے اتر کر برآمدے سے گزرتے ہوئے کوٹھی کے بیرونی دروازے سے داخل ہوئے۔ ایک ملازم ادب سے سر جھکائے کھڑا ہوا تھا۔ بیگم نے کہا۔ "آیا اور گک سے کہو اپنے کوارٹر میں جائیں۔ تم باہر رہو اور خیال رکھو، کوٹھی کے اندر کوئی نہ آئے۔"

"باہر سیکیوریٹی گارڈ سے بھی کہہ دو۔ کوئی ملنے آئے تو کہہ دینا، ہم نہیں ہیں۔"

وہ جانے لگا۔ بیگم نے پوچھا "کیا ساحرہ موجود ہے۔"

"جی نہیں۔ ان کی والدہ آئی تھیں۔ انہیں اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔"

دونوں نے مطمئن ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر وہاں سے چلتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں آئے۔ نادرہ زینے کے اوپری حصے پر کھڑی ہوئی تھی۔ ایک تولیے سے گیلے بالوں کو خشک کر رہی تھی۔ ماں باپ اسے دیکھتے ہی جہاں تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ وہ دُور سے بیٹی نہیں، بیٹا لگ رہی تھی۔ سر کے بال چھوٹے چھوٹے تھے۔ ماں نے کئی بار اعتراض کیا مگر وہ یہ کہہ کر ٹال دیتی تھی، "ابھی بال نہیں بڑھا سکتی۔ مجھے بلیک بیلٹ حاصل کرنا ہے۔ بال بڑھے ہوں تو اسٹیپنگ اور جوگنگ کے وقت منہ پر آتے ہیں۔ سر پر پٹی باندھنا پڑتی ہے۔"

بیٹی اور والدین کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ وہ بلندی پر کھڑی ہوئی تھی۔ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ان کے دیکھنے کا انداز بھی جوابی تھا۔ جب کوئی راز مشترک ہو جائے تو زبان سے کہنے سننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

وہ انہیں دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ زینے سے اترتے ہوئے نیچے یوں آنے لگی جیسے پہلی بار اپنے والدین کے پاس آ رہی ہو۔ یہی انداز ماں باپ کا تھا۔ وہ بیٹی کو جیسے پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ شاہ جی تو اپنی جگہ پتھر کا بُت بن گئے تھے۔ بیگم زینے کے نچلے حصے میں آئیں۔ ماں بیٹی ایک دوسرے کے سامنے ہو گئیں۔ ایک دوسرے

کو تکنے لگیں۔ پھر ماں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کے چہرے کو چھو لیا۔ اس کے گلاب جیسے خوبصورت مکھڑے کو ہتھیلیوں میں سجا لیا۔ تب نادرہ نے بڑے درد اور کرب سے پوچھا "ممّی! اب آپ کی یہ بیٹی نہیں رہے گی؟"

ماں نے تڑپ کر اسے اپنی طرف کھینچا اور گلے سے لگا لیا۔ بیٹی کے سینے میں دردمند دل تھا۔ مگر رونے والی آنکھ نہیں تھی۔ مائیں تو رونے کا بہانہ ڈھونڈتی ہیں، بیٹی کو کلیجے سے لگاتے ہی رونا آ گیا۔ وہ آنسو بھری آنکھوں سے کہنے لگیں "مجھے رونا نہیں چاہئے مگر جانے کیوں رونا آ رہا ہے۔ خدا جو کرتا ہے، اچھے کے لئے کرتا ہے، ہم صرف تمہارے لیے فکرمند ہیں۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔"

"کیسے نہ کریں۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا، تم نے حوصلے سے کام نہ لیا تو ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جاؤ گی۔"

شاہ جی نے بڑی دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔ "بیٹے، تمہیں ہر حال میں فرسٹریشن سے بچنا ہے۔ تم پہلے بھی اس گھر میں بیٹے کی طرح رہی ہو۔ ہمارے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صرف اتنا بتا دو، ان حالات میں تم اپنے گھر، اپنے ماحول، اپنی سوسائٹی اور اپنی دنیا کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ ماں سے الگ ہوئی پھر باپ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے بولی۔ "مجھے اندازہ ہے۔ جب یہ بات ہمارے رشتہ داروں کو معلوم ہوگی تو وہ میرے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کریں گے۔"

"میں ایسے رشتے داروں سے ہمیشہ کے لئے ناتا توڑ لوں گا۔"

"بات آپ کے ناتا توڑنے کی نہیں، میرے احساسات کی ہے۔ ڈاکٹر انکل کو اور آپ کو پریشانی یہ ہے کہ لوگوں کے رویّے سے میں کیا محسوس کروں گی۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں۔ میری ایک خواہش پوری ہو جائے تو میں دنیا کی پروا نہیں کروں گی۔ میں ذہنی انتشار میں مبتلا نہیں ہوں گی۔"

"ہم تمہاری بڑی سے بڑی خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بس تم حوصلے سے کام لو۔"

"میں نے کہا نا، مجھ میں بڑا حوصلہ ہے۔ جب یہ بات کھلے گی تو میری سہیلیاں مجھ سے شرمائیں گی، مجھ سے دور رہیں گی۔ میری سوسائٹی کے لڑکے مجھ پر طرح طرح کے تبصرے کریں گے۔ اخبار والے ہمارے پیچھے پڑ جائیں گے اور کیا کچھ ہو گا، وہ ہم اتنا نہیں جانتے جتنا اس وقت ہمارے سامنے پیش آئے گا۔ میں پھر کہتی ہوں، مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ ہاں یہ فکر ہے کہ ساحرہ مجھ سے دور نہ ہو جائے۔"

ماں باپ نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ اب تک ساحرہ کو بھولے ہوئے تھے۔ ماں نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا تم نے ساحرہ کو بتا دیا ہے؟"

نادرہ نے انکار میں سر ہلایا۔ "مجھے بتانے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ وہ پوچھتی رہی اور میں باتیں بناتی رہی۔"

باپ نے کہا۔ "یہ تم نے اچھا کیا۔ ابھی اس سے کچھ نہ کہنا۔ ہمیں اس مسئلے پر خوب سوچنا سمجھنا چاہیے۔"

وہ زینے کے پاس آ کر رک گئی۔ پھر بولی۔ "ممی! ڈیڈ! آپ میرے لیے پریشان ہیں مگر میں ساحرہ کے لئے بہت پریشان ہوں۔"

وہ زینے پر چڑھتے ہوئے اوپر جانے لگی۔ ماں نے پوچھا۔ "اس کے لئے کیا پریشانی ہے؟"

وہ اوپر چڑھتے چڑھتے رک گئی۔ پھر بولی۔ "ہو سکتا ہے جب اسے حقیقت معلوم ہو تو وہ مجھ سے دور ہونے لگے۔"

"وہ تمہیں بہت چاہتی ہے۔ تم پر جان دیتی ہے۔ تمہیں ہر حال میں قبول کرے گی۔"

وہ اوپر چڑھتے چڑھتے پھر رک گئی۔ "ہو سکتا ہے، وہ مجھے قبول کر لے کیا اس کے والدین، اس کے رشتے دار بھی مجھے قبول کریں گے؟"

ممی اور ڈیڈ کوئی جواب نہ دے سکے۔ وہ زینے پر چڑھتی ہوئی اوپری حصے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بولی۔ "میں نے ابھی کہا تھا، میری ایک خواہش پوری ہو جائے تو کبھی ذہنی انتشار میں مبتلا نہیں ہوں گی۔"

ماں نے پوچھا۔ "بولو، کیا چاہتی ہو؟"

اس نے پہلے تو خاموش نظروں سے انہیں دیکھا پھر کہا۔ "میں ساحرہ سے شادی

کروں گی۔"

بیگم نے چونک کر شاہ جی کو دیکھا۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر زینے کے اوپری حصے کو دیکھا۔ وہاں بیٹی نہیں تھی۔ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ وہ پاؤں پٹختے ہوئے اِدھر سے اُدھر گئے پھر بولے۔ "یہ کیا بکواس ہے۔"

"اس میں بکواس کیا ہے۔ جب وہ ہماری بیٹی نہیں، بیٹا ہو گا تو ایک دن بہو کو لانا ہی ہو گا۔ ڈاکٹر نے یقین سے کہا ہے، اگر مسلسل علاج ہوتا رہا، اس پر توجہ دی جاتی رہی تو ایک آپریشن کے بعد وہ بیٹا، بیٹا......"

وہ بیٹا بیٹا کہہ کر رہ گئیں۔ آگے کچھ نہ کہہ سکیں۔ آنکھوں میں اور دل میں آنسو بھر گئے تھے۔ انہوں نے دوپٹے کے آنچل میں منہ کو چھپایا۔ پھر کرسی پر بیٹھ کر بے اختیار رونے لگیں۔ شاہ جی نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا ہو گیا؟"

وہ روتے ہوئے بولیں۔ "مائیں اپنی بیٹیوں کو دلہن بنا کر رخصت کرتی ہیں۔ میں نہیں کر سکوں گی۔ میری حسرتیں دل ہی میں رہ جائیں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ بیٹا ملے گا مگر بیٹی گم ہو جائے گی۔ وہ اپنی ہستی مٹا کر ہمیں ایک بیٹا دے رہی ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ شاہ جی کا سر جھک گیا تھا۔ انہیں بیٹی سے بے انتہا محبت تھی۔ گھر میں بیٹا ہو تو کسے خوشی نہیں ہوتی مگر یہ خوشی بیٹی کے نابود ہونے سے ملنے والی تھی۔

ٹی وی لاؤنج کے سناٹے میں رہ رہ کر سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ ایک ماں اپنی بیٹی کی خیالی میت پر آنسو بہا رہی تھی۔

ڈائری کھلی ہوئی تھی۔ وہ سوچتی جا رہی تھی اور لکھتی جا رہی تھی۔

"آج سے چار ماہ پہلے میں نے پہلی بار تکلیف محسوس کی۔ ڈاکٹر انکل کے ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ اس نے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد کہا۔" بی بی! تمہارا کیس غیر معمولی لگتا ہے۔ تمہیں ڈاکٹر شیرازی سے وقت لینا ہوگا۔"

"ڈاکٹر شیرازی میرے انکل ہیں۔ میں ابھی ان سے ملاقات کر سکتی ہوں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے فون کے ذریعے شیرازی سے رابطہ قائم کیا۔ میرے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا۔" کوئی غیر معمولی بات ہے تو آجاؤ۔"

میں لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ ڈاکٹر انکل کے چیمبر میں گئی لیکن لیڈی ڈاکٹر نے مجھے باہر بیٹھنے کے لئے کہا۔ خود اندر جا کر رپورٹ دیتی رہی پھر ڈاکٹر انکل نے مجھے بلا کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس کے بعد سمجھانے لگے۔" انسان اکثر مختلف صورتوں میں تبدیلیوں سے گزرتا ہے جیسے وہ پیدائش کے وقت ہوتا ہے ویسے جوانی میں نہیں ہوتا۔ جیسے جوانی میں ہوتا ہے ویسے بڑھاپے میں نہیں ہوتا۔ اس میں اندرونی اور بیرونی تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں لڑکیوں میں واضح ہوتی ہیں۔ وہ جوان ہوتے ہوتے جسمانی طور پر مختلف تبدیلیوں سے گزرتی ہیں۔ یہ تمام قدرتی عوامل ہیں لیکن بعض حالات میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جو غیر معمولی ہوتی ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔"

میں چپ چاپ سن رہی تھی۔ انہوں نے کہا۔" میں تمہارے ڈیڈی کے دوستوں میں سے ہوں۔ ان کی زبان سے ایک بار سنا تھا کہ بچپن میں تم نے بولنا شروع کیا تو لڑکوں کی طرح

بولتی تھیں۔ اسکول میں داخل ہوئیں تو تمہیں پڑھنے سے زیادہ کھیل میں دلچسپی رہی۔ تم ہاکی کھیلا کرتی تھیں۔ یہ سب غیر معمولی باتیں ہیں۔ آج کل کن کھیلوں میں دلچسپی لیتی ہو؟"

"میں روز صبح جوگنگ کرتی ہوں اور کراٹے سینٹر میں تربیت حاصل کرتی ہوں۔"

"دیکھو، یہ بھی غیر معمولی باتیں ہیں۔"

"مگر انکل، دوسری لڑکیاں بھی سیکھتی ہیں۔"

"تمہارے بچپن سے لے کر اب تک کی مجموعی عادتوں کا حساب کیا جائے تو تمہیں غیر شعوری طور پر لڑکا بننے کا شوق رہا ہے۔ لوگ خواب کی تعبیر ڈھونڈتے ہیں۔ یہاں تمہارے شوق کی تکمیل ہو رہی ہے، قدرت تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ تم تبدیل ہونے کے ابتدائی مرحلے پر ہو۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔"

انہوں نے سمجھانا شروع کیا مگر وہ ٹیکنیکل باتیں بتا رہے تھے اور کچھ باتیں ایسی بھی تھیں جنہیں سن کر جھجک ہو رہی تھی۔ میں بار بار سر جھکا لیتی تھی۔ ان سے نظریں نہیں ملا سکتی تھی۔ انہوں نے کہا۔" قدرتی حالات کے آگے جھکنا ہوگا۔ اگر شرماؤ گی۔ علاج نہیں کراؤ گی تو تبدیلی کا یہ عمل رک جائے گا۔ اس سے تمہیں نقصان پہنچے گا۔ تم نہ ادھر کی رہو گی نہ اُدھر کی۔"

پھر انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔" تم اس کیس کی اہمیت کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ بہتر ہے، میں تمہارے ڈیڈی سے گفتگو کروں۔"

میں نے گھبرا کر کہا۔" نہیں انکل! ابھی ڈیڈ سے کوئی بات نہ کریں۔ مجھے تھوڑا وقت دیں۔ میں ذہنی طور پر آمادہ ہونا چاہتی ہوں۔"

انہوں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔" یہ ضروری ہے۔ تمہیں خود کو اس کے لئے آمادہ کرنا ہوگا۔ میں دوائیں لکھ دیتا ہوں، انہیں کھاتی رہو پھر ایک ہفتے بعد مجھ سے ملاقات کرو۔"

انہوں نے دوائیں لکھ کر دیں۔ میں نے ملاقات کا وعدہ کیا مگر اس دن کے بعد پھر نہیں گئی۔ وہ اتنے مصروف ڈاکٹر ہیں کہ انہیں میرا کیس یاد نہیں رہا۔ مگر اس دن کے بعد سے میں عجیب سی تبدیلیاں محسوس کرتی رہی۔ یہ جسمانی تبدیلی تو نہیں تھی مگر میرے احساسات اور جذبات بدل رہے تھے۔ طرح طرح کے خیالات دماغ میں پیدا ہوتے تھے۔

مثلاً اگر میں تبدیل ہو گئی تو کیا ہوگا؟

کیا میری ساحرہ پہلے کی طرح ایک رازدار سہیلی بن کر میرے ساتھ رہ سکے گی؟

کیا لڑکیوں کا ساتھ چھوٹ جائے گا اور مجھے لڑکوں کی سوسائٹی میں رہنا ہوگا؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اِدھر کی رہوں نہ اُدھر کی۔ لڑکیاں مجھے قبول نہیں کریں گی۔ اور لڑکے مجھے خود سے کم تر سمجھیں گے۔

جس طرح کسی نے دولتمند کو دیکھ کر کچھ لوگ طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔ ارے یہ تو نو دولتیا ہے۔ ہم پیدائشی دولتمند ہیں۔ کیا اسی طرح اس دنیا کے لوگ خود کو پیدائشی اور مجھ کو بناسپتی مرد سمجھیں گے؟

یہ تمام خیالات مجھے الجھاتے جاتے تھے۔ میں پریشان ہو جاتی تھی۔ سر دُکھنے لگتا تھا۔ ڈاکٹر انکل نے پہلے ہی وارننگ دی تھی کہ اگر میں ان کے مشوروں پر عمل نہیں کروں گی۔ دوائیں استعمال نہیں کروں گی تو ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جاؤں گی اور اگر حوصلے سے کام نہ لیا تو دماغی مریضہ بھی بن سکتی ہوں۔

میرے دماغ میں کبھی مثبت خیالات ہوتے تھے اور کبھی منفی۔ میں مایوس ہو کر سوچتی تھی میری تبدیلیوں کے ساتھ اگر مجھے سوسائٹی میں قبول نہ کیا گیا۔ مجھے کم تر سمجھا گیا تو نہ عورتوں میں جگہ ملے گی نہ مردوں میں۔ میں کہیں کی بھی نہیں رہوں گی۔

میں نے جھنجلا کر دوائیں استعمال نہیں کیں۔ ڈاکٹر انکل کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ سوچا، بات بڑھے گی تو دیکھا جائے گا۔ ویسے بات اتنی آہستگی سے بڑھتی ہے کہ پتا نہیں چلتا کہ یہ میری ڈائری ہے۔ کسی کے ہاتھ لگ سکتی ہے۔ اس لیے میں وضاحت سے اپنی تبدیلیوں کے متعلق نہیں لکھ سکتی۔ البتہ یہ لکھنے میں جھجک نہیں ہے کہ ساحرہ کے لیے میرا اندازِ نظر بدل گیا ہے۔

میں ضدی ہوں، خود سر ہوں۔ ساحرہ سے ہمیشہ اپنی ہی بات منواتی ہوں، جیسے وہ میری ملکیت ہو۔ اب ڈاکٹر انکل سے ملنے کے بعد یقین ہو رہا ہے کہ میں غیر شعوری طور پر اسے اپنی ملکیت ہی سمجھتی آئی ہوں۔ اس پر ایک مالک کی طرح اپنا حق جتاتی رہی ہوں۔ فی الحال میں لڑکی ہوں۔ مجھے عادتاً آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے لیکن میں نے اپنی خوب صورتی کا احساس نہیں کیا۔ اس کے برعکس ساحرہ دنیا کی حسین ترین لڑکی نظر آتی ہے۔ اس کے سامنے تنہا کسی کو دیکھنا نہیں چاہتی۔ اس کے پیچھے کسی کو یاد کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے کوئی کتاب اتنی دلچسپ نہیں لگتی جتنی وہ لگتی ہے۔ جب وہ پاس ہوتی ہے تو جی چاہتا ہے، کوئی اور نہ ہو۔

اب میں محسوس کرتی ہوں کہ میری محبت میں ایک حاکمانہ انداز تھا۔ اس کے شانے سے آنچل ڈھلکتا تو میں سخت لہجے میں کہتی۔ "کیا تم سے آنچل سنبھالا نہیں جاتا؟"

جب اسے اپنی مم اور پاپا کے ساتھ کسی رشتے دار کے یہاں یا کسی تقریب میں جانا ہوتا ہے تو وہ مجھ سے ضرور پوچھتی ہے۔ "میں جاؤں؟"

"کیا ضرورت ہے جانے کی؟ کیا تمہارے نہ جانے سے وہ تقریب منسوخ کر دی جائے گی۔ وہاں آنے والے تمام دل پھینک تمہارے نام پر ہڑتال کریں گے؟"

وہ عاجزی سے بولتی۔ "میرے مم اور پاپا چلنے کی ضد کر رہے ہیں۔"

"مجھے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔"

وہ میری زبان سے یہی بات سننا چاہتی ہے کہ اس کے جانے کے بعد میں اکیلی رہ جاؤں گی۔ ایسا سننے کے بعد وہ جانے کا خیال ہی دل سے نکال دیتی ہے۔ میرے ہی ساتھ وقت گزارتی ہے۔ میں ماہرِ نفسیات نہیں ہوں مگر اتنا سمجھتی ہوں، وہ لاشعوری طور پر مغلوب رہنے کی عادی ہے اور میرے غالب رویّے کو پسند کرتی ہے۔

اس چاہت کے مرحلے پر سوچتی ہوں۔ کیا وہ مجھ میں ہونے والی تبدیلیوں کو قبول کرے گی؟ آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے کہ محبت میں یہ شدت محض ایک سہیلی کے لیے ہے یا اس شخص کے لیے بھی ہو سکتی ہے جو میرے اندر سے طلوع ہو رہا ہے کیوں کہ میں اس کے لیے ایک ایسا شخص ہوں جو اس کی سہیلی کو مار کر آئے گا۔ کیا وہ اپنی سہیلی کی موت کو برداشت کر لے گی؟

مجھ میں جو تبدیلیاں آ رہی ہیں، اس کے پیشِ نظر میں بہروپیا ہوں۔ اوپر سے اس کی سہیلی، اندر سے ایک اجنبی نامحرم۔ اسے چھپ چھپ کر دیکھتا ہوں اور اس کی مرضی جانے بغیر محبت کیے جا رہا ہوں۔

مجھے یقین ہے، اسے یہ راز معلوم ہوگا تو پہلے وہ پریشان ہو جائے گی۔ یقین نہیں کرے گی، مجھے اجنبی نظروں سے دیکھے گی ـــــ مجھ سے کترائے گی مگر اس کے دل میں جو شدید محبت ہے، اس محبت کے زیرِ اثر وہ تمام تر تبدیلیوں کے باوجود مجھے قبول کر لے گی۔

بے شک مجھے کامیابی کا یقین ہے لیکن ناکامی کے پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے، کسی معاملے میں اگر میں مایوس ہوں گی، کوئی ناکامی ہوگی تو میرے ذہن پر برا

اثر پڑے گا۔ ہو سکتا ہے، ڈاکٹر کی پیشنگوئی کے مطابق دماغی مریضہ بن جاؤں۔ کیونکہ اگر وہ روٹھ گئی یا اس نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو میری دنیا سے حسن مٹ جائے گا۔ آنکھوں سے رنگ اُڑ جائیں گے۔ احساسات سے خوشبو مر جائے گی۔ اب ایسا بھی نہیں ہے کہ میں اس کے بغیر مر جاؤں گی مگر اس کے بغیر زندگی کا مفہوم کھو دوں گی۔

اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ڈاکٹر انکل سے ملاقات کروں گی۔ مجھے ان سے ملتے رہنا چاہیئے۔ ان کے مشوروں پر عمل کرتے رہنا چاہیئے۔ میں ان کے سامنے ساحرہ کے متعلق اپنے جذبات اور احساسات تفصیل سے بیان کروں گی۔ دیکھتی ہوں، وہ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں۔

وہ ڈائری پر جھکی لکھتی جا رہی تھی۔ پھر اس کے ہاتھ رُک گئے۔ وہ سر اٹھا کر سننے لگی۔ دھیمی دھیمی موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ اس نے بند کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کھڑکی کو کھولنے سے سامنے ہی ساحرہ کا کمرہ اور اس کمرے کی بالکونی دکھائی دیتی تھی۔ اس نے قلم کو رکھ دیا۔ ڈائری کو بند کر دیا۔ پھر وہاں سے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی اور اس کے پٹ کھول دیئے۔

وہ نظر آ رہی تھی۔ تقریباً سات گز کے فاصلے پر وہ کوٹھی تھی۔ کھڑکی کے ٹھیک سامنے اس کا کمرہ تھا۔ کمرے کے سامنے بڑی سی بالکونی تھی۔ کھڑکی کھلتے ہی وہ منہ پھیر کر کمرے میں چلی گئی تھی۔ بالکونی ویران ہو گئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی۔ شاید وہ آ جائے۔ اس بالکونی میں ایک ہینگنگ چیئر تھی جس پر بیٹھ کر وہ ہولے ہولے جھولتی تھی اور اپنا من پسند گیت سنتی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ گیت بہت دھیمے سُروں میں اُبھرتا ہوا اس کے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ وہ کمرے میں جا کر چھپ گئی تھی مگر گیت کے ذریعے اپنی محبت اور ناراضگی کا اظہار کر رہی تھی۔

نادرہ کھڑکی سے پلٹ کر میز کے پاس آئی۔ وہاں رکھے ہوئے واکی ٹاکی کو اٹھا کر اس کے ایریل کو باہر کیا۔ پھر نمبروں کے بٹن دباتی ہوئی کھڑکی کے پاس آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی ساحرہ کی آواز سنائی دی۔ اس نے بے رُخی سے پوچھا۔ "کیا ہے؟"

نادرہ نے کہا۔ "سامنے آؤ۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"تم نے کھانا کھا لیا؟"

"میں کھاؤں یا نہ کھاؤں، تمہیں کیا لینا ہے؟"

"مجھے بہت کچھ لینا ہے۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ دیکھو ساحرہ! میں نے کھانے سے انکار کیا تھا۔ اس لیے تم بھوکی ہو۔"

"میں نے کہا نا۔ میں نہیں کھاؤں گی۔"

"سامنے آ کر باتیں کرو۔"

"میں نہیں آؤں گی۔"

"کھڑکی کا پردہ ہل رہا ہے اور تم بار بار جھلک رہی ہو۔"

وہ فوراً ہی کھڑکی سے ہٹ گئی۔ اب بھی صاف نہیں چھپ رہی تھی، سامنے بھی نہیں آ رہی تھی۔ نادرہ نے مسکرا کر کہا۔ "تمہارا سایہ سامنے والی دیوار پر نظر آ رہا ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ سایہ متحرک ہوا پھر سوئچ آف ہوا۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ پرچھائیں گم ہو گئی لیکن وجود تو گم نہیں ہو سکتا تھا۔

نادرہ نے واکی ٹاکی کو کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "خواہ کتنا ہی چھپنا چاہو ظاہر ہوتی رہو گی۔ ابھی تم نے واکی ٹاکی کو اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ مجھے صاف طور پر تمہارے دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی ہیں۔"

دوسری طرف ساحرہ نے فوراً ہی واکی ٹاکی کو سینے سے ہٹا لیا۔ اسے محبت سے دیکھا پھر اپنے چہرے سے لگا لیا۔ وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔ اسے خوب پریشان کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کو ناراضگی کا احساس ہو۔ پھر نادرہ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "اب تم نے واکی ٹاکی کو اپنے چہرے سے لگا لیا ہے۔ شاید اس پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے ہیں۔ تمہاری اُلجھی اُلجھی سی سانسیں سنائی دے رہی ہیں۔ مجھے آنچ لگ رہی ہے۔"

اس نے گھبرا کر واکی ٹاکی کو چہرے سے ہٹا لیا۔ اسے سامنے رکھ کر نیم تاریکی میں یوں دیکھنے لگی جیسے نادرہ اس کے روبرو ہو اور اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہی ہو۔ پھر اس نے پوچھا۔ "تم مجھے کیوں ستاتی اور جلاتی ہو؟"

"سامنے آؤ تو جواب دوں گی۔"

"ایک شرط پر آؤں گی۔ وعدہ کرو کہ اب تم کھانا کھاؤ گی۔"

"وعدہ کرتی ہوں۔ آجاؤ۔"

"ابھی نہیں۔ پہلے کچن میں جاؤ۔ وہاں سے کھانا لے کر کھڑکی کے پاس آؤ۔"

"میں کھاؤں گی اور تم بالکونی میں آکر دیکھتی رہو گی؟"

"میں بھی کھاؤں گی۔ پہلے تم میری شرط پوری کرو۔"

"میں کچن تک جارہی ہوں۔ پانچ منٹ میں واپس آجاؤں گی۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ کمرے سے نکل کر زینے سے اترتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں آئی۔ کوٹھی کے اندر گہرا سناٹا تھا۔ اس کے والدین شاید سو چکے تھے۔ اس نے کچن میں آکر جلدی سے چولہا جلایا۔ سالن گرم کیا۔ گرم کرنے میں بھی تھوڑا وقت لگا۔ وہ دس منٹ بعد کھڑکی کے پاس پہنچی۔ بالکونی میں ساحرہ نظر آرہی تھی۔ وہ بھی ٹرے میں کھانا لے آئی تھی۔ اس نے ایک لقمہ بنایا۔ پھر اسے دکھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ "تم بھی کھاؤ۔"

نادرہ نے ایک لقمہ منہ میں رکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا کھا رہی ہو؟"

"میتھی، آلو اور مٹر کی سبجی۔"

"میں بینگن کا بھرتا اور شامی کباب کھا رہی ہوں۔"

"ساتھ بیٹھ کر کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ اب دیکھو نا، جو مجھے پسند ہے وہ تم کھا رہی ہو اور جو تمہیں پسند ہے وہ میں کھا رہی ہوں۔"

"یہ بھی خوب ہے۔ کھانا اپنا اپنا ہے مگر ہم ایک دوسرے کی پسند کھا رہے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ہم اتنی دور ہیں۔ آج چھین جھپٹ کر نہیں کھا سکیں گے۔"

نادرہ نے دل ہی دل میں اسے دیکھتے ہوئے سوچا "تمہیں میرے چھیننے جھپٹنے کا رویہ پسند ہے لیکن میرے اندر ایک شخص چھپا ہوا ..... تمہیں دیکھ رہا ہے، للچا رہا ہے اور سوچ رہا ہے۔ اگر یہ چھیننا جھپٹنا چاہے تو کیا اس کا رویہ تمہیں پسند آئے گا؟"

سامنے والے ایک اور کمرے کی کھڑکی کھل گئی۔ وہاں سے ساحرہ کے پاپا نظر آئے انہوں نے کہا۔ "اے لڑکیو! یہ کوئی کھانے کا وقت ہے۔ رات کا ایک بجا ہے۔"

نادرہ نے کہا۔ "انکل! ہم نے کھا لیا ہے۔"

"اب اپنے اپنے کمرے میں جاؤ اور اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ۔"

وہ بالکونی سے چلی گئی۔ نادرہ بھی کھڑکی سے ہٹ گئی۔ اسے اپنے ڈیڈی کی آواز

سنائی دی۔ وہ ساحرہ کے پاپا سے کہہ رہے تھے۔ "مرزا صاحب! آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟"

"شاہ جی! آپ بھی تو جاگ رہے ہیں۔"

"ہاں، نیند نہیں آرہی تھی۔ باہر نکل کر ان لڑکیوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔"

مرزا صاحب نے کہا۔ "یہ دیوانی ہیں دیوانی۔ آدھی رات کو بھی ملنے کا بہانہ ڈھونڈ لیتی ہیں۔ سوچتا ہوں، شادی کے بعد دور چلی جائیں گی تو ایک دوسرے کے بغیر کیسے رہیں گی؟"

"مرزا صاحب! اگر ان لڑکیوں پر فیصلہ چھوڑ دیا جائے تو یہ ہمیشہ قریب رہنے کا راستہ ڈھونڈ نکالیں گی۔"

نادرہ سر جھکا کر مسکرانے لگی۔ ڈیڈ اس کے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔ جسے مرزا صاحب نہیں سمجھ رہے ہیں مگر وقت انہیں سمجھانے والا تھا۔

وہ کھانے کی ٹرے میز پر رکھ کر باتھ روم میں گئی۔ دانتوں کو برش کیا۔ پھر منہ پونچھتے ہوئے کمرے میں آئی۔ واکی ٹاکی سے اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھا کر آن کیا۔ ساحرہ کی آواز سنائی دی۔ "کیا کر رہی ہو؟"

"سونے جارہی ہوں۔"

"میں تو بستر پر لیٹ گئی ہوں۔"

نادرہ بستر پر آئی۔ پھر لیٹتے ہوئے بولی۔ "میں بھی لیٹ گئی ہوں۔"

"انکل اور آنٹی، ڈاکٹر کے پاس گئے تھے۔ انہوں نے کیا کہا ہے۔ کیا تم مجھ سے کچھ چھپانا چاہتی ہو؟"

"تم خوامخواہ شبہ کر رہی ہو۔ یہ باتیں کرنے کے لئے کیا صبح نہیں ہوگی۔ اپنے پاپا کے مشورے کے مطابق اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ۔"

"سو رہی ہوں مگر تمہارے رویے نے مجھے کتنی دیر تک تم سے دور رکھا۔ ایک تو رات کو ہم ساتھ نہیں رہ سکتے۔ دن میں بھی کچھ وقت ایسا گزر جاتا ہے جب ہمیں ساتھ رہنے کا موقع نہیں ملتا۔ اگر ہمیشہ ساتھ رہتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"

"میری بھی یہی حسرت ہے مگر سماجی زندگی میں میاں بیوی بھی دن رات ساتھ

نہیں رہ سکتے۔ بیوی کو اپنا گھر اور میاں کو اپنا کاروبار سنبھالنے کے لئے الگ ہونا پڑتا ہے۔ یوں ملتے رہنے اور بچھڑتے رہنے اور پھر بچھڑ کر ملتے رہنے میں ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے ۔

ملاقاتیں مسلسل ہوں تو دلچسپی نہیں رہتی
یہ بے ترتیب یارانے حسیں معلوم ہوتے ہیں"

اس کے ساتھ ہی اس نے رابطہ ختم کر دیا۔

وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آئی۔ کمرے میں تاریکی بھی تھی اور روشنی بھی۔ روشنی بہت مختصر سی تھی جو چھت کے ذریعے ایک میز پر پڑ رہی تھی۔ کمرے میں صرف ایک میز اور دو کرسیاں تھیں۔ ایک کرسی خالی تھی۔ دوسری پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ میز پر پڑنے والی دائرہ نما روشنی بہت ہی محدود تھی۔ کرسی پر بیٹھنے والا اپنے وجود کے بجائے سایہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔" آؤ یہاں بیٹھ جاؤ۔"

وہ آواز بہت دھیمی تھی مگر گونجتی ہوئی سی تھی۔ بات ختم ہونے کے باوجود کمرے کی محدود فضا میں لرز رہی تھی۔ جیسے ساز چپ ہو گیا ہو۔ تار ابھی لرز رہے ہوں، آواز ابھی تک دماغ پر دستک دے رہی ہو۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئی، پھر خالی کرسی پر بیٹھ گئی، اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ محدود روشنی میں تھی۔ تاریکی میں بیٹھا ہوا شخص برائے نام دکھائی دے رہا تھا۔ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ بڑا ہی پر اسرار لگ رہا تھا۔

اس نے پہلے اُسے دیکھا نہیں تھا۔ ڈاکٹر شیرازی کے مشورے پر وہاں آئی تھی۔ اتنا جانتی تھی کہ سامنے والا شخص سائکاٹرسٹ ہے۔ اس کا نفسیاتی تجزیہ کرنے والا ہے اور ان لمحوں میں وہ اسے بڑے غور سے دیکھتا جا رہا ہے۔ پھر اس نے بھاری بھر کم آواز میں پوچھا۔" تمہارا دوپٹہ کہاں ہے ؟"

اس نے سر جھکا کر دیکھا۔ دوپٹہ اس کی گود میں گرا ہوا تھا۔ وہ اسے شانے پر رکھتے ہوئے بولی۔" میں نے خیال نہیں کیا تھا۔"

"خیال نہیں کیا تھا یا ایسے لباس سے بیزاری ہے ؟"

"بیزاری تو نہیں کہہ سکتی مگر ایسے لباس زیادہ پسند نہیں ہیں۔"

"یہ ناپسندیدگی چند ماہ سے ہے یا بچپن سے؟"

"بچپن میں لڑکوں کا لباس پہنتی تھی، جوان ہونے لگی تو والدین نے اور رشتے داروں نے احساس دلایا کہ میں لڑکی ہوں۔ لہٰذا جبراً یہی لباس پہننے لگی۔"

"تمہیں احساس کیوں دلایا گیا؟ کیا خود کو لڑکی محسوس نہیں کرتی تھیں؟"

"کرتی تھی کیونکہ میں بالکل لڑکی تھی۔"

"پہلے تمہیں تبدیلی کا احساس ہوا۔ ہماری تصدیق کے بعد اس کا یقین ہوگیا۔ تم اس تبدیلی کو کیسے محسوس کرتی ہو؟"

"میں کشمکش میں ہوں۔ جانے کیا ہوگا؟ سنا ہے، بعض حالات میں تبدیلی کا عمل رک جاتا ہے۔"

"فرض کرو، یہ عمل نہ رکے، تمہاری شخصیت بدل جائے۔ تب تمہارے تاثرات کیا ہوں گے؟"

"شاید میں غیر شعوری طور پر یہی چاہتی تھی۔ نئی تبدیلی میرے لیے خوشگوار ہوگی۔ میں سمجھتی ہوں، میری نئی شخصیت دلچسپ اور پرکشش ہوگی۔"

"کس کے لیے پرکشش؟"

اس نے اندھیرے میں بیٹھے ہوئے ماہرِ نفسیات کو دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ کہنے لگا "کوئی ضروری نہیں ہے کہ تم میری باتوں کا جواب دو۔ تمہارے سامنے کاغذ اور قلم رکھا ہوا ہے۔ جب میں یہاں سے چلا جاؤں تو تنہائی اور خاموشی میں، یہاں کے پرسکون ماحول میں اپنے متعلق جو کچھ لکھ سکتی ہو تیزی سے لکھتے جاؤ گی۔ تمہیں جن پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھ کر لکھنا ہے، پہلے وہ پوائنٹس نوٹ کرو۔"

وہ قلم اٹھا کر میز پر جھک گئی۔ ماہرِ نفسیات نے کہا "پہلا پوائنٹ شخصیت کی تبدیلی۔ تم اس تبدیلی کے دوران مثبت اور منفی انداز میں کیا سوچتی ہو؟ دوسرا پوائنٹ تبدیلی کے بعد تمہیں کیا پانے کی خوشی اور کیا کھونے کا صدمہ اور خوف ہے؟"

اس نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا "تمہاری رپورٹ پڑھنے کے بعد پتا چلا ہے، تم اپنی سہیلی سے بے انتہا محبت کرتی ہو۔ تیسرا پوائنٹ یہی ہے۔ سہیلی کی چاہت اور اس کے ردِ عمل کے متعلق پوری تفصیل سے لکھو۔"

وہ کاغذ پر جھکی لکھ رہی تھی۔ ماہرِ نفسیات نے کہا "اب قلم رکھ دو اور میری باتوں کو توجہ سے سنو۔"

وہ قلم رکھ کر کرسی پر سیدھی بیٹھ گئی۔ وہ کہنے لگا "انسانی خواہشات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ خواہ عورت ہو یا مرد۔ وہ کیا چاہتے ہیں؟ کسی کو پا لینا، اپنی آرزوؤں اور جذبوں کے ساتھ کسی کے ساتھ تھوڑا وقت یا ساری زندگی گزارنے کی خواہش کرنا ایک فطری امر ہے۔ یہ ایسی خواہش ہوتی ہے جو تم دونوں سہیلیوں کی سمجھ میں نہیں آتی ہوگی مگر یہ تمہارے اندر موجود رہتی ہے۔"

وہ قائل کرنے والے لہجے میں بولا "دو سہیلیوں کی محبت کسی کو پا لینے کی محبت ہے چونکہ وہ شادی سے پہلے کسی کو پا نہیں سکتیں، اس لیے آپس میں ٹوٹ کر محبت کرتی ہیں۔ ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتی ہیں۔ ایک دوسرے کے ناز اٹھاتی ہیں۔ ویسے تمہارا آپس میں جھگڑا بھی ہوتا ہوگا؟"

نادرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بولا "علمِ نفسیات کی روشنی میں دو سہیلیاں اسی لیے جھگڑا کرتی ہیں کہ کسی کو پا لینے کی، دبی دبی خواہش کی تکمیل نہیں ہوتی۔ غیر شعوری طور پر جھنجلاہٹ طاری ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو ٹھیس پہنچا کر نامعلوم سی تسکین حاصل کرتی ہیں۔ اندر ہی اندر ایسا غبار بھرا ہو جو سمجھ میں نہ آتا ہو اور اس غبار کے نکالنے کا ذریعہ نہ ہو تو انسان ایسے ہی منفی طریقے اختیار کرتا ہے۔ تم دونوں لڑتی ضرور ہو مگر پھر کسی بہانے سے مل جاتی ہو۔ کیا یہ درست ہے؟"

اس نے پھر تائید میں سر ہلایا۔ وہ بولا "اب شخصیت کی یہ تبدیلی تمہیں اس مقام تک لے جا رہی ہے جہاں کسی کو پا لینے کی خواہش پوری ہو سکتی ہے۔ کیا ایسے مقام پر تمہاری آئیڈیل وہی سہیلی ہوگی؟ تمہیں اس کا بھی جواب تفصیل سے لکھنا ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا "میں جا رہا ہوں۔ دروازہ باہر سے بند رہے گا۔ آدھے گھنٹے بعد کھلے گا۔ تم اس آدھے گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ لکھو گی اور جو لکھو گی وہ اب تک کی ہسٹری شیٹ ہوگی اور آئندہ کے لیے ایک لائحہ عمل ہوگا۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا، اسے کھول کر باہر گیا پھر دروازہ بند ہوگیا۔ نادرہ نے دوپٹے کے آنچل سے چہرے کے پسینے کو پونچھا۔ حالانکہ ہلکی سردی تھی۔ اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ دس بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ اس نے قلم کو اٹھا لیا، کاغذ پر جھک گئی۔ اس کے پاس وقت کم تھا مگر لکھنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ لہٰذا وہ جلدی جلدی لکھنے لگی۔

چوہدری عنایت علی شاہ اپنی بیگم کے ساتھ ماہر نفسیات کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا "میں نے نادرہ کے ساتھ دو میٹنگز کی ہیں اور اس کے نتیجے میں جو تجزیہ کیا ہے اسے تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن جو پہلو والدین سے تعلق رکھتا ہے اس کا ذکر کرتا ہوں۔

نادرہ جن حالات سے گزر رہی ہے، ان حالات میں آپ دونوں کو اہم رول ادا کرنا ہوگا۔ اس کے لیے والدین سے زیادہ دوست بن کر رہنا ہوگا اور اس کے ہر پرابلم کو سمجھنا ہوگا۔ ڈاکٹر شیرازی کا خیال درست ہے، آگے چل کر وہ ذہنی انتشار میں مبتلا ہو سکتی ہے لیکن آپ نے بھرپور تعاون کیا تو یہ خطرہ ٹل جائے گا۔"

بیگم نے کہا۔ "یہ ہماری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے۔ میں تو جان دے کر بھی اس کے کام آؤں گی۔"

شاہ جی نے کہا۔ "آپ ہمیں بتائیں، کیا کرنا ہے۔ ہم وہی کریں گے۔"

"نادرہ اکلوتی اولاد ہے؟"

"جی ہاں۔"

"یہ اور اچھی بات ہے۔ آپ اسے یہ تاثر دیں کہ گھر میں ایک بیٹے کی کمی برسوں سے محسوس کی جا رہی تھی۔ اسے نادرہ پورا کر رہی ہے۔ اس کی تبدیلی آپ لوگوں کی عین مرضی کے مطابق ہے۔ آپ اپنے گھر میں، اپنے رشتے داروں میں، اپنی سوسائٹی میں فخریہ کہتے رہیں گے کہ ہماری بیٹی اب بیٹا بن رہی ہے۔"

شاہ جی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہمیں دنیا والوں کو ابھی سے بتانا ہوگا؟"

"بے شک۔ اگر آپ چھپائیں گے تو نادرہ کے ذہن میں یہ خیال پرورش پائے گا کہ اس کا تبدیل ہونا، دوسری شخصیت اختیار کرنا ایک جرم ہے۔ یا بے حیائی ہے یا ایک مذاق ہے۔ آپ بات چھپائیں گے تو وہ سمجھے گی کہ جگ ہنسائی کے ڈر سے ایسا کیا جا رہا ہے، پھر تو بڑے پرابلم پیدا ہوں گے۔ ان حالات میں وہ ذہنی مریضہ بن سکتی ہے۔"

بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔ "ایسی بات ہے تو ہم نہیں چھپائیں گے۔"

شاہ جی نے کہا۔ "بیگم ذرا سوچ سمجھ کر بولو۔ میرے لیے بڑے مسائل پیدا ہوں گے۔"

ماہر نفسیات نے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں۔ آپ بڑے افسر ہیں۔ آپ خود جگ ہنسائی سے ڈر رہے ہیں۔"

"ڈاکٹر! یہ بات نہیں ہے۔ میں بیٹی کی خاطر تمام حالات کا مقابلہ کروں گا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں۔ وہ اپنی ایک سہیلی کو دیوانگی کی حد تک چاہتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ میں نے اطمینان کی حد تک اس کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ جو آپ نہیں جانتے وہ بھی بتا دوں کہ وہ ایک نئی شخصیت اختیار کرنے کے بعد ساحرہ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

"اوہ تو اس نے آپ کو بتا دیا ہے۔"

"ہم نفسیاتی تجزیے کے ذریعے بہت کچھ معلوم کر لیتے ہیں۔"

"پھر آپ کو یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ ابھی بات کھل جائے تو ساحرہ کے والدین اسے نادرہ سے دور رکھیں گے۔"

"آپ ساحرہ کے والدین کو اعتماد میں لیجئے۔ ان سے تعاون کی درخواست کیجئے۔"

"وہ تعاون کے نام پر ہم سے اور نادرہ سے ہمدردی کریں گے لیکن یہ برداشت نہیں کریں گے کہ ان کی بیٹی ایسی لڑکی سے ملے جو لڑکا بننے والی ہو۔ ڈاکٹر! ہم مشرقی لوگ ہیں مسلمان گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر نادرہ بیٹی ہی رہتی اور وہ کسی لڑکا بننے والی لڑکی سے ملنا چاہتی تو میں بھی یہی کرتا جو ساحرہ کے والدین کریں گے۔"

بیگم نے کہا۔ "اگرچہ ہم ماڈرن کہلاتے ہیں۔ اپنے بچوں کو بڑی حد تک آزادی دیتے ہیں لیکن بچوں کے باہر جانے اور ان کے واپس آنے تک کا حساب رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ

سہیلیوں کو بھی بند کمرے میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے۔ آج تک ساحرہ اور نادرہ نے ہمیں کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔"

"کیا آپ بھی نادرہ کو ساحرہ سے ملنے کی اجازت نہیں دیں گے؟"

"بے شک اجازت دیں گے۔ جیسے وہ اب سے پہلے ملتی رہیں، اب بھی مل سکتی ہیں۔ بچوں کو آزادی دینے کی ایک حد ہوتی ہے۔ ہم اس حد کو آگے بڑھنے نہیں دیں گے۔ ساحرہ پرائی بھی مگر ہماری بیٹی جیسی ہے۔ ہم اس کی بدنامی پسند نہیں کریں گے۔"

"جب یہ بات کھلے گی کہ نادرہ بیٹیا بن رہی ہے تو ساحرہ سے اس کا ملنا بدنامی کا سبب ہوگا۔ ایسی صورت میں آپ کیا کریں گے؟"

"اسی لیے ہم ابھی یہ بات چھپانا چاہتے ہیں، اگرچہ ہم ساحرہ کے والدین کو دھوکا دیتے رہیں گے لیکن ٹھہرا جاتا ہے۔ ساحرہ اور نادرہ پر کڑی نظر رکھیں گے بلکہ پہلے سے زیادہ محتاط رہیں گے۔ ویسے ہمیں ان پر اعتماد ہے۔ وہ ذہین بچیاں ہیں کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھائیں گی کبھی ہماری بدنامی کا سبب نہیں بنیں گی۔"

"یہی بات آپ ساحرہ کے والدین کو سمجھائیں اور انہیں اعتماد میں لیں۔"

"ڈاکٹر! آپ اسی بات پر زور دے رہے ہیں۔ آپ ساحرہ کے والدین اور ان کے خاندان کو نہیں جانتے۔ ان کے یہاں کبھی کوئی لڑکی بے پردہ کالج نہیں جاتی۔ یہ پہلی لڑکی ہے جسے انہوں نے ذرا آزادی دی ہے۔ جب نادرہ کا کیس انہیں معلوم ہوگا تو وہ ساحرہ کو پردے میں بٹھا دیں گے۔ اسے ہمارے ہاں آنے بھی نہیں دیں گے۔"

"ہوں، اچھا تو ہم اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ نادرہ کا کیس ساحرہ کے والدین سے چھپانا ہوگا اور ان سے چھپانے کے لیے دنیا سے چھپانا ہوگا لیکن کب تک؟ بعض عورتوں کی ہلکی ہلکی مونچھیں ہوتی ہیں۔ وہ تھریڈنگ کے ذریعے ان سے نجات حاصل کر لیتی ہیں لیکن نادرہ تھریڈنگ نہیں کرے گی۔ اس کے چہرے سے، اس کے جسم سے، اس کی آواز اور لہجے سے رفتہ رفتہ مردانہ پن ظاہر ہوگا۔ کیا اس بات کو ساحرہ کے والدین محسوس نہیں کریں گے۔ آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے؟"

"نمایاں تبدیلیاں چھپ نہیں سکتیں۔ وہ تو ظاہر ہوں گی مگر ظاہر ہونے تک ہمیں کچھ وقت مل جائے گا۔ ہم رفتہ رفتہ ساحرہ کے والدین کو قائل کریں گے بلکہ اس کا رشتہ

مانگیں گے۔ اسے اپنی بہو بنانا چاہیں گے۔"

"یہ تدبیر نہایت معقول ہے۔ میں تائید کرتا ہوں۔ اب ہم اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ چند ماہ تک یہ بات چھپائی جائے اور جیسے جیسے اس میں نمایاں تبدیلی ہو اور وہ ظاہر ہونے لگے تو آپ لوگوں کی طرف سے بھی اظہار شروع ہو جائے۔"

وہ تینوں اس بات پر متفق ہو گئے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ باہر جائیں اور نادرہ کو بھیج دیں۔"

وہ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی نادرہ دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ ماہر نفسیات نے کہا۔ "آؤ یہاں میرے سامنے بیٹھو۔"

وہ میز کے دوسری طرف آکر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ "نادرہ! کچھ کہنے سے پہلے میں تمہاری ذہانت کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔"

"شکریہ ڈاکٹر، ویسے آپ نے میری کس بات سے ذہانت کا اندازہ لگایا ہے؟"

"میرے ہاں نفسیاتی تجزیے کے لیے جو لوگ آتے ہیں ان میں بہت کم ایسے ہوتے ہیں جیسی تم ہو۔ تم نے آدھے گھنٹے میں اہم پہلوؤں پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ہمیں نفسیاتی تجزیہ کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔"

"میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "ایک بار اور شکریہ ادا کرو مگر تذکیر کے صیغے میں۔"

نادرہ نے چونک کر ڈاکٹر کو دیکھا پھر سر جھکا کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"شاباش، آج ہماری تیسری نشست ہے، تم اس لیے آئی ہو کہ میرے مشوروں کو توجہ سے سنو گی اور اس پر عمل کرتی رہو گی۔ میرے پہلے مشورے کے مطابق تم نے ایک لڑکے کی حیثیت سے ایک فقرہ ادا کیا، اب اس کی ابتدا ہو چکی ہے۔ تم فی الحال اپنے گھر میں اپنے والدین سے لڑکوں کی طرح گفتگو کرو۔"

اس نے ماہر نفسیات کو دیکھا۔ پھر بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا جھجک محسوس کرتی ہو؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں بچپن میں لڑکوں کی طرح بولتی تھی میری ممی اور ڈیڈ نے مجبور کیا تو لڑکیوں کی طرح بولنے لگی، تب مجھے بڑی شرم آتی تھی۔ لڑکیوں کی طرح بولتے ہوئے عجیب سا لگتا تھا۔"

"چونکہ تمہیں مستقبل میں لڑکے سے لڑکی بننا تھا اس لیے شرم آرہی تھی مگر لڑکا بننا شرم کی بات نہیں ہے۔ ہاں، عجیب سا ضرور لگے گا مگر عادت ہو جائے گی۔"

"میں آج ہی سے کوشش کروں گی۔"

"تم نے اپنی تحریر کے ذریعے اعتراف کیا ہے، یہ تبدیلی تمہارے لیے خوشگوار ہے، تم لڑکا بننے میں فخر محسوس کر رہی ہو۔ کیا تبدیلی کے اس عمل کو فی الحال چھپانا چاہو گی؟"

"میں کشمکش میں ہوں۔ چھپانا نہیں چاہتی۔۔۔۔۔"

ڈاکٹر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم پھر لڑکیوں کی طرح بول رہی ہو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "سوری۔ میں خود کو چھپانا نہیں چاہتی مگر ظاہر ہو جاؤں گا تو لوگ عجیب نظروں سے دیکھیں گے۔ طرح طرح کی باتیں کریں گے۔ سب سے زیادہ اخبار والوں سے گھبراہٹ ہوگی۔"

"کوئی تحریر ہو یا تصویر، جب تک مکمل نہیں ہوتی، سمجھ میں نہیں آتی اور جب سمجھ میں نہیں آتی تو لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، اس پر تنقید کرتے ہیں، جب مکمل ہو جاتی ہے تو شاہکار بن جاتی ہے، لوگوں کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔ تمہیں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔"

"میں کوشش کروں گی۔ سوری، کروں گا۔"

"یہ ایک اہم نکتہ ہے، اگر تم کہو کہ کوشش کروں گی تو ارادے میں ذرا کمزوری ہوگی۔ اگر کہتے رہو، کوشش کروں گا تو پختگی آجائے گی۔ ایسا کہنے کا ایک نفسیاتی رد عمل ہوتا ہے میری بات کو سمجھ رہی ہو۔"

"جی ہاں، مگر ایسا سبق پڑھاتے وقت آپ غلطی کر رہے ہیں۔ مجھے بطور لڑکی مخاطب کر رہے ہیں۔"

"شاباش، میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا، تم اس بات کو مارک کرتی ہو یا نہیں۔ اس کا مطلب ہے، لڑکی سمجھ کر مخاطب کیا جانا تمہیں پسند نہیں ہے۔ پسند وہی اندازِ گفتگو ہے

جو تم نے اختیار کیا ہے۔ بہرحال میں پھر اسی سوال پر آتا ہوں۔ کیا تبدیلیوں کے دوران ظاہر ہونا پسند کرو گے؟"

"سچ بات تو یہ ہے کہ میں دنیا والوں سے نہیں ڈرتا، صرف اپنی محبت سے ڈرتا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا، تم ساحرہ کے لیے فکرمند ہو۔ میں نے تمہارے والدین سے اس سلسلے میں گفتگو کی تھی، وہ فی الحال تمہاری تبدیلی کو چھپانا چاہتے ہیں۔ چھپانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ تبدیلی ناگوار ہے، ناقابلِ قبول ہے یا کوئی شرمندگی کی بات ہے۔ جیسا کہ تم نے اعتراف کیا ہے، تمہیں فخر ہے۔ چھپانے کا مقصد یہ ہے کہ بات کھلے گی تو ساحرہ کے والدین تمہارے اور اس کے سامنے اونچی دیوار کھڑی کر دیں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے، وہ ساحرہ کو مجھ سے ملنے نہیں دیں گے۔ ایسا وقت آیا تو میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔"

"کیا ساحرہ تمہاری نئی شخصیت کو قبول کرلے گی؟"

"میرا دل کہتا ہے، اسے قبول کرنا چاہیے۔"

"اب تک تمہاری محبت دونوں ہاتھوں سے تالی کی طرح بجتی رہی۔ جو محبت شروع ہونے والی ہے، وہ یکطرفہ ہے۔ دوسری طرف کا حال تمہیں معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا معلوم کرنا چاہیے۔"

"آپ چاہتے ہیں، میں ساحرہ کو ساری باتیں بتا دوں؟"

"اچانک ظاہر ہونا مناسب نہیں ہے۔ اسے شاک پہنچے گا۔ تم اس کی اسٹڈی کرتے رہو۔ خود کو منوانے کے لیے اپنے اندازِ محبت میں رفتہ رفتہ تبدیلی پیدا کرو۔"

"آپ مجھے گائیڈ کریں۔"

"اکثر سہیلیاں شادی بیاہ کی تقریبات میں رات کو جہاں جگہ ملتی ہے وہیں سو جاتی ہیں۔ کبھی تم دونوں کو ساتھ سونے کا موقع ملا؟"

"نہیں بارہا مواقع مل سکتے تھے مگر ہمارے والدین نے بڑے محتاط انداز میں پرورش کی ہے، ہم مخصوص ٹائم ٹیبل کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ ویسے شادی بیاہ کی تقریبات میں ہمارے پاس اپنی کاریں ہوتی ہیں۔ لہٰذا کسی کے ہاں سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کسی کی خوشی کے موقع پر یا عید بقر عید میں ایک دوسرے کے گلے لگتے ہو؟"

"جی ہاں، ایسا ہوتا رہا ہے۔"

"کیا اپنے اور اس کے احساسات بتا سکتے ہو؟"

"اپنے بارے میں کہہ سکتا ہوں۔ پہلے محسوسات پر توجہ نہیں تھی مگر جب سے یہ تبدیلی عمل میں آرہی ہے اور آپ نے دو سہیلیوں کی محبت کا جو تجزیہ کیا ہے تب سے میرے احساسات اور خیالات بدل گئے ہیں۔ اب میں سوچتا ہوں۔ کس طرح اسے چھوسکوں گا۔ تصور میں اس کا ہاتھ پکڑتا ہوں تو عجیب سی سنسنی پیدا ہوتی ہے۔"

"ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ دو محبت کرنے والے ایک دوسرے کو چھوتے وقت جھجکتے ہیں اور جب چھو لیتے ہیں تو کنپٹی گرم ہو جاتی ہے۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگتا ہے۔ میرا دوسرا مشورہ ہے، تمہیں اسے چھونا ہوگا۔"

نادرہ چونک کر کرسی پر سیدھی ہوگئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا، کیا جواب دے۔ ڈاکٹر نے کہا "جھجکنے کی بات نہیں ہے۔ تم پہلے بھی اس کا ہاتھ پکڑتے تھے۔"

"پہلے ہاتھ پکڑتی تھی، اب پکڑوں گا، بہت فرق پیدا ہوگیا ہے۔"

"میں مانتا ہوں، شرم وحیا تم دونوں کی گھٹی میں پڑی ہے۔ کوئی ایسا عمل جو بے شرمی کی طرف لے جاتا ہو، وہ مناسب نہیں ہے۔ مجھے ایسا مشورہ دینا بھی نہیں چاہئے لیکن تم دونوں کے مزاج کو سمجھ کر ہی مشورہ دے رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے، تم میں سے کوئی ایسی غلطی نہیں کرے گا جس سے والدین کو شرمندہ ہونا پڑے۔ تم ساحرہ کو بے حد چاہتے ہو۔ اس کی عزت کرتے ہو۔ کیا اس کی بے عزتی برداشت کروگے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر کس بات کا ڈر ہے؟"

"جی! میں کوشش کروں گی۔ میرا مطلب ہے، کروں گا۔"

"کیا تمہیں ڈائری لکھنے سے دلچسپی ہے؟"

"کبھی کبھی لکھتا ہوں۔"

"اسے روز کا معمول بنالو۔ ساحرہ سے باتوں اور ملاقاتوں کی تفصیل لکھتے رہا کرو۔ اس طرح سائیکولوجیکل ٹریٹمنٹ میں آسانی رہے گی۔"

"کیا وہ ڈائری آپ بھی پڑھا کریں گے؟"

"اگر اپنی نئی شخصیت کو اچھی طرح بنانا، سنوارنا اور نکھارنا چاہتے ہو تو مجھ سے کوئی بات نہ چھپانا۔ دوائیں برابر استعمال کرتے رہو۔ ایک وقت کا بھی ناغہ نہیں ہونا چاہئے میں نفسیاتی علاج کرتا رہوں گا۔ ڈاکٹر شیرازی فزیکل ٹریٹمنٹ کرتے رہیں گے۔ لہٰذا ہم دونوں سے بھرپور تعاون کرتے رہو۔ اب جاسکتے ہو۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ شکریہ ادا کرکے باہر آئی۔ اس کے ممی اور ڈیڈ ویٹنگ روم میں انتظار کر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر اٹھ گئے۔ ممی نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹی، سب ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں۔"

اس کے ڈیڈ نے کہا۔ "اگر ہم بیٹا کہیں تو کیا حرج ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "آپ اکثر پیار سے بیٹا ہی کہتے آئے ہیں۔"

"مگر ڈاکٹر کے سمجھانے کے باوجود تمہاری ممی بیٹی کہہ رہی ہیں۔"

بیگم نے کہا۔ "عادت جاتے جاتے ہی جائے گی۔"

وہ عمارت کے باہر آگئے۔ ڈرائیور کار کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ بیگم نے کہا۔ "اسے رخصت کردیجئے۔ ہم دوسروں کی موجودگی میں اپنی باتیں نہیں کرسکتے۔"

اسے رخصت کردیا گیا۔ اس کے والدین اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وہ پچھلی سیٹ پر آگئی۔ اس نے گھر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "ساحرہ انتظار کررہی ہوگی۔"

"تم تین دن سے بہانے بناتی آرہی ہو۔ وہ بُری طرح ناراض ہوگی۔"

نادرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں اسے منالوں گا۔"

بیگم کے دماغ کو ہلکا۔ جھٹکا لگا۔ دل دھک سے رہ گیا۔ جیسے بیٹی دھوئیں کی طرح بھک سے اڑ گئی ہو اور پیچھے ایک اجنبی بیٹا آگیا ہو۔ انہوں نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا کہ بیٹا کیسا لگتا ہے؟ مگر ابھی نادرہ ہی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "ممی، میرے اس طرح بولنے پر آپ چونک گئی ہیں؟"

اس کے ڈیڈ نے کہا۔ "تم ہمارے سامنے اسی طرح گفتگو کرو۔ ہم سے کیا پردہ ہے تمہیں ڈاکٹر کے مشوروں پر ضرور عمل کرنا چاہئے۔"

انہوں نے ایک بڑے سے میڈیکل اسٹور کے سامنے کار روک دی۔ پاس ہی کھڑا ہوا سپاہی دوڑتا ہوا آیا۔ پھر قریب آ کر ایڑیاں بجاتے ہوئے سلیوٹ کیا۔ انہوں نے ڈاکٹر شیرازی کا نسخہ دیتے ہوئے کہا "یہ دوائیں اور بل لے آؤ۔"

سپاہی میڈیکل اسٹور میں چلا گیا۔ دس منٹ کے بعد ہی اسٹور کا مالک دوائیں لے کر آیا پھر انہیں دیتے ہوئے کہا "یہ دوائیں ہیں اور یہ نسخہ۔"

انہوں نے پوچھا "بل کہاں ہے؟"

دکان کے مالک نے بڑی انکساری سے سلام کرنے کے انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "جناب عالی! شرمندہ نہ کریں۔ یہ آپ ہی کی دکان ہے۔"

"پھر بھی یہ اچھا نہیں لگتا۔ بل لے آؤ۔"

اس نے ہاتھ جوڑ لیے۔ "حضور، میں شرم سے مر جاؤں گا۔ نسخے میں بے بی کا نام لکھا ہوا ہے۔ میں آپ سے پیسے لے سکتا ہوں مگر بے بی سے نہیں لے سکتا۔ خدا کے لیے مجبور نہ کریں۔"

انہوں نے چپ چاپ گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھا دیا۔ کار کے اندر تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بیگم نے کہا "یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"کون سی بات؟"

"ہمیں نادرہ کی خوشحالی اور سلامتی چاہیے۔ اس کے لیے آپ کو رشوت نہیں لینا چاہیے۔"

"کیا بکتی ہو؟"

"کیا آپ دوا کے پیسے نہیں دے سکتے تھے؟"

"کیا تم نے دیکھا نہیں، میں دینا چاہتا تھا۔ اس نے نہیں لیے۔"

"آپ رسمی طور پر دے رہے تھے۔ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ آپ سے پیسے لینے کی جرأت کر ہی نہیں سکتا تھا۔ غلط دھندا کرنے والے، آپ لوگوں کو اسی طرح خوش کرتے ہیں۔"

"کیوں شریف آدمی کو بدنام کرتی ہو۔ وہ سیدھا سادا سا کاروبار کر رہا ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے اتنا بڑا میڈیکل اسٹور دیکھا ہے۔"

"اگر آپ پولیس آفیسر ہیں تو میں آپ کی بیوی ہوں۔ یہ لوگ ڈاکٹری نسخے کے بغیر مارفیا اور پیتھڈرن کے انجکشن فروخت کرتے ہیں۔ راکٹ اور دوسری نشے کی گولیاں بیچتے ہیں۔ یہ بات پولیس کے ایک معمولی سپاہی سے لے کر اعلیٰ افسران تک جانتے ہیں مگر ان دکانوں پر کبھی چھاپے نہیں پڑتے۔"

نادرہ نے کہا "ممی! آپ نے کبھی رشوت کے خلاف زبان نہیں ہلائی۔ آج کیا ہو گیا ہے آپ کو؟"

بیگم نے کہا "جب سے تمہارے ڈیڈی کی زندگی میں آئی ہوں، یہ تماشے دیکھتی رہی ہوں۔ ہم ان کی محدود آمدنی میں محض گزارا کر سکتے ہیں۔ یہ جو پچیس لاکھ کی کوٹھی ہے۔ پانچ لاکھ کی دو کاریں ہیں۔ میرے لیے لاکھوں کے زیورات ہیں۔ تمہارے لیے لاکھوں کے سیونگ سرٹیفکیٹس ہیں۔ آخر یہ سب کہاں سے آتا ہے۔ میں سب جانتی ہوں مگر آج تمہارے لیے ڈر لگ رہا ہے۔ سوچتی ہوں، تمہیں نئی زندگی ملنے والی ہے۔ اس میں رشوت کا پیسہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں چاہتی ہوں، تمہاری نئی زندگی کی تعمیر میں صرف وہ رقم لگے جو تمہارے ڈیڈی کی جائز تنخواہ سے حاصل ہوتی ہے۔"

شاہ جی نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بیگم کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "ڈاکٹر شیرازی کہہ رہے تھے، نادرہ کے کیس میں کافی رقم خرچ ہو گی۔ تقریباً چالیس ہزار کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اگر حساب کیا جائے تو میری چھ ماہ کی تنخواہ بھی اتنی نہیں ہوتی۔ پھر تم حق حلال کی کمائی سے ہمارے بیٹے کا علاج کیسے کرو گی؟"

وہ چپ ہو کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگیں۔ دل ہی دل میں حساب کرنے لگیں۔ کیا ایسی جائز آمدنی کا کچھ حصہ کہیں گھر میں ہے؟ اگر تنخواہ میں سے کچھ بچت ہوتی تو وہ کافی رقم جمع کر چکی ہوتیں مگر تنخواہ کا پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ کس دن آتی ہے، اس لیے کہ روز ہی بڑی بڑی رقمیں آتی رہتی تھیں۔ اس میں تنخواہ والے نوٹ کتنے ہیں، اس کا کبھی حساب نہیں ملا۔

بچت تو بہت کی تھی — گھر میں، بنک میں، بیمہ پالیسی میں، سیونگ سرٹیفکیٹ میں، اور جائیداد خریدنے میں بڑی بڑی رقمیں لگی ہوئی تھیں۔ نادرہ کے علاج کے لیے چالیس ہزار، تو کیا چالیس لاکھ بھی خرچ کیے جا سکتے تھے۔ اس میں حلال کی کمائی کا حساب

کیا جاتا تو شاید ایک چٹکی نوٹ نکل آتے۔ شاہ جی نے کہا۔ ”اگلا مہینہ رمضان کا ہے۔ یتیموں اور بیواؤں کے لیے کیا سوچا ہے؟“

”وہی جو ہر سال دیتے آ رہے ہیں۔ ایک جوڑا کپڑا اور دس روپے فی کس۔“

”میرا خیال ہے، پندرہ بیس ہزار کافی ہوں گے۔“

”میں اس سال زیادہ خیرات کروں گی۔“

”کوئی بات نہیں۔ نیکی جتنی کی جائے کم ہے اور ہاں، مجھے تو دھیان نہیں رہتا۔ مسجد کا چندہ برابر دے رہی ہو یا نہیں؟“

”ہر ماہ سو روپے دیا کرتی تھی۔ جب سے مسجد کی توسیع ہو رہی ہے میں نے پچیس روپے بڑھا دیئے ہیں۔“

”بہت اچھا کیا۔ آخر اللہ کا گھر ہے۔“

بیگم نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے دل پر جو بوجھ تھا وہ اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ شاہ جی نے عقب نما آئینے میں پیچھے بیٹھی ہوئی نادرہ کو دیکھا۔ پھر بیگم سے کہا۔ ”میں اپنی بیٹی کی ایک یادگار قائم کرنا چاہتا ہوں۔“

”آپ پھر بیٹی کہہ رہے ہیں۔“

”پہلے پوری بات تو سُنو۔ کچھ عرصے بعد ہمارے پاس بیٹا ہوگا۔ بیٹی نہیں ہوگی۔ صرف یادیں رہ جائیں گی۔ ہم اکثر باتیں کریں گے۔ وہ ایسی تھی، وہ ویسی تھی۔ اس طرح ہنستی تھی، اس طرح بولتی تھی، اس طرح چلتی تھی۔“

بیگم نے کہا۔ ”آپ کل ہی کسی اچھے وڈیو کیمرہ مین کو بلائیے۔ ہمارے ہاں اس کی ڈیوٹی لگا دیجئے۔ نادرہ جب بھی موڈ میں ہوگی، اس کی فلم اتاری جائے گی۔ اس کے پاس لڑکیوں کے جتنے لباس ہیں، انہیں روزانہ دو دو کر کے پہنتی رہے تو پچیس تیس دن میں دو تین وڈیو فلمیں تیار ہو جائیں گی۔“

وہ گھوم کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”بیٹے! ہم تمہیں بیٹا ہی کہیں گے مگر وڈیو فلم کی شوٹنگ کے دوران تم ایک لڑکی ہی رہنا۔ میرا خیال ہے، تم ایک اسکرپٹ تیار کر لو۔ سوچ سوچ کر لکھو کہ تمہیں تمہاری کون کون سی ادائیں پسند تھیں۔ تم کس طرح ہنستی بولتی رہی ہو۔ تمہارا لڑکیوں والا انداز کیا رہا ہے۔ یہ ساری باتیں تمہیں یاد ہیں اس لیے تمہاری بہترین یادگار

وڈیو فلمیں تیار ہو جائیں گی۔“

پھر وہ اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ ”میں ایک کمرہ نادرہ کے لیے مخصوص کر دوں گی۔ اس کمرے میں اس کی بڑی بڑی تصویریں فریم کر کے لگاؤں گی۔ اس کے جتنے کپڑے ہیں، شیشے کے شوکیس میں رکھوں گی۔ یہ جتنی چپلیں اور سینڈلز استعمال کرتی ہے انہیں محفوظ رکھوں گی۔ بچپن کی کچھ یادگار تصویریں اور کچھ اس کے کپڑے وغیرہ ہیں۔ اس کی ہر چیز کے ساتھ تختی لکھ کر لگاؤں گی۔ اس تختی پر لکھا ہوگا کہ اس نے یہ کپڑے کب پہنے، کس مہینے، کس سن میں، کون کون سی چیزیں استعمال کیں۔ تبدیلی کے مراحل کے دوران جو بھی واقعات پیش آتے جائیں گے، وہ وڈیو میں محفوظ کیے جائیں گے اور ہاں، آپ کسی ریکارڈنگ کمپنی سے بھی رابطہ قائم کریں۔ یہ جیسے ہنستی، بولتی اور گنگناتی ہے، ان ساری آوازوں کو ریکارڈ کیا جائے گا۔“

شاہ جی نے کہا۔ ”بیٹی کی یادگار قائم رکھنے کے لیے تم نے بہت اچھا پروگرام بنایا ہے لیکن میں کچھ اور چاہتا ہوں، اپنی دولت کا کچھ حصہ خرچ کر کے بیٹی کے نام سے نیکی کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں، ایسا کام ضرور کرنا چاہیئے۔ آپ کیا سوچ...... رہے ہیں؟“

”میں ایک بہت بڑا اسکول تعمیر کراؤں گا۔ اس کا نام ہوگا، نادرہ گرلز اسکول۔“

نادرہ نے خوش ہو کر کہا۔ ”اوہ ڈیڈ! بہت اچھا آئیڈیا ہے۔“

اس کے ڈیڈ نے کہا۔ ”اس اسکول میں غریب لڑکیاں تعلیم حاصل کریں گی۔“

”پھر تو کافی اخراجات ہوں گے۔“

فکر نہ کرو۔ میں اسے وزارتِ تعلیم سے پاس کراؤں گا اور سرکاری امداد حاصل کروں گا چونکہ وہ اسکول ہماری بیٹی کے نام پر ہوگا، اس لیے ہمیں کچھ رقم خرچ کرنا ہوگی۔“

ان کی کار کوٹھی کے مین گیٹ پر پہنچ گئی۔ مسلح سپاہی مین گیٹ کھولنے لگا۔ نادرہ نے کہا۔ ”میں ساحرہ سے مل کر آتی ہوں۔“

وہ کار سے نکل کر تیزی سے چلتے ہوئے پاس والی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ برآمدے میں کھڑے ہوئے ملازم نے کہا۔ ”بی بی جی! گھر میں کوئی نہیں ہے۔“

”ساحرہ نے کچھ کہا ہو گا؟“

”نہیں بی بی جی۔“

اس کے دل کو ٹھیس پہنچی۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا۔ ساحرہ کہیں بھی جاتی تو پہلے سے بتا دیتی تھی۔ اگرچہ وہ اپنے والدین کی مرضی کی تابع تھی۔ اس کے باوجود رسمی طور پر ضرور پوچھتی تھی۔ "نادرہ! میں جاؤں؟"

آج وہ اجازت کے بغیر گئی تھی۔ پچھلے تین دنوں سے نادرہ کبھی ڈاکٹر شیرازی اور کبھی سائیکلو انالسٹ کے پاس جاتی تھی اور ساحرہ سے چھپاتی تھی، اب ساحرہ نے اس سے انتقام لیا تھا۔ اس کے لیے کوئی پیغام چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔ اس نے بھی بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا کہ وہ کہاں گئی ہے اور کب تک آئے گی۔

وہ مایوس ہو کر آ گئی۔ رات کے کھانے تک اس نے دو بار ساحرہ کو فون کیا۔ ملازم کی آواز آتی رہی کہ وہ واپس نہیں آئی ہے۔ اس نے پوچھا "کیا بی بی جی کا فون بھی نہیں آیا؟" جواب میں مایوسی ہوئی۔

اس نے فون سے بھی یاد نہیں کیا تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی تھی، وہاں سے فون پر اپنی آواز سنا سکتی تھی لیکن ایک دوسرے سے روٹھنے، پھر منانے اور ایک دوسرے کے ناز نخرے اٹھانے کی جو رسم برسوں سے چلی آ رہی تھی، وہ کمزور پڑ گئی تھی۔

اس نے اپنی خواب گاہ میں آ کر کھڑکی کے پار دیکھا۔ بالکونی ویران تھی۔ وہ جس ہینگنگ چیئر پر بیٹھ کر جھولتی تھی، وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ بالکونی کا دروازہ اور کھڑکیاں بند تھیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ روشنی ہوتی تو کھڑکی کے شیشوں سے جھلکتی۔ پتا نہیں کہاں چلی گئی تھی۔ وہ رات کے بارہ بجے تک بار بار کھڑکی کے پاس جاتی رہی۔ پھر تھک کر بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے سوچا، آدھے گھنٹے بعد کھڑکی کے پاس جائے گی لیکن اتنی تھکی ہوئی تھی کہ لیٹنے کے تھوڑی دیر بعد ہی آنکھ لگ گئی۔

وہ رات کے دس بجے تک سو جانے کی عادی تھی۔ کبھی ساحرہ سے جھگڑا ہو جاتا تو بارہ، ایک بج جاتے تھے۔ اس کے باوجود اپنی عادت کے مطابق صبح چار بجے بیدار ہو جاتی تھی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے گھڑی دیکھی۔ پھر سرہانے رکھے ہوئے واکی ٹاکی کو اٹھا کر ایریل کو باہر کیا۔ مخصوص نمبروں کے بٹن دبا کر انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف اشارہ موصول ہو رہا تھا مگر خاموشی تھی۔ کیا وہ خواب گاہ میں نہیں ہے؟ کیا وہ کسی رشتے دار کے ہاں رات گزار رہی ہے؟ تقریباً تیس سیکنڈ تک وہ بڑی بے چینی میں مبتلا رہی۔ آخر اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو، کون ہے؟"

"انجان نہ بنو۔ رات کہاں تھیں؟"

"کہیں بھی تھی۔ تم سے کیا؟"

"کیا تمہیں احساس ہے کہ میں آدھی رات تک جاگتا رہا۔"

"جاگتا رہا؟" اس کی حیران سی آواز سنائی دی۔ "کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"جیسی تم سن رہی ہو۔ میں آدھے گھنٹے بعد جوگنگ کے لئے نکلوں گا۔"

"کیا لڑکوں کی طرح باتیں کر کے مجھے ہنسانا چاہتی ہو؟"

"میری دعا ہے، تم ہمیشہ ہنستی رہو۔ بلا سے میں تمہاری ہنسی دیکھنے کے لئے رہوں یا نہ رہوں۔"

وہ غصے سے بولی۔ "اس لیے ایسی باتیں کر رہی ہو کہ میں تمہارے لیے تڑپ جاؤں اور سوچنے لگوں، پتا نہیں تمہیں کیا ہونے والا ہے اور پھر بھاگی بھاگی چلی آؤں۔ تم بہت مکّار ہو۔"

"میں جیسا بھی ہوں، آدھے گھنٹے بعد یہاں سے نکلوں گا۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر باتھ روم میں گئی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد باہر نکلی تو اس کے بدن پر جوگنگ کا مخصوص لباس تھا۔ اس نے پھر واکی ٹاکی کے ذریعے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔

"میں باہر نکل رہا ہوں۔"

"میں نے کہہ دیا، نہیں آؤں گی۔"

"تمہاری بے رخی بتا رہی ہے کہ محبت ایک کچا دھاگا ہے جو کسی وقت بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ ایک شعر سن لو، اگرچہ بہت پرانا ہے مگر تمہارے حسبِ حال ہے ؎

جذبۂ عشق سلامت ہے تو انشاء اللہ
کچے دھاگے سے بندھے آئیں گے سرکار میرے"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ واکی ٹاکی کو بستر پر ڈالا پھر گنگناتے ہوئے خواب گاہ سے باہر نکلی۔ ایک ایک زینے پر سے اچھلتی ہوئی، ٹی وی لاؤنج سے گزرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ گھر کے ملازم اپنے صاحب اور ان کی صاحبزادی کی عادتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے وہ بھی صبح چار بجے بیدار ہو جاتے تھے۔ ایک ملازم نے اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ کوٹھی سے باہر آ گئی۔ اس کے ڈیڈ باغیچے میں ٹہل رہے تھے۔ سردی کا موسم رخصت ہونے والا تھا۔ ایسے وقت کہر چھائی رہتی تھی۔ ہر طرف سفید دھند دکھائی دیتی تھی۔ وہ برآمدے سے اترتے ہوئے، ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔ "مارننگ ڈیڈ!"

اس کے ڈیڈ نے بھی جواباً ہاتھ ہلایا۔ وہ پنجوں کے بل اسکیپنگ کرتے ہوئے مین گیٹ

کے پاس آئی۔ رائفل بردار سپاہیوں نے اس کے لیے پہلے سے گیٹ کھول رکھا تھا۔ ایک سپاہی نے اپنے شانے سے ایک بیگ لٹکایا ہوا تھا جس میں نادرہ کے لیے ایک بڑا سا تولیہ اور ہیئر برش وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ روز صبح یہ اپنی کوٹھی سے نکلتی تھی اور وہ اپنی کوٹھی سے باہر آتی تھی پھر ساحرہ آہستہ آہستہ چلتی رہتی تھی اور نادرہ اس کے ساتھ پنجوں پر اچھلتی جاتی تھی۔ ان کے پیچھے ایک سپاہی ہوتا تھا۔ اسی لیے مرزا صاحب اتنی صبح ساحرہ کے جانے پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔

اس روز وہ باہر نہیں آئی۔ نادرہ نے ذرا دیر انتظار کیا پھر سپاہی سے بولی۔ ”تم یہاں ٹھہرو، ساحرہ بی بی کے ساتھ آنا۔“

وہ آہستہ آہستہ دوڑتی ہوئی میدان میں آگئی۔ وہاں آس پاس کی کوٹھیوں سے کتنی ہی لڑکیاں اور لڑکے، بوڑھیاں اور بوڑھے صبح کی تازہ ہوا کھانے اور چہل قدمی کرنے آتے تھے۔ میدان بہت بڑا تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے اس کا پورا ایک چکر لگاتے ہوئے جب واپس اپنی جگہ آئی تو درخت کے سائے میں ساحرہ کھڑی ہوئی تھی۔

نادرہ اسے دیکھتے ہی رُک گئی۔ وہ آنے کو تو آگئی تھی مگر ناراض دکھائی دے رہی تھی۔ وہ رُخصتِ شب اور آمدِ صبح کے سنگم پر کھڑی ہوئی تھی۔ سفید دھند میں لپٹی ہوئی بڑی پراسرار لگ رہی تھی۔ جیسے اسرار کے دھندلکے سے نکل کر آتے آتے پھر بھی نظر آنے کے لیے باقی رہ گئی ہو۔

نادرہ کی آنکھیں وہی تھیں مگر اندازِ نظر بدل گیا تھا۔ ساحرہ نئی نئی سی لگ رہی تھی کیونکہ جذبے بدل گئے تھے۔ اس نے سوچا۔ اگر وہ اپنی سہیلی کے پاس جائے گی تو کچھ نہیں ہوگا۔ اگر وہ اپنی ساحرہ کے پاس جائے گا تو دل و دماغ میں ہل چل مچے گی۔ وہ حالِ دل بیان کرے گا تو زبان لڑکھڑائے گی۔ اسے ہاتھ لگائے گا تو جل جائے گا اور اگر کچھ کہہ نہ سکا تو دھواں دھواں ہو جائے گا۔ اپنی شخصیت کا پتا نہیں چلے گا۔

ساحرہ پر اپنا حق جتانے والی کی عجیب حالت تھی۔ وہ اس سے دور کھڑی تھی۔ پاس جانے کے لیے ایک قدم بڑھانے کے بعد رُک گئی تھی۔ ایسا لگا جیسے دنیا والے دیکھ رہے ہوں۔ انہیں ایک دوسرے کے قریب دیکھ کر جانے کیا سوچیں۔ دل میں چور تھا، اس لیے پاس جاتے ہوئے کچھ نئی نئی سی جھجک تھی جو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

ساحرہ منہ پھیر کر ایک طرف جانے لگی۔ یوں بھی جب نادرہ میدان کا ایک چکر لگا کر آتی تھی تو ساحرہ اس کے ساتھ ہو جاتی تھی۔ وہ پنجوں کے بل اسکیپنگ کرتے ہوئے اس کے ساتھ چلتی رہتی تھی اور باتیں کرتی رہتی تھی اور باتیں کرتی رہتی تھی۔ آج ساحرہ آگے چل رہی تھی اور وہ پیچھے رہ گئی تھی۔ اسے آگے چلنے والی کا بدن ایسا لگ رہا تھا جیسے کُہر کی دُھند میں صُبح ٹھہر ٹھہر کر طلوع ہو رہی ہو۔ وہ سہیلی کو برسوں سے دیکھتی آ رہی تھی۔ مگر اس کے بدلتے وجود کو آج دیکھ رہی تھی اور ایسا اس لیے ہو رہا تھا کہ پہلے جس سہیلی کے لیے اس کی محبت دیوانہ وار تھی، آج اسی کے لیے مردانہ وار ہو گئی تھی۔

اس نے ہولے سے مخاطب کیا۔ ”ساحرہ!“

وہ چلتی رہی۔ جب کسی میں کچھ کرنے کا یارا نہیں رہتا تو وہ کچھ کہہ کر حسرت پوری کرتا ہے۔ نادرہ نے کہا ”بھئی رُک جاؤ، تم کوئی وقت نہیں ہو کہ ٹھہر بھی نہ سکو۔“

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ اس کے شاداب چہرے پر غصّہ دکھانے والی آنکھ ایسے لگ رہی تھی جیسے پھول کو دھوپ لگ رہی ہو۔ وہ منہ پھیر کر جاتے ہوئے بولی۔ ”میں آخری بات کہنے آئی ہوں۔ کوئی دوسری ڈھونڈ لو۔“

وہ میدان سے نکل کر درختوں کے سائے میں گزرتے ہوئے سڑک کی طرف جانے لگی۔ نادرہ نے پھر اسکیپنگ شروع کی۔ پنجوں کے بل اچھلتے ہوئے، اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ”تم بات ختم کرنے آئی ہو اور میں نئے انداز میں شروع کرنے والا ہوں۔“

وہ چلتے چلتے یکبارگی رُک گئی۔ پھر یوں پلٹ گئی جیسے نادرہ نے اسے پکڑ کر جبراً اپنی طرف گھما لیا ہو۔ وہ پریشان ہو کر دیکھ رہی تھی جیسے نادرہ کے پیچھے کوئی چھپا ہو۔ اسے چھیڑ چھیڑ کر بول رہا ہو۔ وہ بگڑ کر بولی۔ ”مجھے معلوم ہے، تمہیں بچپن ہی سے لڑکا بننے کا شوق ہے مگر یہ شوق میرے سامنے پورا نہ کرو۔ مجھے وحشت ہوتی ہے۔“

نادرہ نے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں اس لیے وحشت ہو رہی ہے کہ میں لڑکی دکھائی دے رہا ہوں۔“

وہ تنبیہہ کے انداز میں انگلی دکھاتے ہوئے بولی۔ ”دیکھو نادرہ! میں سمجھا دیتی ہوں، میرے سامنے اس انداز میں گفتگو نہ کرو۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔“

”تمہیں ڈر کیوں لگتا ہے؟“

"سوال نہ کرو۔ لڑکی ہو، لڑکیوں ہی کی طرح رہو۔"

"میں ضرور پوچھوں گا۔ تمہیں ڈر کیوں لگتا ہے۔ کیا میرے پیچھے کوئی آسیب نظر آتا ہے؟"

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ میں تمہارے سامنے ایک مکمل لڑکی ہوں۔ کیا تم نے کبھی یہ سوچا کہ تم مکمل ہو یا نہیں؟"

"یہی تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

"تم پھر ویسے ہی گفتگو کر رہی ہو۔ پتا ہے، کالج کی لڑکیاں تمہاری پیٹھ پیچھے کیا کہتی ہیں؟"

"کیا کہتی ہیں؟"

"وہ تمہاری آواز پر ہنستی ہیں۔ کتنی بار میری ان سے لڑائی ہو گئی۔"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"کیا بتاتی۔ تم تو لڑکوں سے لڑ پڑتی ہو۔ ان لڑکیوں کو کب چھوڑتیں۔"

"میں سمجھ گیا۔ وہ کہتی ہوں گی، میری آواز نسوانی نہیں ہے۔"

"ہاں، کہتی ہیں۔ تمہاری آواز نہ عورتوں جیسی ہے نہ مردوں جیسی۔ ایسا لگتا ہے، کوئی نوخیز لڑکا بول رہا ہو۔"

"تم کیا سمجھتی ہو؟"

"میرے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تمہیں صاف صاف بتا دوں۔ میری مم کو ہمارا ملنا پسند نہیں ہے۔ اگرچہ وہ تعلیمیافتہ ہیں مگر ضعیف الاعتقاد ہیں۔ کہتی ہیں، تم پر کسی جن کا سایہ ہے۔ اسی لیے تم بھاری آواز میں بولتی ہو۔ وہ مجھے تم سے دُور رکھنا چاہتی ہیں۔"

"اچھا تو اسی لیے کل سے دُور ہو۔"

"مجھے الزام نہ دو۔ میں تمہارے لیے مم سے لڑتی ہوں۔ تمہارے لیے تمام سہیلیوں سے لڑتی ہوں۔ کوئی تمہارے خلاف ایک بولتی ہے۔ میں اسے دس سُناتی ہوں۔ مگر تم کیا کرتی ہو؟ تم پچھلے چار دنوں سے جھوٹ بولتی آ رہی ہو۔ چُپ چاپ ڈاکٹروں سے جا کر ملتی ہو۔ مجھے کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھتیں۔ تم نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ کیا پھر بھی میری سہیلی ہونے کا دعویٰ کرتی ہو؟"

"پہلے دعویٰ کرتی تھی، اب نہیں کر سکتی۔ اب میں سہیلی نہیں، دوست بننا چاہتا ہوں۔"

"پھر چاہتا ہوں؟ تم پھر اسی طرح باتیں کر رہی ہو۔"

نادرہ کی سمجھ میں آ گیا، ساحرہ اس سے نہیں، دُنیا والوں سے ڈر رہی تھی۔ سہیلیاں اس کی آواز کو نوخیز لڑکے کی آواز کہتی تھی اور اس کی مم کو شبہ تھا کہ اس پر جن سوار ہے۔ اگر انہوں نے اسے لڑکوں کے انداز میں گفتگو کرتے دیکھ لیا تو بات اور بڑھ جائے گی۔ اس کی مم کہیں گی، اب وہ جن پوری طرح نادرہ پر مسلّط ہو گیا ہے اور مردانہ لہجے میں بولنے لگا ہے۔ آج کی ماڈرن لڑکیوں کے لیے کسی جن کا سوار ہونا بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔ اسی طرح ایک ضعیف الاعتقاد عورت کے سامنے کسی لڑکی کا لڑکا بن جانا مضحکہ خیز ہے۔ لہٰذا اس کی مم کسی جن کے خوف سے اپنی بیٹی کو اس کے پاس جانے سے روکنا شروع کر دیں گی۔

وہ دونوں اپنی کوٹھیوں کے سامنے پہنچ گئیں۔ وہ روز صبح میدان سے گھر تک آتے آتے تمام دن کا پروگرام بنایا کرتی تھیں۔ کوٹھی کے سامنے پہنچ کر دونوں نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ساحرہ نے کہا "میں جا رہی ہوں۔"

نادرہ نے کہا۔ "جاؤ مگر ایک فیصلہ سناتی جاؤ۔ میں کسی کے سامنے لڑکوں کی طرح باتیں نہیں کروں گی مگر تنہائی میں تمہارے ساتھ تو کر سکتی ہوں۔"

"آخر کیا ضروری ہے۔ تم ایسی ہی اچھی لگتی ہو۔ میں نے تمہارے اسی روپ سے پیار کیا ہے۔ آج سے نہیں، برسوں سے کیا ہے۔ اگر تمہارے روپ میں، تمہارے انداز گفتگو میں اور تمہاری اداؤں میں فرق پیدا ہو گا تو وہ نادرہ کہاں رہے گی۔ اگر تم کوئی الٹی سیدھی حرکتیں کر کے مجھے چونکانا چاہتی ہو تو بے شک میں چونک جاؤں گی اور ڈر جاؤں گی اور جہاں ڈر پیدا ہوتا ہے وہاں محبت نہیں ہوتی۔"

نادرہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی بات پوری کر کے کوٹھی کے گیٹ تک گئی۔ پھر وہاں پہنچ کر بولی۔ "خُدا حافظ۔ کالج میں ملاقات ہو گی۔"

وہ گیٹ کھول کر اندر چلی گئی۔ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ مگر اس کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ جاتے جاتے اپنے دل کی بات کہہ گئی تھی۔ وہ نادرہ کو اسی روپ میں پسند کرتی ہے جیسی وہ اب ہے اور مشکل یہ ہے کہ وہ ویسی نہیں رہ سکے گی۔ قدرتی انقلابات نہ کسی سے پوچھ کر آتے ہیں نہ انہیں روکنا کسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔

دونوں کوٹھیوں کے بڑے پھاٹک ایک ساتھ کھلنے لگے۔ دونوں احاطے سے نکلنے والی وہ گاڑیاں بہت ہی قیمتی تھیں۔ وہ پھاٹک سے نکلتے ہوئے باہر آئیں۔ پھر راستے تک پہنچنے سے پہلے رک گئیں۔ شاہ جی نے پچھلی کھڑکی سے جھانک کر دوسری کار کو دیکھا پھر کہا۔

"مرزا صاحب، نئی گاڑی مبارک۔ کب خریدی؟"

"کل ہی شام کو لایا ہوں۔ ساڑھے چار لاکھ روپے کی ہے۔"

انہوں نے دل ہی دل میں کہا۔ میں نے مبارک باد دی تھی۔ قیمت نہیں پوچھی تھی۔ مگر یہ جتا رہا ہے کہ اس کے پاس مجھ سے زیادہ قیمتی گاڑی ہے۔

انہوں نے فوراً ہی مرزا صاحب کا بھاؤ گراتے ہوئے کہا۔ "اوہو، آپ نے بڑی غلطی کی۔ مجھ سے مشورہ لینا چاہیے تھا۔ کے کے موٹرز والے مجھے پونے چار میں دے رہے تھے۔ میں نے کہہ دیا، میں تو ڈائرکٹ امپورٹ کر رہا ہوں۔ بہت ہی خوبصورت گاڑی ہے اور آٹو میٹک گیئر ہے۔"

مرزا عبادت حسین کا منہ بننے والا تھا۔ انہوں نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو پیشگی مبارک باد دیتا ہوں بھئی، زندگی میں اور کیا ہے۔ اچھا کھانا، اچھا پہننا اور زیادہ سے زیادہ شوق پورا کرنا۔ ہاں، ایک خوشخبری سنا رہا ہوں۔"

شاہ جی نے سوچا۔ یہ پھر چرکا لگانے والا ہے۔ انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیسی خوشخبری؟"

"میں ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کے شعبے میں جا رہا ہوں۔ انشاء اللہ کل وہاں کا چارج

سنبھالوں گا۔"

"بھئی، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ شاندار پارٹی ہونا چاہیئے۔"

"ضرور ہونا چاہیئے۔ میں جانتا تھا۔ آپ کو زیادہ خوشی ہوگی۔"

"کیوں نہیں ہوگی۔ آپ کسی ڈپارٹمنٹ میں چلے جائیں۔ پولیس سے تو سابقہ پڑتا ہی ہے۔ ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن میں کچھ زیادہ ہی پڑے گا۔"

وہ چپ ہو گئے۔ دونوں کی گاڑیاں اسٹارٹ ہوئیں پھر سڑک پر پہنچ کر دو مختلف سمت جانے لگیں۔ مرزا عبادت حسین نے تلملاتے ہوئے سوچا۔ آخر وہ چوٹ کر گیا۔ اپنی اہمیت جتا گیا میں ایسے ہی وقت اس کم بخت سے کم تر ہو جاتا ہوں۔ ایک میری ہی بات نہیں ہے، پولیس والے تو یہاں کے ہر بڑے کو جوتا سمجھ کر پاؤں میں پہن لیتے ہیں اور کیوں نہ ایسا کریں ان کے ہاتھ میں ہتھیار ہوتے ہیں، پشت پر قانون ہوتا ہے۔ ایسا قانون جسے یہ توڑ مروڑ کر اپنے حالات کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ میں بھی کچھ کم نہیں ہوں۔ اگر شاہ جی کا ٹرانسفر نہ کرا دیا تو میرا نام مرزا عبادت حسین نہیں۔

انہیں خیال آیا۔ اگر کسی طرح وہ شاہ جی کا ٹرانسفر کرانے میں کامیاب ہو گئے تو ان کے ساتھ ان کے گھر والے بھی یہاں سے چلے جائیں گے۔ ان کا جانا اپنی بیٹی ساحرہ کو گوارا نہ ہوگا۔ وہ نادرہ کی جدائی برداشت نہیں کرے گی۔ ان لڑکیوں کی دوستی آگے چل کر بڑے مسائل پیدا کرنے والی تھی۔ مرزا صاحب پریشان ہو کر سوچنے لگے۔ ساحرہ کی ماں کہہ رہی تھی، نادرہ پر کوئی جن آیا ہوا ہے۔ اسی لیے وہ بھاری آواز میں بولتی ہے۔ ہمیں بیٹی کو اس سے دور رکھنا چاہیئے۔

مرزا عبادت حسین نے اپنی بیگم کی دقیانوسی باتوں کو تسلیم تو نہیں کیا لیکن یہ بات دل کو لگتی تھی کہ نادرہ کی آواز لڑکوں جیسی تھی بلکہ وہ لڑکا ہی لگتی تھی۔ اکثر ساحرہ کو اس کے ساتھ دیکھ کر باپ کا دل ڈرتا تھا۔ بیٹی کو اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہیئے۔ اس سے دور رکھنے کا یہی ایک راستہ دکھائی دے رہا تھا کہ اب بڑے بڑے ذرائع استعمال کیے جائیں اور شاہ جی کا تبادلہ کرا دیا جائے۔

شاہ جی اپنے دفتری کمرے میں بیٹھے چند افسران سے ضروری گفتگو کر رہے تھے۔ ایک سپاہی نے کمرے میں آ کر سلام کیا پھر ایک چھوٹی سی پرچی ان کے ہاتھ میں تھما دی۔ انہوں

نے پرچی کو پڑھنے کے بعد کہا۔ "اچھی بات ہے۔ اندر بھیج دو۔"
سپاہی باہر گیا۔ انہوں نے افسران سے کہا۔ "میں مانتا ہوں، سہراب گوٹھ کے معاملے میں
پولیس والے بدنام ہو رہے ہیں۔ اخبار والے بھی یہی چھاپتے رہتے ہیں کہ ہم منشیات فروشوں سے
چشم پوشی کر رہے ہیں۔ کوئی ہماری مجبوریوں کو نہیں سمجھتا۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ اوپر سے جب
تک احکامات نہیں ملیں گے، ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ بہرحال سہراب گوٹھ نہ سہی، میں نے
ایسے دوسرے اڈوں پر چھوٹے بڑے چھاپے مارنے کی اجازت حاصل کر لی ہے۔"

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور زردار خان داخل ہوا۔ تمام پولیس آفیسر اسے دیکھنے
لگے۔ شاہ جی نے کہا۔ "آپ لوگ جائیں۔ ہم اس مسئلے پر لنچ کے بعد گفتگو کریں گے۔"

وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے زردار خان کو دیکھنے کے بعد ایک دوسرے کو
معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر شاہ جی کو سلام کر کے کمرے سے باہر چلے گئے۔ زردار خان نے
دونوں ہاتھ پیشانی کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔ "السلامُ علیکم صاحب، آپ نے یاد کیا۔ خادم
حاضر ہو گیا۔"

شاہ جی نے ڈانٹ کر کہا۔ "میں نے وارننگ دی تھی۔ لیاری کا اڈا چھوڑ دو۔"

"صاحب، ہم نے چھوڑ دیا۔ اب اس کو ایک مکرانی دادا چلاتا ہے۔ صاحب، آپ سے
گزارش ہے، آپ فون اٹھا کر بیگم صاحبہ سے بات کر لیجیے۔"

شاہ جی نے اسے گھور کر دیکھا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد ہی رابطہ
قائم ہو گیا۔ بیگم کی آواز سن کر انہوں نے پوچھا۔ "کیا میرے بعد کوئی ملنے آیا تھا؟"

"جی ہاں، پچاس ہزار آئے تھے۔"

شاہ جی نے کن انکھیوں سے زردار خان کو دیکھا۔ بیگم کی آواز سنائی دی۔ "سنیے، مجھے ڈر
لگ رہا ہے۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"وہی جو پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ ایسی کمائی سے بیٹی کا علاج نہیں ہونا چاہیے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔"

انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ زردار خان نے پھر دونوں ہاتھ پیشانی کی طرف لا کر سلام کرنے
کے انداز میں کہا۔

"صاحب، یہ مکرانی دادا کی طرف سے ہے۔"

انہوں نے کہا۔ "اس سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے ایک کی ضرورت ہے۔"

"صاحب، ایک بھی ہو سکتا ہے مگر آپ کے آدمی ہمارا ٹرک پکڑ لیتے ہیں۔"

"وہ اسلحہ بھر کر لاؤ گے اور چاہو گے کہ ہم اندھے بن جائیں تو یہ ممکن نہیں ہے۔"

"خدا قسم، اسلحہ نہیں تھا۔ فقط چار کلاشنکوف تھا۔ وہ تو ہم نے دے دلا کر معاملہ
خلاص کر دیا ہے۔ اسلحہ تو اب آنے والا ہے۔ آپ مہربانی کریں گے تو آپ کے پاس ایک پہنچ
جائے گا۔ ہر ہفتے ایک کے حساب سے ہی پہنچا کرے گا۔"

انہوں نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "ہم اس کرسی پر بیٹھ کر قانون کا بول بالا رکھتے
ہیں۔ تم جو بھی کرو اس سے شریف اور پُرامن شہریوں کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ یہاں
امن و امان کی فضا قائم رہنا چاہیے۔"

"ہم تو کچھ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دماغ دیا ہے۔ وہ اپنا اچھا اور بُرا سمجھتا
ہے۔ جو بُرے ہوتے ہیں، وہی منشیات کے اڈوں پر آتے ہیں۔ کبھی کوئی شریف آدمی نہیں آتا۔
کوئی معصوم اور شریف لڑکا نظر آئے تو ہم خود اس کو بھگا دیتے ہیں۔ ہمارا بھی چھوٹا چھوٹا بچہ
ہے۔ یہ تو ہمارا اور آپ کا ڈیوٹی ہے۔ آپ برائی کو معاشرے سے دور رکھتا ہے اور ہم بچوں
کو برائی سے دُور بھگاتا ہے۔ بے شک، ہمارے پاس ہتھیار ہے مگر اپنا حفاظت کے لیے ہے۔
ہمارا کاروبار میں دوست کم ہوتا ہے، دشمن زیادہ ہوتا ہے۔"

شاہ جی نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ جلدی سے سنبھل کر بولنے لگا۔ "میرا مطلب ہے، دشمن
پولیس والا نہیں ہوتا۔ ہمارا ہتھیار پولیس والوں کے لیے نہیں ہے۔ شرپسند عناصر کے لیے ہے۔
دیکھئے صاحب، آسمان سے بڑا بڑا کتاب آیا، بڑا بڑا پیغمبر آیا۔ انہوں نے نیکی کا کام سکھایا مگر پھر
بھی دنیا میں بُرائی ہے۔ بُرائی جڑ سے ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ میونسپلٹی والا ایک ایک علاقے میں ایک
ایک محلے میں کچرے کا ڈرم کیوں رکھتا ہے۔ اس لیے کہ علاقے کا، محلے کا تمام گندگی اس ڈرم میں
چلا جائے۔ یہ جو شہر میں چھوٹا چھوٹا منشیات کا اڈا ہے، یہ چھوٹا ڈرم ہے۔ شہر کا جتنا بُرائی ہے، وہ
سب ادھر چلا آتا ہے۔ باقی تمام شہر صاف اور پاکیزہ رہتا ہے۔"

شاہ جی نے کہا۔ "ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ ہاتھ میں جھاڑو لے کر صفائی کرنے سے صفائی تو ہو جاتی
ہے مگر گرد ہمارے منہ پر بھی آتی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب اسلحے کا ذخیرہ کرنے اور منشیات

فروشی کے سلسلے میں تم لوگ خاصے بدنام ہو جاؤ گے۔"

زردار خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "صاحب، تالی دونوں ہاتھوں سے بجتا ہے۔ ہم تو منشیات فروخت کرتا ہے۔ کیا خریدنے والے مجرم نہیں ہیں۔ کیا ہم ان کا گریبان پکڑ کے، ان کو مار پیٹ کے، یا ان کی کنپٹی سے ریوالور لگا کے مجبور کرتا ہے؟ نہیں صاحب، نہیں۔ نہ تو ہمارا پورا قوم منشیات فروش ہے اور نہ ہی دوسرا قوم کا سبھی لوگ منشیات خریدنے اور استعمال کرنے کا عادی ہے۔ خریدنے اور بیچنے والا مٹھی بھر لوگ ہوتا ہے اور وہ کسی بھی قوم سے ہو سکتا ہے۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ پھر کچھ سننے کے بعد زردار خان کو جانے کا اشارہ کیا۔ اس نے دونوں ہاتھ پیشانی پر لے جا کر خاموشی سے سلام کیا۔ پھر الٹے قدموں چلتا ہوا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ انہوں نے کہا۔ "دیکھو بیگم! بیٹی سے صرف تمہیں نہیں، مجھے بھی محبت ہے۔ میں اس کی سلامتی اور خوشحالی چاہتا ہوں۔"

انہوں نے کچھ سننے کے بعد کہا۔ "میں نے کئی بار سمجھایا ہے، جب دل گھبرانے لگے تو نیکی اور ثواب کا کام کرو۔ روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔"

انہوں نے خاموش ہو کر بیگم کی بات سنی۔ پھر کہا۔ "ایسا کرو، تم پچاس ہزار میں سے پانچ ہزار نکال لو۔ دس دیگیں پکوا کر بابا صاحب کے لنگر میں پہنچا دو۔ ہو سکے تو خود جا کر وہ رُوح پرور نظارہ دیکھو۔ جب تم سینکڑوں آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھاتے ہوئے دیکھو گی تو روحانی سکون حاصل ہوگا۔ پھر دل نہیں گھبرائے گا۔"

انہوں نے سمجھا منا کر ریسیور رکھ دیا۔

نادرہ نے کھڑکی کھول کر دیکھا۔ سامنے والی بالکونی ویران تھی۔ وہاں ہینگنگ چیئر بھی نہیں تھی۔ ساحرہ کے بیڈ روم کی کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ اندر تاریکی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہو۔

یہ محض اندیشہ تھا کہ وہ چلی گئی ہوگی۔ حالاں کہ اس کے بغیر وہ رات کا کھانا بھی نہیں کھاتی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کہاں غائب ہو گئی۔ کالج بھی نہیں آئی تھی۔ وہ کراٹے سینٹر میں بھی اس کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے لیے گاڑی بھی بھیجی تھی مگر اس کا پتا نہ چلا۔ اس [illegible] بعد آکر اسے کھولا۔ پھر واکی ٹاکی نکال کر اس سے رابطہ قائم کرنے لگی۔ دوسری طرف رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے مخاطب کیا۔ "ہیلو ساحرہ۔"

جواب میں بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "میں ساحرہ کا باپ بول رہا ہوں۔"

وہ ایک دم سے گھبرا گئی۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ساحرہ کی جگہ اس کے پاپا کی آواز سنائی دے گی۔ انہوں نے پوچھا۔ "یہ واکی ٹاکی تم دونوں کے پاس کب سے ہے؟"

وہ گھبرائی ہوئی تھی، جواب نہ دے سکی۔ انہوں نے کہا۔ "یہ تو میں نے رسمی سا سوال کیا ہے ورنہ کون نہیں جانتا، ایک پولیس افسر کی بیٹی اپنے کمرے میں ٹرانسمیٹر بھی رکھ سکتی ہے اور ہماری اولاد کو گمراہ کرنے کے لیے اسے بھی ایک عدد ٹرانسمیٹر دے سکتی ہے۔"

وہ جھجکتے ہوئے بولی۔ "انکل، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں، اسے سمجھنے کے لیے شاہ جی کے کمرے میں جاؤ۔ میں ان سے رابطہ قائم کر رہا ہوں۔"

"پلیز انکل! آپ ڈیڈ سے کچھ نہ کہیں۔ پہلے میری بات سُن لیں۔" رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی بٹن دبا کر دوسری بار رابطہ قائم کیا ـــــ ہیلو ہیلو پکارتی رہی مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ اس نے جلدی سے واکی ٹاکی کے ایریل کو اندر کیا۔ اسے الماری میں رکھا۔ پھر تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے نکلی۔ زینے سے اترتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں پہنچی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ وہ ٹھٹک کر ادھر دیکھنے لگی۔ آہستہ آہستہ ادھر بڑھنے لگی گھنٹی بند ہو گئی تھی۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی آہستگی سے ریسیور کو اٹھایا۔ دوسری طرف اس کے ڈیڈ پوچھ رہے تھے۔ "ہیلو کون ہے بھئی رات کو تو بخش دیا کریں۔"

"میں مرزا عبادت حسین بول رہا ہوں۔"

"مرزا صاحب! خیریت تو ہے؟"

"جب خیریت نہ ہو تب پولیس والوں کو زحمت دی جاتی ہے۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، کیا آپ کی صاحبزادی کے پاس واکی ٹاکی ہے؟"

"مجھے پتا نہیں بھئی، یہ بچوں کا شوق ہے۔ شاید نادرہ کے پاس بھی ہو۔"

"آپ اسے شوق سمجھتے ہیں۔ میں اسے معیوب سمجھتا ہوں۔ جب ہمارے ہاں ٹیلیفون ہے تو واکی ٹاکی کے ذریعے لڑکیوں کو چھپ کر گفتگو کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"بات صرف لڑکیوں کی نہیں ہے۔ دو لڑکے بھی چھپ کر باتیں کریں تو کچھ شبہ ضرور ہوتا ہے۔ بائی دی وے، آپ کو کس بات کا شبہ ہے؟"

"شاہ جی، آپ پولیس والے ہیں۔ اتنا ضرور سمجھتے ہیں، کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو وہ الجھا دیتی ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ شبہ پیدا ہو۔ مگر تجسس اور اندیشے جنم لیتے ہیں۔ ہم اپنی بیٹیوں کو ایک دوسرے سے ملنے کی آزادی دیتے ہیں۔ کبھی نادرہ ہمارے ہاں آ کر کھاتی پیتی ہے کبھی ہماری بیٹی تمہارے ہاں جا کر کھاتی پیتی اور وقت گزارتی ہے۔ کالج میں دونوں ساتھ رہتی ہیں۔ ایک ساتھ جاتی ہیں، ایک ساتھ آتی ہیں۔ پھر ایسی کون سی خاص بات رہ جاتی ہے جو واکی ٹاکی کے ذریعے ہوتی ہے جبکہ ہمارے ہاں فون موجود ہے؟"

"آپ نے یہ سوال ساحرہ سے کیا ہوگا؟"

"بے شک کیا تھا۔ اس نے کچھ نہیں بتایا اور شاید نادرہ بھی کچھ نہ بتائے لیکن قصور نادرہ کا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"اس لیے کہ تنہائی میں گفتگو کرنے کی تحریک نادرہ نے پیدا کی۔ اسی نے میری بیٹی کو ایک واکی ٹاکی فراہم کیا ہے۔ یعنی اسے یہ سکھایا کہ اپنے والدین سے بھی چھپ کر باتیں کی جاتی ہیں۔"

"آپ اسے تسلیم کر لیں کہ ہماری بچیاں جوان ہو گئی ہیں۔ وہ ننھی بچیوں کی طرح اپنے تمام مسائل ہمیں نہیں بتا سکتیں۔ ان کے کچھ معصوم مسائل ہو سکتے ہیں جن کا چھپانا لازمی ہو مگر جن سے ہمیں نقصان نہ پہنچتا ہو۔ پھر آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

"شاہ جی! جب تک لڑکیوں کی شادی نہ ہو، انہیں اپنے والدین سے کوئی بات نہیں چھپانا چاہئے۔ جب تک وہ میکے میں ہیں، ان کا ہر مسئلہ والدین کا مسئلہ ہے۔"

"مرزا صاحب! آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ کچھ نہ کچھ چھپانا انسان کی فطرت ہے۔ خواہ وہ مجرمانہ انداز میں چھپائے یا معصومانہ انداز میں۔ ہماری بچیاں معصوم ہیں۔ مجھے صرف اپنی بیٹی پر نہیں بلکہ ساحرہ پر بھی اعتماد ہے اور میں مشورہ دوں گا کہ آپ بھی اعتماد کریں۔"

"میں آپ کی طرح فراخدل نہیں ہوں۔ اتنا جانتا ہوں، بیٹیاں جب تک میکے میں رہتی ہیں شیشے کا وجود رکھتی ہیں۔ کہیں سے آنچ پہنچی تو تڑخ جاتی ہیں۔ کسی نے پتھر پھینکا تو ٹوٹ جاتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں ذمے دار والدین کی حیثیت سے دو سہیلیوں کے درمیان بھی کچھ فاصلہ ضرور رکھنا چاہیئے۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔"

"میں جانتا تھا، آپ میرا مشورہ تسلیم نہیں کریں گے۔ لہٰذا میں نے مشورہ لینا ہی مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے ساحرہ کو اس کی ننھیال بھیج دیا ہے۔"

یہ سنتے ہی نادرہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ کان سے ریسیور لگائے سُن رہی تھی۔ خلا میں تکتے ہوئے بالکل ساکت ہو گئی تھی جیسے سہیلی کے جاتے ہی دم نکل گیا ہو۔ اسے انکل کی زبان سے سُن کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ ساحرہ کو ننھیال بھیج دیا گیا اور وہ اپنی سہیلی سے ملے بغیر چلی گئی۔

اس کے ڈیڈ کہہ رہے تھے۔ "مرزا صاحب! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

"شاید آپ کی بیٹی کے لئے اچھا نہ ہو۔ میں ایک خود غرض باپ ہوں۔ میں نے اپنی بیٹی کے لیے اچھا ہی کیا ہے۔"

"مگر آپ کب تک بیٹی کو خود سے دور رکھیں گے؟"

"یہ چند دنوں کی بات ہے۔ پھر میں اسے لاہور، پنڈی کے کسی کالج میں داخل کرا دونگا۔"

نادرہ کے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے ساحرہ نظر آ رہی تھی۔ شیطانی ہاتھ اسے کھینچ کر لے جا رہے تھے اور وہ چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہی تھی۔ "نادرہ مجھے بچاؤ۔ میں تم سے دور نہیں جاؤں گی۔ میں تم سے دُور نہیں رہوں گی۔"

ریسیور پر اپنے ڈیڈی کی آواز سنائی دی۔ وہ مرزا صاحب سے کہہ رہے تھے۔ "آپ ساحرہ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اسے میری بیٹی سے دُور رکھنے کے لیے اپنے سائے سے بھی محروم کر رہے ہیں۔"

"میں جذباتی انداز میں نہیں سوچتا۔ اولاد کی بھلائی دیکھتا ہوں۔ آپ بھی یقیناً ساحرہ کو بیٹی کی طرح چاہتے ہیں۔"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم ساحرہ کو بالکل نادرہ کی طرح چاہتے ہیں، اپنی بیٹی سمجھتے ہیں۔ آپ نے اتنا موقع بھی نہیں دیا کہ ہم اسے محبت سے رخصت کر سکتے۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں نے یہ موقع نہیں دیا مگر یہ وعدہ کرتا ہوں، وہ جلد ہی آپ بزرگوں کی دعائیں لینے آئے گی۔ اکیلی نہیں، اپنے شوہر کے ساتھ۔"

نادرہ یکبارگی پھٹ پڑی۔ اس کے حلق سے فلک شگاف چیخ نکلی۔ "نہیں۔۔۔۔۔"

اس کی زبان سے نکلا ہوا نہیں، رات کے سناٹے میں دور تک اور دیر تک گونجتا رہا۔ اس کا انکار ایک ریسیور سے دوسرے ریسیور، پھر تیسرے ریسیور تک پہنچتا چلا تا اور باغیانہ انداز میں اعتراض کرتا ہوا گیا۔ "نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ سراسر ظلم ہے۔ میری ساحرہ کو مجھ سے جدا کیا جا رہا ہے۔ وہ مجھے چاہتی ہے۔ میں اسے چاہتا ہوں۔ وہ میری، صرف میری دلہن بنے گی۔"

اس کے پھٹ پڑنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے بارود کے ڈھیر کو کسی نے دیا سلائی دکھا دی ہو۔ ایک طرف شاہ جی کان سے ریسیور لگائے پریشان ہو کر سوچ رہے تھے، نادرہ کو اس انداز میں نہیں بولنا چاہئے تھا۔ معاملہ بگڑ گیا ہے۔ دوسری طرف مرزا صاحب کان سے ریسیور لگائے حیران حیران سے اس کی باتیں سُن رہے تھے۔ اس کے بولنے کا انداز ایسا غیر معمولی تھا کہ کانوں سے سُن کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

نادرہ ریسیور کو دونوں ہاتھوں سے تھامے، اُسے اپنے سامنے رکھ کر یوں چیخ رہی

تھی جیسے ساحرہ کے والدین کے سامنے پہنچ کر چیلنج کر رہی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "کان کھول کر سُن لیجئے۔ میں قسم کھا چکا ہوں، شادی کروں گا تو ساحرہ سے، کوئی اسے چھین کر لے جا نہیں سکے گا۔ چھیننا چاہے گا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

دوسری طرف مرزا صاحب ریسیور کان سے لگائے ہوئے تھے۔ ایک دھماکا سا سُن کر انہوں نے چونکتے ہوئے ریسیور کو دیکھا۔ وہاں سے آواز آ رہی تھی۔ "جو ساحرہ کا ہاتھ پکڑے گا، میں اس کا ہاتھ توڑ دوں گا۔۔۔۔۔۔۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" پھر ایسی آواز آ رہی تھی جیسے وہ کسی کے ٹکڑے کر رہی ہو۔ مرزا عبادت حسین کو معلوم نہیں تھا کہ وہ ریسیور کو ہی کریڈل پر مار رہی ہے اور جوش، جنون اور وحشت میں ٹیلیفون سیٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہے۔ پتا نہیں اس کے ٹکڑے ہوئے ہوں گے۔ اس سے بہت پہلے آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ یقیناً وہ ٹیلیفون سیٹ ناکارہ ہو گیا تھا۔

دوسری طرف شاہ جی دوڑتے ہوئے اپنے بیڈ روم سے نکلے۔ پھر ٹی وی لاؤنج میں پہنچ کر انہوں نے نادرہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ جھنجوڑتے ہوئے کہنے لگے۔ "بیٹے، ہوش میں آؤ۔ تم نے جوش میں آ کر غلطی کی ہے۔"

وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر، پاؤں پٹختے ہوئے بولی۔ "غلطی وہ کر رہے ہیں۔ ساحرہ کو مجھ سے چھین رہے ہیں۔"

"وہ ان کی بیٹی ہے۔ کسی سے کوئی چیز محبت سے مانگی جاتی ہے۔"

"ہم بچپن سے محبت کرتے آ رہے ہیں۔ اس کا صلہ یہ مل رہا ہے کہ وہ ساحرہ کی شادی دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں؟"

"تم پاگل ہو رہے ہو۔ انہیں کیا معلوم کہ تم کیا سے کیا ہو رہے ہو۔ ابھی تمہاری شخصیت مکمل نہیں ہوئی۔ ہم تمہیں ایک بیٹے کی حیثیت سے ان کے سامنے پیش نہیں کر سکتے۔ ابھی تو وہ تمہیں بیٹی ہی سمجھتے ہیں۔ ایسے وقت تم نے یہ کہہ کر انہیں چونکا دیا ہے کہ ساحرہ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ بھلا ایک لڑکی یہ چیلنج کرے تو کیا وہ اپنی لڑکی کے لیے دوسری لڑکی کا رشتہ قبول کر لیں گے۔ ایسا ہوشمند تو کیا پاگل بھی نہیں کرتے۔ ہماری دنیا میں آج تک ایسا نہیں ہوا۔ پھر تم ایسی انہونی بات کیوں کرتے ہو؟"

"آپ چاہتے ہیں۔ میں ساحرہ کو بھول جاؤں۔ نہیں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں، کبھی نہیں ہونا چاہیئے۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ ساحرہ کو بھول جاؤ یا اسے چھوڑ دو۔ دیکھو تم جوش اور جنون میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ڈاکٹر نے پیشینگوئی کی تھی کہ تم نے ہوشمندی سے کام نہیں لیا تو دماغی مریض بن جاؤ گے۔ ابھی تمہارے سنبھلنے کا وقت ہے۔ بیٹے! میں یقین دلاتا ہوں، ساحرہ تمہاری ہو گی۔ میں اسے بہو بنا کر لاؤں گا مگر صبر کرو، اپنے باپ پر اعتماد کرو۔"

وہ نڈھال سی ہو کر صوفے پر گر پڑی۔ اس کی پشت سے ٹیک لگا کر تھکے ہوئے انداز میں کہنے لگی۔ "اوہ، ڈیڈ! جانے وہ کہاں ہو گی۔ وہ کہیں بھی ہو گی، میرے لیے رو رہی ہو گی۔"

"ڈونٹ بی سو سینٹی مینٹل۔ تم ایک سپاہی کی بیٹی ہو، جذباتی انداز میں سوچو گی تو کبھی اسے تلاش نہیں کر سکو گی۔"

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ انہوں نے کہا "تمہیں بڑے صبر اور تحمل سے کام لینا ہو گا۔ وعدہ کرو، تم جوش اور جنون میں نہیں آؤ گے۔ پاگلوں کی طرح کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، اگر اسی شہر میں اسے چھپا کر رکھا گیا ہے تو کل شام تک اس کا سراغ لگا لوں گا۔"

"ڈیڈ، اس کا ننھیال پنڈی میں ہے۔ وہ یہاں سے جا چکی ہے۔"

"ساحرہ تمہیں اب تک سہیلی سمجھتی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اس سے کوئی ناراضگی تو نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔"

"پھر وہ تم سے ملے بغیر یا کسی طرح تمہیں اطلاع دیئے بغیر یہاں سے کیسے جا سکتی ہے؟"

"مجھ سے رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ اس سے چھین لیا گیا ہے۔ گھر میں جو فون ہے اسے اپنے والدین کی موجودگی میں استعمال نہیں کر سکتی ہو گی۔"

"یعنی وہ گھر میں ہے مگر تم سے رابطہ قائم نہیں کر سکتی۔"

نادرہ نے چونک کر اپنے باپ کو دیکھا۔ انہوں نے کہا "ہم پولیس والے اسی طرح تفتیش کرتے ہیں۔ تم میرے سوالوں کا جواب دیتی جاؤ۔ ابھی حقیقت سامنے آ جائے گی۔ سب سے

پہلا سوال یہ کہ تمہیں ساحرہ پر کتنا اعتماد ہے؟"

"بہت اعتماد ہے۔ وہ مجھے بہت چاہتی ہے۔"

"کیا اب سے پہلے ایسا ہوا ہے کہ وہ تم سے دور گئی ہو اور وہاں سے رابطہ قائم نہ کیا ہو؟"

"کئی بار ایسا ہوا کہ وہ اپنے ننھیال گئی تو پنڈی سے مجھے فون کیا ہے۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں۔"

"تو ذرا صبر کرو۔ اگر وہ بذریعہ ٹرین گئی ہے تو کل شام تک ضرور فون کرے گی۔ کسی فلائٹ سے گئی ہے تو صبح تک ضرور فون آئے گا۔ اگر وہ اسی شہر میں ہے تو جہاں کہیں بھی ہے مجبور ہے۔ تم سے رابطہ قائم نہیں کر سکتی۔ اس کے پاس ٹیلیفون یا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ایسی بس ایک ہی جگہ ہے اور وہ ہے اس کا اپنا گھر۔ جہاں اس پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔"

نادرہ یکبارگی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ خوش ہو کر بولی۔ "او ہو ڈیڈ، آپ پکے جاسوس ہیں۔ میرا دل کہہ رہا ہے، وہ اپنے ہی گھر میں ہے۔"

انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا "میں تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ جلد بازی میں، پاگل پن میں کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھانا۔ خدا نہ کرے، تمہیں کسی وجہ سے مایوسی ہوئی تو دماغ پر برا اثر پڑے گا۔"

"ڈیڈ، ہم کیسے معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں ہے؟"

"اطمینان رکھو، اگر وہ گھر میں ہے تو مرزا صاحب اسے صبح ہونے سے پہلے کسی دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوشش کریں گے۔ تم نے اپنے اندازِ گفتگو سے انہیں چونکا دیا ہے۔ وہ تجسس میں مبتلا ہوں گے۔ پھر تم نے چیلنج کیا ہے۔ ایک پولیس آفیسر کی بیٹی کا چیلنج انہیں خوفزدہ کر سکتا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کو یقیناً یہاں سے منتقل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"آپ انہیں روکیے۔ پلیز، کسی طرح روکیے۔"

"تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ میں سپاہیوں کو نگرانی پر مامور کرتا ہوں۔ وہ مرزا صاحب کی کوٹھی میں آنے جانے والوں پر نظر رکھیں گے۔ ان کے پاس دو کاریں ہیں۔ وہ کسی ایک کار میں ساحرہ کو کہیں پہنچانا چاہیں گے تو ہمارے سپاہی ان کا تعاقب کریں گے۔ اسے جہاں بھی پہنچایا جائے گا۔ ہمیں اس کا پتا ٹھکانا معلوم ہو جائے گا۔"

نادرہ کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا "وہ ہے، اپنے ہی گھر میں ہے۔ میں اپنے

بیڈ روم کی کھڑکی کھول کر دیکھوں گی تو وہ نظر آئے گی۔"

وہ زینے کی طرف جاتے ہوئے بولی "میں کمرے میں جا رہی ہوں۔ پلیز، آپ اسے کسی طرح بھی فائنڈ آؤٹ کریں۔"

"میں ابھی ان کا فون ڈیٹیکٹ کراؤں گا۔"

وہ زینے پر چڑھتے چڑھتے رک گئی۔ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ کہنے لگے "میرے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ میں ابھی ایکسچینج کے اعلیٰ افسران سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ مرزا عبادت حسین پر شبہے کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مجبور کرتا ہوں کہ ان کے گھر سے کوئی بھی فون کیا جائے تو اسے ریکارڈ کر لیا جائے۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوگا، وہ ساحرہ کو کہیں منتقل کرنے کے سلسلے میں کیا پلاننگ کر رہے ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "اوہ ڈیڈ، آپ تو اس شہر کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے۔"

"مجھے بھی یقین دلاؤ کہ تم بیڈ روم میں جا کر آرام سے سو جاؤ گی۔"

"یس ڈیڈ! میں سونے جا رہی ہوں۔"

"اور وعدہ کرو، تم کھڑکی کے پاس نہیں جاؤ گی۔ ساحرہ کے گھر کی طرف نہیں دیکھو گی۔"

وہ زینے کے اوپری حصے پر پہنچ کر رک گئی۔ یہ وعدہ نہیں کر سکتی تھی۔ انہوں نے سمجھایا "دیکھو بیٹے، تم ادھر دیکھو گی، اسے ڈھونڈنا چاہو گی تو ان کا شبہ بڑھ جائے گا۔ وہ تم سے اور زیادہ خوفزدہ ہوں گے۔ اپنی بیٹی کی حفاظت کے لئے ایسے اقدامات کریں گے جو ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتے۔"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "اچھی بات ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔"

وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شاہ جی تھوڑی دیر تک ٹی وی لاؤنج میں ٹہلتے رہے۔ سوچتے رہے پھر اپنے کمرے میں آ کر ٹیلیفون کے پاس بیٹھ گئے۔ آج تک وہ بیٹی کی محبت میں انتہا کرتے رہے تھے۔ آج بیٹے کے لیے انتہا سے گزر جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگے۔

مرزا عبادت حسین ٹیلیفون کو بار بار گھور گھور کر یوں دیکھ رہے تھے جیسے اس کے اندر نادرہ بیٹھی ابھی تک بول رہی ہو۔ نہیں، بول نہیں رہی ہو بلکہ بول رہا ہو۔

پہلے تو یہی بات مضحکہ خیز تھی کہ وہ لڑکی ہو کر لڑکا لگتی تھی۔ ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو چوڑی ہڈی، چوڑے شانے اور لانبے قد کی ہوتی ہیں۔ ان میں جسمانی حُسن اور نزاکت نہیں ہوتی۔ ان کی چال میں بھی نسوانیت نہیں ہوتی۔ اگر ان کا ہیئر اسٹائل لڑکوں جیسا کٹ ہو اور وہ لڑکیوں جیسا لباس پہنتی ہوں تو بھی نگاہوں کے ہر زاویے سے لڑکا ہی لگتی ہیں۔ نادرہ بھی ایسی ہی لگتی تھی۔

یہ مرزا صاحب کے لیے زیادہ حیرت کی بات نہیں تھی لیکن اس نے فون پر لڑکوں کے انداز میں بولنا شروع کیا تو یہ چونکا دینے والی بات تھی۔ لوگ کسی بھی غیر متوقع بات پر وقتی طور پر چونکتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اسے بھول جاتے ہیں لیکن جو معاملہ بالکل ہی غیر معمولی ہو یعنی اتنا غیر معمولی کہ پہلے کسی نے انسانی سماج میں نہ دیکھا ہو، نہ سُنا ہو، وہ بات کانوں کے اندر ایک لرزہ خیز دھماکے کی طرح گونجتی ہے اور دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ مرزا صاحب ہکا بکا رہ گئے تھے۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا تھا مگر ٹیلیفون سے نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں۔ انہیں ابھی تک وہاں سے نادرہ کا چیختا چلاتا ہوا چیلنج سنائی دے رہا تھا "میں ساحرہ سے شادی کروں گا۔ اسے کوئی مجھ سے چھین نہیں سکے گا۔ میں چھیننے والے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔"

ساحرہ کی ماں نے کئی بار کہا تھا کہ نادرہ پر جن سوار ہے۔ اب مرزا صاحب کو بیگم کی بات کا یقین کرنا تھا کہ ٹیلیفون کے ذریعے وہ جن کھل کر چیلنج کرنے لگا ہے۔

ان کی بیگم دوسرے صوفے پر بیٹھی منہ تک رہی تھی۔ ان کے اضطراب اور غیظ و غضب کو سمجھ رہی تھی۔ کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ پھر انہوں نے حوصلہ کر کے پوچھا۔

”آخر کچھ مجھے بھی بتائیں۔ کیا ہو رہا ہے؟“

”ایسی بات ہو رہی ہے جو ہمارے جاننے سننے میں کبھی نہ ہوئی۔ تم کہتی ہو۔ اس لڑکی پر جن آیا ہوا ہے۔ جن وِن کوئی نہیں ہے۔ وہ سرے سے لڑکی ہے ہی نہیں۔ وہ تو لڑکا ہے۔“

بیگم حیرت سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”میں تو اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کے ہاں کبھی لڑکی تھی ہی نہیں۔ انہوں نے بیٹے کو بیٹی بنا رکھا تھا اور ہماری بیٹی سے ملنے کی آزادی دیتے رہے تھے۔ انہوں نے ہماری شرافت اور دوستی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ ہمارے گھر کی عزت سے کھیلتے رہے ہیں۔“

”آپ شاید ہوش میں نہیں ہیں اور ایسی باتیں کر رہے ہیں جس پر کوئی یقین نہیں کر سکتا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میری ساحرہ مجھے ضرور بتاتی۔“

انہوں نے غرّا کر بیگم کو دیکھا۔ پھر پاؤں پٹختے ہوئے بیڈ روم سے نکل کر جانے لگے۔ بیگم ان کے پیچھے جاتے ہوئے بولیں ”آپ کہاں جا رہے ہیں۔ رُک جائیے۔ میری بات سُن لیجئے۔ ساحرہ سے ابھی کچھ کہنا مناسب نہیں ہے۔“

وہ بیڈ روم سے نکل کر کوریڈور سے گزرتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے پر رُک گئے۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ انہوں نے چٹخنی کو نیچے گرایا۔ پھر اسے کھول کر اندر داخل ہوئے، ساحرہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ انہوں نے غرّا کر کہا۔ ”میں نے سختی سے تاکید کی تھی۔ کمرے میں روشنی نہیں ہونا چاہیئے۔“

”پاپا! یہ تو زیرو پاور کا بلب ہے۔“

”یہ بھی نہیں ہونا چاہیئے۔“

انہوں نے آگے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا۔ کمرے میں تاریکی چھا گئی۔ کھلے ہوئے دروازے سے کوریڈور کی ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ انہوں نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ ”مجھے تم پر بڑا ناز تھا۔ میں فخر کرتا تھا کہ تم غیرت مند باپ کی غیرت مند بیٹی ہو مگر اتنی بے غیرتی پر اتر آؤ گی، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“

”آپ مجھے صبح سے الزامات دیتے آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے میں رہ

کر صرف ایک غلطی کی۔ نادرہ نے رابطہ قائم کرنے کے لیے والی مُمّا کی دیا اسے میں نے آپ سے چُھپا کر رکھا، مجھے اپنی اس حرکت پر شرمندگی نہیں ہے۔ کیوں کہ میں نے گناہ نہیں کیا ہے۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے میرا سر آپ کے سامنے اور آپ کا سر دُنیا والوں کے سامنے جھک جائے۔

”میں زیادہ بحث نہیں کروں گا۔ صرف ایک سوال کرتا ہوں۔ تم شریف باپ کی شریف اولاد ہو تو جھوٹ نہ کہنا۔ سچ سچ جواب دینا۔“

”میں خُدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں، آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔“

”تو پھر بتاؤ۔ نادرہ کون ہے؟“

اس نے حیرانی سے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باپ کی طرف دیکھا۔ جو ایک سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”یہ کیسا سوال ہے؟ وہ تو میری سہیلی ہے۔“

انہوں نے گرج کر کہا۔ ”سہیلی نہیں، دوست ہے۔“ ابھی اس نے ٹیلیفون پر مجھ سے چیخ چیخ کر کہا ہے کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔ اگر کوئی تمہیں اس سے چھین کر لے جائے گا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کا مطلب کیا ہوا، تم بتا سکتی ہو؟“

وہ شدید حیرانی سے تاریکی میں تکتے ہوئے بستر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر باپ کے ذرا قریب ہو کر بولی ”مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ آپ ہوش و حواس میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔“

پھر اس نے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مم! یہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر نادرہ کے بارے میں ایسا کیوں سوچا جا رہا ہے۔ وہ برسوں سے میرے ساتھ ہے۔ ہم اسکول سے لے کر کالج تک کبھی الگ نہیں ہوئے۔ ہم نے ہر موضوع پر ایک دوسرے سے گفتگو کی ہے۔ اگر ایسی بے تکی باتیں کرنی ہوتیں تو وہ پہلے مجھ سے کرتی۔“

”آپ تھوڑی دیر کے لیے نادرہ کو یہاں بلائیں۔ اس سے بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں، ابھی حقیقت سامنے آ جائے گی۔ آپ خواہ مخواہ اُلجھ رہے ہیں۔“

”وہ اس گھر میں قدم نہیں رکھے گی اور نہ ہی تم وہاں جاؤ گی۔ یہ معاملہ جب تک ہماری سمجھ میں نہیں آئے گا، تم اسی کمرے میں رہو گی۔“

”پاپا! یہاں میرا دم گھٹ جائے گا۔ آپ نے کھڑکیاں باہر سے بند کر دی ہیں۔ دروازہ بھی باہر سے بند کر دیتے ہیں۔ آخر میں کب تک قید رہوں گی؟“

"جب تک ہمیں حقیقت معلوم نہیں ہوگی۔ ایک لڑکی کا یہ کہنا کہ تم سے شادی کرے گی۔ ہمارے لیے بہت بڑی بے غیرتی ہے۔ ہم پہلے معلوم کریں گے۔ اس بے تُکی بات کے پیچھے حقیقت کیا ہے؟"

"اگر آپ اور اُلجھ گئے تو کیا ہوگا؟"

"پھر ہم تمہیں یہاں نہیں رکھیں گے۔ تم لاہور یا پنڈی میں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کرو گی۔ ہم تمہاری بھلائی چاہتے ہیں۔ اگر تم نہیں چاہو گی تو میرا غصہ جانتی ہو۔ میں کسی اچھے خاندان کے لڑکے کو پکڑوں گا اور تمہارا نکاح پڑھا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔"

وہ غصے سے طنطناتے ہوئے باہر چلے گئے۔ اس کی مم نے کہا "بیٹی! اولاد کی سمجھ میں صرف اتنی سی بات آنا چاہیئے کہ ماں باپ ان کے دشمن نہیں ہوتے، وہ ہر حال میں ان کی بھلائی چاہتے ہیں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔"

وہ بھی کمرے سے چلی گئیں۔ دروازے کو بند کر کے باہر سے پھر چٹخنی لگا دی گئی۔ ساحرہ اس دروازے کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے جان بوجھ کر اس کی توہین کی جا رہی ہو۔ اس کی معصومیت اور شرافت پر تھوکا جا رہا ہو اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا کہ والدین کا اعتماد اس پر سے اُٹھ گیا تھا۔ آخر کیوں اٹھ گیا تھا؟

وہ بستر پر آکر اوندھے منہ گر پڑی۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا، نادرہ کی محبت میں ہو رہا تھا۔

نادرہ نے جوگنگ کا لباس پہن لیا تھا۔ پاؤں میں جرابیں اور کینوس کے جوتے تھے۔ اس نے بند کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کے ڈیڈ نے منع کیا تھا کہ کھڑکی نہ کھولے۔ ساحرہ کی کوٹھی کی طرف نہ دیکھے لیکن صبر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے پہلے تو بیڈ روم میں اندھیرا کر لیا۔ تمام بتیاں بجھا دیں۔ پھر دبے قدموں کھڑکی کے پاس جا کر دیکھا۔ ویران بالکونی کو دیکھ کر دل ڈوبنے لگا تھا مگر کوئی اس کے اندر کہہ رہا تھا۔ وہ ننھیال نہیں گئی ہے۔ یہیں ہے۔ اُسے یہیں چھپا کر رکھا گیا ہے۔

کوئی انجانی قوت تھی جو اسے ساحرہ کی طرف دھکیل رہی تھی۔ اسے ڈھونڈ نکالنے پر مجبور کر رہی تھی۔ تب اس نے جوگنگ کا لباس اور کینوس کے جوتے پہن لیے تھے۔ وہ بیڈ روم سے باہر آئی۔ نیچے ٹی وی لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔ دو بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ اتنی رات کو کسی سے شب بیداری کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ دبے قدموں زینے سے اُترتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں آئی۔ وہاں سے چلتے ہوئے کچن میں پہنچی۔ پھر پچھلے دروازے کو کھول کر باہر نکل گئی۔

چاند پائیں باغ کے درختوں میں چھپا ہوا تھا۔ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جیسے چھپا دیا گیا تھا۔ بھلا چھپانے سے نُور چھپتا ہے یا خوشبو قید ہوتی ہے۔ اس کی چاندنی کہہ رہی تھی کہ چاند موجود ہے۔

پائیں باغ کے گیٹ پر کھڑا ہوا مسلح سپاہی اسے دیکھتے ہی الرٹ ہو گیا۔ گیٹ کے کیبن سے دوسرا سپاہی دوڑتا ہوا، اپنی وردی کے بٹن لگاتا ہوا مسلح سپاہی کے ساتھ آ کر

کھڑا رہ گیا۔ پھر دونوں نے اسے سلام کیا۔ اس نے دوسرے سپاہی کو بلایا۔ پھر اس دیوار کے پاس گئی جس کے دوسری طرف ساحرہ کی کوٹھی تھی۔ اس نے سپاہی سے پوچھا "کیا تم نے ساحرہ بی بی کو دیکھا ہے؟"

"جی نہیں، بی بی جی۔"

"میں دیوار کے پار جا رہی ہوں۔ ڈیڈ کو معلوم نہیں ہونا چاہئیے۔"

سپاہی نے پریشان ہو کر کہا "آپ کا جو حکم لیکن صاحب کو معلوم ہو گیا تو؟"

"سب سو رہے ہیں۔ چلو مُرغا بن جاؤ۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "جی؟"

"مجھے دیوار پر چڑھنا ہے۔ سمجھے؟"

اس نے احمقانہ انداز میں سر ہلایا۔ پھر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر جھک گیا۔ نادرہ نے اس کی پیٹھ پر زور کی تھپکی دی۔ جیسے گھوڑے کی مضبوطی کا اندازہ کر رہی ہو۔ اس کے بعد وہ ذرا دور گئی۔ وہاں سے سپاہی کو دیکھا۔ پھر دیوار کی اونچائی کا اندازہ کیا۔ اس کے بعد تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی۔ قریب پہنچ کر اچھلتے ہوئے سپاہی کی پیٹھ پر پاؤں رکھے۔ پھر اسی لمحے اچھل کر دیوار کی بلندی پر پہنچ گئی۔

دوسری طرف سے ساحرہ کی خوشبو آ رہی تھی۔ باغیچے کے رنگ برنگے پھول چاندنی میں مسکرا رہے تھے۔ درختوں کی پتیاں ایک دوسرے سے گلے ملتے ہوئے یوں گنگنا رہی تھیں جیسے استقبالیہ نغمہ سنا رہی ہوں۔ امرود کا پیڑ دیوار سے لگا ہوا تھا۔ وہ شاخوں پر سے ہوتی ہوئی دوسری طرف اتر گئی۔

مرزا صاحب نے کوئی نائٹ چوکیدار نہیں رکھا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ شاہ جی کی کوٹھی میں پہرہ دینے والے اتنے سپاہی تھے کہ چور، ڈاکو پاس والی کوٹھیوں میں آنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بھول گئے تھے کہ جسے شب خون مارنا ہوتا ہے، وہ سپاہی کی پیٹھ پر چڑھ کر بھی چلا آتا ہے۔

وہ دبے قدموں چلتے ہوئے سرونٹ کوارٹرز کے پاس آئی۔ دو کوارٹرز کے دروازوں پر تالے پڑے ہوئے تھے۔ تیسرا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ کوارٹر کے دوسری طرف ‏‏[illegible] کر کھڑکی کے پاس آئی۔ پھر اندر تاریکی میں دیکھتے ہوئے بولی "گلشن! اے گلشن!"

ایک عورت کے چونکنے کی آواز سنائی دی "ہائے میں مر گئی، کون ہے؟"

"بتی نہ جلانا۔ میں نادرہ ہوں۔ تیرا آدمی کہاں ہے؟"

وہ کھڑکی کے پاس آئی۔ پھر نادرہ کو دیکھتے ہوئے بولی "وہ کوٹھی میں ہے۔ آج صاحب نے اسے بڑے کمرے میں سونے کے لیے کہا ہے۔"

"دروازہ کھول، تجھ سے ایک کام ہے۔"

وہ گھوم کر دروازے کے پاس آئی۔ گلشن وہاں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ نادرہ اسے پرے دھکیلتے ہوئے کمرے میں لے گئی۔ پھر دروازے کو بند کرتے ہوئے پوچھا "ساحرہ کہاں ہے؟"

"بی بی جی۔ میں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔"

نادرہ نے اس کے ایک بازو اپنی گرفت میں لیا۔ گلشن اندھیرے میں دکھائی نہیں دے رہی تھی مگر اس کے بھرے بھرے بازو کو تھام کر نادرہ ذرا دیر کے لیے چپ ہو گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے ساحرہ کو پا لیا ہو۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے دوسرے بازو کو گرفت میں لیا۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "بی بی جی! صاحب دیکھ لیں گے تو میری نوکری چلی جائیگی۔"

"تجھے کیا ملتا ہے؟"

"کھانا، کپڑا اور پانچ سو روپے۔ میرے آدمی کو ہزار روپے ملتے ہیں۔"

"نوکری گئی تو میرے ہاں مل جائے گی۔ سچ سچ بتاؤ، ساحرہ کہاں ہے؟"

وہ ڈرتے ڈرتے بولی "وہ، وہ یہاں نہیں ہے۔"

نادرہ کے ہاتھ اس کے بازوؤں پر سے رینگتے ہوئے شانوں تک آئے۔ پھر وہاں سے چہرے پر پہنچ گئے۔ وہ ہاتھ اس کے رخساروں پر پھسلنے لگے۔ نادرہ نے دھیمی سرگوشی میں کہا "تم جوان ہو اور صورت بھی اچھی ہے۔"

وہ گھبرا کر بولی "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

اچانک ہی نادرہ نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی۔ پھر بڑی سفاکی سے کہا "میں جو کہہ رہا ہوں، اسے سننے کے لیے اگلے لمحے زندہ نہیں رہو گی۔"

گلشن نے بڑی حیرانی سے اس کی بات سُنی۔ تب اسے محسوس ہوا، وہ اتنی دیر سے بی بی جی کی گرفت میں نہیں ہے، اس کے ہاتھ بتا رہے تھے، وہ کوئی اور ہے۔ وہ گھبرا

کر بولی۔ "تم کون ہو؟"

"کیا مجھے پھر بتانا ہوگا کہ نادرہ ہوں۔"

"نہیں، تم وہ نہیں ہو۔ میں نیند سے اٹھ کر دھوکا کھا گئی۔ تمہیں نادرہ سمجھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں چیخنے لگوں گی۔"

اس کی گردن پر گرفت مضبوط ہوگئی۔ اس گرفت نے اور زیادہ یقین دلایا کہ وہ کسی انجانے شخص کی گرفت میں ہے۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکل رہی تھی۔ نادرہ نے کہا "میرے سوال کا جواب دو۔ ورنہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارے آدمی کو جیل بھجوا دوں گا۔ تم جانتی ہو، میں کس باپ کا بیٹا ہوں۔ ہو سکتا ہے، تمہارے آدمی پر تمہارے ہی قتل کا الزام لگ جائے۔"

وہ تڑپ کر بولی "نہیں، نہیں، ایسا مت کرو۔ خدا کے لئے رحم کرو۔ میں کچھ نہیں چھپاؤں گی، سب کچھ بتا دوں گی۔"

اس نے گردن چھوڑ دی۔ وہ اپنی گردن سہلاتے ہوئے، گہری گہری سانس لیتے ہوئے بولی "ساحرہ بی بی، اپنی کوٹھی میں ہیں۔ صاحب نے میرے آدمی کو پہرہ دینے کے لیے وہاں سونے کے لیے کہا ہے۔"

نادرہ نے اطمینان کی سانس لے کر کہا "میرا دل کہہ رہا تھا، وہ مجھ سے ملے بغیر اپنے ننھیال تو کیا پڑوسی کے ہاں بھی نہیں جائے گی۔ اسے مجبور کیا گیا ہے مگر میرے جیتے جی کوئی اسے بے بس اور مجبور نہیں بنا سکتا۔ گلشن، اب میں جیسا کہوں گا، تم ویسا ہی کرو گی۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "پہلے میں آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ میں نادرہ بی بی سے باتیں کر رہی ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک چپ رہی۔ پھر بولی "اچھی بات ہے۔ کھڑکی اور دروازے کو بند کرو، پھر بتی جلاؤ۔"

گلشن نے پہلے کھڑکی بند کی۔ پھر دروازے کو بند کرنے کے بعد سوئچ آن کیا۔ روشنی ہوتے ہی وہ اجنبی شخص غائب ہوگیا اور نادرہ نظر آنے لگی۔ گلشن نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا "بی بی جی، آپ نے تو ڈرا دیا تھا۔"

"میرے کہنے پر عمل کرتی رہو۔ ڈر نہیں لگے گا۔"

"میں نے سچ کہا ہے۔ آپ اور کیا چاہتی ہیں؟"

"تم اپنے آدمی کے پاس جاؤ۔"

"کوٹھی کے دروازے اندر سے بند ہیں۔ میں نہیں جا سکوں گی۔"

"پہلے ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پاس جاؤ۔ اپنے آدمی کو اشاروں سے بلاؤ۔"

"اگر وہ نہ آیا تو؟"

"تو میرے ڈیڈ اسے حوالات میں پہنچا دیں گے۔ یہ بات اسے اچھی طرح سمجھا دینا۔ مرزا صاحب چاہے کتنا ہی سر پھوڑ لیں، اسے پولیس والوں کے جال سے نہیں نکال سکیں گے۔"

وہ سہم کر بولی "میں اپنے آدمی کو سمجھاؤں گی۔ اسے جیل نہیں جانے دوں گی۔"

وہ دروازے کی طرف جانے لگی۔ نادرہ نے سوئچ آف کرتے ہوئے کہا "میں یہ دروازہ کھول کر اندھیرے میں کھڑی رہوں گی۔ یہاں سے ڈرائنگ روم کی کھڑکی نظر آرہی ہے۔ تم میں سے کسی نے شور مچانے یا مرزا صاحب کو چپ چاپ اطلاع دینے کی حماقت کی تو......"

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر پھر اس کے بازو کو دبوچ لیا۔ وہ بازو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی "میں قسم کھاتی ہوں، آپ کو دھوکا نہیں دوں گی۔ مجھے میرا آدمی زندہ چاہیئے۔ میں ابھی دروازہ کھلواتی ہوں۔"

نادرہ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ دروازے سے نکل کر تیزی سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پاس آئی۔ کوٹھی کے دروازے کی طرح کھڑکیاں بھی اندر سے بند تھیں۔ اس نے کھڑکی کے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔ ڈرائنگ روم میں زیرو پاور کا بلب روشن تھا۔ اس کا آدمی قالین پر سو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی کے شیشے کو ایک انگلی سے ہولے ہولے بجایا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ دستک دینے پر اتنا ہوا کہ خراٹے بند ہوگئے۔

اس نے پھر کھڑکی کے شیشے کو ہولے سے بجایا۔ وہ بیدار نہیں ہوا۔ کھڑکی کی طرف کروٹ بدل کر رہ گیا۔ گلشن نے پریشان ہو کر سر گھماتے ہوئے اپنے کوارٹر کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر تاریکی تھی۔ نادرہ نظر نہیں آرہی تھی۔ مگر گلشن کو اس کی نادیدہ نگاہیں گولی کی طرح لگ رہی تھیں۔

اس نے پھر کھڑکی کے شیشے کو ہولے سے بجایا۔ اس بار اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس

نے چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ باہر چاندنی تھی گلشن صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

گلشن نے بھی ہاتھ کا اشارہ کیا۔ وہ قالین پر سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آیا۔ پھر اس کے ایک پٹ کو آہستگی سے کھولتے ہوئے بولا۔ "تو یہاں اتنی رات کو؟"

اس نے کہا۔ "ذرا کان ادھر لا۔"

وہ قریب جھک گیا۔ گلشن نے سرگوشی میں کہا۔ "ہم غریب لوگ ہیں۔ ہمیں پولیس والوں کی دشمنی مہنگی پڑے گی۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

وہ آہستہ آہستہ اسے نادرہ کے متعلق بتانے لگی۔ وہ سنتا جا رہا تھا اور کھڑکی کی جالی سے لگ کر بار بار کوارٹر کی جانب دیکھتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے بے بسی سے کہا۔ "گلشن! ہم نے اس گھر کا نمک کھایا ہے۔"

گلشن نے کہا۔ "بھول جا۔ نہیں تو جیل کا نمک کھائے گا۔"

"اگر صاحب کو معلوم ہو گا تو؟"

"کیسے معلوم ہو گا۔ ہم چپ چاپ نادرہ بی بی کو بی جی کے کمرے میں پہنچا دیں گے صاحب اور بیگم صاحبہ سات بجے تک پڑے سوتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے ہی نادرہ بی بی چلی جائیں گی۔"

نادرہ کوارٹر کے کھلے دروازے پر کھڑی ہوئی گلشن کو دیکھ رہی تھی۔ بے چینی سے مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔ وہ جتنی جلدی ساحرہ سے ملنا چاہتی تھی، اتنی ہی دیر ہوتی جا رہی تھی۔ آخر گلشن آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے کوارٹر کے قریب آ کر ہاتھ کا اشارہ کیا۔ پھر کوٹھی کے پچھلے دروازے کی طرف جانے لگی۔ نادرہ اس کے پیچھے وہاں پہنچی تو دروازہ کھل چکا تھا۔ کھولنے والے نے کہا۔ "بی بی جی، ہماری عزت اور ہماری نوکری آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

نادرہ نے کہا۔ "اکبر! میں نے تمہاری گلشن سے کہہ دیا ہے، یہاں نوکری نہ رہی تو میرے ہاں رہے گی۔"

وہ اکبر کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے اندر آ گئی۔ وہ بے چارہ گھبرایا ہوا تھا۔ پریشان تھا مگر حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ وہ آگے چلتا ہوا، کوریڈور سے گزرتا ہوا ایک دروازے کے

پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ نادرہ نے اسے دیکھا پھر دروازے پر نظر ڈالی۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ باہر سے لگی ہوئی چٹخنی بتا رہی تھی کہ محبت کو وہیں پابندِ قفس کیا گیا ہے۔

اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دروازے کو آہستہ آہستہ کھولتے ہوئے اندر قدم رکھا۔ پہلے وہاں تاریکی تھی۔ اب کوریڈور کی ہلکی روشنی آنے لگی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی ساحرہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نادرہ آدھی تاریکی میں تھی، آدھی روشنی میں اور جب کوئی آدھا اِدھر ہو اور آدھا اُدھر تو اپنی پوری شخصیت کے ساتھ پہچانا نہیں جاتا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "نادرہ! تم؟ تم کیسے آ گئیں؟"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ نادرہ نے پلٹ کر اکبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔ باہر سے چٹخنی چڑھا دو۔ یہاں سے گزرنے والوں کو شبہ نہیں ہو گا۔"

اس نے دروازے کو بند کر دیا۔ باہر سے چٹخنی چڑھنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ اب دونوں تاریکی میں تھیں۔ ساحرہ نے حیرانی اور پریشانی سے کہا۔ "تم کیوں آئی ہو؟ پاپا نے دیکھ لیا تو قیامت آ جائے گی۔"

"تمہارے نہ آنے سے قیامت آتی ہے۔ صبح سے تمہیں نہیں دیکھا مگر جہاں بھی دیکھا تمہیں ہی دیکھا۔ اب بھی میرے پاس ہو مگر نظر نہیں آ رہی ہو۔ مگر میری آنکھیں تمہیں دیکھ رہی ہیں۔ کیا تم سمجھ سکتی ہو، میں تمہارے لیے کس قدر تڑپتا رہا ہوں؟"

"پھر وہی رہا ہوں؟ تم اپنا انداز نہیں بدلو گی۔ جانتی ہو، پاپا کیا کہہ رہے تھے۔ وہ تمہیں الزام دے رہے تھے کہ تم ان سے لڑکوں کی طرح گفتگو کر رہی تھیں اور مجھ سے شادی کرنے کی بات کہہ رہی تھیں۔ کیا یہ سچ ہے؟"

نادرہ آواز کی سمت چلتی ہوئی اس کے قریب آئی پھر بولی۔ "اس سے پہلے کہ میں تمہارے سوال کا جواب دوں، تم مجھے آواز سے، میرے ہاتھوں سے اور میری سانسوں سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ نہ سمجھ پاؤ تو میں سمجھ لوں گا، ابھی تمہارے سمجھنے کی عمر نہیں ہے۔"

نادرہ نے اسے چھو لیا۔ ساحرہ کو یوں محسوس ہوا جیسے بجلی کے تار نے چھو لیا ہو۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے گئی۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ "کون ہو تم؟"

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ تمہیں خود جواب تلاش کرنا ہو گا۔"

وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ اگرچہ دیکھ نہیں سکتی تھی۔ تاریکی میں آنکھوں سے جواب تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب کسی کو دل کی آنکھوں سے ڈھونڈنا اور سمجھنا پڑتا ہے۔ اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں نادرہ، اتنی پُراسرار نہ ہو۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے سامنے تم نہیں ہو۔ کوئی اجنبی آگیا ہے۔"

"میں اجنبی ہوں مگر شناسا ہوں۔ میں غیر نہیں ہوں۔ برسوں تمہاری جان پہچان سے گزرتا آیا ہوں۔ ہم تو ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیتے ہیں۔ کوئی جھجک نہیں ہوتی۔ لاؤ، اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔"

وہ پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گئی۔ روشندان سے آنے والی ہلکی سی روشنی میں وہ دونوں سائے کی طرح نظر آرہی تھیں۔ اس نے کہا "اپنی آواز اور اپنے انداز میں بولو۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولی "یہ میرا نیا انداز میری نئی شناخت ہے۔ اس شناخت کو قبول کرو۔"

وہ بالکل قریب آگئی۔ ساحرہ کے پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں تھی۔ دیوار نے راستہ روک لیا تھا۔ وہ سینے پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی "تم میرے پاس نہ آنا۔ میں تمہیں سمجھانے دیتی ہوں۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔"

نادرہ نے بڑی محبت سے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا۔ پھر اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولی "میں زندگی کے ایک ایسے موڑ پر ہوں جہاں راستہ بدلنا ہی پڑتا ہے مگر میں اکیلا نئے راستے پر نہیں چل سکوں گا۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ پلیز ساحرہ، مجھے سمجھو، مجھے قبول کرو۔ نہیں تو میں مر جاؤں گا۔"

اس کے ہاتھ بڑی محبت سے گھنی زلفوں کو سہلاتے ہوئے اس کے چہرے تک پہنچ گئے۔ اچانک ہی ساحرہ کا دل دھڑک گیا۔ دل کے دھڑکنے کا سبب کیا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کا چہرہ دو ہاتھوں کے فریم میں تصویر کی طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ اس الجھن سے نکلنا چاہتی تھی اور اس الجھن کو سمجھنا بھی چاہتی تھی۔

"تم ایک ننھی سی چڑیا کی طرح میرے دونوں ہاتھوں میں ہو۔ پہلے میں سمجھاتی تھی، اب

سمجھاتا ہوں۔ جس طرح میں نے انداز بدلا ہے۔ اسی طرح تم بھی محبت کا انداز بدل دو۔"

ساحرہ نے اپنے چہرے پر سے اس کے ہاتھوں کو ہٹانا چاہا۔ اس عمل کے لیے ہاتھوں کو پکڑنا ضروری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نادرہ نے اس کے ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ وہ سہمی ہوئی سی بولی۔

"تم —— تم کیا چاہتی ہو؟"

"مجھے سہیلی سمجھ کر نہیں، دوست سمجھ کر پوچھو۔ کیا چاہتا ہوں؟"

"میں تمہاری بات مان لوں تو ہاتھ چھوڑ دو گے؟"

"میں نے محبت سے پکڑا ہے اور تمہیں تکلیف ہو رہی ہے؟"

"جو محبت سمجھ میں نہ آئے وہ تکلیف پہنچاتی ہے۔ پلیز، مجھے چھوڑ دو۔"

"چھوڑ دوں گا۔ پہلے اعتراف کرو۔ میں نادرہ نہیں، نادر ہوں۔"

"کیا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں شاہ جی کا بیٹا ہوں۔ اس اعتبار سے میں نادر شاہ ہوں۔"

وہ یکبارگی بپھر گئی۔ پوری قوت سے اپنے ہاتھوں کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ ناکام ہونے پر اسے پیچھے دھکیلنا چاہا۔ اس طرح ذرا کامیابی ہوئی۔ دیوار کے پاس سے ہٹنے کا موقع مل گیا۔ مگر ابھی تک اس کی گرفت میں تھی۔ اندھیرے میں وہی اندازِ گفتگو سنائی دے رہا تھا۔ "دیکھو ساحرہ! میں تمہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔ محبت سے تمہارا دل جیتنا چاہتا ہوں۔"

"چھوڑ دو مجھے۔ نہیں چھوڑو گے تو چیخنے لگوں گی۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے۔ پاپا درست کہہ رہے تھے۔ تم نے یقیناً مجھ سے شادی کے لیے کہا تھا۔ تبھی وہ مجھ پر پابندیاں عائد کر رہے تھے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا میں یقین کر لوں کہ ممی درست کہہ رہی ہیں۔ تم پر کوئی جن سوار ہو گیا ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے چھوڑ دو۔ نادرہ، تمہیں مجھ سے ذرا بھی محبت ہے تو یہاں سے چلی جاؤ۔"

وہ جدوجہد کرتے کرتے بستر پر گر پڑی۔ اس کے ہاتھ اب تک گرفت میں تھے اس نے کہا "میں نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے نادر کہو۔"

"تم ہوش و حواس میں نہیں ہو۔ تم پر جن حاوی ہے۔ وہ تمہارے اندر سے بول رہا ہے۔ وہی ضد کر رہا ہے کہ تمہیں نادر کہا جائے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، تمہیں مجھ سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ لائٹ آن کر کے دیکھو۔ سر سے پاؤں تک اپنی سہیلی کو پاؤ گی لیکن میں دوست کیوں بن رہا ہوں۔ نادرہ سے نادر کیوں کہلانا چاہتا ہوں۔ یہ بات تم سے نہیں چھپاؤں گا، صاف صاف بتادوں گا مگر وعدہ کرو، مجھ سے نہیں ڈرو گی، مجھ پر اعتماد کرو گی۔ جو کہوں گا، اس پر یقین کرو گی اور مجھے ہر حال میں قبول کرو گی۔"

اس نے ساحرہ کو آزاد کر دیا۔ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تکیئے کے پاس ٹٹولتے ہوئے دوپٹے کو اٹھایا۔ پھر اسے سر پر ڈال کر اپنے سراپا کو چھپانے کی حتی الامکان کوشش کرنے لگی۔ وہ تاریکی میں چھپنے کے باوجود اور کیا چھپانا چاہتی تھی۔ خود اسے نہیں معلوم تھا۔ بعض اوقات خطرے کا احساس ہوتا ہے مگر خطرے کی نوعیت سمجھ میں نہیں آتی۔

نادرہ نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا، تمہاری یہ سہیلی چند دنوں کی مہمان ہے۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ تم مجھ سے اس بات پر ناراض رہیں کہ میں تم سے کچھ چھپا رہا ہوں۔ دراصل کچھ بتانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ مگر آج بتانا ہی ہوگا۔"

"وہ چند ساعتوں کے لیے چپ ہوئی یا چپ ہوا۔ پھر گویا ہوا "میں تبدیل ہو رہا ہوں۔"

ساحرہ نے سامنے بیٹھے ہوئے سائے کو دیکھا۔ سائے نے کہا "شاید تم یقین نہ کرو، میں میڈیکل رپورٹ دکھاؤں گا۔ ڈاکٹروں نے تصدیق کی ہے۔ میرا کیس غیر معمولی ہے۔ میں قدرتی طور پر رفتہ رفتہ تبدیل ہوتا جا رہا ہوں۔ ایک اسٹیج پر پہنچ کر میرا آپریشن ہوگا۔ پھر میری دوسری شخصیت مکمل ہو جائے گی۔ اس کے بعد میں نادرہ نہیں، نادر کہلاؤں گا۔"

ساحرہ آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی بھاری بھرکم آواز سنائی دے رہی تھی۔ "میں اب نادرہ نہیں ہوں۔ میں فی الحال نادر بھی نہیں ہوں۔ میں تبدیلی کے ایسے مرحلے سے گزر رہا ہوں جہاں میری کوئی واضح شناخت نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے اور سائکاٹرسٹ نے مشورہ دیا ہے، مجھے ایک نئی شخصیت تک پہنچنے کے لیے ابھی سے لڑکوں کے انداز میں گفتگو کرنا ہوگی۔ مجھے خود کو یقین دلانا ہوگا کہ اس تبدیلی کے بعد کوئی مجھے مذاق نہیں سمجھے گا، کوئی میرا مضحکہ نہیں اڑائے گا۔ کوئی مجھ سے نفرت نہیں کرے گا۔ بولو، کیا تم نفرت کرو گی؟"

وہ ایک قدم اور پیچھے ہٹ گئی۔ اپنی سہیلی سے نفرت تو نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ اس

کے اندر جو بول رہا تھا، اس نے حیران اور پریشان کر دیا تھا۔ اس سے نفرت، یا محبت کرنے کا سوال بعد میں پیدا ہوگا۔ پہلے تو اس کے وجود کو تسلیم کرنا تھا بلکہ یقین کرنا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ ایک مرد اس کی سہیلی کے وجود کو مٹا کر جنم لے رہا ہے۔ کیا وہ اپنی سہیلی کے قاتل کو تسلیم کرے گی؟ اگر تسلیم کرے گی تو کیا ساری عمر اس شخص کے اندر اپنی سہیلی کو ڈھونڈتی رہیگی؟

"تم خاموش کیوں ہو، جواب کیوں نہیں دیتیں۔ کیا میں محبت کے قابل نہیں ہوں؟"

ساحرہ نے کہا "نادرہ! تم جانتی ہو، میں کسی اجنبی سے گفتگو نہیں کرتی۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"تمہیں یہ بھی یاد ہوگا، میری اس عادت پر تم خوش ہوتی تھیں کہ مجھ میں حیا ہے، شرافت ہے، میری آنکھوں میں شرم ہے۔ میں کسی کو لفٹ نہیں دیتی۔ صرف تم سے محبت کرتی ہوں۔"

نادرہ خوش ہو کر بستر سے اٹھ گئی۔ پھر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "تم نے میرا مان رکھ لیا۔"

"رُک جاؤ۔" ساحرہ نے سخت لہجے میں کہا۔ وہ آگے بڑھتے بڑھتے رُک گئی۔ "میں نے اب تک اپنی نادرہ سے محبت کی ہے، اپنی سہیلی سے۔ کسی اجنبی سے محبت کرنا تو دُور کی بات ہے۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا۔ ہم دونوں نے فیصلہ کیا تھا، ہماری شادیاں ایسی جگہ ہوں گی جہاں دو بھائی ہوں یا دو دوست ہوں یا بزنس پارٹنر ہوں۔ میری زندگی میں آنے والا کیسا ہوگا۔ مجھے اس سے محبت ہوگی یا نہیں؟ میں نے کبھی اس پہلو سے نہیں سوچا۔ پھر میں کیسے سوچ سکتی ہوں کہ تم اجنبی شخص بن کر آؤ گی تو محبت ہو جائے گی؟"

"کیا تم اپنی نادرہ کو نئے روپ میں قبول نہیں کرو گی؟"

"اتنا بڑا فیصلہ پل بھر میں نہیں ہو سکتا۔ میں تم سے التجا کرتی ہوں، ابھی چلی جاؤ، مجھے خوفزدہ نہ کرو۔"

"میں جانتا ہوں، کسی کے دل کو دہشت سے نہیں، محبت سے جیتنا چاہیئے۔ میں تمہیں خوفزدہ نہیں کروں گا۔ جانے کو کہتی ہو، چلا جاؤں گا مگر ایک فیصلہ سنا دو۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"ابھی تم کشمکش میں ہو مگر جس طرح نادرہ کو چاہتی ہو، اسی طرح نادر کو بھی چاہو گی۔

مجھے پسند کرو گی اور مجھ سے ہی شادی کرو گی۔"

"کیسی بے تکی باتیں کر رہی ہو؟"

"یہ بات اس لیے بے تکی لگ رہی ہے کہ ابھی تم نے نادر کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ تمہارے پاپا کہیں اور تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ کیا تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟"

"یہ ایسی باتیں ہیں جن پر غور کرنا ہو گا۔"

"نہیں، اس کا فیصلہ ابھی سناؤ، تم صرف مجھ سے شادی کرو گی۔ یہ فیصلہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ مجھ سے شادی کر کے ایک سے نہیں، دو سے محبت کرو گی۔ تمہیں نادرہ اور نادر دونوں کی بھرپور محبت ملے گی۔"

"تم ہمیشہ اپنی بات منوانا چاہتی ہو۔ کوئی لڑکی فوراً کسی اجنبی سے بات نہیں کرتی۔ شرم و حیا اس کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے۔ وہ کسی اجنبی سے فوراً محبت نہیں کرتی۔ محبت کے لیے متاثر ہونا لازمی ہے اور متاثر ہونے میں وقت لگتا ہے۔ کوئی لڑکی کسی اجنبی سے فوراً شادی کے لیے حامی نہیں بھرتی کیونکہ اس مسئلے پر صرف ایک لڑکی کی ذات نہیں ہوتی۔ اس کے پیچھے اس کے والدین، اس کا پورا خاندان اور اس کا پورا معاشرہ ہوتا ہے۔"

"میں مانتا ہوں مگر لڑکی کی مرضی پوچھی جاتی ہے۔ تم بتاؤ، تمہاری مرضی کیا ہو گی؟ میں بہت پریشان ہوں۔ تمہارے پاپا میرے خلاف فیصلہ کرنا چاہتے ہیں، اگر تم نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا تو میرا کیا ہو گا؟ ڈاکٹر نے کہا ہے، مجھے مایوس اور دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے کیا تم مجھے مایوس کرو گی؟"

"نادرہ! میں تمہارے مزاج کو خوب سمجھتی ہوں۔ برسوں سے دیکھتی آئی ہوں۔ تمہاری ضد پوری نہ ہو تو مایوس ہو جاتی ہو یا جنون میں مبتلا ہو جاتی ہو۔ میں تمہیں اپنی ذات سے نقصان نہیں پہنچنے دوں گی۔"

وہ ذرا چپ ہوئی پھر بولی۔ "اگر مجھ سے وعدہ کرو کہ شادی جیسی بے تکی بات ابھی نہیں کرو گی، وقت کا انتظار کرو گی تو میں تم سے ایک وعدہ کرتی ہوں۔"

"وہ وعدہ میرے حق میں ہو گا تو ابھی شادی کی ضد نہیں کروں گا۔"

"تو پھر سنو جب تک تمہاری دوسری شخصیت مکمل نہیں ہو گی۔ جب تک تمہیں

میڈیکل سرٹیفکیٹ نہیں ملے گا۔ اس وقت تک میں کسی سے شادی نہیں کروں گی اور نہ ہی اس سلسلے میں پاپا کے کسی فیصلے کو تسلیم کروں گی۔"

نادرہ خوش ہو کر آگے بڑھی پھر اسے گلے سے لگا لیا۔ ساحرہ نے گھبرا کر کہا۔ "یہ کیا کر رہی ہو، چھوڑو، مجھے چھوڑو۔"

وہ تڑپ کر الگ ہو گئی۔ اسی لمحے نادرہ کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ "آہ۔" ساحرہ پیچھے دیوار سے جا کر لگ گئی تھی۔ اس نے روشندان سے آنے والی مدھم سی روشنی میں دیکھا۔ اگرچہ وہ سائے کی طرح نظر آ رہی تھی مگر صاف پتا چل رہا تھا کہ اپنا پیٹ پکڑ کر جھک رہی ہے۔ تکلیف سے کراہتی جا رہی ہے۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا ہوا، نادرہ؟ کیا تمہیں چوٹ لگی ہے؟"

وہ کراہتے ہوئے بولی۔ "نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہی تکلیف ہے۔۔۔ مم، مم۔۔۔ مجھے سہارا دو۔"

اس نے ایک ہاتھ سے پیٹ پکڑ کر دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ سہارا چاہتی تھی مگر ساحرہ سہم کر دیوار سے لگتے ہوئے دوسری طرف گئی۔ پھر کہا۔ "پلیز نادرہ! فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ ایسا نہ ہو، تکلیف بڑھ جائے۔"

جب اسے سہارا نہ ملا تو وہ دوسری طرف گھوم گئی۔ ایک تو کمرے میں برائے نام روشنی تھی۔ پھر تکلیف ایسی شدید ہوئی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے سہارے کے لیے اِدھر اُدھر ہاتھ ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا تو کسی چیز سے ٹکرائی۔ وہ چیز زمین پر گری۔ ایک چھناکا سا ہوا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکرا گئی۔ وہاں آئینے کے سامنے رکھا ہوا میک اپ کا سامان اِدھر سے اُدھر ہو کر فرش پر گرنے لگا۔ کوئی چیز ٹوٹ رہی تھی۔ کوئی بج رہی تھی۔ جیسے سونے والوں کے لیے خطرے کا الارم بج رہا ہو۔

پھر دور کہیں سے مرزا صاحب کی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟ یہ کیسی آوازیں ہیں؟ اکبر! کیا تم جاگ رہے ہو؟"

اکبر گھبرا گیا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا دروازے کے پاس آیا تھا اور ہولے سے دروازے پر دستک دے کر کہہ رہا تھا۔ "بی بی جی! میں مر جاؤں گا۔ خدا کے لیے فوراً نکلیے۔ صاحب آنے والے ہیں۔"

ساحرہ نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر اندھیرے میں سنبھلتی ہوئی نادرہ کے پاس آئی۔ وہ فرش پر پڑی تھی یا پھر تکلیف سے نڈھال ہو کر لیٹ گئی تھی۔ ساحرہ اس پر جھک گئی۔ سرگوشی میں کہنے لگی۔ "اکبر کہہ رہا ہے، پاپا آرہے ہیں۔ کسی طرح تکلیف برداشت کرو۔"

اکبر دروازے سے کان لگائے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "بی بی جی! آجائیے۔ یہاں سے چلی جائیے۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ۔ یہاں سے جلدی جائیے۔"

اسی وقت ایک ہاتھ نے پیچھے سے آکر اس کی گردن دبوچ لی۔ اس نے ایک ذرا سر گھما کر دیکھا۔ پھر تھر تھر کانپنے لگا۔ مرزا صاحب نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "کون ہے کمرے میں؟ تم کسے یہاں سے نکلنے اور باہر جانے کے لیے کہہ رہے ہو؟"

"جج جی۔ جی کوئی نہیں ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔"

انہوں نے اکبر کو ایک طرف دھکا دیا۔ پھر دروازے پر دستک دیتے ہوئے بولے۔ "ساحرہ! اندر کون ہے؟"

ساحرہ کی آواز سنائی دی۔ "جی کوئی نہیں، کوئی بھی تو نہیں ہے۔"

"یہ کیسی آوازیں تھیں؟"

"وہ مجھ سے گلدان گر کر ٹوٹ گیا ہے۔"

"درواز کھولو۔"

اس بار ساحرہ کا جواب نہیں ملا۔ گہری اور مجرمانہ خاموشی چھا گئی۔ انہوں نے ڈانٹ کر کہا۔ "میں کہتا ہوں، دروانہ کھولو۔"

"پاپا! کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے سونے دیجئے، نیند آرہی ہے۔"

انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "چار بج چکے ہو، یہ تمہارے بیدار ہونے کا وقت ہے، سونے کا نہیں۔ میں کہتا ہوں، دروانہ کھولو۔"

وہ دروازے کو پیٹنے لگے۔ ان کی بیگم بھی آگئی تھیں۔ پوچھ رہی تھیں۔ "آپ اس طرح کیوں دروانہ کھلوانا چاہتے ہیں؟"

انہوں نے بیگم کی بات کا جواب نہیں دیا۔ کھڑکی کی طرف آتے ہوئے بولے۔ "لائٹ آن کرو۔"

کمرے میں تاریکی رہی۔ ساحرہ نے بتی نہیں جلائی۔ نادرہ کو آرام آرہا تھا۔ وہ چپ چاپ پڑی باتیں سن رہی تھی۔ پھر اکبر کی آواز سنائی دی۔ وہ گڑگڑا کر کہہ رہا تھا۔ "صاحب، مجھے معاف کر دیجئے۔ میں پاؤں پڑتا ہوں۔ میں نے نادرہ بی بی سے کہا تھا۔ اپنے مالک سے نمک حرامی نہیں کروں گا مگر وہ گلشن کو مار ڈالنا چاہتی تھی۔ مجھے جیل بھجوانا چاہتی تھی۔۔۔ میں بہت مجبور ہو گیا تھا۔ صاحب! مجھے معاف کر دیجئے۔"

مرزا صاحب نے غرا کر کہا۔ "ہوں تو نادرہ یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ یہ بے غیرتی، بے حیائی کی انتہا ہے۔ یہ پولیس افسر کی بیٹی اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں سے اس کی لاش جائے گی۔"

ساحرہ نے گڑگڑا کر کہا۔ "پاپا! آپ غصہ نہ کریں۔ پہلے ہماری باتیں سن لیں۔ نادرہ کا قصور نہیں ہے۔ میں نے اسے آنے پر مجبور کیا تھا۔"

نادرہ کی آواز سنائی دی۔ "جھوٹ نہ بولو۔ نہ تم نے مجبور کیا، نہ میں نے۔ محبت نے ہمیں مجبور کیا اور ہمیں ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

مرزا صاحب اور ان کی بیگم حیرانی سے وہ آواز سن رہے تھے۔ تاریک کمرے سے کسی جوان لڑکے کی بھرپور آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اس اندھیرے میں نادرہ کے وجود کا یقین نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے کھڑکی پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ "لائٹ آن کرو۔ دروازہ کھولو۔ کمرے میں کون ہے؟"

"میں نادرہ ہوں۔"

تب مرزا صاحب کو یاد آیا۔ انہوں نے فون پر ایسی ہی آواز اور ایسا ہی لہجہ سنا تھا۔ وہ غصے سے لرزتے ہوئے بولے۔ "ذلیل لڑکی! آج تو میرے گھر میں گھس آئی ہے۔ کل میری بیٹی کو بھگا کر لے جائے گی۔ یہ نہ سمجھنا کہ پولیس آفیسر کی بیٹی کو سزا نہیں مل سکتی۔ میں ابھی تیرے خلاف رپورٹ درج کراتا ہوں۔ تجھے حوالات بھجواتا ہوں۔ دیکھتا ہوں، تیرا باپ تجھے کیسے بچائے گا اور ساحرہ تم اچھی طرح سن لو۔ میں چوبیس گھنٹے کے اندر تمہاری شادی کراؤں گا اور یہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت کر دوں گا۔ دیکھتا ہوں، میرے فیصلے کے سامنے کون دیوار بنتا ہے۔"

نادرہ تڑپ کر فرش پر سے اٹھ گئی۔ تیزی سے چلتے ہوئے، ٹھوکریں کھاتے ہوئے

سوئچ بورڈ کے پاس پہنچی۔ پھر اس نے لائٹ کو آن کرتے ہوئے کہا۔ "ساحرہ! جو فیصلہ تم نے مجھے سُنایا، وہ پاپا کو بھی سُنا دو۔"

ساحرہ چند لمحوں تک پس و پیش میں رہی۔ پھر اس نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "پاپا! نادرہ کے ساتھ کچھ ایسی باتیں ہو رہی ہیں جنہیں میں بیان نہیں کر سکتی۔ آپ سے التجا کرتی ہوں۔ جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ نہ کریں۔ بہتر ہے، آپ انکل سے ملیں۔ وہ آپ کو نادرہ کے متعلق بہت کچھ بتائیں گے۔"

"میں ایسے لوگوں سے ملنا نہیں چاہتا جو دوستی کی آڑ میں منہ پر جُوتا مارتے ہیں۔ جو پولیس آفیسری کے زعم میں اپنے بیٹے کو اتنی آزادی دے چکے ہیں کہ وہ کسی کے گھر میں بھی گھس آتا ہے۔ میں اس کے باپ سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔ میں اسے سزا دلواؤں گا۔ اس کے بعد کوئی اسے اپنے گھر میں گھسنے کی اجازت نہیں دے گا۔"

انہوں نے اکبر سے کہا۔ "تم اپنے کوارٹر میں جاؤ۔ جب تک میں نہ کہوں۔ باہر نہ نکلنا اور نہ ہی کسی سے بات کرنا۔ چاہے وہ پولیس آفیسر ہی کیوں نہ آئے۔"

وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "اب ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ اپنے کوارٹر میں رہوں گا۔ جب تک آپ آواز نہیں دیں گے، باہر نہیں نکلوں گا۔"

وہ چلا گیا۔ انہوں نے بیگم سے کہا۔ "اس دروازے کو باہر سے بند رہنے دو۔ میں ابھی اس کے خلاف کارروائی کرتا ہوں۔"

ساحرہ نے التجا کی۔ "پاپا! رُک جائیے۔ آپ نادرہ سے نفرت کرنے لگے ہیں، میں نہیں کر سکتی۔ آپ اسے سزا دلائیں گے تو میں بھی سزا پاؤں گی۔"

وہ اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بیگم کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئے۔ ٹیلیفون کے پاس ایک صوفے پر بیٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ اس کے نمبر ڈائل کیے پھر تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ہیلو آفیسر! میں مرزا عبادت حسین بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "اوہ مرزا صاحب، آپ نے اتنی رات کو فون کیا ہے۔ خیریت تو ہے؟"

"رات نہیں صبح ہو رہی ہے۔ ذرا آنکھیں کھولئے اور خوشخبری سُنئے۔ آپ ترقی پا کر شاہ جی کے عہدے پر آنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ان کا ریٹائر ہونا یا ٹرانسفر ہونا لازمی

تھا۔ میں نے اس کے انتظامات کر دیئے ہیں۔"

"کیسے انتظامات؟"

"میں تفصیل بتاتا ہوں۔ پہلے آپ یہ بتائیں۔ اگر آپ کے سینئر آفیسر شاہ جی سے کوئی جرم سرزد ہو رہا ہو تو کیا آپ انہیں گرفتار کر سکتے ہیں؟"

"مرزا صاحب! میں ایک عرصے سے موقع کی تلاش میں ہوں۔ اگر ان کے خلاف ثبوت مل جائے اور میں ان کی لاعلمی میں تمام کارروائیاں مکمل کر لوں اور بعد میں انہیں علم ہو تو کوئی بات نہیں مگر کارروائیاں کرنے کے دوران وہ اپنا بچاؤ کر لیں گے۔"

"آپ سپاہیوں کے ساتھ میرے ہاں چلے آئیں۔ انہیں اس بات کا علم ہوگا تب بھی وہ آپ کے کام میں مداخلت نہیں کر سکیں گے۔ میں اوپر والوں سے احکامات جاری کراتا ہوں۔ آپ آزادی سے جو چاہیں گے، کر سکیں گے۔"

"مگر معاملہ کیا ہے۔ کچھ بتائیے تو سہی۔"

مرزا عبادت حسین نے بتانا شروع کیا۔ تمام باتیں سننے کے بعد آفیسر نے کہا۔ "معاملہ زیادہ سنگین نہیں لگتا۔ نادرہ پہلے بھی آپ کے گھر آتی رہی ہے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ وہ ہماری اجازت کے بغیر آئی ہے۔ میرے ملازم اس بات کے گواہ ہیں کہ اس نے انہیں مار ڈالنے اور جیل بھجوانے کی دھمکی دی ہے۔ دوسری بات یہ کہ نادرہ نارمل نہیں ہے۔ وہ لڑکی ہے مگر لڑکوں کے انداز میں گفتگو کرنے لگی ہے۔"

"وہ لڑکوں کے انداز میں گفتگو کرتی ہوگی لیکن جب ہم بیان لیں گے تو اپنا انداز بدل سکتی ہے۔ پھر وہ کسی انداز میں بھی گفتگو کرے۔ ہم یا آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔"

"بے شک اعتراض کر سکتے ہیں۔ آپ نہیں جانتے، نادرہ میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

دوسری طرف آفیسر نے حیرت سے چیخ کر پوچھا۔ "کیا؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"بھئی، میں کہہ رہا ہوں، وہ نارمل نہیں ہے۔ اس نے مجھے چیلنج کیا ہے کہ وہ میری بیٹی سے شادی کرے گی۔"

"اگر آپ درست کہہ رہے ہیں تو پھر واقعی وہ نارمل نہیں ہے۔ میں جو کہتا

ہوں وہی کرتے جائیں۔ کسی طرح اس کی یہ باتیں ریکارڈ کر لیں۔ ریکارڈر آن کر کے ایسے
سوالات کریں جس کے جواب میں وہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ آپ کی صاحبزادی سے
کیوں شادی کرنا چاہتی ہے۔ پھر وہ شادی کرنے کے لیے کس طرح آپ کے گھر میں
داخل ہوئی، کس طرح اس نے ملازموں کو دھمکیاں دیں۔ اس کے بعد میں اس کیس
کو اتنا پیچیدہ کر دوں گا کہ شاہ جی کو یہ شہر چھوڑ کر جانا پڑے گا۔"

"آپ جیسا کہہ رہے ہیں، ویسا ہی کرنے جا رہا ہوں۔ آپ فوراً پہنچنے کی کوشش
کریں۔"

انہوں نے ریسیور رکھا پھر اپنے بیڈ روم میں جا کر کیسٹ ریکارڈر نکالا۔ اس میں
ایک نیا کیسٹ رکھا۔ اسے لے کر اس کوریڈور میں آئے جہاں ساحرہ کا کمرہ تھا۔ انہوں
نے چپ چاپ ایک تپائی اٹھا کر کھڑکی کے پاس رکھی پھر اس پر ریکارڈر کو رکھ کر آن کر
دیا۔ اس کے بعد ذرا بلند آواز سے کہا۔ "نادرہ! میں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ تم
ان کا صحیح جواب دو۔ پہلے یہاں کھڑکی کے پاس آجاؤ۔"

نادرہ اور ساحرہ کھڑکی کی جالیوں سے آکر لگ گئی تھیں۔ انہیں وہ کیسٹ ریکارڈر
نظر نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے کہا۔ "میں جانتا ہوں، تم میری بیٹی ساحرہ کو بہت چاہتی ہو۔"

"میں ساحرہ کو چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو تم چاہتے ہو۔ چلو یہ بتاؤ، کس حد تک چاہتے ہو؟"

"انکل! محبت کو ناپا جا سکتا ہے نہ تولا جا سکتا ہے۔ اس کی حد نہیں ہوتی۔
میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"ساحرہ سے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے۔ میں ساحرہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس سے
شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے ساحرہ کو تم سے چھپا کر رکھا تھا تاکہ اس سے نہ مل سکو۔ تمہیں کیسے پتا
چلا کہ میں نے اسے اپنے گھر میں چھپا کر رکھا ہے؟"

"میرا دل کہتا تھا کہ یہ مجھ سے ملے بغیر کہیں نہیں جا سکتی۔ یقیناً اسے مجبور کیا گیا
ہے۔ اسے کہیں ایسی جگہ قید کیا گیا ہے جہاں سے یہ رابطہ قائم نہیں کر سکتی ہے میرا
دل مچلنے لگا۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں ساحرہ سے ملنے چلا آیا۔"

"مگر تم کیسے آئے۔ جب کہ مین گیٹ اندر سے بند تھا میری کوٹھی کے تمام
دروازے اندر سے بند تھے۔ پھر کیسے چلے آئے۔"

ساحرہ نے پوچھا۔ "پاپا! آپ ایسے سوالات کیوں کر رہے ہیں؟ یہ جس طرح بھی
آئی ہے، اسے نہیں آنا چاہیے تھا، آپ اسے جانے دیں۔"

"ساحرہ! تم ہمارے درمیان نہ بولو۔ آج نادرہ ہمارے گھر میں گھس آئی ہے۔
کل کوئی دوسرا بھی آسکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے، ہمارے گھر کا کون سا دروازہ
کمزور ہے۔"

نادرہ نے کہا۔ "انکل! کچھ تو آپ کو اکبر نے بتایا۔ کچھ میں نے بتایا۔ اس کے
باوجود آپ وہی باتیں پوچھ رہے ہیں۔ آخر آپ وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں۔ مجھے
جانے کیوں نہیں دیتے ہیں؟"

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میں نے ساحرہ کی شادی تم سے نہیں کی تو تم کیا
کرو گے؟"

"انکل! ایسی باتیں نہ کریں۔"

"نہیں، تم وہی باتیں کرو جو فون پر کرتے رہے تھے۔ اگر میں ساحرہ کی شادی
کسی دوسرے سے کر دوں تو؟"

"آپ طیش نہ دلائیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ کسی نے ساحرہ کو مجھ سے چھیننا
چاہا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

مرزا صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بچے بھی ایسی مضحکہ خیز ضد نہیں کرتے جیسی
تم کر رہے ہو۔ میں ابھی چاہوں تو تمہیں اسی کمرے میں بند رکھ کر ساحرہ کو باہر نکالوں
اور کسی سے نکاح پڑھوا دوں۔ تب کیا کر سکو گے؟"

نادرہ نے فوراً ہی قمیص کی زپ کو نیچے کیا۔ پھر اندر ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا۔
اسے دیکھتے ہی مرزا صاحب کے ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے ایک دم سے خوفزدہ

ہو کر کہا۔ "ارے، یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ ریوالور تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

"گھبرائیے نہیں، میں آپ کو نشانہ نہیں بناؤں گا۔ ساحرہ جتنا آپ کو چاہتی ہے، اتنا ہی میں بھی چاہتا ہوں۔ یہ ریوالور تو اس دشمن کے لیے ہے جو میری محبت پر ڈاکا ڈالنے آئے گا۔"

"مگر یہ کس کا ریوالور ہے۔ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

"انکل! اس شہر کی کسی لائبریری میں جانے کے لیے مجھے لائبریری کارڈ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بڑی سے بڑی اہم تقریبات میں کسی دعوت نامے کے بغیر جا سکتا ہوں۔ میرے لیے لازمی نہیں ہے کہ ڈرائیونگ لائسنس رکھوں۔ میں کسی بھی آفت زدہ علاقے سے کرفیو پاس کے بغیر گزر سکتا ہوں کیونکہ میرے پاس صرف ایک کارڈ ہوتا ہے۔ ٹرپ کا پتا اور وہ ہے میرے باپ کا شناختی کارڈ۔"

"میں سمجھ گیا۔ یہ تمہارے باپ کا ریوالور ہے۔ جہاں ان کا شناختی کارڈ کام نہیں آتا، وہاں ریوالور کو کام میں لاتی ہو۔ مثلاً تم اپنے ڈیڈ کا شناختی کارڈ دکھا کر مجھ پر دھونس نہیں جما سکو گی۔ ہمیں مرعوب نہیں کر سکو گی۔ اس لیے ریوالور دکھا رہی ہو۔ مجھے یہ دھمکی دے رہی ہو کہ میں کبھی اپنی بیٹی کی شادی نہیں کر سکوں گا۔"

وہ کھڑکی کے پاس آئے۔ اس کا ایک پٹ اس طرح کھلا ہوا تھا کہ دیوار کے ساتھ رکھا ہوا کیسٹ ریکارڈر نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ریکارڈر کو اٹھا کر لے جانے لگے۔ اس کے اندر رکھا ہوا کیسٹ اس شہر سے شاہ جی کے قدم اکھاڑنے والا تھا۔ اور ان کی بیٹی کو نادرہ سے ہمیشہ کے لیے نجات دلانے والا تھا۔

ساحرہ نے آواز دی۔ "پاپا! آپ کہاں جا رہے ہیں، دروازہ تو کھول دیجئے۔ نادرہ کو جانے دیجئے۔ پاپا! رُک جائیے پاپا!"

مگر وہ جا چکے تھے۔ اس نے نادرہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ضروری تھا کہ ریوالور نکال کر دکھاتیں؟ تم نے پھر پاپا کو غصہ دلا دیا۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "تمہارے پاپا آئیں گے تو میں پھر غصہ دلاؤں گا۔"

اس نے قریب آ کر بڑی محبت سے ساحرہ کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر کھڑکی کی آہنی جالیوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں تمہارے ساتھ قید رہ کر ساری عمر گزار

سکتا ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "نادرہ! ہوش میں آؤ — پاپا تمہارے خلاف سخت کارروائی کر رہے ہیں۔ ہمارا یہ ساتھ پل دو پل کا ہے۔"

"ایک پل کا ساتھ بھی خوش نصیبوں کو ہی ملتا ہے۔ ع

غنچے تیری زندگی پہ دل ہلتا ہے
کیا اک ہی تبسم کے لیے کھلتا ہے
غنچے نے کہا کہ اس چمن میں بابا
یہ ایک تبسم بھی کسے ملتا ہے

صبح ہونے والی تھی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو بات ہونے والی ہو، وہ ہو جائے۔ شاہ جی باغیچے میں ٹہلتے ہوئے یہی سوچ رہے تھے۔ ان کی لاڈلی بیٹی، بیٹا ہونے والی تھی۔ وہ نہیں بھی ہو سکتی تھی اور ہو بھی سکتا تھا۔ وہ شیکسپئر کے ڈرامائی مکالمے کے مطابق ٹو بی اور ناٹ ٹو بی کا سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔

چار بج چکے تھے۔ باپ بیٹی کو صبح خیزی کی عادت تھی۔ وہ بار بار کوٹھی کے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ نادرہ باہر نہیں آئی تھی جبکہ ٹھیک چار بجے گھر سے نکل پڑتی تھی۔ انہوں نے سپاہی کو آواز دی۔ وہ دوڑتا ہوا آیا۔ سامنے آکر الرٹ ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا بی بی جی باہر جا چکی ہیں؟"

"نہیں جناب۔"

انہیں حیرانی ہوئی۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے ٹائم ٹیبل کے خلاف دیر تک نہیں سوتی تھی۔ وہ سوچتے ہوئے کوٹھی کے اندر آئے۔ ٹی وی لاؤنج میں پہنچ کر زینے کے اوپری حصے کو دیکھا، دُور ہی سے بیڈروم کا دروازہ کھلا ہوا نظر آیا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کمرے سے باہر جا چکی ہے مگر کوٹھی سے باہر نظر نہیں آئی۔ انہوں نے سر اُٹھا کر کھلے ہوئے دروازے کو دیکھتے ہوئے آواز دی۔ "نادر بیٹے۔"

انہوں نے جواب کا انتظار کیا۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے آواز دی۔ "نادر! نادر بیٹے!"

ایک خیال آیا۔ شاید بیٹی ابھی اس لہجے کی عادی نہیں ہوئی ہے۔ عادت کے مطابق "نادرہ" پکارا جائے تو شاید جواب مل جائے۔ انہوں نے زینے پر قدم رکھا، اوپر چڑھتے ہوئے

آواز دی ــــــ "نادرہ! بھئی، میں نے کہا تھا، تمہیں بیٹا ہی کہا کروں گا مگر بیٹا کہنے سے تم جواب نہیں دے رہی ہو۔"

وہ بولتے ہوئے زینے کے اوپری حصے میں آئے۔ پھر کھلے دروازے کے سامنے پہنچ کر دیکھا، کمرہ خالی تھا۔ انہوں نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے آواز دی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دروازے کے قریب جانے سے پہلے بھی کچھ احتیاطاً سے پکارا۔ پھر دُور سے ہاتھ بڑھا کر دروازے پر دستک دی۔ جواب نہیں مل رہا تھا۔ آخر انہوں نے باتھ روم کے دروازے کو پوری طرح کھول دیا۔ وہ نہیں تھی۔

وہ تیزی سے چلتے ہوئے باہر آئے۔ سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے، اپنے بیڈروم کی طرف جاتے ہوئے بیگم کو آواز دی۔ اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ بیگم فجر کی نماز پڑھنے جا رہی تھیں۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا نادرہ کو دیکھا ہے؟"

"نہیں مگر آپ پریشان کیوں ہیں؟"

انہوں نے جواب نہیں دیا۔ ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو، میں چوہدری عنایت علی شاہ بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے ٹیلیفون ایکسچینج کے ایک آفیسر کی آواز سنائی دی۔ "جناب شاہ جی! آپ کے حکم کے مطابق ہم نے مرزا عبادت حسین کا ٹیلیفون ڈیٹیکٹ کیا ہے۔ مرزا صاحب نے تھوڑی دیر پہلے کسی پولیس آفیسر سے فون پر گفتگو کی تھی۔ ہم نے اسے ریکارڈ کیا ہے۔ کیا آپ اسے ابھی سُننا پسند کریں گے؟"

"یس، آف کورس۔ فوراً سناؤ۔"

وہ انتظار کرنے لگے۔ ذرا دیر بعد ہی دوسری طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ یعنی جو گفتگو ریکارڈ کی گئی تھی۔ وہ سُنائی جا رہی تھی۔ پہلے تو نمبر ڈائل کرنے کی آواز سُنائی دی پھر دُور کہیں گھنٹی بجتی رہی تھی۔ اس کے بعد یقیناً کسی نے ریسیور اٹھایا ہوگا۔ مرزا عبادت حسین کی آواز سُنائی دی۔ "ہیلو آفیسر، میں مرزا عبادت حسین بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف کی آواز سُنائی دی۔ "اوہ مرزا صاحب! آپ نے اتنی رات کو فون کیا ہے۔ خیریت تو ہے؟"

یہ آواز سُنتے ہی شاہ جی چونک گئے۔ رانا شمشاد علی کی آواز وہ اچھی طرح پہچان گئے

تھے۔ اس کا نام ان جونیئر افسران کی فہرست میں درج تھا جو ترقی پا کر شاہ جی کے عہدے پر آنے والے تھے۔ وہ شاہ جی کو ایسے تاکتا رہتا تھا جیسے بلّی سر اٹھائے چھینکے کی طرف تاک رہی ہو۔ دوسری طرف مرزا عبادت حسین کہہ رہے تھے۔" ذرا آنکھیں کھولیے خونجری سنیے۔ آپ ترقی پا کر شاہ جی کے عہدے پر آنا چاہتے تھے نا، اس کے لیے ان کا ریٹائر ہونا یا ٹرانسفر ہونا لازمی تھا۔ میں نے اس کے انتظامات کر دیئے ہیں"۔

دوسری طرف سے رانا شمشاد علی نے پوچھا۔" کیسے انتظامات؟"

" میں تفصیل بتاتا ہوں۔ پہلے آپ یہ بتائیے، اگر آپ کے سینئر آفیسر شاہ جی سے کوئی جرم سرزد ہو رہا ہو تو کیا آپ انہیں گرفتار کر سکتے ہیں؟"

یہ سنتے ہی شاہ جی کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔ ملازم دوڑتا ہوا آیا۔ انہوں نے کہا۔" باہر سپاہیوں سے کہو، بی بی جی کو تلاش کریں۔ میدان میں بھی جا کر دیکھیں"۔

ملازم چلا گیا۔ وہ ادھر حکم صادر کر رہے تھے، اُدھر کی آواز بھی سنتے جا رہے تھے۔ رانا شمشاد علی کہہ رہا تھا۔" مرزا صاحب! میں ایک عرصے سے موقع کی تلاش میں ہوں، اگر ان کے خلاف ثبوت مل جائے، میں ان کی لاعلمی میں تمام کارروائیاں مکمل کر لوں اور بعد میں انہیں علم ہو تو کوئی بات نہیں مگر کارروائی کرنے کے دوران وہ اپنا بچاؤ کر لیں گے"۔

شاہ جی دانت پیستے ہوئے سن رہے تھے۔ فون کی گفتگو جب اس مقام پر پہنچی، جہاں یہ پتا چلا کہ نادرہ ان کے مکان میں گھس آئی ہے۔ ساحرہ کے کمرے میں پہنچ گئی ہے اور اس کمرے کے دروازے کو مرزا صاحب نے باہر سے بند کر دیا ہے تو وہ فون چھوڑ کر اٹھ گئے۔ تیزی سے دوڑتے ہوئے باہر آئے۔ وہاں دو چار سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔" پچھلے گیٹ سے تمام سپاہیوں کو بلاؤ، تم سب کو آدھے منٹ کے اندر مسلح ہونا چاہیے"۔

یہ کہتے ہی وہ دوڑتے ہوئے پھر اپنے کمرے میں آئے، بڑی تیزی سے اپنی وردی نکالا۔ اسے پہننے لگے۔ جرابیں اور جوتے پہننے کے بعد انہوں نے الماری کی دراز کو کھولا لیکن وہاں ریوالور نہیں تھا۔ وہ پریشان ہو کر دوسری تیسری دراز کو کھول کر دیکھنے لگے۔ پھر انہوں

نے پلٹ کر بیگم سے پوچھا۔" ریوالور کہاں ہے؟"

وہ جائے نماز پر تھیں۔ انہوں نے سلام پھیر کر کہا۔" میں کیا جانوں، نادرہ کے پاس ہوگا"۔

ایک ساعت کے لیے شاہ جی کا سر چکرایا۔ یہ بات یقینی تھی، نادرہ کے سوا کوئی ان کی الماری سے ریوالور نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے کمرے سے نکلے۔ ایک لمحے کی تاخیر بھی انہیں اپنے عہدے سے بہت نیچے گرا سکتی تھی اور ان کی بیٹی کی زندگی برباد کر سکتی تھی۔ باہر چھ سپاہی قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے آگے سیکیوریٹی آفیسر تھا۔ انہوں نے سیکیوریٹی آفیسر کو بلا کر کہا۔" میں زیادہ تفصیل نہیں بتا سکوں گا، جو کہہ رہا ہوں، اس پر فوراً عمل کرو"۔

وہ اسے جلدی جلدی بتانے لگے کہ کس طرح اقدامات کیے جائیں اور کس طرح نادرہ کو وہاں سے نکال کر ریوالور کے ساتھ یہاں پہنچایا جائے۔ سیکیوریٹی آفیسر احکامات سنتے ہی اپنے سپاہیوں کو لے کر وہاں سے چلا، پہلے اس نے اپنی کوٹھی کے گیٹ کے بڑے تالے کو کھولا۔ پھر مرزا صاحب کی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو کر ان کے بڑے . . . . پھاٹک کو اندر سے مقفّل کر دیا۔ اپنا تالا لگا کر چابی جیب میں رکھ لی۔ اس دوران وہ سپاہیوں کو بتاتا جا رہا تھا کہ کس سپاہی کو کیا ڈیوٹی انجام دینا ہے۔

وہ ان کے ساتھ دندناتا ہوا مرزا صاحب کی کوٹھی کے برآمدے میں آیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ انہوں نے دستک دی۔ مرزا صاحب نے اندر سے پوچھا۔" کون ہے؟"

سیکیوریٹی آفیسر نے کہا۔" ہم جناب رانا شمشاد علی کے ساتھ آئے ہیں"۔

انہوں نے پوچھا۔" رانا صاحب کہاں ہیں؟"

" وہ شاہ جی سے باتیں کرنے گئے ہیں۔ انہوں نے حکم دیا ہے، ہم ان کی بیٹی نادرہ کی سختی سے نگرانی کریں اور کسی کو اس کے قریب نہ پہنچنے دیں"۔

مرزا صاحب نے مطمئن ہو کر دروازے کو کھول دیا۔ اس کے کھلتے ہی انہیں دھکّا سا لگا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئے۔ سیکیوریٹی آفیسر نے ریوالور نکال کر ان کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔" خبردار! آواز نہیں نکلنا چاہیئے ورنہ ہم گولی مار دیں گے"۔

مرزا صاحب ایک دم سے بوکھلا گئے تھے۔ بیگم بھی چیخنا چاہتی تھیں مگر سپاہیوں

کے ہاتھ میں رائفلیں دیکھ کر منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ایک سپاہی ٹیلیفون کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔ کہنے لگا۔" فی الحال اس ٹیلیفون کو کوئی استعمال نہیں کرے گا۔"

سیکیوریٹی آفیسر نے مرزا صاحب کو آگے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔" نادرہ کے پاس لے چلو۔ ذرا بھی تاخیر ہوئی تو ہم سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

مرزا صاحب ذرا ڈھیٹ بننا چاہتے تھے۔ بیگم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔" ان کی بات مان جائیے۔ خاک ڈالیے اس لڑکی پر، اُسے جانے دیجئے۔"

مرزا صاحب نے کن انکھیوں سے ریوالور کی طرف دیکھا۔ پھر مجبور ہو کر آگے بڑھے اور سیکیوریٹی آفیسر کو اس دروازے تک پہنچا دیا جہاں نادرہ اور ساحرہ قید تھیں سیکیوریٹی آفیسر نے فوراً ہی چٹخنی گرائی۔ دروازہ کھولا پھر کہا۔" بی بی جی! فوراً باہر آجائیے۔"

شاہ جی اور ان کے سیکیوریٹی آفیسر کو بڑی خوش فہمی تھی کہ نادرہ اس جال سے بہ آسانی نکل آئے گی۔ اس نے اپنے ہاں کے آفیسر کو دیکھتے ہی ساحرہ کا ہاتھ پکڑا پھر کھینچتے ہوئے کہا۔" چلو، میرے ساتھ۔"

وہ ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔" میں نہیں جاؤں گی۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو۔"

سیکیوریٹی آفیسر نے نادرہ کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔" بی بی جی! صاحب کا حکم ہے، آپ کو تنہا لایا جائے۔"

" میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ ساحرہ کو ساتھ لے جاؤں گا۔ ورنہ انکل اس کی شادی کسی اور سے کردیں گے۔"

مرزا صاحب نے گھڑی دیکھی۔ رانا تمشاد علی اپنے سپاہیوں کے ساتھ پہنچنے ہی والا تھا۔ وہ مسکرا کر بولے۔" نادرہ بیٹی! سوری، تم تو بیٹا ہو۔ میں تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی ان لوگوں کے ساتھ نہ جاؤ تو بہتر ہے۔"

سیکیوریٹی آفیسر نے مرزا صاحب کو گھور کر دیکھا پھر کہا۔" پلیز، یو کیپ کوائیٹ۔"

پھر اس نے نادرہ سے کہا۔" آپ وہ ریوالور مجھے دے دیجئے۔"

ریوالور کے معاملے میں نادرہ نے بحث نہیں کی۔ اس کے حوالے کر دیا۔ سیکیوریٹی آفیسر نے وہ ریوالور ایک سپاہی کو دیتے ہوئے کہا۔" اسے فوراً صاحب کے پاس پہنچا دو۔"

سپاہی اسے لے کر چلا گیا سیکیوریٹی آفیسر نے کہا۔" بی بی جی! آپ سوچ بھی نہیں سکتیں، مرزا صاحب نے آپ کے والد کے خلاف کس طرح سازش کی ہے۔ اگر آپ نے یہاں سے چلنے میں دیر کی تو آپ کے ڈیڈ کو بہت زبردست نقصان پہنچے گا۔"

مرزا صاحب نے کہا۔" اگر تم یہاں سے جاؤ گی تو میں کبھی ساحرہ سے ملنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

سیکیوریٹی آفیسر نے ڈانٹ کر کہا۔" میں کہتا ہوں، آپ خاموش رہیے۔"

" میں اب خاموش رہوں گا۔ فیصلہ نادرہ پر ہے۔"

اس نے کہا۔" میں نہیں جاؤں گا۔ تم ڈیڈ کو یہاں بھیج دو، انکل یقیناً ہمارے حق میں فیصلہ کریں گے۔"

ساحرہ نے کمرے کے دور افتادہ گوشے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔" نادرہ! میرے پاس آؤ۔ میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

نادرہ خوش ہو کر اس کے پاس آئی۔ اس نے آہستگی سے کہا۔" تم ہوش وحواس میں نہیں ہو۔ یہاں ضرور کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے، اسی لیے انکل نے سیکیوریٹی آفیسر کو بھیجا ہے۔ ذرا عقل سے کام لو، ہمارے گھرانوں کے درمیان اختلافات شدید ہونے سے پہلے چلی جاؤ۔"

" ساحرہ! جب مجھے معلوم ہوا کہ تمہیں یہاں سے دور بھیج دیا گیا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا، دل نے دھڑکنا بند کر دیا ہو۔ میں یہاں سے جاؤں گا تو سچ مچ تمہیں دور بھیج دیا جائے گا۔ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔"

" اوہ خدایا! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔"

" میں خوب سمجھتا ہوں، ان حالات میں ڈیڈ ضرور آئیں گے پھر تمہارے پاپا سے میرے اور تمہارے رشتے کی بات کریں گے۔"

اسی وقت ڈیڈ کی آواز سنائی دی۔" بیٹے! تم کہاں ہو؟"

وہ خوش ہو کر وہاں سے دوڑتے ہوئے، کمرے سے نکلتے ہوئے کوریڈور میں آئی۔ شاہ جی ڈرائنگ روم میں تھے۔ بیٹی کو دیکھتے ہی دونوں بازو پھیلا دیئے۔ وہ بازوؤں میں آ کر سما گئی۔ انھوں نے تھپکتے ہوئے کہا۔" میں آ گیا ہوں۔ تم جاؤ۔ تمہاری ممی اکیلی ہیں۔"

"نو ڈیڈ! میں ابھی نہیں جاؤں گا۔"

انہوں نے جھک کر کان میں کہا "میں تمہارے رشتے کی بات کرنے آیا ہوں۔ ایسے وقت لڑکے کا موجود رہنا مناسب نہیں ہے۔"

وہ خوش ہو گئی۔ وہاں سے جانا چاہتی تھی۔ مرزا صاحب نے آ کر کہا "یہ کیا زبردستی ہے۔ آپ کا سیکیورٹی آفیسر اپنے سپاہیوں کے ساتھ زبردستی یہاں گھس آیا ہے۔"

شاہ جی نے سیکیورٹی آفیسر کو دیکھتے ہوئے کہا "تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہاں سے چلے جاؤ۔"

وہ سر جھکا کر جانے لگا۔ انہوں نے نادرہ کو اپنے ساتھ لے کر باہر جاتے ہوئے کہا "بیٹے! تم گھر میں رہو گے۔ پچھلی رات تم نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا۔ اپنی من مانی کی۔ جس کے بُرے نتائج سامنے آئیں گے۔ میں نے حالات پر تقریباً قابو پا لیا ہے۔ تم جاؤ۔ کوئی بحث نہ کرو۔ اگر کوئی تم سے بیان لینا چاہے تو ایسا بیان نہ دینا جس سے میری بدنامی ہو۔ خصوصاً میرے ریوالور کے متعلق انجان بن جانا۔ کبھی اعتراف نہ کرنا کہ ریوالور تم یہاں لے کر آئے تھے اور تم نے کسی کو دھمکی دی تھی۔"

وہ اسے سمجھا بجھا کر وہاں سے رُخصت کرنا چاہتے تھے مگر دیر ہو چکی تھی۔ مرزا صاحب کی کوٹھی کا بڑا پھاٹک کھل گیا۔ وہاں سے پولیس کی ایک بڑی سی گاڑی داخل ہوئی۔ اس گیٹ کو پہلے شاہ جی کے سیکیورٹی آفیسر نے اندر سے مقفل کیا تھا لیکن شاہ جی کے آنے کے بعد اسے کھول دیا گیا تھا، ان کے تمام سپاہی واپس اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے تھے۔ سیکیورٹی آفیسر نے جب رانا شمشاد علی کی پولیس پارٹی کو آتے دیکھا تو وہ پھر کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ مرزا صاحب اسے روک نہ سکے کیونکہ اس کے پاس ریوالور تھا۔ وہ پچھلے گیٹ سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی مرزا صاحب دوڑتے ہوئے کوٹھی کے اگلے حصے میں آئے۔ اس وقت تک رانا شمشاد علی گاڑی سے اتر کر شاہ جی کو دیکھتے ہی سلیوٹ کر رہا تھا۔ مرزا صاحب نے کہا "یہ ظلم ہے۔ پولیس والوں کا سراسر ظلم ہے۔ ابھی شاہ جی کا سیکیورٹی آفیسر یہاں سے بھاگتا ہوا پچھلے راستے سے چلا گیا ہے۔"

شاہ جی نے کہا "ذرا صبر سے کام لیں، اگر آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو سب سے پہلے میں انصاف کروں گا۔"

پھر انہوں نے رانا شمشاد علی سے پوچھا "آپ پولیس کی اچھی خاصی تعداد لے کر آئے ہیں۔ بات کیا ہے؟"

اس نے ادب سے کہا "سر! میں آپ کی صاحبزادی کے خلاف تفتیش کرنے آیا ہوں۔ اس کا اجازت نامہ میرے پاس ہے۔"

یہ کہہ کر رانا شمشاد علی نے جیب سے ایک کاغذ نکالا پھر آگے بڑھ کر اسے شاہ جی کے حوالے کیا۔ انہوں نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اس پر دستخط کرنے والے کا نام پڑھا۔ مسکراتے ہوئے مرزا صاحب کو دیکھا اور کہا "میں مانتا ہوں، آپ کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ آپ نے صبح ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ راتوں رات میرے خلاف اجازت نامہ حاصل کر لیا۔ کوئی بات نہیں۔ آؤ آفیسر! آپ اپنی ڈیوٹی انجام دیں۔ میری صاحبزادی موجود ہے۔ جو سوالات کرنا چاہو، میرے سامنے کر سکتے ہو۔"

وہ سب برآمدے سے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ رانا شمشاد علی نے شاہ جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "سر! میں اپنی کارروائی شروع کرنے سے پہلے مرزا صاحب سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

شاہ جی نے ہنستے ہوئے کہا "اتنا زوردار اجازت نامہ لے کر آئے ہو اور مجھ سے اجازت طلب کر رہے ہو بھئی، اس وقت تم اپنے معاملات میں آزاد ہو۔ میرے ماتحت نہیں ہو۔ جو کرنا چاہو کر سکتے ہو۔"

نادرہ نے کہا "انکل! آپ میرے ڈیڈ کو گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

مرزا صاحب نے نظریں پھیر لیں۔ رانا شمشاد علی کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ نادرہ نے کہا "ابھی سیکیورٹی آفیسر کی موجودگی میں انکل بڑی محبت سے باتیں کر رہے تھے جیسے میرے اور ساحرہ کے ملنے پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ تعجب ہے، اتنی جلدی آنکھیں پھیر رہے ہیں۔"

شاہ جی نے اپنی بیٹی کی طرف جھکتے ہوئے آہستگی سے کہا "یہ بھی اعتراف نہ کرنا کہ سیکیورٹی آفیسر یہاں موجود تھا۔ دیکھو بیٹے! تم بہت ذہین ہو مگر ایک ذہین آدمی جذبات سے مغلوب ہوتا ہے تو اپنی ذہانت بھول کر غلطیاں کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے تم صبر و تحمل سے ہر سوال کا جواب دو گے۔ کوئی ایسی بات نہیں کہو گے جس سے

میں بدنام ہو جاؤں یا کسی کے سامنے میرا سر جھک جائے۔"

"نہیں ڈیڈ! میں محتاط رہوں گا۔"

انہوں نے اور آہستگی سے کہا۔"تم ذرا جلدی جلدی میرے سوالوں کا جواب دیتی جاؤ۔ اس کوٹھی میں کیسے داخل ہوتے ہو؟"

"میں نے گلشن کو دھمکی دی۔ اسے اس کے شوہر کے پاس بھیجا۔ اس کے شوہر نے بھی میرے سامنے مجبور ہو کر پچھلا دروازہ کھول دیا اور میں اس کے ساتھ ساحرہ کے کمرے میں چلا آیا۔"

"تم نے غلطی کی تمہیں اس طرح دھمکی دے کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ اب یہ بتاؤ، ساحرہ نے تمہارا استقبال کیا یا ملنے سے انکار کیا؟"

"وہ بھلا انکار کیسے کر سکتی ہے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ دروازے کے باہر چٹخنی لگا دی گئی تھی اور تمام کھڑکیوں کے باہر کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں۔"

شاہ جی فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے خوش ہو کر کہا۔"یہ تم نے بڑے کام کی بات بتائی ہے۔ اب یہی بیان دینا کہ ساحرہ نے تمہیں اپنی مدد کے لیے بلایا تھا۔"

"نو ڈیڈ! میں جھوٹ بولوں گا تو ساحرہ سے دشمنی کروں گا، یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ ویسے وہ خود اپنے سر الزام لے رہی تھی۔ اپنے پاپا سے کہہ رہی تھی کہ اسی نے مجھے بلایا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم جھوٹ نہ کہنا مگر ساحرہ جو کہے اس کی تردید نہ کرنا۔"

"واہ، وہ جھوٹ بولے تو میں کیسے چپ رہوں گا۔"

"اسے اپنی بات کہنے دو۔ تم اپنے بیان پر توجہ دو۔"

مرزا صاحب، رانا شمشاد علی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ وہ دونوں شاہ جی کے مقابل ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ رانا نے نادرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔"میں نے سنا ہے، تم خود کو لڑکا کہتی ہو —— کیا درست ہے؟"

"یہ صرف میں نہیں کہتا میری میڈیکل رپورٹ بھی کہتی ہے۔"

"اوہ آئی سی۔ کیا وقت ضرورت تم وہ میڈیکل رپورٹ پیش کر سکتی ہو؟"

"پیش کر سکتا ہوں۔"

"تم ساحرہ سے ملنے کس دروازے سے آتی ہو؟"

"پچھلے دروازے سے۔"

"سامنے والے دروازے سے کیوں نہیں آئیں؟"

"میں کئی بار پچھلے دروازے سے آ چکا ہوں۔ آج نئی بات نہیں ہے۔"

رانا شمشاد علی نے کہا۔"مرزا صاحب! ایک ٹیپ ریکارڈر کی ضرورت ہے۔ میں یہ بیان ریکارڈ کرنا چاہتا ہوں۔"

مرزا صاحب اٹھ کر گئے پھر ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ ایک نیا کیسٹ بھی لے آئے۔ اس میں کیسٹ کو سیٹ کرنے کے بعد رانا شمشاد علی کے سامنے رکھ دیا۔ رانا نے سینٹر ٹیبل کو نادرہ کے قریب سرکایا۔ ریکارڈر کو اس کے سامنے رکھا، پھر خود ایک قریبی صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔"کیا تم نے اس گھر کی ملازمہ اور ملازم کو دھمکی دے کر پچھلا دروازہ کھلوایا تھا؟"

نادرہ نے جواب دیا۔"آج تک مجھے دھمکی دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ساحرہ، انکل، آنٹی کے علاوہ یہاں کے ملازم بھی مجھے پہچانتے ہیں۔ دن رات آتے جاتے دیکھتے ہیں پھر میرے آنے پر وہ دروازہ کیوں نہ کھولتے؟"

مرزا صاحب نے کہا۔"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ دروازہ میں نے اندر سے بند کروایا تھا اور انہیں سختی سے تاکید کی تھی کہ تمہارے لیے دروازہ نہ کھولا جائے۔"

اسی وقت اکبر چائے لے کر آیا۔ بڑے سینٹر ٹیبل پر رکھنے لگا۔ رانا شمشاد علی نے پوچھا "اکبر! کیا تمہیں دھمکی دی گئی تھی؟"

اس نے گھبرا کر پہلے تو شاہ جی کو دیکھا، پھر اپنے مالک مرزا صاحب کو دیکھتے ہوئے ہچکچانے لگا۔ مرزا صاحب نے کہا۔"کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صاف صاف بولو۔"

وہ صاف صاف بولنے لگا، نادرہ نے پہلے اس کی بیوی گلشن کو قتل کرنے کی دھمکی دی۔ پھر اکبر کو جیل بھجوانے کے سلسلے میں ڈرایا، دھمکایا اور دروازہ کھلوا لیا۔ رانا شمشاد علی نے نادرہ سے پوچھا۔"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"اس لیے کہ ساحرہ کو یہاں قید کیا گیا تھا۔"

"یہ مرزا صاحب کے گھر کا معاملہ ہے۔"

شاہ جی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے مداخلت نہیں کرنا چاہیے لیکن جہاں قانونی معاملہ ہو، وہاں کچھ کہہ سکتا ہوں۔"

رانا شمشاد علی نے کہا۔ "بیشک، آپ مجھے گائیڈ کر سکتے ہیں۔ بائی دی وے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ مرزا صاحب کے گھر کا معاملہ ضرور ہے مگر قانونی معاملہ بھی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، اسکول اور کالج کے سرٹیفکیٹ کے مطابق ساحرہ کی عمر اکیس برس ہے۔ ایک بالغ لڑکی کو یہاں حبسِ بے جا میں رکھا گیا تھا۔"

مرزا صاحب نے کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔"

"آپ ساحرہ کو بلا کر پوچھ سکتے ہیں۔"

"میں ابھی بُلا کر لاتا ہوں۔"

مرزا صاحب اپنی جگہ سے اٹھنے لگے۔ شاہ جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ہرگز نہیں، بیٹی کو حبسِ بے جا میں رکھنے والا باپ اُسے یہاں لانے تک دھمکیاں دے کر بیان بدلوا سکتا ہے۔"

رانا شمشاد علی نے مرزا صاحب کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر اکبر کو حکم دیا۔ "س۔ عرہ کو یہاں بھیج دو۔"

تھوڑی دیر بعد وہ آگئی۔ اسے ایک صوفے پر بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ جب وہ بیٹھ گئی تو رانا نے پوچھا۔ "کیا تمہیں کہیں قید کیا گیا تھا؟"

ساحرہ نے اپنے پاپا کی طرف دیکھا۔ شاہ جی نے کہا۔ "بیٹی، کسی سے ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ سچ بولنا چاہیے۔"

مرزا صاحب نے کہا۔ "میں نے ایک کمرے میں احتیاطاً بند کر دیا تھا۔ باہر سے چٹخنی لگا دی گئی تھی۔"

شاہ جی نے کہا۔ "مسٹر رانا! آپ اس کمرے کے باہر جا کر دیکھ سکتے ہیں، کھڑکیوں پر باہر سے کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں۔ دروازے بند، کھڑکیاں بند اس پر یہ حکم بھی کہ کمرے میں روشنی نہ ہو۔"

ساحرہ سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ رانا نے کہا۔ "تمہارا جھکا ہوا سر اس بات کا ثبوت

ہے کہ تمہیں حبسِ بے جا میں رکھا گیا تھا۔"

مرزا صاحب نے کہا۔ "مسٹر رانا! یہ کیسا انصاف ہے، میں نے آپ کو یہاں مجرم کو پکڑنے کے لیے بلایا ہے۔ آپ الٹا میری بیٹی سے سوالات کر رہے ہیں، مجھے مجرم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہم نے آپ کو مُجرم نہیں کہا ہے۔ ایک ایسی غلطی کی نشاندہی کی ہے جو قانون کی زد میں آتی ہے۔ آئندہ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے لیکن آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

"مجھے نادرہ کی طرف سے خطرہ تھا۔ اس نے فون پر چیلنج کیا تھا کہ یہ میری بیٹی کو بھگا کر لے جائے گی۔ زبردستی اس سے شادی کرے گی۔"

نادرہ نے کہا۔ "انکل آپ بات کو بڑھا کر بیان کر رہے ہیں۔ میں نے ساحرہ کو نہ کبھی بھگانے کی بات کی، نہ ہی یہ ان لڑکیوں میں سے ہے جو ماں باپ کے لیے بدنامیاں چھوڑ کر کسی کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں۔ ہاں، میں نے اس سے شادی کرنے کی بات ضرور کہی ہے اور یہ کوئی جُرم نہیں ہے۔"

رانا شمشاد علی نے کہا۔ "مگر گھر کے ملازموں کو قتل کر دینے اور جیل بھجوانے کی دھمکی دینا بہت بڑا جُرم ہے۔"

شاہ جی نے کہا۔ "میرے بیٹے نے کسی کو دھمکی نہیں دی۔ اگر یہاں کے ملازم گواہوں کے طور پر پیش کیے جائیں گے تو یہ ناقابلِ اعتبار ہوں گے۔ کیونکہ یہ لڑکیاں پہلے بھی آزادی سے ملتی تھیں۔ آج بھی ایک دوسرے کی مرضی سے مل رہی ہیں۔ کیوں بیٹی ساحرہ! کیا تمہاری مرضی نہیں تھی کہ نادرہ ملاقات کرے؟"

ساحرہ نے سر کو جھکا لیا۔ رانا نے پوچھا۔ "مس نادرہ! کیا ساحرہ نے تمہیں بلایا تھا؟"

نادرہ نے ساحرہ کو دیکھا۔ وہ سر پر آنچل رکھے، نظریں جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کے سوالات سے پریشان ہو رہی تھی۔ نادرہ نے جواب دیا۔ "محبت میں کسی کو بُلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہمارے ہاں کی لڑکیاں ایسی بے شرم نہیں ہوتیں کہ اپنے چاہنے والے کو آواز دے کر مخاطب کریں۔ ان کی خاموشی ہی زبان ہوتی ہے۔ آپ کے سوال کا جواب یہی ہے کہ ساحرہ نے بُلایا نہیں تھا مگر میں آیا تو میری آمد پر انکار بھی نہیں کیا۔"

مرزا صاحب نے کہا۔ "رانا صاحب! اصل بات یہ ہے کہ جب تک نادرہ لڑکی کی

حیثیت سے آتی رہی، میری بیٹی سے ملتی رہی تو نہ مجھے اعتراض ہوا، نہ میری بیٹی کو۔ جب یہ پچھلی رات زبردستی گھس آئی تو ساحرہ کو اس کی تبدیلی کے متعلق معلوم نہ تھا۔ مجھے فخر ہے کہ میری بیٹی بے حیا نہیں ہے۔ کسی ایسے فرد سے نہیں ملے گی جو تبدیل ہو رہا ہو، جو اپنی پہلی شناخت کھو رہا ہو اور ایک اجنبی کی حیثیت سے ہم سب کے سامنے آنے والا ہو۔ کیا ایک شریف خاندان کی لڑکی کسی اجنبی سے ملنا پسند کرے گی۔ یہ سوال میں آپ لوگوں سے بھی کر رہا ہوں اور اپنی بیٹی سے بھی؟"

نادرہ نے کہا: "انکل! آپ نے خود ہی فخر سے کہا ہے کہ آپ کی بیٹی بے حیا نہیں ہے۔ پھر وہ سب کے سامنے کیسے دل کی بات کہہ سکتی ہے۔ یہ سوال آپ نے ہم سے بھی کیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ میں ساحرہ کو اپنے نئے روپ کے متعلق ہی بتانے آیا تھا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا، یہ مجھے نئے انداز اور نئی شخصیت میں پسند کرے گی یا نہیں؟"

رانا نے پوچھا: "تو پھر ساحرہ نے کیا جواب دیا؟"

ساحرہ نے گھبراتے ہوئے نادرہ کو دیکھا۔ نادرہ اس کی گھبراہٹ اور پریشانی کو سمجھ رہی تھی۔ پھر بھی اس نے پوچھا: "بولو ساحرہ! کیا میں تمہارا جواب سُنا دوں؟"

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ مُنہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ ذرا لیس و پیش میں رہی۔ پھر وہاں سے جانے لگی۔ نادرہ نے اٹھ کر اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا: "تم نہیں جاؤ گی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں یہ دل کی حکایت ہے۔ زبان پر نہیں آئے گی۔"

وہ بے چاری تذبذب میں رہ گئی۔ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسے جانا چاہیے یا نادرہ کی بات مان لینا چاہیے؟ اُدھر مرزا صاحب غور سے بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین تھا، وہ نادرہ کی بات نہیں مانے گی، چلی جائے گی۔ رانا شمشاد علی بھی اسے بیٹھنے کے لیے کہہ سکتے تھے مگر یہ سمجھنا چاہتے تھے کہ تنہائی میں نادرہ کو ایک اجنبی کے روپ میں دیکھ کر ساحرہ کا ردِ عمل کیا رہا تھا؟

نادرہ اور ذرا قریب ہو گئی۔ آہستگی سے بولی: "تم نے جو فیصلہ سُنایا تھا۔ میں اس سے مطمئن ہوں۔ اگر یہ چاہتی ہو کہ میں تم پر اعتبار کروں اور وقت کا انتظار کروں تو بیٹھ جاؤ۔"

وہ پھر گھوم کر صوفے کے پاس آئی اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ شاہ جی نے اسے بڑی محبت سے دیکھا۔ مسکرائے، پھر کہا: "مرزا صاحب! ہم برسوں سے بہت اچھے دوست چلے آ رہے ہیں۔

یہ دوستی ہماری اولاد تک جا رہی ہے۔ ہم اسے آئندہ نسلوں تک جاری رکھ سکتے ہیں۔"

مرزا صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "بس، آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں، آپ کس طرح باتیں بنائیں گے اور رشتے کی بات شروع کریں گے۔ یہ مجھے منظور نہیں ہے۔ میں ایسا احمقانہ فیصلہ نہیں کروں گا جس سے میری بیٹی کی زندگی برباد ہو جائے۔"

"میں نے آپ کا فیصلہ سُن لیا۔ ابھی میرے بیٹے اور آپ کی بیٹی نے بڑی خاموشی سے اپنا فیصلہ سُنایا ہے جو آپ کو سُنائی نہیں دیا اور نہ ہی آپ کی سمجھ میں آیا ہے لیکن مجھے یقین ہے، بہت جلد سمجھ میں آ جائے گا۔"

"کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟"

"آدمی غصے میں ہو تو اسے دوسروں کی نصیحت بھی دھمکی لگتی ہے۔ آج صبح مجھے پتا چلا کہ آپ میرے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ تب ہی میں سمجھ گیا تھا، بات بگڑ گئی ہے۔ محبت سے رشتہ لے کر جاؤں گا تو آپ تسلیم نہیں کریں گے۔ فی الحال میں یہی دُعا کر سکتا ہوں کہ آئندہ جو ہونے والا ہے، خُدا اس سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔"

مرزا صاحب نے کہا: "جناب رانا صاحب! آپ کا قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے۔ جو کاروائی کرنا ہے کر ڈالیں۔"

رانا شمشاد علی نے کہا: "ساحرہ بیٹی! تم جا سکتی ہو۔"

اسے فوراً اٹھ کر جانا چاہیے تھا لیکن اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کر نادرہ کو دیکھا۔ یہ اس کی عادت سی ہو گئی تھی کہیں آتے جاتے خاموشی سے نادرہ کو دیکھتی تھی۔ نظروں ہی نظروں میں اجازت لیتی تھی۔ نادرہ نے خوش ہو کر کہا: "جاؤ آرام کرو۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ پھر سر پر آنچل سنبھالتے ہوئے چلی گئی۔ شاہ جی مسکرا رہے تھے۔ رانا شمشاد علی نے کہا: "مس نادرہ! کیا آپ نے ٹیلیفون پر مرزا صاحب کو دھمکی دی تھی کہ جو بھی ساحرہ سے شادی کرنے آئے گا۔ آپ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔"

نادرہ نے اپنے ڈیڈی کو دیکھا۔ پھر کہا: "مجھے ایسی کوئی بات یاد نہیں ہے۔"

شاہ جی نے کہا: "مسٹر رانا! آپ ایسی باتیں کریں جن کا ثبوت موجود ہو۔"

"مس نادرہ! کیا تم یہاں ریوالور لے کر آئی تھیں؟"

وہ کچھ کہنے جا رہی تھی کہ رانا نے کہا: "دیکھو، کچھ کہنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا۔

ہمارے پاس ثبوت ہے، تمہارے پاس ریوالور تھا۔ تم نے دھمکی دی تھی۔ تم نے یہاں آ کر بھی یہی کہا تھا جو بھی ساحرہ کا ہاتھ پکڑنا چاہے گا۔ تم اسے زندہ نہیں چھوڑو گی۔"

شاہ جی نے پوچھا۔ "کیا میں معلوم کر سکتا ہوں، وہ ثبوت کیا ہے؟"

رانا شمشاد علی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی ثبوت پیش کرتا ہوں۔"

وہ ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کیسٹ تھا۔ اس نے اپنی جگہ آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مس نادرہ کی بہت سی اہم باتیں ریکارڈ کی گئی ہیں۔ میں نے وہ کیسٹ اپنے سپاہی کے ہاتھ بھیجا تھا کہ ڈپلی کیٹ تیار ہو جائے۔ میں آپ کو اس کا ڈپلی کیٹ سنا رہا ہوں۔"

اس نے کیسٹ ریکارڈر کو پہلے آف کیا۔ اس میں سے پہلا کیسٹ نکالا پھر دوسرے کیسٹ کو رکھ کر آن کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس ریکارڈر سے مرزا صاحب کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "نادرہ! میں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ تم ان کا صحیح جواب دو۔ پہلے یہاں کھڑکی کے پاس آ جاؤ۔"

نادرہ نے چونک کر اپنے ڈیڈ کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "ڈیڈ! یہ باتیں اسی کمرے میں ہوئی تھیں جہاں مجھے ساحرہ کے ساتھ بند کیا گیا تھا۔ اب میری سمجھ میں آ رہا ہے، انکل نے چپ چاپ یہ کیسٹ ریکارڈر کھڑکی کے پاس رکھ دیا تھا اور میری باتیں ریکارڈ کرتے رہے تھے۔"

شاہ جی نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! صبر کرو اور سنتے جاؤ۔"

اس کیسٹ ریکارڈر سے ٹیپ کی ہوئی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دونوں باپ بیٹی توجہ سے سن رہے تھے۔ پھر رانا شمشاد علی نے ریکارڈر کو آف کر دیا۔ سوالیہ نظروں سے شاہ جی کو دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ "اچھا تو ہم باپ بیٹے کو قانون کی سخت گرفت میں لینے کے لیے یہ باتیں ریکارڈ کی گئی ہیں؟"

رانا نے کہا۔ "کوئی بھی مجرم ہو، خواہ وہ میرا سینئر آفیسر کیوں نہ ہو۔ اگر وہ جرم کر رہا ہے تو اس کے خلاف ثبوت حاصل کرنا میرا فرض ہے۔"

"کیا اس کیسٹ کے مطابق میرا ریوالور نادرہ کے پاس سے برآمد کیا گیا ہے؟"

"وہ تو آپ نے زبردست چال چلی ہے۔ ہمارے آنے سے پہلے ہی سیکیورٹی آفیسر یہاں سے وہ تمام ثبوت سمیٹ کر لے گیا ہے۔"

"آپ کے ایسا کہنے سے ہمارے اوپر والے اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ جس طرح یہ ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح ریوالور کی موجودگی کا ثبوت لازمی ہے۔"

"جناب شاہ جی! آپ ساحرہ بیٹی پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ وہی اس بات کی گواہی دے گی کہ بند کمرے میں نادرہ نے ریوالور نکال کر دھمکی دی تھی۔"

شاہ جی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، پھر کہا۔ "ہاں ساحرہ بیٹی جھوٹ نہیں کہتی۔ وہ ضرور گواہی دے گی لیکن اسے کیا پتا کہ وہ ریوالور اصلی تھا یا نقلی؟"

انہوں نے جیب سے ایک ریوالور نکالا۔ پھر نادرہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! اسے لو اور رانا صاحب کے سامنے رکھ دو۔"

نادرہ نے اس ریوالور کو لیا پھر اسے رانا شمشاد علی کے سامنے رکھ دیا۔ شاہ جی نے کہا۔ "اب دیکھیں، یہ ریوالور اصلی نہیں ہے۔ اس پر میری بیٹی کی انگلیوں کے نشانات بھی ہیں۔ یہی ریوالور اس نے بند کمرے میں دکھایا تھا جسے ساحرہ اور اس کے پاپا نے اصلی سمجھا۔"

مرزا صاحب نے بھڑک کر کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ آپ کی بیٹی نے اس کیسٹ میں اعتراف کیا ہے، وہ آپ کا شناختی کارڈ اور آپ کا ریوالور استعمال کرتی ہے۔"

شاہ جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جبراً قید کر کے کسی سے بھی یہ بات ریکارڈ کروائی جا سکتی ہے۔ میرے بیٹے کو مجبور کیا گیا۔ اس نے ایسا کہہ دیا۔ اس بات کی گواہ خود آپ کی بیٹی ہے کہ ان دونوں کو حبس بے جا میں رکھا گیا تھا اور مسٹر رانا! آپ کو اس کمرے کا جائزہ لے کر تحریری رپورٹ دینا ہو گی کہ باہر سے کھڑکیوں پر کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں۔ باہر سے دروازے کو بند کیا گیا تھا اور اندر روشنی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایسی صورت میں میرا بیٹا کوئی بھی بیان دے سکتا ہے۔"

رانا شمشاد علی نے کہا۔ "شاہ جی! اس وقت میں آپ کا ماتحت نہیں ہوں۔ آپ کی صاحبزادی کے خلاف تفتیش کرنے آیا ہوں۔ لہٰذا میں کوئی تحریری بیان حبس بے جا کے متعلق نہیں دوں گا۔"

"میں بیان لینا اچھی طرح جانتا ہوں اور یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ جتنا ڈراما کیا جا رہا ہے وہ محض تم اپنی ترقی کے لیے کر رہے ہو۔ میرے عہدے پر آنا چاہتے ہو۔ کسی طرح مجھے یہاں سے ٹرانسفر کرانا چاہتے ہو۔ یہ سازش تمہاری اور مرزا صاحب کی ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ آپ اسے ثابت نہیں کر سکتے۔"

شاہ جی نے پھر مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھا۔ کیسٹ ریکارڈر کو کھینچ کر اپنی طرف کیا۔ اس میں سے پہلا کیسٹ نکال کر اپنی جیب سے ایک کیسٹ لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی ایک ڈپلی کیٹ ہے۔ اصلی کیسٹ محفوظ ہے۔ ذرا سُن لو۔"

انہوں نے اسے آن کیا۔ تھوڑی دیر بعد مرزا صاحب اور رانا شمشاد علی کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ وہ دونوں حیرت سے مُنہ کھول کر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ ٹیلیفون کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا مرزا صاحب، شاہ جی کے خلاف سازش کر رہے ہیں، انہیں کسی طرح یہاں سے ٹرانسفر کرانا چاہتے ہیں اور ان کی جگہ رانا شمشاد علی کو لانا چاہتے ہیں۔

رانا شمشاد علی کی آواز سُنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے "مرزا صاحب، میں ایک عرصے سے موقع کی تلاش میں ہوں۔ اگر ان کے خلاف ثبوت مل جائے اور میں ان کی لاعلمی میں تمام کارروائیاں مکمل کرلوں اور بعد میں انہیں علم ہو تو کوئی بات نہیں مگر کارروائی کرنے کے دوران وہ اپنا بچاؤ کرلیں گے۔"

ابھی کیسٹ یہیں تک چلنے پایا تھا کہ شاہ جی نے اسے آف کر دیا۔ اس میں سے کیسٹ نکالتے ہوئے کہا۔ "میں پوری گفتگو نہیں سناؤں گا۔ آپ دونوں ذہن پر زور ڈال کر سوچیں کہ میرے خلاف سازش کرنے کے لیے کیسی کیسی کھچڑی پکائی گئی تھی۔ کیسے کیسے الفاظ استعمال کیے گئے تھے جن کی گرفت میں آپ دونوں آسکتے ہیں۔ مسٹر رانا! آپ ایک عرصے سے موقع کی تلاش میں تھے۔ لیکن میرے خلاف ثبوت حاصل نہیں کرسکے۔ آپ کے پاس میرا ریوالور نہیں ہے جسے میری بیٹی سے حاصل کیا گیا ہو۔ آپ کے پاس یہ ثبوت نہیں ہے کہ میری بیٹی جبراً یہاں داخل ہوئی تھی جب کہ یہاں دوستانہ ماحول برسوں سے رہا ہے۔ اس ماحول کو پراگندہ کرنے کے لیے مرزا صاحب اور آپ نے سازشیں شروع کیں۔ آپ دونوں کے دماغ میں یہ بات نقش ہوگئی تھی کہ مجھ پر جھوٹے الزامات عائد کرکے میرا ٹرانسفر کرایا جاسکتا ہے۔ آپ لوگوں کی یہ گفتگو ثبوت کے طور پر میرے پاس موجود ہے۔"

وہ دونوں جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ بالکل خاموش ہوگئے۔ ایک دوسرے سے نظریں بھی نہیں ملا سکتے تھے۔ شاہ جی نے کہا۔ "مسٹر رانا! آپ نے درست کہا تھا کہ آپ لوگوں کی کارروائیوں کے دوران مجھے پتا چل جائے گا تو اپنا بچاؤ کرلوں گا اور دیکھ لو، میں نے کس طرح بچاؤ کیا ہے۔"

مرزا صاحب اور رانا شمشاد علی اسی طرح خاموش رہے۔ شاہ جی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"گھنٹے بھر سے چائے ہمارے درمیان پڑی ہے مگر آپ لوگوں کی طرح ٹھنڈی ہو چکی ہے۔ اس سے ایک سبق حاصل ہوتا ہے، آدمی کو چائے کی طرح اتنا کھولنا نہیں چاہیے کہ پینے والا جل جائے اور اتنا ٹھنڈا انہیں ہونا چاہیے کہ کوئی منہ لگانا گوارا نہ کرے۔"

پھر انہوں نے نادرہ سے کہا۔ "بیٹے! تم یہاں سے جانا چاہو گے تو کوئی قانون نہیں روک سکے گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں ساحرہ سے مل کر جانا چاہتی ہوں۔"

شاہ جی نے مسکرا کر مرزا صاحب کو دیکھا۔ مرزا صاحب نے بھڑک کر کہا۔ "ہرگز نہیں، میں اپنی بیٹی سے ملنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس کیسٹ کے ذریعے مجھے کمزور کر دیا گیا ہے تو یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔"

شاہ جی ہنستے ہوئے بولے۔ "میری بیٹی نے میرا ریوالور لیا تھا۔ آپ تو میری پوری وردی ہی اتروانے والے تھے۔ آپ کے سروس ریکارڈ کے لیے یہ کیسٹ بہت کافی ہے۔ اس سے سوسائٹی میں آپ کی شہرت کو دھچکا پہنچے گا مگر آپ پرواہ نہیں کریں گے۔ سروس ریکارڈ کو نقصان پہنچے گا تو آپ کیا کر سکیں گے؟"

مرزا عبادت حسین انہیں گھور کر دیکھ رہے تھے مگر کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے۔

آخر رانا شمشاد علی نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر عاجزی سے کہا۔ "سر! میں شرمندہ ہوں۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔"

شاہ جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آگے کچھ نہ کہنا۔ اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔"

وہ پھر صوفے پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا۔ "مرزا صاحب نے میرے خلاف بہت اوپر سے اجازت نامہ حاصل کیا تھا۔ اب اس اجازت نامے کے حوالے سے رپورٹ تیار کرو کہ میری بیٹی بے گناہ ہے۔ مرزا عبادت حسین نے آپ کو میرے خلاف بھڑکایا تھا۔ جھوٹے ثبوت اور فراڈ قسم کے گواہ تیار کر رکھے تھے جو سب کھوکھلے اور بے بنیاد ثابت ہوتے۔ اس کے برعکس مرزا عبادت حسین نے اپنی صاحبزادی کو جو کہ اسکول اور کالج کے سرٹیفیکیٹ کے مطابق بالغ ہے، حبس بے جا میں رکھا تھا۔ میری بیٹی اس سے ملنے گئی تو اتنا بڑا ڈراما پلے کیا گیا۔ میں زیادہ گائیڈ نہیں کروں گا۔ آپ بہت ذہین آفیسر ہیں۔ بس ایسی رپورٹ تیار کریں کہ سانپ دوبارہ ڈسنے کے لیے پھن نہ اُٹھا سکے۔"

مرزا عبادت حسین نے کہا۔ "مسٹر رانا! آپ جیسی رپورٹ چاہیں تیار کرلیں لیکن میں دستخط نہیں کروں گا۔"

شاہ جی نے کہا۔ "آپ نے اوپر والوں سے یقیناً کہا ہوگا کہ آپ کو رانا شمشاد علی کی تفتیش پر اعتماد ہے لہٰذا اب یہ تفتیشی رپورٹ تیار کریں گے اور اس پر آپ کے دستخط نہیں ہوں تو آپ کو جواب دینا ہوگا کہ آپ رانا صاحب کی رپورٹ کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں۔"

مرزا صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے۔ اس سے پہلے ہی شاہ جی نے کہا۔ "آپ زبانی جو چاہیں کہہ لیں۔ اس اجازت نامے کے مطابق جو افسر یہاں تفتیش کے لیے آیا ہے۔ اس کی رپورٹ قابلِ اعتماد ہوگی اور مسٹر رانا کی تحریر کے آگے آپ کی تقریر کام نہیں آئے گی۔"

مرزا عبادت حسین صوفے میں سمٹ کر دھنس گئے تھے۔ اب ان کے چہرے سے بے بسی ظاہر ہو رہی تھی۔ انہوں نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ "میں نے جس درخواست کے ذریعے یہ اجازت نامہ حاصل کیا ہے، اس کے جواب میں ایک اور درخواست پیش کروں گا جس میں یہ اعتراف ہوگا کہ میں نے جو کچھ کہا وہ محض غلط فہمی کی بناء پر تھا۔"

شاہ جی نے اپنی اوپری جیب کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس جو کیسٹ ہے، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ غلط فہمی نہیں تھی۔ جان بوجھ کر میرے خلاف سازشیں کی گئی تھیں۔"

رانا شمشاد علی نے پریشان ہو کر کہا۔ "سر! اس طرح تو میں بھی پھنس جاؤں گا۔"

اتنے میں ساحرہ کی آواز سنائی دی۔ شاہ جی اور نادرہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ پیچھے آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ سر جھکائے آہستگی سے کہہ رہی تھی۔ "انکل! آپ مجھے بیٹی کہتے ہیں۔"

شاہ جی اپنی جگہ سے اٹھ کر صوفے کے دوسری طرف سے گھومتے ہوئے قریب آئے، اس کے سر پر ہاتھ رکھا، پھر کہا۔ "ہاں، تم میری بیٹی ہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہ جھگڑا ختم کیجئے۔ میرے پاپا بہت پریشان ہیں۔"

"بیٹی! تمہاری ایک بات پر سب کچھ قربان ہے۔ میں ابھی جھگڑا ختم کر دوں مگر تالی دونوں ہاتھوں سے بجے گی۔"

نادرہ کی ممی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے کہا۔ "آپ اتنی دیر سے یہاں کیا کر رہے ہیں۔ میں نے صبح سے بیٹے کو نہیں دیکھا ہے اور آپ دونوں نے ناشتا بھی نہیں کیا ہے۔"

ساحرہ کی مم ایک ٹرالی کو دھکیلتے ہوئے لا رہی تھیں۔ انہوں نے کہا۔ "ناشتے کا انتظام میں

نے کیا ہے۔"

سب نے ان کی طرف دیکھا۔ ٹرالی میں اوپر سے نیچے تک کھانے کی چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ ٹرالی کے درمیان آ گئی۔ ساحرہ کی مم نے کہا۔ "میں پچھلی رات سے یہ بے بنیاد جھگڑا دیکھتی اور سنتی آ رہی ہوں۔ میرا خیال ہے، آپس میں ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرنے سے رنجشیں دور ہو جائیں گی۔"

مرزا صاحب نے گھور کر اپنی بیگم کو دیکھا، پھر پوچھا۔ "منہ میٹھا کرنے کا مطلب سمجھتی ہو؟"

شاہ جی نے کہا۔ "آپ یہ بات دل سے نکال دیں کہ ہم رشتہ مانگنے آئے ہیں لہٰذا منہ میٹھا کیا جائے گا۔ بھئی، پہلے تو آپس میں مٹھاس پیدا کرنا چاہیئے۔ رشتے کی بات بعد میں ہوتی رہے گی۔"

وہ خود ایک پلیٹ لے کر اُٹھے اور مرزا صاحب کے سامنے آکر جھکتے ہوئے مٹھائی پیش کی۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ نادرہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چلتے ہوئے ساحرہ کے پاس آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ انہوں نے الجھن۔ سوچتی ہوئی نظروں سے دونوں کو دیکھا پھر پلیٹ میں سے ایک ڈلی اٹھائی۔ اُس کے بعد کہا۔ "اُسے ابھی منہ میں نہیں رکھوں گا۔ پہلے ہمارے درمیان کوئی مناسب سمجھوتہ ہونا چاہیئے۔"

نادرہ کی ممی نے اپنے شوہر سے مٹھائی کی پلیٹ لی۔ پھر ایک ایک کے سامنے جا کر پیش کرتے ہوئے بولیں۔ "ابھی کوئی منہ میں نہ رکھے۔ سمجھوتہ ہوگا، ابھی ہوگا۔"

ساحرہ کی مم نے کہا۔ "اور ضرور ہوگا۔"

مرزا صاحب تمام لوگوں کو باری باری دیکھ رہے تھے۔ شاہ جی کا خاندان پہلے ہی رشتہ مانگنے پر تُلا ہوا تھا۔ اب ساحرہ اور ان کی بیگم بھی یہی چاہتی تھیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ حالات مخالف ہو گئے تھے، سمجھوتہ لازمی تھا۔

ڈرائنگ روم میں موجود تمام افراد اپنی اپنی انگلیوں میں مٹھائی کا ایک ایک ٹکڑا دبائے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے صوفے پر سیدھی طرح بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جو بات آج نہیں ہوگی، وہ کل ہوگی لہٰذا کل ہونے والی بات آج ہی ہو جائے تو بہتر ہے۔"

سب سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "شاہ جی! آپ میری بیٹی کا رشتہ اس بیٹے کے لیے مانگ رہے ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اس کے باوجود میری چند شرائط پر یہ لڑکیاں عمل کریں گی تو رشتہ منظور کر لوں گا۔"

نادرہ خوشی سے کھل گئی۔ ساحرہ نے سر کا آنچل درست کرتے کرتے گھونگھٹ بنا لیا۔ مرزا صاحب نے کہا: "ان بچوں کے سلسلے میں شرائط پیش کرنے سے پہلے شاہ جی سے پوچھتا ہوں۔ اس جھگڑے کا کیا ہوگا جس میں ہم دونوں بدنام ہو سکتے ہیں یا ہم دونوں ایک دوسرے کے بدترین دشمن ثابت ہو سکتے ہیں؟"

شاہ جی نے کہا: "یہ جھگڑا ابھی ختم کئے دیتا ہوں مسٹر رانا ہم دونوں کی مرضی کے مطابق ایک رپورٹ تیار کریں گے۔ اس سمجھوتہ رپورٹ پر ہم دوستوں کی طرح دستخط کریں گے۔"

مرزا صاحب نے کہا: "میرے پاس ایک کیسٹ ہے جو آپ کے خلاف ہے۔ آپ کے پاس ایک کیسٹ ہے جو میرے خلاف ہے۔ اس کا کیا بنے گا؟"

شاہ جی نے اپنی جیب سے کیسٹ نکال کر ساحرہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "ہمارے یہ معصوم بچے آپس میں دشمنی نہیں چاہتے لہٰذا میں یہ کیسٹ ساحرہ کو دے رہا ہوں۔ یہ اسے امانت کے طور پر رکھے گی۔"

مرزا صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ کیسٹ لیا جو نادرہ اور شاہ جی کے خلاف تھا۔ انہوں نے اسے نادرہ کو دیتے ہوئے کہا: "میں یہ کیسٹ نادرہ کے حوالے کر رہا ہوں۔"

شاہ جی نے کہا: "اب فیصلہ ہمارے بچوں کے ہاتھ میں ہے کہ ہماری دشمنی نسل در نسل چلے یا ان بچوں کے ہاتھوں میں آکر ختم ہو جائے۔"

نادرہ نے کہا: "ڈیڈ! یہ یہیں ختم ہوگی۔ اگر آپ نے انکل کے خلاف کبھی کوئی قدم اٹھایا تو میں بیٹا ہو کر بھی یہ کیسٹ آپ کے خلاف استعمال کروں گا۔"

ساحرہ نے کہا: "پاپا! اگر آپ نے میرے انکل کے خلاف کوئی اقدام کیا تو میں اسے آپ کے خلاف استعمال کروں گی۔"

مرزا صاحب اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے۔ پھر بولے: "یہ کیسٹ ہم نے تمہارے ہاتھوں میں دے کر تمہیں بہت بڑی ذمے داری سونپ دی ہے۔ اس کا مطلب ہے، ہم بزرگوں کی دوستی قائم رکھنے کے لیے تمہیں ہماری مرضی کے مطابق چلنا ہوگا۔ ہم تمہارا بھلا برا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر تم دونوں کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"

دونوں نے سر جھکا لئے۔ مرزا صاحب نے کہا: "شاہ جی! میری پہلی شرط یہ ہے کہ ساحرہ کی مرضی کے مطابق شادی ہوگی۔ خواہ یہ کسی کو پسند کرے۔ ہم اعتراض نہیں کریں گے۔"

شاہ جی اور رانا شمشاد علی نے کہا: "یہ نہایت معقول شرط ہے۔"

بیگم اور ساحرہ کی ممی نے کہا: "ایسا ہمارے خاندان میں ہوتا آیا ہے۔ ہم لڑکیوں کی پسند ضرور معلوم کرتے ہیں۔"

انہوں نے کہا: "میری دوسری شرط کے مطابق جب تک نادرہ کی میڈیکل رپورٹ یہ ثابت نہ کر دے کہ یہ مکمل طور پر ایک نئی شخصیت اختیار کر چکی ہے اور اس کی شادی ساحرہ سے ہو سکتی ہے۔ میں اس وقت تک رشتہ طے نہیں کروں گا۔"

نادرہ نے پریشان ہو کر اپنے ڈیڈ کو دیکھا۔ انہوں نے دور سے ہی ہاتھ اٹھا کر اشارے سے صبر کی تلقین کی، پھر کہا: "آپ نہایت معقول شرائط پیش کر رہے ہیں۔ یہ ماننے والی بات ہے۔ جب تک نادرہ کی میڈیکل رپورٹ نہیں ملے گی۔ کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکے گا۔ رشتہ بھی اسی وقت طے ہوگا۔"

"شکریہ شاہ جی! اگرچہ ہم نے یہ رشتہ طے نہیں کیا ہے لیکن ہمارے درمیان زبانی طے پا گیا ہے۔ میڈیکل رپورٹ خاطر خواہ ہوئی تو بات بن جائے گی۔ اس سلسلے میں ہمارے درمیان ایک انڈر اسٹینڈنگ پیدا ہو گئی ہے۔"

"بیشک۔ ہم سب دعا کریں گے کہ جلد سے جلد میڈیکل رپورٹ حاصل ہو اور خاطر خواہ ہو۔"

"جب تک میڈیکل رپورٹ حاصل نہ ہو اور رشتہ طے نہ ہو تب تک یہ دونوں ایک دوسرے سے دور رہیں گے اور ساحرہ ایک مشرقی لڑکی کی حیثیت سے پردہ کرے گی۔"

یہ سنتے ہی نادرہ کے اندر دھماکہ سا ہوا۔ پردہ کرنے کا مطلب یہی تھا کہ وہ ساحرہ کی صورت بھی نہ دیکھ سکے گی اور نہ جانے کتنے عرصے تک نہیں دیکھ سکے گی۔ اس نے عاجزی سے کہا: "انکل! آپ یہ پابندی نہ لگائیں۔ ہمارا برسوں کا ساتھ ہے، ہم ایک جگہ رہتے ہیں۔ ایک جگہ پڑھتے ہیں۔ آج تک ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا جس سے ہمیں آپ کے سامنے شرمندگی ہوئی ہو۔"

"نادرہ! پہلے کی بات اور تھی، اب کی بات اور ہے۔ پہلے تم سہیلی تھیں۔ اب کیا ہو۔ اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا اور جب تک فیصلہ نہ ہو۔ پردہ لازمی ہے۔"

شاہ جی نے کہا: "اپنے انکل کی باتوں کو یوں سمجھو، اگر تم ہمارے گھر میں بیٹا بن کر ہی پیدا ہوتے تو یہ ساحرہ سے ملنے کی اتنی آزادی نہ دیتے۔ شروع سے ہی ایک پردہ حائل رہتا۔ اگر

مرزا صاحب کے گھر میں بیٹا ہوتا میرے گھر میں بیٹی ہوتی تو میں بھی یہ پابندیاں عائد کرتا۔"

"ڈیڈ! پابندی اور چیز ہے، پردہ اور چیز ہے۔ آپ بزرگ حضرات پابندی عائد کریں، ہم بخوشی قبول کریں گے لیکن پردے کا مطلب ہے، ہم کبھی ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ اتنی تو آزادی ہونا چاہیئے کہ ہم آپ لوگوں کی موجودگی میں مل سکیں۔ آپس میں باتیں کر سکیں۔"

مرزا صاحب نے کہا "میں نے جو شرط پیش کی ہے، وہ پابندی کی نہیں، پردے کی ہے۔ جب میں تمہاری خوشی پوری کر رہا ہوں۔ اپنی بیٹی کا رشتہ دینا چاہتا ہوں تو تمہیں میری شرائط کے مطابق میڈیکل رپورٹ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ساحرہ، یہاں سے جاؤ۔"

ساحرہ نے ہچکچاتے ہوئے نادرہ کو دیکھا۔ پھر سر جھکا کر جانے لگی۔ نادرہ نے کہا۔ "رک جاؤ۔"

وہ رُک گئی مگر سر گھما کر اسے نہیں دیکھا۔ خود تذبذب میں تھی۔ اس کے پاپا معقول باتیں کر رہے تھے مگر محبت معقولیت کو نہیں سمجھتی۔ پردے کو تسلیم نہیں کرتی۔ سارے حجاب اُٹھا دینا چاہتی ہے۔

مرزا صاحب نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "ساحرہ، جاؤ۔"

وہ پھر آگے بڑھ گئی۔ اس کے قدم اُٹھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ جبراً اُٹھا رہی تھی۔ زبان کا لہجہ سُنائی دیتا ہے۔ قدموں کا تھرتھراتا ہوا انداز سجھائی دیتا ہے۔ ایک قدم اٹھانے سے لے کر آگے بڑھا کر رکھنے تک کی ادائیگی بتاتی ہے کہ محبت پابہ زنجیر جا رہی ہے۔

وہ اپنی مم کے پاس سے گزرتے ہوئے ذرا لڑکھڑائی۔ پھر ان کا سہارا لے کر رُک گئی۔ واہ، کیا رکنا تھا۔ کیا ادا تھی۔ وہ باپ کی بات مان رہی تھی مگر اداؤں سے سراپا انکار بنی ہوئی تھی۔ ایسی البیلی عمر میں کسی لڑکی کو سمجھنے کے لیے شاعر کا خیال اور عاشق کی نظر چاہیئے۔ ماں باپ سمجھتے ہوئے بھی سمجھ نہیں پاتے۔

مرزا صاحب نے اس کی مم سے کہا۔ "اُسے لے جاؤ۔"

وہ بیٹی کو سہارا دے کر لے جانے لگیں۔ نادرہ کا دل ڈوب رہا تھا۔ اس نے ڈیڈ کو دیکھا۔ پھر التجا آمیز نظروں سے مرزا صاحب کو دیکھنے لگی۔ وہ پتھر ہو گئے تھے۔ ٹوٹ سکتے تھے۔ جھک نہیں سکتے تھے۔

بھینس کے آگے بین اور ظالم کے آگے فریاد بے صدا ہوتی ہے۔ وہ مایوس ہو کر ساحرہ کو دیکھنے لگی۔ ایک قدم آگے بڑھایا تاکہ اُدھر جائے مگر ڈیڈ سامنے آ گئے۔ اس کا راستہ روک

لیا۔ وہ جا رہی تھی۔ نامعلوم مدت کے لیے چھُپنے جا رہی تھی۔ اس نے تڑپ کر کہا۔ "اسے روک لیجئے ڈیڈ! انکل کو سمجھائیے۔ اسے روک لیجئے۔"

"اسے جانے دو۔ انکل کا فیصلہ تمہارے موافق ہے۔ تم دونوں کی بہتری کے لیے ہے۔"

اب وہ چھُپنے ہی والی تھی۔ دروازے سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہونے والی تھی۔ اس نے ایک بار پھر کہا۔ "ساحرہ! رُک جاؤ۔ ایک بار دیکھ لو، ایک بار۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

وہ دروازے پر پہنچ کر رُک گئی۔ ماں فوراً آڑے آ گئی۔ ادھر نادرہ کو باپ نے روکا ہوا تھا۔ یہ باپ کی آڑ سے دیکھنے لگی۔ ساحرہ ذرا ایک طرف ہو گئی۔ ماں کے پیچھے اس کا چہرہ طلوع ہوا پھر غروب ہو گیا۔ مم اسے دھکیلتی ہوئی دروازے سے دور لے گئیں۔ اُدھر وہ نظروں سے اوجھل ہوئی۔ ادھر اس کی نظر بجھ گئی۔

اب آنکھوں کے سامنے وہ روشنی نہیں تھی جس سے دنیا نظر آتی ہے۔ وہ اندھیرا تھا جس میں جانے والے کا عکس رہ جاتا ہے۔ اب وہی وہ دکھائی دے رہی تھی۔ ماں کی آڑ سے دیکھ رہی تھی جیسے چلمن کی اوٹ سے جھانک رہی ہو۔ دریچے کے پیچھے جھلک رہی ہو۔ چاند کو چھپایا جا سکتا ہے۔ بُجھایا نہیں جا سکتا۔ وہ چاندنی سی صورت، من موہنی سی مورت اس کی نگاہوں میں اتر آئی تھی۔ جاتے جاتے الوداعی جلوے کی چھاپ دے گئی تھی جو کبھی نہ مٹنے والی تھی۔

وہ چونک گئی۔ اس کے ڈیڈ کہہ رہے تھے۔ "بیٹے! تم سے انکل کچھ کہہ رہے ہیں۔"

اس نے مرزا صاحب کو دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "ہمارے درمیان شریفانہ معاہدہ ہو چکا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی عزت کا خیال رکھیں گے۔ جس دن شاہ جی تمہاری میڈیکل رپورٹ لا کر دکھائیں گے۔ ہم یہ رشتہ طے کر دیں گے۔ مجھے قوی امید ہے۔ تم اس دن کا انتظار کرو گی اور کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤ گی جس سے میری بیٹی کی بے عزتی ہو۔"

نادرہ نے سر کو جھکا لیا۔ شاہ جی نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "انکل سے پرامس کرو۔"

اس نے نظریں اٹھا کر ڈیڈ کو دیکھا۔ پھر اس دروازے پر نظر ڈالی جہاں سے ساحرہ گزر گئی تھی۔ وہ دروازہ ایسے کُھلا ہوا تھا جیسے بے اثر دُعا کے بعد ہونٹ کھلے رہ گئے ہوں۔

اُس نے مایوسی کی ایک گہری سانس لی۔ پھر سر جھکا کر ہاں کے انداز میں سر ہلایا جیسے پرامس کر

رہی ہو۔ پھر وہ تیزی سے چلتے ہوئے اس ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ چند لمحوں تک وہاں گہری خاموشی رہی۔ مرزا صاحب اپنی بیٹی کے متعلق سوچ رہے تھے۔ شاہ جی اپنی بیٹی کے جانے کے بعد ذرا چُپ رہے پھر انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "ابھی تک ہمارے ہاتھوں میں اپنے اپنے حصّے کی مٹھائی ہے۔ جب بات طے ہوگئی ہے تو مُنہ بھی میٹھا ہونا چاہیئے۔"

بیگمات آگے بڑھیں اور ایک دوسرے کا مُنہ میٹھا کرنے لگیں۔ شاہ جی اور مرزا صاحب مسکراتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ رانا شمشاد علی سینٹر ٹیبل پر جھکا ہوا رپورٹ تیار کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"سر! یہ تیار ہے۔ آپ اس پر دستخط کریں۔"

دونوں نے اس رپورٹ کو باری باری پڑھا۔ پھر دستخط کر دیئے۔ شاہ جی نے رخصت ہوتے وقت مرزا صاحب سے مصافحہ کیا۔ بڑی گرمجوشی سے ان کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے کر کہا۔ "میں پولیس والا سہی مگر دوستوں کو ہتھکڑی کے بغیر محبّت سے گرفتار کرتا ہوں۔"

مرزا صاحب نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ایک بار کہا تھا کہ میں کسی بھی ڈپارٹمنٹ میں چلا جاؤں، پولیس والوں سے ضرور سابقہ پڑے گا۔ میں دیکھ رہا ہوں، گھر کے ڈپارٹمنٹ میں بھی آپ سے سابقہ پڑ رہا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولے "ہم سے دوستی رکھیئے۔ تقدیر ہمیشہ دوست رہے گی۔"

شاہ جی، بیگم کے ساتھ رخصت ہوگئے۔ وہ برآمدے میں کھڑے انہیں دیکھتے رہے اور سوچتے رہے۔ "آخر پولیس والا ٹھہرا۔ وار کر ہی گیا۔"

انہوں نے پلٹ کر بیگم کو دیکھا، پھر غصّے سے کہا۔ "تمہیں مٹھائی لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ حیران سی ہو کر بولیں۔ "آپ مٹھائی کھانے کے بعد پوچھ رہے ہیں۔ پہلے اعتراض کیوں نہیں کیا؟"

"کیا خاک اعتراض کرتا۔ اس نے چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔ تم قانونی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھتی ہو۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ کو یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ میں نے اپنی عزت بچانے کی خاطر ان کی ہاں میں ہاں ملائی ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کو بچّوں کی خوشی عزیز نہیں ہے؟"

انہوں نے انگلی اٹھاتے ہوئے تنبیہہ کے انداز میں کہا۔ "دیکھو بیگم! یہ بات ساحرہ کے

کانوں تک نہ پہنچے، وہ نادان ہے۔ شاہ جی کی بلیک میلنگ کو نہیں سمجھے گی۔ میری بہت بڑی کمزوری ان کے ہاتھ آگئی ہے۔ اگر وہ کیسٹ میرے بڑوں تک پہنچ جائے گا تو میں یہ ثابت نہیں کر سکوں گا کہ کسی خاص وجہ سے ان کے خلاف سازش کی تھی۔ انہوں نے تو ثابت کر دیا ہے کہ نادرہ کے پاس اصلی ریوالور نہیں، ایک کھلونا تھا۔ وہ یہاں جبراً داخل نہیں ہوئی تھی۔ برسوں کے تعلقات کی بناء پر آئی تھی اور ہماری بیٹی ساحرہ کو حبسِ بے جا سے نکالنا چاہتی تھی۔ ہم نے ان باپ بیٹی کو قانونی گرفت میں لے کر جتنے اقدامات کیے، وہ سب ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ ہم ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکیں گے۔ وہ میرے خلاف بہت کچھ کر سکتے ہیں۔"

بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔ "جھگڑا بڑھانے سے کیا فائدہ ہے۔ دوستی کر لیجئے۔"

"میں ایسی دوستی نہیں کروں گا۔ جو بلیک میلنگ کے ذریعے کی جائے۔ میں ایسا رشتہ نہیں کروں گا جو آئندہ ہمارے لیے مذاق بن جائے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ مکمل لڑکا بن جائے گا۔ کیا تم نے چیونٹی کو پتنگا بنتے نہیں دیکھا؟"

بیگم انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ انہوں نے کہا۔ "چیونٹی کے پَر نکل آتے ہیں تو وہ اُڑتی ہے مگر پتنگے کی طرح اس کی پرواز دیرپا نہیں ہوتی۔ وہ اڑتی ہے مگر پتنگے کی طرح اس کی پرواز دیرپا نہیں ہوتی۔ وہ اڑتی ہے اور گرتی جاتی ہے۔ مرد باز ہوتا ہے باز۔ اس کی پرواز بہت بلند ہوتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ نادرہ کے پَر نکل رہے ہیں تو اس کی پرواز پائیدار ہوگی یا یہ چیونٹی کی طرح گرتی جائے گی۔ میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو کسی گوشے میں جا کر بیٹھو۔ سر جھکاؤ اور غور کرو۔"

وہ سر اٹھائے اپنے شوہر کو ایسی سنجیدگی سے دیکھ رہی تھیں جیسے بہت کچھ سمجھ رہی ہوں۔

ساحرہ اپنی کوٹھی کے اندر آزاد تھی۔ یہ آزادی ایسی ہی تھی جیسے پنچھی پنجرے کے اندر ادھر سے اُدھر پھُدکنے کے لیے آزاد ہوتا ہے۔ جب چاہتا ہے اپنی سُریلی آواز میں بولتا ہے۔ کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ پہلے وہ بالکونی والی خوابگاہ میں رہتی تھی۔ ہینگنگ چیئر پر بیٹھ کر نادرہ سے باتیں کرتی تھی۔ اب اس خواب گاہ میں اس کے پاپا منتقل ہو گئے تھے۔ یعنی جب نادرہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھتی تو اسے مرزا صاحب نظر آتے۔

بالکونی کے نیچے والے بیڈ روم میں اس کی مم اپنا سامان لے آئی تھیں۔ کوئی تیسرا بیڈ روم ایسا نہیں تھا، جس کی کھڑکی یا دروازہ نادرہ کی کوٹھی کی طرف کھُلتا ہو، اُسے جو کمرہ دیا گیا تھا، وہ دوسرے حصے میں تھا۔ وہاں سے وہ دوسری طرف کی کوٹھیوں کو دیکھ سکتی تھی۔

مرزا صاحب نے ڈاک کو پہلے ہی اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اب ٹیلیفون کو مقفل کر دیا تھا۔ ان کی عدم موجودگی میں ماں بیٹی ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو نہیں کر سکتی تھیں۔ دوسری طرف سے کال آنے پر ساحرہ کو بڑی محبت سے سمجھا دیا تھا کہ وہ ریسیور نہ اٹھائے۔ کوئی بھی بات کرنا چاہے تو اس کی مم گفتگو کریں گی۔

انہوں نے بڑی محبت سے سمجھایا "بیٹی! میں نے رشتہ منظور کیا ہے۔ ابھی طے نہیں کیا ہے۔ میری شرائط پر دونوں طرف سے عمل ہوتا رہے گا تو رشتہ بھی ہو جائے گا۔ جب میں نے پردے کے لیے کہا ہے تو پردہ آنکھ کا بھی ہو گا۔ لہٰذا تم اس کو دیکھو گی، نہ خود کو دکھاؤ گی، نہ کسی کی آواز سُنو گی، نہ اپنی آواز سُناؤ گی۔"

اس رات وہ بستر پر پڑی سوچ رہی تھی۔ نادرہ نے اچانک ہی اسے کتنا اہم بنا دیا تھا۔

کل تک وہ ایک معمولی لڑکی تھی۔ نادرہ سہیلی کی حیثیت سے چاہتی تھی مگر چاہت کا انداز بدلتے ہی اہمیت بھی بدل گئی تھی۔ وہ اجنبی بن کر اُسے طلب کر رہی تھی۔ اس کی ممی اور ڈیڈ طلب کر رہے تھے۔ اسے اپنے گھر کی رونق بنانا چاہتے تھے۔ ادھر مم اور پاپا ان کی طلب کو روک رہے تھے۔ کاروباری نقطۂ نظر سے بازار میں ایک مال کی سپلائی چند دنوں تک روک دی جائے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ محبت میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ حُسن کو پردے میں چھپاؤ تو دیدار کی طلب دار تک پہنچاتی ہے۔

کمرے میں زیرو پاور کا بلب روشن ہوتا ہے۔ ایسے بلب کی روشنی سے نہ اندھیرا ہوتا ہے، نہ اُجالا۔ جتنا کم اُجالا ہوتا ہے اتنے ہی گہرے سائے ہوتے ہیں۔ نادرہ خیالوں کے گہرے سائے میں چھپی چھپی سی تھی۔ زیرو پاور کے بلب کی طرح ذرا ذرا سی جھلک رہی تھی۔ یہ بات روشن تھی کہ وہ پہلے کیا تھی مگر یہ بات تاریکی میں تھی کہ وہ کیا اور کیا ہونے والی ہے؟

اچانک اسے بازو میں تکلیف کا احساس ہوا، نادرہ نے اس حصے کو پکڑا تھا۔ پکڑا نہیں تھا، جکڑا تھا۔ اُف کتنی مضبوط گرفت تھی۔ کراٹے سیکھنے والی کے ہاتھ پتھر جیسے تھے۔ کیا وہ سچ مچ سہیلی کا ناتا توڑ کر دوست بننے آئی تھی؟

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ پچھلی رات سے جو ہوتا رہا، وہ خواب خواب سا لگ رہا تھا۔ البتہ بازو کی تکلیف بتا رہی تھی کہ مضبوط شکنجے میں لینے والا 'اجنبی' خواب نہیں، تعبیر ہے۔

وہ کشمکش میں تھی۔ اپنی سہیلی کو بھُول نہیں سکتی تھی، چھوڑ نہیں سکتی تھی اور اس سہیلی کی ذات سے نکل کر آنے والے اجنبی کو سوچے سمجھے بغیر قبول نہیں کر سکتی تھی۔ شاید وہ اسے ایک مکمل مرد کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی۔ ابھی تو اس کا تصور کرتی تو سہیلی کو ہی پاتی تھی۔ وہ اجنبی گم ہو جاتا تھا۔

مگر اس اجنبی کے لیے تجسّس پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کیسا ہو گا؟ صورت نادرہ جیسی ہو گی یا کسی نادر شاہ جیسی۔ نادرہ اونچی پوری ہے۔ مردانہ قد ہے۔ کیا وہ اجنبی اور زیادہ قد آور ہو گا۔ میں سہیلی کے پاس جاتی ہوں تو وہ اجنبی نظر نہیں آتا۔ میں اجنبی کے پاس جاؤں گی تو کیا سہیلی محسوس ہو گی؟

اجنبی کے پاس جانے کے خیال سے ہی اُس نے مُنہ پھیر لیا۔ (کسی سے نظر چُرا رہی تھی) اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو تھام لیا۔ (کسی سے مُنہ چھپا رہی تھی) سانس اوپر اوپر ہو

رہی تھی۔ (کسی کو رگِ جان کے قریب پا رہی تھی) مگر وہ کون تھا؟ کوئی نہیں تھا۔ نہ تھا، نہ ہے، جب ہوگا تب ہوگا۔ ابھی تو اس کے نہ ہونے نے یہ گل کھلایا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی کے خیال سے شرما رہی تھی اور وہ خیال سہیلی کو رفتہ رفتہ نابود کر رہا تھا۔

وہ سہیلی اپنے بیڈروم میں بے چین تھی۔ اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اس نے کھڑکی کے پاس آکر دیکھا، سامنے والی بالکونی میں وہ ہینگنگ چیئر نہیں تھی۔ وہاں بید کی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان ایک بڑا سا حقہ تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس بیڈروم میں اب مرزا صاحب نے قبضہ جما رکھا تھا۔

اس کے نیچے والے بیڈروم میں ساحرہ کی امی نظر آئیں۔ وہ خضاب لگانے کے بعد کھڑی دھوپ میں بال سکھا رہی تھیں۔ پھول سی کھلتی ہوئی جوانی نظر نہیں آئی۔ سامنے والے مکان کو بڑھاپے کی نظر لگ گئی تھی۔

وہ جھنجلا کر میز کے پاس آگئی۔ وہاں کرسی پر بیٹھ کر کھلی ہوئی ڈائری کو پڑھنے لگی۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے پچھلی رات کے واقعات لکھے تھے کہ وہ کس طرح جبراً اپنی ساحرہ سے ملنے گئی تھی اور یہ معاملہ کتنا طول پکڑ گیا، بعد میں سمجھوتہ ہوگیا۔ پھر سب نے ہنسی خوشی ساحرہ کو اس سے منسوب کردیا ہے۔ اب میڈیکل رپورٹ کا انتظار ہے۔

یہاں تک پڑھنے کے بعد اس نے قلم کو اٹھایا۔ پھر لکھنے لگی "معلوم ہوتا ہے، میرے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے۔ مجھے سبز باغ دکھا کر ساحرہ کو چھپایا جارہا ہے۔ وہ اپنے مکان کی چار دیواری میں موجود ہے یا نہیں؟ یہ میں نہیں جانتی، کوئی نہیں جانتا۔ اس کے پاپا ہماری لاعلمی میں اسے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔"

یہ لکھتے لکھتے اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ یہ کپکپاہٹ کمزوری کی نہیں، جوش اور جنون کی علامت تھی۔ ایسے وقت وہ ایک کراٹے کا ہاتھ رسید کرکے مضبوط اینٹیں توڑ دیا کرتی تھی۔ اس وقت توڑنے کے لیے دشمن کا سر بھی نہیں تھا۔ وہ فوراً اٹھ گئی۔ تیزی سے چلتے ہوئے الماری کے پاس آئی، وہاں سے واکی ٹاکی کو نکال کر آپریٹ کیا۔ اسے کان سے لگا کر سُنا۔ دوسری طرف اشارہ مل رہا تھا مگر وہ دوسرا واکی ٹاکی ساحرہ کے پاس نہیں تھا۔ ہوتا تو وہ فوراً جواب دیتی۔ پتا نہیں، مرزا صاحب نے اسے کہیں سامان کے اندر چھپا دیا تھا یا اسٹور روم میں ڈال

دیا تھا۔

اس نے واکی ٹاکی کو بستر پر پھینک دیا۔ وہاں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر آئی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں پہنچی۔ پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد دوسری طرف سے گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ انتظار کرنے لگی۔ وہاں مسلسل گھنٹی بج رہی تھی۔ کوئی اٹھانے والا نہیں تھا۔ پھر اچانک ہی ہیلو کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی رابطہ ٹوٹ گیا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ اس کے ڈیڈ نے اپنا ہاتھ کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ اس سے پوچھ رہے تھے "کیا ساحرہ سے باتیں کرنا چاہتے ہو؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ انہوں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "یہ غلط ہے، ہمیں اپنے وعدے پر قائم رہنا چاہیے۔"

"ڈیڈ! میں وعدہ خلافی نہیں کر رہا ہوں۔ ساحرہ سے ملنے نہیں جا رہا ہوں۔ میں تو صرف بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"پردے کا مطلب ہے، کسی نامحرم کا ناخن تک دکھائی نہ دے، اس کی آہٹ تک سُنائی نہ دے۔"

"میں اسے دن رات دیکھتا رہا ہوں۔ دن رات اس کی آواز سُنتا رہا ہوں۔ اب یہ پردہ نہیں، محض تکلفات ہیں۔"

"جو بھی ہے، لڑکی والوں کی شرط ہے اور ہم نے اسے تسلیم کیا ہے۔"

"آپ کو تسلیم نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

"میں نے تمہاری خوشی کے لیے ایسا کیا ہے۔ میں ساحرہ کو اس گھر کی بہو بنا کر لاؤں گا۔ تمہیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہیئے۔"

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اپنے گھر میں موجود ہے یا نہیں۔ انکل ہمیں دھوکہ دے کر اُسے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔"

"میں اناڑی نہیں ہوں۔ میں نے ایسے انتظامات کر رکھے ہیں کہ ساحرہ گھر سے نکل کر کہیں بھی جائے گی تو مجھے معلوم ہو جائے گا۔ تم اطمینان رکھو۔"

نادرہ ذرا دیر سوچتی رہی پھر کہا "میں ساحرہ سے بات نہیں کر سکتا۔ آپ تو کر سکتے ہیں۔"

"کیا میرے بات کرنے سے تمہاری تسلّی ہو جائے گی؟"

"یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ موجود ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہوتے ہی انہوں نے کہا "ہیلو"۔ ان کے ہیلو کہتے ہی نادرہ کا دل دھڑکنے لگا۔ شاید دوسری طرف ساحرہ نے فون اٹھایا ہو گا، دوسرے ہی لمحے پتا چلا اس کی ممّی نے ریسیور اٹھایا ہے۔ اِدھر سے ڈیڈ نے کہا "بھابی! میں بول رہا ہوں۔ مرزا صاحب کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ گھر میں نہیں ہیں۔"

"ہماری بیٹی کیا کر رہی ہے؟"

"شاید اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔"

"میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟"

"ہمیں اعتراض نہیں ہے مگر آپ کے ہاں کے ٹیلیفون میں نادرہ اس کی آواز سُنے گی۔"

"وہ نہیں سنے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"سوری بھائی صاحب! ان کا حکم ہے، ساحرہ کو فون پر بات کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔"

"کیا ساحرہ پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے؟"

"ضرور ہے۔ وہ آپ کی بیٹی ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہونے والی بہو بھی ہے۔ آپ اس سے ملنے آ سکتے ہیں مگر فون پر بات نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں بیگم کے ساتھ آ رہا ہوں۔"

انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ نادرہ نے خوش ہو کر پوچھا "آپ اس سے ملنے جا رہے ہیں؟"

"ہاں، ساحرہ کو فون پر باتیں کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے سوچا۔ تمہاری تسلّی کے لیے ملاقات کر لوں۔"

"اوہ ڈیڈ! یو آر اے رئیل ڈیڈ۔"

وہ خوشی سے دوڑتی ہوئی زینے کے پاس آئی۔ پھر چھلانگیں لگاتی ہوئی اوپر پہنچی۔ کمرے میں آ کر ڈائری کے سامنے بیٹھ گئی۔ قلم اٹھا کر لکھنے لگی "یہ میرا شبہ تھا۔ ساحرہ گھر میں موجود ہے۔ ڈیڈ میری ممّی کے ساتھ ابھی اس سے ملنے جائیں گے۔ میں ان سے کہوں

گی۔ وہ انکل کو سمجھائیں گے، ساحرہ کو ننھیال وغیرہ نہ بھیجیں۔ میں کوئی ایسی حرکت نہیں [illegible] گی جس سے اُنہیں شکایت ہو۔

وہ سامنے والے مکان میں رہے گی۔ مجھے اطمینان رہے گا۔ کیا ہوا جو چھپتی رہے گی۔ اس چھپنے میں بھی کتنی شعریت ہے۔ یہ خوشی عجیب خوشی ہے کہ وہ میرے لیے چھپ رہی ہے اور میرے لیے جلوہ نما ہو گی۔"

وہ خوش تھی۔ بہت خوش تھی۔ اُس دن سے وہ باقاعدہ دوائیں کھانے لگی۔ ڈاکٹر انکل سے ہر دوسرے تیسرے دن ملاقات کرنے لگی۔ ڈاکٹر شیرازی نے کہا "تم اتنی لگن سے علاج کراتی رہو گی۔ دوائیں استعمال کرتی رہو گی تو انشاء اللہ جلد ہی تمام تر کامیابیوں کے ساتھ دوسری شخصیت اختیار کر لو گی۔"

وہ اپنی ممّی کی خواہش کے مطابق لڑکیوں کے لباس پہنتی تھی۔ ایک وڈیو کیمرہ مین اس کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا، وہ جب بھی موڈ میں ہوتی کبھی آؤٹنگ کے لیے جاتی۔ کبھی اِن ڈور میں طرح طرح کے لباس پہن کر کیمرے کی آنکھ میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک جتنی تصویریں تھیں۔ ان سب کو بڑے سائز میں بنوا کر فریم کیا جا رہا تھا۔ اس کی ممّی نے ایک بڑا سا کمرہ خالی کرا دیا تھا۔ وہاں شیشے کے بڑے بڑے شوکیس بنائے جا رہے تھے۔ ان مختلف شوکیس میں اس کے جُوتے، ملبوسات اور اس کے استعمال کی دوسری چیزیں رکھی جانے والی تھیں۔ اس کی آواز اور لب و لہجے کو بھی محفوظ رکھنے کے لیے ایک ریکارڈنگ کمپنی کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ وہ اپنی آواز میں بڑی اچھی اچھی باتیں ریکارڈ کرتی تھی۔ کبھی کبھی گنگناتی تھی اور ایسے اشعار ترنّم سے پڑھتی تھی جن کا تعلق اپنی اور ساحرہ کی ذات سے ہوتا تھا۔

جب وہ لڑکی بن کر پیدا ہوئی اور جب تک لڑکی بن کر رہی، تب تک کی اہم باتیں ریکارڈنگ اور فوٹو گرافی کے ذریعے محفوظ کی جا رہی تھیں، اور ساتھ ہی یہ دَور بھی ریکارڈ کیا جا رہا تھا جب وہ آہستہ آہستہ فنا ہو رہی تھی اور آہستہ آہستہ ایک نیا جنم لے رہی تھی۔

ویسے یہ تبدیلی کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ قدرتی حالات کے سامنے آدمی بے بس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اور سائنسدان زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ جو تبدیلی ہو رہی ہے، اسے برابر جاری رکھ سکیں۔ کسی طرح کی رکاوٹ پیدا نہ ہونے دیں اور نادرہ کو نفسیاتی طور پر مستحکم بناتے رہیں۔ ابھی مکمل طور پر ایک نئی شخصیت اختیار کرنے میں ایک عرصہ درکار تھا۔ ویسے ڈاکٹر شیرازی نے کہا تھا "اگر یہی پروگریس رہی تو میں چھ ماہ تک آخری آپریشن کر دوں گا لیکن کیا ہو گا یہ اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔"

سُورج سمندر کی آغوش میں اتر رہا تھا۔ مرزا صاحب پچھلی سیٹ کی آغوش میں دھنسے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک نہایت ہی خوش پوش ادھیڑ عُمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ کسی دولت مند کو کسی خزانے تک پہنچنے کے لیے کسی کی انگلی پکڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ اس قدر دولت مند تھا کہ ہیرے کی انگوٹھیاں اس کی انگلیاں پکڑ کر کالے خزانوں تک لے جاتی تھیں۔

ان کی کار سمندر کے ساحلی راستے پر خراماں خراماں جا رہی تھی۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور اور مسلح باڈی گارڈ بیٹھے تھے۔ شام اب ڈوبنے ہی والی تھی۔ ویران ساحل پر کہیں کہیں محبت کرنے والے جوڑے نظر آ رہے تھے۔ مرزا صاحب نے کہا "مسٹر قاسم! ہم بہت دُور نکل آئے ہیں۔"

قاسم علی نے کہا "کراچی شہر جتنا پھیلتا جاتا ہے، آبادی بڑھتی جاتی ہے۔ اس ویران ساحل پر بھی کچھ لوگ نظر آ رہے ہیں۔ تنہائی کہیں نصیب نہیں ہوتی۔ ڈرائیور، گاڑی روکو۔"

کار سڑک کے کنارے سمندر کے رُخ پر رُک گئی۔ وہ کار سے نکل آئے۔ سڑک سے اتر کر ساحل کی ریت پر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ قاسم علی نے کہا "میں محسوس کر رہا ہوں۔ آپ راستے بھر سوچتے آ رہے ہیں لیکن زبان نہیں کھول رہے ہیں۔ یقیناً کوئی پیچیدہ مسئلہ ہے۔"

"میرے گھر کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ سوچ رہا ہوں۔ میں تم پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"مرزا صاحب! آپ اس ڈپارٹمنٹ میں نئے ہیں۔ آپ سے پہلے جو صاحب تھے۔ ان سے پوچھ لیجئے۔ وہ میرے مال پر لاکھوں روپے کی ڈیوٹی بچاتے تھے اور میں دامے، درمے، سخنے ہر طرح ان کے کام آتا تھا۔ ان کے کتنے ہی راز میرے سینے میں دفن ہیں اور وہ میرے ساتھ قبر

میں دفن ہوں گے۔ آپ نے پچھلے ہفتے میری ڈیفنس کی کوٹھی کو نیلام ہونے سے بچا لیا۔ آپ کا معاملہ دفتری ہو یا گھریلو۔ میں ہر طرح کام آؤں گا۔ بھئی، تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے اور تالی بجانے کے لیے ہمارے ہاتھوں کا سلامت رہنا ضروری ہے۔"

مرزا صاحب چلتے چلتے رک گئے۔ انہوں نے سمندر کی جانب تا حدِ نظر دیکھا۔ سُورج ڈوب چکا تھا۔ پھر بھی چند کرنوں کا آخری اُجالا رہ گیا تھا جیسے انسان کے دل میں کوئی آخری امید جاتی ہے۔ پھر انہوں نے کہا "میں نے ایک پولیس آفیسر پر بھروسہ کیا تھا۔ وہ شاہ جی کے عہدے پر ترقی پا کر آنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے انتظامات بھی کر دیئے تھے اور شاہ جی کو اس طرح گھیر لیا تھا کہ ان کا یہاں سے ٹرانسفر ہو جانا لازمی تھا لیکن میں الٹا پھنس گیا۔"

"کیسے پھنس گئے؟"

"اب میں تفصیل کیا بتاؤں۔ رانا شمشاد علی بھی آخر پولیس والا تھا۔ وہ شاہ جی کے ساتھ مل گیا۔ میں تنہا رہ گیا۔ اگر ان سے سمجھوتہ نہ کرتا تو مجھے کئی طرح سے نقصانات پہنچنے کا اندیشہ تھا۔"

"یعنی آپ سمجھوتہ کرنے کے بعد بھی اندیشوں میں گھرے ہوئے ہیں۔"

"ہاں، میں نے ان کے دباؤ میں آ کر اپنی بیٹی کو ان کے بیٹے سے منسوب کر دیا ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں! جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، شاہ جی کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔"

"تم جس بیٹی کو جانتے ہو۔ وہ میڈیکل ٹریٹمنٹ سے گزر رہی ہے۔ ڈاکٹر کا بیان ہے، وہ جلد ہی تبدیل ہو کر لڑکا بن جائے گی۔"

قاسم علی نے حیرانی اور بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا "یہ کوئی ناقابلِ یقین بات تو نہیں ہے۔"

قاسم علی نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں، ایسا ہوتا ہے۔ میں مان لیتا ہوں۔ شاہ جی کی بیٹی آئندہ بیٹا بننے والی ہے مگر ابھی تو وہ بیٹی ہے۔ پتا نہیں آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔ آپ نے ابھی رشتہ کیوں کر دیا؟"

"بات پکی نہیں ہوئی۔ صرف یہ طے پایا ہے کہ میڈیکل رپورٹ خاطر خواہ ہوگی تو رشتہ ہوگا۔"

"میں سمجھ گیا۔ آپ نے اپنے بچاؤ کے لیے گنجائش رکھی ہے۔"

"ہاں، میں یہ رشتہ کسی صورت میں نہیں کرنا چاہتا۔ بھلا سوچو تو سہی۔ وہ تبدیل ہو جائے گا۔ ایک نئی شخصیت اختیار کر لے گا۔ اس کے باوجود وہ ایک مضحکہ خیز کردار ہوگا۔ لوگ اُسے

دیکھ کر خواہ مخواہ مسکرائیں گے۔ اس کے پیچھے طرح طرح کی باتیں کریں گے۔ ان کی مسکراہٹیں، ان کی باتیں میری بیٹی سے بھی منسوب ہوں گی۔ پھر یہ کہ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ میں ان کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کا خاندانی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔ پاکستان بننے کے بعد وہ سیدوں میں شامل ہو گئے تھے اور اب شاہ جی کہلاتے ہیں۔ آخر ان پولیس والوں کی عزت کتنی دیر کی ہوتی ہے جب تک نوکری ہے، لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ نوکری ختم ہوتے ہی کوئی ان کے ہاں جھانکنے بھی نہیں آتا۔"

"آپ درست کہتے ہیں جس کی عزت اور سماجی رتبہ ناپائیدار ہو، اس کے ہاں رشتہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"مگر میں بُری طرح پھنس گیا ہوں۔"

"میں آپ کو مکھن سے بال کی طرح نکال لاؤں گا۔ بتائیے، آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں شاہ جی سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔"

"میرے آدمی انہیں کسی دن بھی گولی مار سکتے ہیں۔"

مرزا صاحب نے چونک کر کہا۔ "ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔ وہ پولیس والے ہیں۔ ان سے سمجھوتہ کرنے کے باعث جو کیسٹ چھپا کر رکھ دیئے گئے ہیں، وہ نکل آئیں گے۔ تفتیش کے دوران میرا نام ان کے قاتلوں کی فہرست میں آجائے گا۔ اگرچہ وہ مجھے قاتل ثابت نہیں کر سکیں گے، تاہم میں بڑے چکر میں پڑ جاؤں گا —— ان سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ جب یہ اصلی قاتل تک پہنچ نہیں پاتے تو کسی ڈمی قاتل کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیتے ہیں۔ ایک پولیس آفیسر کا قتل پورے ڈپارٹمنٹ کے لیے چیلنج بن جائے گا۔"

"یعنی آپ انہیں اس طرح مارنا چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہیں مگر آپ کے سامنے مجبور رہیں۔"

"میں ان کے دباؤ سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کے ذہن میں کوئی ایسی تدبیر ہے جس پر آپ عمل نہ کر سکتے ہوں مگر میں کر جاؤں۔"

"اسی لیے تمہارے ساتھ یہاں تک آیا ہوں۔ تم سیاسی میدان کے پرانے کھلاڑی ہو۔ کبھی الیکشن نہیں لڑتے مگر دوسروں کو الیکشن میں کامیاب کرا دیتے ہیں۔ اس شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش تمہارے اشاروں پر چلتے ہیں۔"

قاسم علی نے انکساری سے کہا۔ "آپ تو شرمندہ کرتے ہیں۔ بھلا میں کس قابل ہوں۔ ہاں، آپ کے کچھ کام آجاؤں گا۔"

"میں نے بیٹی کے لیے زبان دی ہے۔ دیکھا جائے تو مجھے زبان پر قائم رہنا چاہیے لیکن اس کا انحصار صرف ایک میڈیکل رپورٹ پر ہے۔ اگر وہ میڈیکل رپورٹ نادرہ کے حق میں ہو گی تو مجھے رشتہ کرنا ہی ہو گا لہٰذا اس میڈیکل رپورٹ کو نادرہ کے خلاف ہونا چاہیے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ذرا پیچھے ہٹ گئے۔ سمندر کی لہریں ان کے قدموں کو گرفت میں لینے آرہی تھیں۔ قاسم نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "رپورٹ میں تبدیلی لانے کے لیے ڈاکٹر کو خریدنا ہو گا۔"

"ڈاکٹر شیرازی ان کا شناسا ہے۔ شاہ جی سے اس کی دوستی ہے۔ نادرہ کو وہ بیٹی اور بیٹا کہتا ہے۔ اسے خریدنا مشکل ہو گا۔ میں اس پہلو پر غور کر چکا ہوں۔"

"میں ذرا موٹی عقل کا آدمی ہوں۔ یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ڈاکٹر کو خریدے بغیر کس طرح تبدیلی کی جا سکتی ہے۔"

"تم ایک ہی پہلو پر غور کر رہے ہو۔ یہ نہیں سوچتے، جب نادرہ کامیاب تبدیلیوں کے مراحل سے گزرے گی تو ہم ایک ڈاکٹر کی رپورٹ جھٹلائیں گے لیکن وہ کسی اور ڈاکٹر سے میڈیکل سرٹیفکیٹ حاصل کر سکتی ہے۔"

"جی ہاں، ایسا کر سکتی ہے۔"

"اب آپ دوسرے پہلو پر غور کریں۔ نادرہ ابھی لڑکا نہیں ہے، لڑکی ہی ہے۔ جب تک پرانی عمارت نہیں گرے گی اس کی جگہ نئی عمارت تعمیر نہیں ہو گی۔ لہٰذا اس پرانی عمارت کو گرنے نہیں دینا چاہیے۔ اسے لڑکی ہی رہنا چاہیے۔ تمہارے چھٹے ہوئے بدمعاش اسے ایسی جگہ پہنچا سکتے ہیں جہاں ڈاکٹر نہ پہنچ سکیں۔ ڈاکٹر اسے لڑکا بنانا چاہتے ہیں۔ تمہارے بدمعاش اسے لڑکی سے لڑکا نہیں بننے دیں گے۔"

"واہ مرزا صاحب! کیا غضب کی تدبیر سوچی ہے۔ لڑکی کو لڑکی بنائے رکھنا نیکی ہے۔ کیا پتا، ڈاکٹر ناکام رہیں۔ وہ بے چاری نہ اِدھر کی رہے نہ اُدھر کی۔ لہٰذا ہم اس بے چاری کو اپنی ہی طرف رکھیں گے۔"

سورج ڈوب گیا تھا۔ ستاروں کی روشنی میں سمندر نظر تو کم آرہا تھا، شور زیادہ مچا رہا تھا۔ یہ فطری امر ہے، آدمی ہو یا سمندر اندھیرے میں زیادہ شور مچاتے ہیں۔ اچانک مرزا صاحب

دہشت زدہ ہوگئے۔ ان کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ یوں لگا، جیسے شاہ جی سامنے پہنچ گئے ہوں۔ حالانکہ یہ بات نہیں تھی۔ گاڑی کے ڈرائیور نے اپنے مالکوں کو اندھیرے میں دیکھ کر ہیڈ لائٹس روشن کر دی تھیں۔ وہ جھنجلا کر بولے "تمہارے آدمی بڑے نالائق ہیں۔ یہ لائٹ آف کرادو۔"

قاسم نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ بتی بجھ گئی۔ اس نے کہا "دراصل میرے آدمیوں کو معلوم نہیں ہے کہ آپ شاہ جی سے چھپ کر ملنے آتے ہیں۔"

وہ گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولے "اس شہر کا کون سا پولیس والا ہے جو اپنے افسر کو نہیں جانتا ہوگا۔ وہ تو شاید یہ بھی جانتا ہو کہ میں ان کا پڑوسی ہوں۔ لہٰذا یہ بات شاہ جی تک ضرور پہنچے گی۔ میں اب بھی ڈر رہا ہوں، کسی نے ہمیں دیکھ نہ لیا ہو۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ ذرا دیر کے لیے لائٹ آن ہوئی تھی۔"

"بات ابھی کی نہیں ہے۔ ہم دن کی روشنی میں ایک دوسرے سے ملے تھے۔"

"اگر کسی نے دیکھ بھی لیا ہو تو پریشانی کی بات نہیں ہے۔ آپ بیٹی کا رشتہ دینے کے لئے راضی ہیں۔ یہ بات ان کے لیے اطمینان کا باعث ہے۔ لہٰذا وہ آپ کے خلاف جاسوسی نہیں کریں گے۔"

وہ چلتے چلتے رُک گئے۔ پھر پوچھا "اس شہر کے تمام غنڈے، بدمعاشوں پر شاہ جی کا رُعب اور دبدبہ طاری ہے۔ کیا وہ ان کے خلاف ہمارا کام کرنا چاہیں گے؟"

"وہ ہمارا بھی کام کریں گے، شاہ جی کا بھی کریں گے۔ ہمارا کوئی مشترکہ دشمن ہوگا۔ اس کا بھی کام کریں گے۔ یہ لوگ پیسے کے لیے، عورت کے لیے اور نشے کے لیے کام کرتے ہیں۔ مگر جس کے لیے کرتے ہیں، اس کا راز اس کی ذات تک محدود رکھتے ہیں۔ کسی دوسرے کو نہیں بتاتے۔ خصوصاً پولیس والوں سے کبھی ذکر نہیں کرتے۔ کیونکہ بعد میں یہی پولیس والے کسی واردات کا حوالہ دے کر انہیں اندر کر دیتے ہیں۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے، کہیں اس بار بھی دھوکہ نہ کھا جاؤں۔"

"ڈرنے کی کیا بات ہے؟ کام میں کر رہا ہوں۔ آپ کا نام نہیں آئے گا۔ میرے کسی بھی بدمعاش کو آپ کی ڈیلنگ کا پتا نہیں چلے گا۔"

انہوں نے اطمینان کی سانس لی، پھر آگے بڑھتے بڑھتے رُک گئے، کچھ سوچ کر کہنے لگے "فلموں میں دکھایا جاتا ہے کہ ایک ہیروئن دس بدمعاشوں سے اکیلی لڑتی ہے اور انہیں شکست دے کر صاف بچ نکلتی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ نادرہ بھی ایسی ہے مگر وہ جوڈو کراٹے جانتی ہے۔ بلیک بیلٹ حاصل کرنے والی ہے۔ بہت تیز طرار ہے۔ بڑی مشکل سے قابو میں آئے گی۔ آپ کے آدمیوں کو پہلے اس کی اسٹڈی کرنا چاہیئے۔"

وہ ساحلی دیوار پر بیٹھ گئے۔ قاسم علی نے کہا "آپ نے تدبیر اچھی سوچی ہے مگر اس میں کچھ پیچیدگیاں ہیں۔ اس پر غور کر لینا چاہیئے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ مرد بننے والی، مردوں جیسا ہنر سیکھ رہی ہے۔ میں بھی نہیں کہوں گا کہ وہ میرے غنڈوں سے بچ نکلے گی مگر ایسی تیز طرار لڑکی کو سوچ سمجھ کر گھیرنا چاہیئے۔"

"وہ بچ نکلے گی تو میرے لیے مصیبت بن جائے گی۔"

"آپ یہ بھی سوچیں، جب اسے غائب کر دیا جائے گا تو کیا شاہ جی آپ پر شبہ نہیں کریں گے؟"

"کر سکتے ہیں، میں نے سوچا ہے۔ نادرہ کو ایسے وقت اغوا کیا جائے جب ہماری دونوں فیملی کہیں آؤٹنگ پر ہوں۔ ہم کہیں پکنک منا رہے ہوں یا پھر ایسی تدبیر سوچی جائے کہ میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ شاہ جی کی نگاہوں کے سامنے رہوں اور تمہارے آدمی اپنا کام کر جائیں۔"

"اس کے باوجود وہ شُبہ ضرور کریں گے۔ پولیس والے ہیں۔ وہ آپ کی باتوں سے، آپ کے لہجے سے تاڑنا شروع کریں گے۔ آپ کی آنکھوں میں دیکھیں گے تو آپ جھجک جائیں گے۔"

مرزا صاحب نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "شاید میں اتنی دیر سے اسی لیے خوف زدہ ہوں کہ تدبیر اچھی ہونے کے باوجود میرے لئے ناقابلِ عمل ہوگی۔ میں کہیں نہ کہیں ان کے سامنے گڑبڑا جاؤں گا۔"

قاسم علی نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا پھر ان کی طرف بڑھایا۔ وہ ایک سگریٹ لے کر سوچنے لگے۔ قاسم بھی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ دونوں نے لائٹر کی ایک لَو سے سگریٹ سلگائے پھر کش لیتے ہوئے تاریک سمندر کو دیکھنے لگے۔ اچانک قاسم نے ان کی طرف گھوم کر کہا۔ "ایک ترکیب ہے بشرطیکہ آپ اسے مان لیں۔"

"میں اپنی بیٹی کو ان سے نجات دلانے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"شاہ جی کی بیٹی اغوا کی جائے گی تو نقصان اُن کا ہوگا۔ پریشان وہ ہوں گے۔ آپ کے لیے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اُن کے سامنے آپ فاتح کی حیثیت سے رہیں گے۔ اس لیے کہیں وہ کہیں گڑبڑا جائیں گے۔ لہٰذا ایسے وقت آپ کو فاتح بن کر نہیں رہنا چاہیئے۔ آپ کا بھی نقصان ہونا چاہیئے۔"

"کیا مطلب؟"

"قاسم نے جھجکتے ہوئے کہا۔" میں مطلب سمجھا رہا ہوں مگر ڈر لگتا ہے، آپ ناراض ہو جائیں گے۔"

"کیسی بات کرتے ہو۔ میں اس مصیبت سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں، بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دیکھیے صاحب! آپ کو پہلے تو مجھ پر اعتماد کرنا ہوگا۔ آپ کی عزت میری عزت، آپ کی غیرت میری غیرت ہے، اگر آپ اسے تسلیم کریں تو ہم نادرہ کے ساتھ آپ کی بیٹی کو بھی اغوا کریں گے۔"

مرزا صاحب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ہاتھ سے سگریٹ چھوٹ گیا۔ غرّا کر بولے۔ "کیا بکواس کر رہے ہو۔ تمہاری اتنی مجال کہ میری بیٹی کے لیے ایسے نازیبا الفاظ ادا کرو۔"

"دیکھئے، میں نہ کہتا تھا۔ آپ ناراض ہو جائیں گے۔ پہلے پوری بات سُن لیجئے۔ آپ کی بیٹی کی عزت و آبرو کا محافظ میں ہوں۔ کوئی بدمعاش اسے ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔"

"نہیں نہیں، ایسی بات نہ کرو۔ کوئی غیرت مند باپ اپنی بیٹی کے اغوا کا منصوبہ نہیں بنا سکتا۔ کیا تم مجھے بے غیرت سمجھتے ہو؟"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں نے کب کہا ہے کہ آپ خود اپنی بیٹی کے اغوا کا منصو بنائیں۔"

"تم صاف لفظوں میں یہی کہہ رہے ہو۔"

"آپ نے مجھے بات پوری نہیں کرنے دی۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ شاہ جی وغیرہ کے نقطۂ نظر سے تو آپ کی بیٹی اغوا کی جائے گی لیکن ہم اسے آپ ہی کے کسی عزیز رشتے دار کے ہاں پہنچا دیں گے جہاں اسے آپ چھُپا کر رکھ سکیں گے۔"

مرزا صاحب دور تاریکی میں دیکھتے ہوئے سوچنے لگے۔ قاسم علی نے سگریٹ بڑھاتے

ہوئے کہا۔" آپ کی عزت پر آنچ نہیں آئے گی۔ اگر آپ کی بیٹی اپنی خوشی سے کہیں جا کر چھپنے کے لئے راضی ہو جائے تو آپ خود اسے چھُپا دیجئے یا آپ ہماری خدمات حاصل کیجئے۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ ایک ہی دن دونوں کو غائب ہونا چاہیئے تاکہ آپ بھی پریشانی ظاہر کر سکیں۔ آپ کی پریشانی شاہ جی کی پریشانیوں سے زیادہ اہم ہوگی کیونکہ آپ کی بیٹی ہے۔ ان کا تو بیٹا ہے۔"

مرزا صاحب نے ایک گہرا کش لیا۔ پھر دھواں چھوڑتے ہوئے بولے۔" کم بخت حُقّہ نہ ہو تو دماغ کام نہیں کرتا۔ تمہاری تدبیر اچھی ہے۔ میں خود اپنی بیٹی کو چھپاؤں گا مگر یہ خبر عام ہوگی کہ وہ اغوا ہوئی ہے، اس طرح میری بدنامی ہوگی۔ پھر کہیں سے بیٹی کا رشتہ نہیں آئے گا۔"

قاسم علی نے ایک سگریٹ سے دوسرا سگریٹ جلایا۔ پھر کش لینے کے بعد کہا۔" آپ کی بیٹی شاہ جی کی ہونے والی بہو ہے۔ وہ اپنی بہو کی بدنامی پسند نہیں کریں گے۔ بڑی رازداری سے تلاش کرنا چاہیں گے۔ پولیس والوں کی رازداری کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات اخبارات میں نہیں آئے گی۔"

"مگر میرے رشتے داروں کو تو معلوم ہوگی۔"

"آپ کے رشتے دار کراچی، اسلام آباد، پنڈی، لاہور میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر بیٹی کو لاہور لے جا کر چھپایا جائے گا تو وہاں کے رشتے دار بعد میں گواہ رہیں گے کہ اُسے اغوا نہیں کیا گیا تھا۔ آپ کراچی والے رشتہ داروں سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ پنڈی میں ہے۔ پنڈی والوں سے کہہ سکتے ہیں، وہ لاہور میں ہے، آپ کسی طرح بدنام نہیں ہوں گے۔ شاہ جی آپ کو بدنامی سے بچانے کی کوششیں کرتے رہیں گے۔"

انہوں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔" بے شک، یہ بڑا ہی ٹھوس منصوبہ ہے۔ ہر طرح سے شاہ جی بے وقوف بنیں گے مگر پہلے اچھی طرح سوچنا سمجھنا ہوگا کہ بیٹی کو کہاں چھُپایا جائے اور کس طرح اپنے گھر سے نکال کر وہاں تک پہنچایا جائے۔" انھوں نے سگریٹ کو ریت پر پھینکتے ہوئے کہا۔" حقّہ ہوتا تو دماغ کام کرتا۔ یہ کم بخت شاہ جی نے عادت خراب کی ہے۔"

"اگر اتنی ہی طلب ہے تو میں ڈرائیور کو حکم دیتا ہوں، وہ گاڑی لے کر جائے گا اور حقّہ لے آئے گا۔"

"اب ایسی بھی طلب نہیں ہے۔ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔ دراصل ساحرہ

کو اپنے گھر سے لے جانا مشکل ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ شاہ جی نے اپنے جاسوس لگا رکھے ہیں۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"جو شخص میرے گھر ٹیلی فون پر ہونے والی باتیں ریکارڈ کرا سکتا ہے، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔"

"جناب مرزا صاحب! آپ کی صاحبزادی، شاہ جی کے صاحبزادے کے ساتھ کہیں باہر جائے گی تب تو بدگمانی نہیں ہو گی؟"

"میں اپنی بیٹی کو اُس سے ملنے کی اجازت نہیں دیتا اور تم اُس کے ساتھ باہر جانے کی بات کرتے ہو۔"

"اچھا تو آپ نے اپنی صاحبزادی پر پابندیاں عائد کر دی ہیں۔"

"ہاں، یہ ضروری تھا۔"

"اب ضروری نہیں ہے۔ جب ہم اُسے لڑکا بننے کا موقع ہی نہیں دیں گے تو پھر وہ لڑکا نہیں رہے گا۔ ابھی وہ لڑکی ہے جب ہمارے بدمعاش اُسے واپس کریں گے تو بھی مکمل لڑکی ہی ہو گی۔ لہٰذا آپ اپنی بیٹی کو ایک لڑکی کے ساتھ ملنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔"

مرزا صاحب سوچتی ہوئی نظروں سے قاسم علی کو دیکھ رہے تھے۔ قاسم نے کہا۔ "اگر آپ پابندیاں اٹھائیں گے تو دونوں خاندانوں میں اعتماد بڑھ جائے گا۔ شاہ جی اور زیادہ خوش ہوں گے۔ اُن کا گھروں سے نکلنا ضروری ہے کیوں کہ انہیں ایک ہی دن اغوا کیا جائے گا۔"

وہ ناراض ہو کر بولے۔ "میری بیٹی کے لیے اغوا کا لفظ استعمال نہ کرو۔"

قاسم علی نے بے بسی سے مرزا صاحب کو دیکھا۔ اُسے کوئی متبادل لفظ نہیں مل رہا تھا۔ وہ بدمعاشوں کا بدمعاش تھا۔ بچپن سے جرائم کرتا آ رہا تھا۔ کتنوں کی بہو بیٹیوں کو اٹھوا چکا تھا لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ بیٹی کا اغوا کرنے میں باپ بھی شامل ہو تو اغوا کی جگہ کون سا مہذب لفظ استعمال کرنا چاہیے۔

مرزا صاحب نے کہا۔ "جس دن اور جس جگہ نادرہ کو اغوا کیا جائے گا۔ میں اسی دن اس جگہ سے کچھ فاصلے پر اپنی گاڑی میں موجود رہوں گا۔ میری بیٹی کو نادرہ سے الگ کر کے میری گاڑی میں پہنچایا جائے گا۔"

"آپ جیسا چاہیں گے، ویسا ہی ہو گا۔ پہلے آپ اپنی بیٹی کو نادرہ سے ملنے کی آزادی دیں۔ انہیں آزادی سے باہر جانے کی اجازت بھی دیں۔"

چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی میں سمندر کی لہریں چاندی ہو رہی تھیں۔ وہ منہ زور لہریں اب ساحلی دیوار تک آنے لگی تھیں۔ وہ دونوں کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور اور باڈی گارڈ اگلی سیٹ پر آ گئے۔ پھر وہ گاڑی واپس جانے لگی۔ راستے میں مرزا صاحب کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے۔ "کس قدر مجبور ہو کر بیٹی کو آزادی دینا ہو گی۔ مجھے نادرہ ایک آنکھ نہیں بھاتی مگر مجبوراً اس کے ساتھ آنے جانے کی آزادی دینا ہو گی۔"

وہ مجبور تھے اور یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ مجبور کیوں ہیں۔ بیٹی کو پردہ کرانے کے بعد پھر بے پردہ کرانے کے لیے نہ تو شاہ جی نے مجبور کیا تھا اور نہ ہی نادرہ نے۔ جب کسی شخص کا کوئی کام پورا ہونے والا ہو۔ اپنی حکومت کا کوئی پراجیکٹ مکمل ہونا چاہتا ہو یا کوئی قدرتی عمل اپنی تکمیل کی طرف جا رہا ہو اور انسان اسے روکنا چاہے تو اس کے لیے اصول سے ہٹنا پڑتا ہے۔ اس مقصد کے لیے غیر فطری اور غیر قانونی طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ ایسی باتوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے جو مزاج کے خلاف ہوتی ہیں۔

میڈیکل کالج کا ایک طالب علم جو آئندہ ایک بہت بڑا ڈاکٹر بننے والا ہو۔ وہ منفی سیاست میں پڑ کر کالج سے زیادہ جیل میں زندگی گزارے اور اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ اس کے باوجود وہ ایک کلینک کھول کر بیٹھ جائے تو وہ سیاست میں پڑنے والا نامکمل سیاستدان ہو گا۔ پوری قوم کو لے ڈوبے گا۔ وہ نامکمل ڈاکٹر ہو گا۔ پوری قوم کی صحت خطرے میں پڑ جائے گی۔

اور اگر وہ لڑکی مکمل لڑکا نہ بن سکی تو کیا ہو گا؟ یہ بات ابھی سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ بہت سی باتوں کو آنے والا وقت سمجھاتا ہے۔

چپراسی نے آکر کہا۔ "جناب! مرزا عبادت حسین صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

شاہ جی فوراً ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "ارے، انہیں اندر آنے دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ میرے بڑے ہیں، میرے عزیز ہیں۔"

وہ میز کے پیچھے سے چلتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ اسی وقت مرزا صاحب اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "زہے نصیب، اچانک کیسے آنا ہو گیا؟"

"مشکل میں خدا یاد آتا ہے یا پولیس والے۔ میں آپ کو یاد کرتا چلا آیا۔"

"تشریف رکھیے، آخر مشکل کیا ہے۔ بائی دی وے ٹھنڈا پئیں گے یا گرم؟"

"میرا دماغ گرم ہو رہا ہے۔ ٹھنڈا ہی پلا دیجیے۔"

انہوں نے چپراسی کو دو بوتلیں لانے کے لیے کہا، پھر واپس اپنی کرسی پر آکر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "فوراً بتائیے۔ کیا واقعی آپ کسی مشکل میں ہیں۔ کیا میرے بیٹے نے شکایت کا موقع دیا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ نادرہ تو بہت اچھی، میرا مطلب ہے، بہت اچھا بیٹا ہے۔"

"پھر پرابلم بتائیں؟"

مرزا صاحب سر جھکا کر ذرا خاموش رہے، پھر انہوں نے کہا۔ "میں جو بات کہنے جا رہا ہوں۔ آپ اُس کا ذکر ساحرہ اور میری بیگم سے نہ کریں۔"

شاہ جی کرسی پر سیدھے بیٹھ گئے۔ پھر تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

"کل رات ایک بجے میں گہری نیند میں تھا، اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے

ریسیور اٹھا کر آواز سُنی۔ کسی کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں بول رہا ہوں تو اس نے کہا۔ 'اپنے سر کی حفاظت کرو۔'

میں نے ناگواری سے پوچھا۔ 'یہ کیا بکواس ہے؟'

دوسری طرف سے کہا گیا۔ 'جب ہتھوڑا تمہاری کھوپڑی کے قریب ہو گا تو میری باتوں کو بکواس کہنے کی مہلت نہیں ملے گی۔ لہٰذا فیصلہ کر لو۔ تمہارا سر قیمتی ہے یا پچاس ہزار۔ اگر سر قیمتی ہو تو پچاس ہزار تیار رکھنا۔'

میں نے غصے سے پوچھا۔ 'کیا تم جانتے ہو، کس سے باتیں کر رہے ہو؟'

'جانتا ہوں۔ تم ایک بہت بڑے پولیس آفیسر کے دوست ہو اور تم بھی اچھی طرح جان لو کہ پولیس والوں نے آج تک ہتھوڑا گروپ کے کسی ایک آدمی کو بھی گرفتار نہیں کیا ہے اور نہ کر سکیں گے۔'"

شاہ جی نے کہا۔ "آل دیئر آر نان سنس۔ کیا فون کرنے والے نے آپ سے یہ کہا ہے کہ پچاس ہزار کس طرح وصول کرے گا اور کہاں وصول کرے گا؟"

"اس نے کہا ہے، آئندہ رابطہ قائم کرے گا۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ جیسے ہی وہ آپ سے رابطہ قائم کرے گا، ہم اسے گرفتار کر لیں گے۔ پچھلے دنوں ہمارے درمیان رنجشیں پیدا ہوئیں، جس کی وجہ سے میں نے آپ کا فون ڈیٹیکٹ کرایا تھا لیکن اب آپ کی حفاظت کے لیے یہ لازمی ہو گیا ہے۔ آپ کو اعتراض نہ ہو تو.....؟"

مرزا صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔ "آپ کیسی باتیں کرتے ہیں، مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا۔ آپ تو میری حفاظت کے لیے ایسا کریں گے۔"

چپراسی ایک ٹرے میں گلاس اور بوتلیں لے آیا۔ وہ گلاس میں کوک ڈال کر پینے لگے۔ مرزا صاحب نے کہا۔ "پچھلے دنوں میں نے بڑے جذباتی فیصلے کئے۔ ان فیصلوں سے میری بیٹی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔"

شاہ جی نے کہا۔ "ساحرہ بہت ہی سعادت مند اور سلیقہ شعار ہے۔ آپ تو اس کے باپ ہیں۔ میں بھی اسے بیٹی کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہوں گا۔ آپ اپنے کن فیصلوں پر پچھتا رہے ہیں۔"

"یہی کہ اسے پردہ کرانا چاہیے۔ اسے ٹیلیفون اٹینڈ نہیں کرنا چاہئے۔ اسے کالج بھی نہیں

جانا چاہیئے۔ اس طرح ایک تو میں نے اس کی تعلیم ختم کرادی۔ دوسرے اسے احساس دلایا کہ اس کے والدین اس پر اعتماد نہیں کرتے ہیں اور یہ بڑی غلط بات ہے۔"

"مرزا صاحب! آپ واقعی روشن دماغ ہیں۔ میں آپ کو مشورہ دوں گا۔ ساحرہ بیٹی کی تعلیم جاری رکھیں۔"

"میں نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ کل سے وہ کالج جانے گی اور پردہ نہیں کرے گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہنسنے لگے۔ "میں بھی بڑا احمق ہوں۔ مجھے یہ سوچنا چاہیئے تھا۔ ابھی ہماری نادرہ بیٹی تبدیلی کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ فی الحال وہ لڑکا نہیں ہے۔ پھر میں پردہ کیوں کرا رہا ہوں؟ اور جب وہ لڑکا بن جائے گا تب بھی یہ ہمارے سمجھنے کی بات ہے، کیا ہم اپنے بچوں پر اعتماد نہیں کرتے ہیں؟"

"واہ مرزا صاحب! اسے کہتے ہیں تعمیری سوچ، تعمیری فیصلہ۔ آپ کے ان فیصلوں سے میری بڑی مشکلیں آسان ہوں گی۔ میرا بیٹا بڑے اعتماد سے تبدیلی کے مراحل سے گزر جائے گا۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولے "آپ نادرہ کو خوش خبری سُنا دیں، وہ دونوں کالج جا سکتے ہیں۔"

"اوہ تھینکس گاڈ، مرزا صاحب! میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میرا بیٹا اب کسی ذہنی کرب میں مبتلا نہیں ہوگا۔ اس کے دماغی مریض بننے کا خطرہ ٹل جائے گا۔"

مرزا صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہماری ایک ہی بیٹی ہے۔ ہم خوب سوچ سمجھ کر اس کا مستقبل بنانا چاہتے ہیں۔ ہم ایسی غلطی نہیں کرنا چاہتے، جس سے ہمارے بچے بعد میں ہمیں الزام دیں۔ بائی دی وے، نادرہ سے اس فون کا ذکر مت کیجئے گا۔"

"کس فون کا ذکر؟"

"ارے بھئی، آپ اتنی جلدی بھول گئے۔ وہی جو ہتھوڑا گروپ کے کسی آدمی نے کیا تھا۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

"اچھا یہ بتائیں۔ یہ ہتھوڑا مارنے والے کیا دن کو بھی واردات کرتے ہیں؟"

انہوں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اب تک ایسی واردات دن میں نہیں ہوئی۔ یہ لوگ بزدل ہوتے ہیں۔ سونے والوں پر حملے کرتے ہیں اور جو بزدل ہوتے ہیں وہ دن کو واردات کی جرأت کر ہی نہیں سکتے۔ بائی دی وے، آپ کس اندیشے میں مبتلا ہیں؟"

"کچھ نہیں، بس یونہی میں نے سوچا۔ ساحرہ اور نادرہ کالج جایا کریں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ فون کرنے والے انہیں بھی پریشان کریں۔"

"ان کی کیا مجال ہے۔ میری بیٹی دس بیٹوں کے برابر ہے۔ بلیک بیلٹ حاصل کرنے والی ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی ساحرہ کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔ ویسے، آپ کے اطمینان کے لیے میں سادہ لباس میں کچھ لوگوں کو نگرانی پر مامور کر دوں گا۔"

انہوں نے خوش ہو کر کہا۔ "میں یہی چاہتا ہوں، آپ ذرا وضاحت سے سمجھا دیں۔ کیا وہ نگرانی کرنے والے کسی گاڑی میں ہمارے بچوں کا تعاقب کرتے رہیں گے؟"

"جی ہاں، ایک جیپ رہے گی، جس میں دو چار بندے ہوں گے۔ وہ نادرہ اور ساحرہ کی گاڑیوں کے پیچھے اس طرح چلیں گے کہ کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔ یہ انتظامات صرف آپ کی تسلی کے لیے کروں گا۔ ورنہ جس گاڑی میں میرا بیٹا جا رہا ہو، اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ یہ مجال کسی میں نہیں ہے۔"

مرزا صاحب نے مسکرا کر انہیں دیکھا، پھر گلاس سے ٹھنڈے کوک کی چسکی لے کر سوچنے لگے۔ "یہ حضرت مستقل طور سے اپنی بیٹی کو بیٹا کہنے لگے ہیں۔ جیسے سچ مچ بیٹی کی تقدیر بدل دیں گے۔ یہ تقدیر ہے کیا چیز؟ جواب ہے کہ مختلف لوگوں کی تدابیر کا جو نتیجہ سامنے آتا ہے۔ اسے تقدیر کہتے ہیں۔ تدبیر شاہ جی بھی کر رہے ہیں۔ تدبیریں میں بھی کر رہا ہوں۔ جو کامیاب ہو جائے گا۔ جس کے حق میں تدبیر کا نتیجہ نکلے گا۔ اسی کے مطابق نادرہ کی تقدیر بنے گی۔

نادرہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی اپنی کوٹھی کے پاس آئی۔ مگر احاطے میں داخل ہونے سے پہلے رُک گئی۔ وہ بے اختیار ساحرہ کی کوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔ سب کچھ وہی تھا۔ وہی باغیچہ تھا۔ وہی رنگ برنگے پھول تھے۔ پھولوں پر بہار آئی ہوئی تھی لیکن جس طرح وہ کوٹھی ساحرہ کے وجود سے خالی لگ رہی تھی۔ اسی طرح پھول خوشبو کے بغیر کاغذی دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے احاطے میں داخل ہوئی۔ اُسے پورچ میں روکا۔ بے دلی سے دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ کتابیں، کاپیاں سنبھالتے ہوئے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کوٹھی میں داخل ہوئی۔ اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ دھیان رہ رہ کر اسی کی طرف جا رہا تھا۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں آئی۔ اس کے ڈیڈ ابھی نہیں آئے تھے۔ مم کچن میں مصروف ہوں گی۔ وہ آہستہ آہستہ زینے پر چڑھتے ہوئے اپنے کمرے کے دروازے تک آئی مگر دروازے کو کھولتے ہی دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یوں محسوس ہوا جیسے ساحرہ کمرے میں کہیں چھپی ہوئی ہے۔

وہ تیزی سے اندر آئی، اِدھر اُدھر گھوم کر دیکھنے لگی۔ وہی مخصوص گیت سُنائی دے رہا تھا جو ساحرہ کو پسند تھا۔ وہ اکثر کیسٹ کے ذریعے وہی گیت سُنا کرتی تھی اور اب وہ گیت اس کے کمرے تک گنگناتا چلا آ رہا تھا۔

اس نے کتاب اور کاپیوں کو بستر پر پھینکا۔ دوڑتے ہوئے کھڑکی کے پاس آئی۔ دل دھک سے رہ گیا۔ بالکونی میں وہ بید کی کرسی اور مرزا صاحب کا حقہ نہیں تھا۔ وہی ساحرہ کی ہینگنگ چیئر جھول رہی تھی۔ وہ لٹکنے والی کرسی خالی نہیں تھی۔ اس کرسی پر ایک کیسٹ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔ وہاں سے وہی مخصوص گیت ابھرتا ہوا نادرہ کے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔

بالکونی سے بیڈ روم کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ دروازہ کُھلا ہوا تھا۔ اندر کا کچھ حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے پوری طرح ثابت ہو گیا کہ ساحرہ اپنے بیڈ روم میں واپس آگئی ہے اور یہ ایسی بات تھی جس پر ابھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

شام ہو چکی تھی۔ باہر دن کی روشنی تھی مگر کمروں میں ایسے وقت بتیاں جل جاتی ہیں۔ اچانک وہ کمرہ روشن ہو گیا۔ وہاں کی ہر شے واضح ہو گئی۔ پھر سامنے والی دیوار کی طرف دیکھتے ہی نادرہ کے دل کی دھڑکنیں پاگل ہو گئیں۔

سامنے دیوار پر اس کا سایہ دکھائی دے رہا تھا۔ یقیناً وہ لیمپ اسٹینڈ کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ ایک بار نادرہ نے ہی اسے بتایا تھا کہ جب وہ لیمپ اسٹینڈ کے سامنے کھڑی ہوتی ہے تو اس کا سایہ دیوار پر پڑتا ہے۔ ساحرہ کو یقین تھا کہ نادرہ اسے محسوس کرے گی مگر دیکھ نہیں سکے گی۔ ہائے، کتنی پیاری ادا تھی۔ پردہ نہیں تھا، بس حیا تھی۔

نادرہ کے دل نے صدا دی "ساحرہ۔ ساحرہ . . . . ."

لیکن آواز مُنہ سے نہیں نکلی۔ ہونٹ کُھلے رہ گئے۔ اس نے سوچا، آواز دے گی تو اس کی مم اور پاپا بھی سُن لیں گے۔ پتا نہیں، یہ کیا بھید تھا۔ پردہ اُٹھ رہا تھا مگر راز نہیں کُھل رہا تھا۔

اس دُور افتادہ دیوار پر نظریں جمی ہوئی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر دیکھے جا رہی تھی۔ دیوانے اسی طرح دیواروں کو دیکھتے ہیں اور دیواروں سے باتیں کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ دیواریں خالی نہیں تھیں۔ اُس کی ساحرہ کا سایہ وہاں نقش ہو کر رہ گیا تھا ــــــ جب تک دو دل ملتے رہیں اور دو جسم نہ مل سکیں تب تک، محبت سائے کے پیچھے بھاگتی ہے۔

پھر اس نے دیکھا۔ دیوار کے سائے میں ایک چیز کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کا ہاتھ نظر آنے لگا تھا اور اس ہاتھ میں وہی واکی ٹاکی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ فوراً کھڑکی سے پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی الماری کے پاس آئی۔ اسے جلدی سے کھولا۔ پھر اس میں سے واکی ٹاکی نکال کر رابطہ قائم کرتے ہوئے کھڑکی کے پاس آگئی۔ اس دُور افتادہ دیوار پر وہ سایہ سایہ سی محبوبہ گوش بر آواز تھی۔ نادرہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے آواز دی "ساحرہ!"

دوسری طرف خاموشی تھی۔ سایہ دیوار پر ساکت تھا، جیسے اپنا نام سُنتے ہی پتھر ہو گیا ہو۔ اس نے پھر آواز دی "ساحرہ! میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ آ جاؤ، میری نظروں میں آنے

کے لئے آجاؤ۔ یقین دلانے کے لئے آجاؤ کہ جو کچھ دیکھ رہا ہوں، وہ خواب نہیں ہے، خیال نہیں ہے، تم سچ مچ میری ساحرہ ہو۔"

اس سائے نے دیوار پر حرکت دی۔ وہاں سے ہٹ گیا۔ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ نادرہ نے سمجھا۔ شاید وہ آگے بڑھ کر دروازے کی طرف آئے گی پھر صاف طور سے نظر آئے گی لیکن وہ گم ہو گئی تھی۔ اپنے سائے کو بھی گم کر دیا تھا۔ دیکھا جائے تو حُسن محض دیکھنے کے لیے نہیں ہوتا۔ چھُپنے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اس کی چھُپی چھُپی اداؤں کو سمجھنے کے لیے ہوتا ہے۔ نادرہ نے اسے ڈھونڈنے کے لیے واکی ٹاکی کو اپنے کان سے لگایا۔ گہری گہری سانسوں کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے۔ آخر اس کی آواز سُنائی دی "ہیلو نادرہ ۔ ۔ میں بول رہی ہوں۔"

"بولتی رہو۔ میں یقین کرنا چاہتا ہوں کہ تم بول رہی ہو۔"

"میں بھی یقین کرنا چاہتی ہوں کہ اپنی آواز سُنا رہی ہوں۔"

"ساحرہ! یہ سب خیال ہے، خواب ہے۔ آنکھ کھُلے گی تو پھر وہی ویرانی ہو گی۔ تم مجھ سے اتنی دُور ہو گی کہ تمہاری آہٹ تک سُنائی نہیں دے گی۔"

"میں نے اپنے بالوں سے ایک ہیئر پن نکال کر گردن میں چبھو کر دیکھا ہے۔ ہم جاگ رہے ہیں۔"

"اگر پاؤں میں مہندی نہ لگی ہو تو سامنے آجاؤ۔"

وہ چپ رہی۔ اس نے واکی ٹاکی سے کان لگا کر سُنا۔ سانسوں کی سرگم سُنائی دے رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں نے اُسے ہونٹوں سے لگا لیا ہے۔ تمہاری دھڑکنوں سے گزر کر آنے والی سانسوں کو چوم رہا ہوں۔"

"آں؟" اس کی گھبرائی ہوئی سی آواز سُنائی دی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ نادرہ نے کہا۔ "میں انتظار کر رہا ہوں۔"

اس کی ہچکچاتی ہوئی سی آواز سُنائی دی۔ "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہو؟"

"کر رہا ہوں۔"

"میں نے خود کو بہت سمجھایا۔ تم ایک نئے شخص ہو مگر دل نہیں مانتا۔ تم میرے تصوّر

میں وہی سہیلی نظر آتی ہو۔ میں کیا کروں؟"

"ایسا کرو۔ اسی تصوّر میں کھو جاؤ۔ مجھے سہیلی سمجھ کر سامنے آجاؤ مگر آجاؤ۔"

"میں نہیں آؤں گی۔"

"اس کا مطلب ہے، تمہارے چور خیالوں میں وہ نیا شخص ہے۔"

"نہیں ہے۔"

"ہے مگر تسلیم نہیں کرو گی اور میں ضد نہیں کروں گا۔ محبّت جس روپ میں دیکھنا چاہے۔ میں روپ پسند ہے۔ سہیلی کی خیریت پوچھنے آجاؤ۔ جس درد کی آشنا ہو اسی کی دوا بن کر آؤ۔"

"کل آؤں گی۔"

"کل بہت دُور ہے۔"

"پاپا نے کالج جانے کی اجازت دے دی ہے۔"

"سچ؟" نادرہ خوشی سے کھل گئی۔ "یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔ انکل اتنے مہربان کیسے ہو گئے؟"

"میں بھی حیران ہوں مگر خُدا کا شکر ادا کر رہی ہوں۔ میری تعلیم جاری رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے، ہم وہاں مل سکیں گے۔"

"جب پاپا نے اس بیڈ روم میں دوبارہ رہنے کی اجازت دے دی ہے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اب ہمارے ملنے پر اعتراض نہیں ہو گا۔"

"ہاں اور وہ واکی ٹاکی تمہیں واپس دے گیا ہے۔ کیوں نہ ہم اپنی آزادی کا یقین کریں؟"

"وہ کیسے؟"

"آج رات کا کھانا ایک ساتھ کھائیں گے۔ تم میرے گھر آجاؤ یا میں تمہارے پاس آتا ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں کھاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ میں اپنے آپ کو ذہنی طور پر آمادہ کر رہی ہوں کہ تم جو کچھ میرے سامنے ہو، وہ نہیں ہو اور جو میرے سامنے نہیں ہو، وہی ہو۔"

"مگر خود کو ذہنی طور پر آمادہ کرنے کے لیے مجھے تمہارے سامنے رہنا چاہیئے۔ تمہارے

ساتھ رہنا چاہیئے۔ چلو کھانے پر نہ سہی، علی الصبح میدان میں مل سکتے ہیں۔ ہم پہلے بھی روزانہ ملتے رہے ہیں۔"

"کوشش کروں گی۔"

"کوشش نہیں، وعدہ کرو۔"

اس نے ہولے سے 'ہوں' کہا۔ 'ہوں' ایک ایسا لفظ ہے جو زبان سے ادا نہیں ہوتا۔ جھکی جھکی آنکھوں سے 'ہوں' کا گمان ہوتا ہے۔ لبوں پر دھیمے دھیمے تبسم سے 'ہوں' کا سراغ ملتا ہے 'ہوں' کی آنچ تمتماتے ہوئے رخساروں سے آتی ہے۔ 'ہوں' کی ادا نازک چوڑیوں سے کھنکھناتی ہے۔ 'ہوں' کوئی زبان نہیں، دل کی دھڑکن ہے۔ 'ہوں' پہلے حُسنِ ظن ہے پھر لبستر کی شکن ہے۔

نادرہ نے دور بالکونی کی طرف دیکھا، وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ 'ہوں' کہنے کے بعد خاموش ہوگئی تھی۔ سبھی لڑکیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ایک 'ہوں' سے ساری زندگی کا فیصلہ سُنا دیتی ہیں۔ اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

بالکونی کے نیچے والے بیڈ روم کی کھڑکی بند تھی، اندر تاریکی تھی جیسے وہاں کوئی نہ ہو لیکن مرزا صاحب کھڑکی کے پردے کے پاس کھڑے شیشے کے آرپار دیکھ رہے تھے۔ سامنے والی کھڑکی میں نادرہ دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے سوچا "شاید بالکونی میں ساحرہ بھی موجود ہے۔"

وہ شاید کا لفظ استعمال کر کے دل کو بہلا رہے تھے۔ حالانکہ انہوں نے ہی یہ موقع فراہم کیا تھا۔ ویسے سوچتے ہوئے شرم آرہی تھی کہ دشمن کو مات دینے کے لیے بیٹی کو چارا بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ کسی بھی غلط راستے سے بہت بڑی کامیابی حاصل کرنے کے لیے تھوڑی سی بے غیرتی برداشت کرنا پڑتی ہے۔

وہ دونوں رات کا کھانا ساتھ کھاتی تھیں۔ چونکہ ان کے بزرگ تعلقات کی تجدید کر رہے تھے لہٰذا اتنی جلدی پھر شیر و شکر ہونا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے واکی ٹاکی کے ذریعے طے کر لیا تھا کہ کس وقت کھانا چاہیئے اور کس وقت اپنے اپنے بیڈ روم میں آکر بستر پر لیٹ جانا چاہیئے تاکہ صبح جلد بیدار ہو سکیں۔

ساحرہ نے گھڑی دیکھی۔ آٹھ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ نادرہ نے کہا تھا۔ وہ ٹھیک آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر کھانے کے لیے بیٹھے گی۔ دونوں نے اپنی اپنی گھڑی کا وقت ملا لیا تھا۔ وہ سیدھی کچن میں آئی۔ اس کی مم' باورچی کو گوشت اچھی طرح بھوننے کی ہدایت دے رہی تھیں۔ وہ ایک پلیٹ لے کر کھانا نکالنے لگی۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا کر رہی ہو؟"

"بھوک لگ رہی ہے۔"

"اتنی جلدی؟ ابھی تو سالن تیار کرا رہی ہوں۔"

"میں دوپہر کے سالن سے کھا لوں گی۔"

"ایسی جلدی بھی کیا ہے؟"

مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہو رہی ہے۔"

اس نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھا تو گھبرا سی گئی۔ آٹھ بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ دوسری طرف نادرہ کھانا شروع کر چکی ہوگی۔ اس نے فوراً ہی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا اور سالن میں ڈبو کر منہ میں ڈال لیا۔ اس کی مم حیرانی سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اتنے زور کی بھوک لگ رہی ہے؟ آرام سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر نہیں کھا سکتیں۔"

"جی، جی ہاں۔ وہیں جا رہی ہوں۔"

وہ لقمہ چباتے ہوئے میز پر آ گئی۔ اسے اطمینان تھا کہ اس نے وعدے کے مطابق ٹھیک وقت پر کھانا شروع کر دیا ہے۔ وہ ٹھیک دس بجے دوسرے وعدے کے مطابق اپنے بیڈ روم میں پہنچ گئی۔ واکی ٹاکی سے اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھا کر کہا۔ "میں حاضر ہوں۔"

نادرہ کی وہی دل میں اترنے والی بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔ "حاضر ہو مگر نگاہوں کے سامنے نہیں ہو۔ آخر شرماتی کیوں ہو۔ بالکونی میں آ جاؤ۔"

"ابھی نہیں۔"

"تمہارا ابھی نہیں، کبھی نہیں لگتا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا صبح کا انتظار نہیں کر سکتے؟"

"کر رہا ہوں۔" دوسری طرف سے سرد آہ بھر کر کہا گیا۔

یہ زیر لب مسکرانے لگی۔ نگاہوں کے سامنے ایک اجنبی کھڑا ہوا تھا۔ وہ نادرہ سے مشابہت رکھتا تھا مگر نادرہ نہیں تھا۔ جیسا وہ سوچتی آئی تھی ویسا ہی تھا۔ اسے کبھی یہ پتا نہ چلا کہ نادرہ کے علاوہ بھی وہ غیر شعوری طور پر کسی اجنبی کا ارمان کرتی رہی ہے۔ سہیلی کی محبت نے دوست کی تمنا کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اب وہی سہیلی خود کو پس پشت ڈال کر دوست کو اس کے سامنے پیش کر رہی تھی۔ "گر قبول افتد زہے عز و شرف۔"

نادرہ نے پوچھا۔ "کیا کر رہی ہو؟"

"یہ واکی ٹاکی تم نے دیا ہے، اسے دیکھ رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں۔ یہ تمہارا ہے، تمہاری ہی آواز میں بولتا ہے۔ شاید تمہاری ہی آنکھوں سے دیکھتا بھی ہے۔"

دوسری طرف سے قہقہہ سنائی دیا۔ ساحرہ نے کہا۔ "میں اسے بند کر رہی ہوں۔"

"ابھی نہیں۔"

"میں اس پر چادر ڈال رہی ہوں۔"

"بھئی کیوں؟"

"اب پندرہ منٹ بعد میری آواز سنو گے۔"

"سنو تو سہی، ابھی سے بند نہ کرنا۔"

ساحرہ نے اسے آف کر کے تکیے کے اوپر رکھ دیا۔ الماری کے پاس آئی۔ اسے

کھول کر آسمانی رنگ کی نائٹی نکالی۔ الماری کو بند کیا۔ پھر لباس بدلنے سے پہلے چونک کر واکی ٹاکی کی طرف دیکھا۔ وہ تکیے کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ اس نے تو یونہی کہہ دیا تھا کہ یہ اس کی آواز میں بولتا ہے، اس کی آنکھ سے دیکھتا بھی ہوگا۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات تھی لیکن وہ اپنی تسلی کے لیے بستر کے پاس آئی، اسے اٹھا کر چادر کے نیچے چھپا دیا۔ پھر ذرا اطمینان ہوا۔

وہ چادر کے نیچے چھپا ہوا سا لگ رہا تھا۔ اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر دوپٹے کو ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے ہاتھ پیچھے لے جا کر زپ کو تھام لیا۔ وہ جانتی تھی۔ جس سے پالا پڑا ہے۔ وہ بے صبرا ہے۔ پندرہ منٹ انتظار نہیں کرے گا۔ اس سے پہلے ہی لباس بدل لینا چاہیئے۔ اس نے زپ کو نیچے کرنا چاہا۔ اس سے پہلے ہی چونک پڑی۔ وہ جیسے سامنے پہنچ گیا تھا۔ اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکلی، پھر اس نے سینے پر بازوؤں کی قینچی بنالی۔ اپنے آپ کو چھپا کر واکی ٹاکی کی طرف دیکھنے لگی۔ وہاں سے سگنل مل رہا تھا۔ وہ نہیں تھا مگر اس کا اشارہ تھا۔

اس نے گھور کر اسے دیکھا۔ دوپٹے کو کھینچ کر اپنے اوپر ڈالا۔ پھر چادر کے نیچے سے واکی ٹاکی نکال کر اسے آن کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم سے صبر نہیں ہوتا؟"

"دل پہ جبر نہیں ہوتا۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں اسے آف کر رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد خود آن کروں گی۔"

"پلیز، اسے آف نہ کرنا۔ تھوڑی دیر بعد اپنی آواز سنانا چاہتی ہو۔ کوئی بات نہیں مگر اسے آن رہنے دو۔ اس کے ذریعے تمہاری سانسوں کی خوشبو مجھ تک پہنچ رہی ہے۔ شاید تم بھی مجھے اپنے کمرے میں محسوس کر رہی ہو۔"

یہی تو مصیبت تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی۔ اسے تھوڑی دیر کے لیے وہاں سے بھگانا چاہتی تھی مگر وہ بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ التجا کر رہا تھا، اسے آن رہنے دیا جائے۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟"

"تمہیں اور صرف تمہیں۔ میں نے تمہاری اتنی تمنا کی ہے کہ محبت بنتی جا رہی ہے۔"

ساحرہ کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ پھر وہ واکی ٹاکی کو گھور کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "گندے کہیں کے۔ ایسی بات کرو گے تو میں بات نہیں کروں گی۔"

"کیا ناراض ہو گئیں؟"

"کیا مجھے ناراض نہیں ہونا چاہئیے؟"

"محبت کے آداب کچھ اور ہوتے ہیں، اگر چاہنے والا بہکنے لگے تو اسے دیوانہ سمجھ کر مسکرا دینا چاہئیے۔"

وہ بے اختیار مسکرانے لگی۔ پھر جلدی سے کہا۔ "اچھا زیادہ نہ بولو۔ میں نے اُسے آن کر رکھا ہے۔"

وہ واکی ٹاکی کو بستر پر چھوڑ کر اٹھ گئی۔ اسے دیکھتے ہوئے ایک قدم پیچھے گئی۔ اس نے کچھ سوچا۔ پھر سوئچ بورڈ کے پاس آگئی۔ ایک انگلی سوئچ پر رکھتے ہوئے، زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "شریر کہیں کے، دیکھتی ہوں، اب کیسے دیکھو گے۔"

اس نے سوئچ آف کر دیا۔ گہری تاریکی چھا گئی۔ اب کسی کے دیکھنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ خود اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی تھی مگر دوسرے ہی لمحے ثابت ہو گیا کہ محبت اندھی نہیں ہوتی یا محبت کو بصارت نہ ملے تو وہ بصیرت سے اندھیرے میں دیکھ لیتی ہے۔ اس کی آواز سُنائی دی۔ "یہ تم نے اندھیرا کیوں کر دیا؟"

اس نے گھبرا کر بستر کی جانب دیکھا۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آسکتا تھا، اس کے باوجود وہ نظر آیا۔ گہری تاریکی میں یہ عجیب بات ہوتی ہے۔ سوچنے والا خود کو دیکھ نہیں سکتا مگر جس کو سوچتا ہے اسے دیکھتا چلا جاتا ہے۔

وہ سمجھ رہی تھی۔ یہ محض تصوّر ہے۔ نادرہ نے اپنی کھڑکی سے بیڈروم میں اندھیرا ہوتے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا واکی ٹاکی کے ذریعے پوچھ رہی تھی۔ ساحرہ نے کہا۔ "میں تم سے کہہ چکی ہوں خاموش رہو۔ تھوڑی دیر بعد میری آواز سنو گے۔"

بستر سے آواز آئی۔ "میں یہاں اکیلا ہوں۔ تمہاری آواز دُور سے آرہی ہے۔ آجاؤ۔ میرے قریب آجاؤ۔"

وہ اسے بُلا رہا تھا۔ یہ ذرا سوچتی رہی، ذرا شرماتی رہی۔ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ ساحرہ کے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف گئے۔ گہری خاموشی میں زپ کی ہلکی سرگوشی سُنائی دی۔ بالکونی سے ہوا کا ایک جھونکا آیا جیسے وہ ہائے کہتا ہوا آیا ہو۔

اس عمر میں ایسے دھڑکتے ہوئے لمحے آتے ہیں، جب تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

سُنائی دیتا ہے۔ ریشمی لباس کی سرسراہٹ سُنائی دے رہی تھی۔ وہ بستر پر پڑا گنگنانے لگا۔

کسی لباس کی خوشبو جب اُڑ کر آتی ہے
ترے بدن کی جُدائی بہت ستاتی ہے
ترے بغیر مجھے چین کیسے پڑتا ہے
مرے بغیر تجھے نیند کیسے آتی ہے

وہ اندھیرے میں راستہ ٹٹولتے ہوئے بستر پر آکر لیٹ گئی۔ پھر اس کے قریب ہو کر بولی۔ "بہت بولتے ہو۔"

"بڑی دیر بعد تمہاری آواز آرہی ہے۔ اب چُپ رہوں گا، تمہیں سُنتا رہوں گا۔"

"رات بہت ہو گئی ہے۔ سو جاؤ۔"

"میں بستر پر آگیا ہوں اور میں نے واکی ٹاکی کو اپنے ساتھ تکیے پر رکھ لیا ہے۔"

"میں بھی بستر پر ہوں۔ تمہیں بہت قریب سے سُن رہی ہوں۔"

"اسے آف نہ کرنا۔"

"کیا بولتے رہنے کا ارادہ ہے۔ سونا نہیں چاہتے؟"

"جب تک نیند نہیں آئے گی تمہاری آواز سُنتا رہوں گا۔"

"میں سو جاؤں گی۔"

"پھر بھی میرے تکیے پر تمہاری سانسیں گنگناتی رہیں گی۔"

اس نے مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسے اپنے اور قریب کر لیا۔ پھر سرگوشی میں بولی۔ "سو جاؤ۔ کل تک پہنچنے کے لیے آج کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ آج کا تقاضا ہے، سو جاؤ۔"

دُنیا کی ہر چیز وقت کے ساتھ آتی ہے اور وقت کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ رات بھی وقت کے ساتھ گزرتی جا رہی تھی۔ وہ باتیں کرتے کرتے سو گیا لیکن اس کے خراٹے ساحرہ کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ تاریکی میں آنکھیں کھولے اُسے سُن رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

کیا لڑکیاں خراٹے لیتی ہیں؟ ممکن ہے، لیتی ہوں۔ ساحرہ نے آج تک دیکھا تھا نہ سُنا تھا۔ اگر کسی لڑکی کو خراٹے لیتے دیکھ لیتی تو وہ بڑی بھونڈی سی لگتی۔ مرد کی بات اور ہے۔

وہ ہر معاملے میں زوردار ہوتا ہے۔ نیند کی حالت میں بھی شیر کی طرح غُرّاتا رہتا ہے اور یہ غرّاہٹ اسے اچھی لگ رہی تھی۔

وہ ایک ہی کروٹ پڑی رہی۔ کروٹ لینے سے شاید وہ جاگ جاتا۔ آنکھ کھل جاتی۔ نیند اُڑ جاتی۔ خرّاٹے گم ہو جاتے، وہ شاید ایسی گُم ہو گئی تھی کہ کروٹ بدلنے کا ہوش نہیں رہا تھا۔

جب سے وہ اس کی زندگی میں آیا تھا۔ وہ پوری نیند سو نہیں سکی تھی۔ آنکھ بند کر کے جاگتی رہتی تھی۔ اسی کے متعلق سوچتی رہتی تھی۔ اس اجنبی نے ایک بار اس کے بازو کو گرفت میں لیا تھا۔ آج بھی وہ بازو محبت سے دُکھتا رہتا تھا۔ وہ سوچتی تھی۔ پھر اس کا سامنا ہوگا تو کیا دوسرا بازو بھی دُکھنے لگے گا؟

جانے کتنا وقت گزر گیا۔ وہ ایک دم چونک سی گئی۔ پتا نہیں خرّاٹے کب بند ہوئے تھے۔ اب اس کی آواز سُنائی دے رہی تھی "کیا تم سو رہی ہو؟"

وہ چپ رہی۔ واکی ٹاکی کو دیکھتی رہی۔ پھر آواز آئی "ساحرہ، اٹھ جاؤ۔ چار بج رہے ہیں۔ میں باہر جانے والا ہوں۔ کیا تم میری آواز سُن رہی ہو؟"

اس نے جمائی لی۔ پھر انگڑائی لینے کے انداز میں تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔ "میں جاگ رہی ہوں۔"

"جاگنے سے کام نہیں چلے گا۔ فوراً تیار ہو کر باہر آؤ۔"

"تم جاؤ۔ میں آجاؤں گی۔"

"بھئی، کب تک شرماتی رہو گی۔ سامنے تو آنا ہی ہے۔"

وہ ذرا چپ رہی۔ پھر بولی "تم آگے جاؤ۔ میں پیچھے آؤں گی۔"

دوسری طرف سے ٹھنڈی سانس لینے کی آواز سُنائی دی۔ پھر اس نے کہا "اچھی بات ہے۔ گیٹ پر سپاہی موجود رہے گا۔ اس کے ساتھ چلی آنا۔ خدا حافظ۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ آدھے گھنٹے بعد لباس تبدیل کر کے کمرے سے نکلی۔ اس کا خیال تھا۔ شاید ممی یا پاپا اُسے باہر جانے سے روکیں گے لیکن کوٹھی کے اندر کوئی نہیں تھا۔ اکبر بھی اپنے کوارٹر میں ہوگا۔ نچلے حصے میں جتنے کمرے تھے۔ ان کے دروازے بند تھے۔ وہ سامنے والے دروازے کے پاس آئی۔ چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ اس نے چٹخنی

کو گرا کر ہینڈل پر دباؤ ڈالا، وہ کُھل گیا۔ پچھلے ایک ہفتے سے جو دروازہ مقفل رہتا تھا، وہ کھلا ہوا تھا۔ یوں بات سمجھ میں آتی تھی۔ پاپا کو اس کے باہر جانے پر اعتراض نہیں تھا۔

وہ کوٹھی کے احاطے سے گزر کر باہر آئی۔ گیٹ کے پاس کھڑے ہوئے سپاہی نے اسے سلام کیا۔ پھر ایک طرف ہو گیا۔ وہ آگے بڑھ کر سڑک پر آئی۔ دائیں بائیں دور تک نظر دوڑانے لگی۔ اس کا خیال تھا۔ وہ کہیں چھپا ہوگا۔ اسے چھیڑنے کے لیے اچانک سامنے آجائے گا۔ اس کے جی میں آیا، سپاہی سے پوچھنا چاہیے مگر کس نام سے پوچھے؟ نادرہ کہاں ہے؟ یا نادر کہاں ہے؟

وہ پوچھ نہ سکی۔ میدان کی طرف جانے لگی مگر چھپنے والے اپنی جگہ چھپے ہوئے تھے۔ سامنے والی کوٹھی کے اوپری حصے میں ایک کمرہ تھا۔ اس کمرے کی کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ پردے کی آڑ میں ایک شخص کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پردے کو برابر کیا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا سینٹر ٹیبل کے پاس آیا۔ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے کے بعد کہا۔ "ہیلو، قاسم بھائی! میں افتخار بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے قاسم کی آواز سُنائی دی۔ وہ جمائی لے کر بول رہا تھا "میں اپنے باپ کے مرنے پر اتنی صبح بیدار نہیں ہوا لیکن مرزا کو خوش کرنے کے لیے جاگنا پڑ رہا ہے۔ بولو، کیا رپورٹ ہے؟"

"وہ ٹھیک چار بج کر پچیس منٹ پر کوٹھی سے باہر آئی تھی۔ پھر میدان کی طرف گئی ہے۔"

"میدان کی طرف اپنے لوگ ہیں؟"

"جی، وہاں بھی موجود ہیں۔"

"ٹھیک ہے، روز اسی طرح ٹائم نوٹ کرتے رہو۔"

قاسم علی نے رابطہ ختم کر دیا۔ سوچنے لگا۔ مرزا اسی طرح بیٹی کو ڈھیل دیتا رہا تو دو چار دن میں ہی اغوا کے منصوبے پر عمل ہو سکے گا۔

پانچ بج رہے تھے۔ روز پانچ بجے کے بعد ایک نئی صبح ہوتی ہے اور لوگ اسے اپنے اپنے عمل سے، بے رنگ و بے نور اور پرانی صبح میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ٹھیک پانچ بجے ایک محبت کرنے والی لڑکی اپنے جانے پہچانے مگر انجانے محبوب سے

سے جا رہی تھی۔ اس کے دل میں محبت بھری ہوئی تھی اور جو میدان میں جوگنگ کر رہی تھی وہ کر رہا تھا اور چل پل کر اسے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کتنا پیار بھرا ہوا تھا۔ یہ محبت کرنے والے جانتے ہیں۔ ٹھیک پانچ بجے ایک باپ، اپنی بیٹی کے مستقبل کو قتل کر دینے کے منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔ ایک ہی وقت میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ ٹھیک پانچ بجے اتنی بڑی دنیا میں جگہ جگہ محبتیں ہو رہی تھیں اور ٹھیک پانچ بجے جگہ جگہ نفرتوں کی فصلیں کاٹی جا رہی تھیں۔

رانا شمشاد علی، ڈپٹی جیلر کے ساتھ چلتا ہوا جیل خانے کے ایک دور افتادہ حصے میں آیا۔ وہاں آخری کوٹھری تھی۔ آخری آہنی دروازہ تھا۔ دروازے کے باہر خوبصورت پھولوں کے گملے رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایسا دروازہ تھا جس کے باہر تالا لگا ہوا نہیں تھا۔ ورنہ قیدیوں کو تو آہنی سلاخوں کے پیچھے مقفل رکھا جاتا ہے۔

اس آخری کوٹھری کے باہر چند سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ڈپٹی جیلر کو دیکھ کر سلام کیا۔ وہ کمرہ یوڈی کولون کی خوشبو سے بسا ہوا تھا۔ معطر ہوا کے جھونکے باہر تک آ رہے تھے۔ وہ دونوں آہنی دروازے کے سامنے آئے۔ دروازے کے پیچھے کھڑے ہوئے سپاہی نے انہیں دیکھ کر سلام کیا پھر اندر سے دروازے کو کھولا۔ یعنی وہاں ایسا قیدی تھا جسے باہر سے مقفل نہیں کیا جاتا تھا اور شاید اس دروازے کی چابی اسی قیدی کے پاس رہتی تھی۔ اسی لیے تو وہ دروازہ اندر سے کھولا گیا تھا...... اندر خاصی تاریکی تھی۔ ایک طرف رکھا ہوا چوبیس انچ کا رنگین ٹی وی روشن تھا۔ اسکرین پر کوئی انگریزی پروگرام چل رہا تھا۔ اس ٹی وی سے منعکس ہونے والی روشنی بتا رہی تھی کہ وہ کوئی چھوٹی سی کوٹھری نہیں، اچھا خاصا ڈرائنگ روم نما کمرہ ہے جہاں ہنگامی حالات میں کم از کم پچاس قیدیوں کو مقفل رکھا جاتا ہوگا۔

اس کمرے کی دور والی دیوار کے پاس ایک شخص آرام کرسی پر بڑے آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ ٹی وی سے منعکس ہونے والی روشنی اس کے پاس پہنچ نہیں پا رہی تھی۔ وہاں پہنچتے پہنچتے دم توڑ رہی تھی۔ اس کے قدموں کے پاس ایک سپاہی بیٹھا ہوا پاؤں داب رہا تھا۔ رانا اور

ڈپٹی جیلر نے اسے سلام کیا۔ ایک بھاری بھرکم سی آواز سُنائی دی۔ "بیٹھ جاؤ۔"

رانا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا۔ آرام کرسی پر آرام سے بیٹھنے والا شخص بین الاقوامی مُجرم ہے۔ یہاں قیدی کی حیثیت سے زندگی گزار رہا ہے۔ ابھی اس پر کوئی جُرم ثابت نہیں ہوا تھا۔ پچھلے دو برس سے مقدمے کی سماعت مُلتوی ہوتی جا رہی تھی۔ اس قیدی نے آئندہ دو چار برس تک اس مقدمے کو گھسیٹتے رہنے کے انتظامات کر دیئے تھے۔ کیونکہ وہ ابھی کچھ عرصہ پاکستان میں رہنا چاہتا تھا۔ وہ کون تھا؟ وہ بہت پہنچا ہوا تھا۔ قانون کے ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ پولیس والوں کی ناک کے نیچے رہتا تھا۔ اس کا پیدائشی نام کیا تھا۔ یہ جاننے کی کسی کو ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ عُرفِ عام میں مافیا کہلاتا تھا۔

ایک اٹلی کا مافیا ہوتا ہے۔ ایک فرانس کا اور ایک سہراب گوٹھ کا مافیا مگر یہ مافیا کیا ہوتا ہے؟ اگر اس کی وضاحت کی جائے تو بڑا وقت لگے گا۔ سلیس اُردو میں اتنا ہی سمجھایا جا سکتا ہے کہ مافیا اس تنظیم کو کہتے ہیں جس سے قانون بھی معافیاں مانگتا رہتا ہے۔

وہ شخص جو اندھیرے میں آرام کرسی پہ آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اپنی ذات میں ایک پوری تنظیم تھا۔ وہ صحیح معنوں میں مافیا تھا۔ اسی لیے پولیس کے چھوٹے ہاتھ اس کے پاؤں داب رہے تھے اور بڑے ہاتھ سلام کر رہے تھے۔ ڈپٹی جیلر سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے اشارے پر قدموں میں بیٹھا ہوا سپاہی بھی اٹھ کر باہر چلا گیا۔ باہر کھڑے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک نے اس آہنی سلاخوں والے دروازے کو دوبارہ بند کر دیا۔ اس شاہانہ قید خانے میں شاہانہ قیدی کے ساتھ صرف رانا رہ گیا۔

اچانک تاریکی چھا گئی۔ اس قیدی نے ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے ٹی وی کو آف کر دیا تھا۔ وہاں سے منعکس ہونے والی روشنی بُجھ گئی تھی۔ رانا نے تاریکی میں ڈوب کر دیکھا، کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ قیدی غائب ہو گیا تھا۔

پھر اس کی بھاری بھرکم سی آواز سُنائی دی۔ اگرچہ وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا تاہم وہ لہجہ بھی گونجتا ہوا سا لگتا تھا۔ اس نے کہا۔ "آدمی برتری کے لیے مرتا ہے اور برتری کرسی سے حاصل ہوتی ہے۔ جتنی اونچی کرسی ہوگی، اتنا ہی وہ برتر ہوتا جائے گا۔ مگر کچھ لوگ کرسی سے چپک جاتے ہیں۔ اسے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اس کرسی کا دوسرا حقدار جب تک اسے ٹھوکر

مار کر الگ نہیں کرتا۔ تب تک وہ خالی نہیں ہوتی اس کا حق اسے نہیں ملتا۔"

رانا نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھ رہا ہوں مگر شاہ جی نے مجھے بُری طرح پھانس لیا ہے۔ میں اپنا حق حاصل کرنے کے لیے انہیں دھکا دے کر کُرسی سے الگ نہیں کر سکوں گا۔"

"دھکا ہم دیں گے۔"

"میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"ایک دن شاہ جی نے بھی یہی کہا تھا مگر احسان بھول گیا۔ اس کے پر نکل آئے ہیں۔ اس نے ہمارے ایجنٹ کے ذریعے فی ہفتہ ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔"

"یہ تو زیادتی ہے۔"

"مطالبے کی زیادتی نہیں ہے۔ ہم اس سے بھی زیادہ دے سکتے ہیں مگر وہ چور سے کہتا ہے، چوری کرے۔ ساہوکار سے کہتا ہے، جاگتا رہے۔ اس نے پچھلے ہفتے ہمارا ایک ٹرک پکڑوا دیا۔"

رانا نے کہا۔ "میں شاہ جی کی حمایت نہیں کروں گا لیکن پولیس والوں کو کارکردگی دکھانے کے لیے دس کو چھوڑنا اور ایک کو پکڑنا پڑتا ہے۔"

"ضرور ایسا کرنا چاہیئے مگر یہ پہلے طے ہو جاتا ہے۔ جس ٹرک کو پکڑا جانا چاہیئے اس میں ایک آدھ ہتھیار یا دو چار کلو ہیروئن ہوتی ہے۔ ہم خود چاہتے ہیں کہ مال پکڑا جائے تاکہ پولیس والے کارکردگی دکھا سکیں لیکن شاہ جی نے طے شدہ پلاننگ کے خلاف اسلحے سے بھرا ہوا ٹرک پکڑوا دیا۔"

"یہ سراسر زیادتی ہے۔"

"اس کی سزا اسے ملے گی۔ دھکا ہم دیں گے کُرسی تمہیں خالی ملے گی۔"

میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟ میں آپ کا وفادار رہوں گا۔"

"ایک وفادار لفظوں کا سہارا نہیں ڈھونڈتا۔ اس کا عمل یقین دلاتا ہے۔"

"آپ مجھے ایک موقع دیجئے۔ میں اپنے عمل سے یقین دلاؤں گا۔"

اس کا دھیما قہقہہ سُنائی دیا۔ رانا کو محسوس ہوا، اندھیرا اس پہ ہنس رہا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "جو اپنے ملک کا، اپنے ڈپارٹمنٹ کا وفادار نہ ہو، وہ نہ تو اپنے باپ کا ہوتا ہے

نہ اپنے خدا کا۔"

"آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں۔"

"میں انسلٹ کے پیسے دیتا ہوں۔ میرا بھی کوئی باپ نہیں ہے، کوئی خدا نہیں ہے۔ میں نے اب تک اندھیرا کر رکھا ہے تاکہ تمہیں شرم نہ آئے اور تم میری طرح بے جھجک اعتراف کرو کہ ہمارا کوئی مُلک نہیں ہے۔ ہمارا کوئی مذہب نہیں ہے۔ دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک کسی بھی مُلک کی سرحد، ہماری سرحد نہیں ہے۔ کسی بھی مذہب کی پیغام بری ہمارے لیے نہیں ہے۔ ہمارا ایمان صرف پیسہ ہے۔ ہم صرف پیسے کے لیے وفادار رہتے ہیں۔ تم نہ میرے وفادار ہو، نہ اپنے مُلک کے لہٰذا وفاداری کا دعویٰ نہ کرو۔ یہ صاف لفظوں میں اعتراف کرو کہ تم پہلے اپنی شرم بیچتے ہو پھر اپنے ملک کی عزت کا سودا کرتے ہو۔"

رانا شمشاد علی نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اسے غصہ آ رہا تھا۔ کسی کم ظرف کو کم ظرف کہو تو وہ تسلیم نہیں کرے گا۔ اگر کسی سے کہو، وہ رشوت لے کر حرام کھاتا ہے تو اُسے غصہ آئے گا مگر وہ غصہ پیتا جائے گا حرام کھاتا جائے گا۔

رانا نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا "میں اپنے مُلک کی عزت کا سودا کرنے نہیں آیا ہوں۔"

"اتنے بڑے شہر میں ہتھیاروں کی بھرمار کا مطلب ہے کہ ایک پاکستانی دوسرے پاکستانی کو نشانہ بنائے۔ یہاں خانہ جنگی ہوگی۔ ملک اندر سے کمزور ہوگا تو سرحدوں کی حفاظت کرنے والی فوج انتشار میں مبتلا ہوگی۔ تمہارے جیسے افسران براہ راست سرحدوں کو نہ تو کمزور بناتے ہیں نہ سودا کرتے ہیں۔ بھلا کوئی اپنی قبر اپنے ہاتھ سے کھودتا ہے؟ نہیں نہیں، یہ تو ہمارے آدمی کھودتے ہیں۔ صرف کُدالیں تمہارے ہاتھوں سے پہنچائی جاتی ہیں۔"

"دیکھو مسٹر مافیا! ایک بے غیرت کو بے غیرتی کا احساس دلانا حماقت ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں، جیسا بھی ہوں۔ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہزار شیطانیت کے باوجود ایک محبِ پاکستانی ہوں۔ میں خود کو کبھی بے غیرت نہیں کہہ سکتا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میں نے سنا ہے شاہ جی کی لڑکی آئندہ لڑکا بننے والی ہے۔ اس کا مطلب ہے، وہ تبدیلی کے مرحلوں میں اب لڑکی نہیں رہی اور ابھی وہ لڑکا بھی نہیں ہے۔

یہی مثال تم لوگوں کی ہے۔ پیدائشی طور پر مسلمان ہو، وطنی اعتبار سے پاکستانی ہو مگر رشوت خوری اور تخریب کاری کے اسباب پیدا کرنے کے دوران بے ایمان اور وطن دشمن ہو۔ کوئی تمہیں وطن دشمن کہہ دے تو طیش میں آجاتے ہو یعنی پاکستانی بھی نہیں ہو۔ وطن دشمن بھی نہیں ہو، مرد بھی نہیں ہو، عورت بھی نہیں ہو۔ بیچ میں لٹکے ہوئے ہو۔ چالیس برس گزر گئے، ابھی تک تمہاری تکمیل کا مرحلہ نہیں آیا۔ تمہیں ادھوری کہا جائے یا ادھورا؟"

وہ طیش میں آکر کھڑا ہوگیا۔

اس نے کہا "مسٹر مافیا! میں اب تک آپ جناب سے گفتگو کر رہا ہوں، ورنہ پولیس والا ہوں۔ گالی کا جواب تھپڑ سے دیتا ہوں۔"

"مجھے غصہ نہیں آتا۔ بیٹھ جاؤ۔ بے جا گالی ہو تو جواباً تھپڑ مارنا چاہیے ورنہ برداشت کرنا چاہیے۔ جب ہم اور تم اندر سے کالے ہیں تو اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔"

"تسلیم کرنا کیا ضروری ہے؟"

"میں سمجھاتا ہوں۔ جب تمہیں بہت بڑا عہدہ ملے گا تو تم حلف اٹھاؤ گے۔ ہر بڑے عہدے دار کی طرح اونچی کرسی پر بیٹھنے سے پہلے حلفیہ کہو گے، میں خدا کو حاضر ناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ اپنے مُلک پاکستان کے تمام قوانین پر عمل کروں گا اور ان قوانین پر عمل درآمد کرانے کے فرائض پوری ذمّے داریوں سے ادا کروں گا۔ رشوت خوری اور حرام خوری پر لعنت بھیجتا رہوں گا۔ ملک دشمن عناصر کو عدالتوں تک پہنچاؤں گا۔ اپنے شہروں میں امن و امان اور قانون کی بالادستی قائم رکھنا میرے اہم فرائض میں سے ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ کیا تم بڑے عہدوں کا چارج سنبھالنے سے پہلے حلف اٹھا کر اس طرح کا عہد نہیں کرتے ہو؟"

رانا نے کہا "ہم ایسا کرتے ہیں۔"

"جب تم دو چار ہزار روپے ماہانہ تنخواہ پانے کے لیے حلفیہ وفاداری کا عہد کرتے ہو تو ہم سے ایک لاکھ روپے ہفتہ حاصل کرنے کے لیے بھی کھلے دل سے اعتراف کرو کہ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ اپنے ملک پاکستان کے تمام قوانین کی دھجیاں اڑاتا رہوں گا۔ ان قوانین پر عمل درآمد ہونے کے تمام وسائل کو کمزور بناتا رہوں گا۔ جو ہتھیار مجھے معصوم اور پُرامن شہریوں کی حفاظت کے لیے سرکاری طور پر ملیں گے،

ان سے چوروں، ڈاکوؤں اور اسمگلروں کا تحفظ کروں گا۔ ایسے غنڈوں کو نظر انداز کروں
شریف بہو بیٹیوں کو گھروں سے اور اسکولوں سے اٹھا کر بازار پہنچا دیتے ہیں۔"
وہ تڑپ کر بولا "میں اتنا بے ضمیر نہیں ہوں۔"
"پھر کتنے بے ضمیر ہو؟ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ تم بے ضمیر بھی نہیں ہو، با ضمیر
بھی نہیں ہو۔ بیچ میں لٹکے ہوئے ہو۔ مجھے اپنی وفاداری کا یقین دلانے سے پہلے خود
فیصلہ کرو کہ آخر تم کیا ہو؟"
رانا شمشاد علی گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ تاریکی میں واضح طور سے نظر نہیں آرہا
تھا مگر اس کی ہانپتی ہوئی سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ لڑ رہا ہے۔ ضمیر کو مار رہا ہے یا ضمیر
سے پچھاڑ رہا ہے۔ بڑی مشکل ہے۔ آدمی خود کو گمراہ تسلیم نہیں کرتا۔ اگر ظالم ہے تو اپنے ظلم
کا جواز پیش کرتا ہے۔ اس کے نقطۂ نظر سے وہ جواز معقول ہوتا ہے جب معقول ہوتا ہے
وہ خود کو نامعقول کیسے کہہ سکتا ہے؟
اس نے کہا "مسٹر رانا! تم ہمارے کام کے آدمی نہیں ہو جب خود کو بنانے اور
ملک کو بگاڑنے کا حلف اٹھا سکو تو میرے پاس چلے آنا۔ اب جا سکتے ہو۔"
وہ یکبارگی بپھر کر بولا "میں نہیں، تم جاؤ گے۔ اس ملک سے جاؤ گے۔ تھوڑی
دیر پہلے میں تمہیں گالیاں دینا چاہتا تھا مگر اب نہیں دوں گا۔ تم نے میری آنکھیں کھول
دی ہیں۔ بے شک، ناجائز دولت اور عزت کمانے والے خود کو نامعقول کبھی نہیں کہتے
مگر آج میں خود کو نامعقول، بے غیرت اور وطن فروش تسلیم کرتا ہوں۔ جب آدمی اپنے
غیر انسانی اعمال کو تسلیم کر لیتا ہے تو روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ادھورا رہتا ہے نہ
ادھوری۔ وہ مکمل مرد ہوتا ہے اور مرد سب سے پہلے ملک دشمن عناصر کا سر کچلتا ہے۔
میں تم سے بسم اللہ کرتا ہوں۔"
وہ اس پر جھپٹنے کے لیے آگے بڑھا مگر تاریکی میں ایک جگہ تپائی سے ٹکرا گیا اور
گرتے گرتے سنبھل گیا۔ دوسرے کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا۔ اس نے ریموٹ کنٹرولر
کے ذریعے ٹی وی کو آن کیا۔ ہلکی روشنی میں دوڑتا ہوا آہنی دروازے تک آیا۔ پھر
چیخ کر کہنے لگا "بچاؤ، مجھے بچاؤ۔ یہ تمہارا آفیسر مجھے مار ڈالے گا۔ یہ ظلم ہے۔ ہم قیدیوں
پر یہ سراسر ظلم ہے۔"

رانا کے پہنچنے تک دروازہ کھل گیا۔ وہ قیدی تیزی سے باہر نکل کر سامنے والی
کوٹھری میں گیا۔ دو سپاہیوں نے اس کوٹھری کے آہنی دروازے کو بند کر کے بڑا
سا تالا لگا دیا۔ رانا دوڑتا ہوا آیا پھر سپاہیوں کو حکم دیا "دروازہ کھولو۔"
ایک سپاہی نے ادب سے کہا "جناب! آپ جیلر صاحب سے اجازت لیں۔"
رانا نے اپنے سینے کو ٹھونکتے ہوئے کہا "میں کوئی معمولی آفیسر نہیں ہوں۔ اس
ذلیل قیدی کو میرے حوالے کرو۔"
"ہمیں افسوس ہے جناب! کسی بھی قیدی کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔"
وہ سلاخوں کے پیچھے سے مسکراتے ہوئے بولا "تم افسر ہو کر آزاد شہریوں کی
حفاظت نہیں کر سکتے۔ یہ جیل کے سپاہی قیدیوں کی حفاظت کتنی ذمے داریوں سے کرتے
ہیں۔ یہ سبق تمہیں بھی سیکھنا چاہیے۔"
رانا اسے گالیاں دینے لگا۔ اتنے میں جیلر صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے
رانا سے کہا "آفیسر! ایک قیدی کو گالیاں دینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔"
"یہ قیدی ہے؟ آپ لوگوں نے اسے جیل کا بلکہ اس شہر کا حاکم بنا دیا ہے۔ یہ
یہاں شراب پیتا ہے۔ ٹی وی دیکھتا ہے۔ بڑے بڑے افسران سے مل کر ہمارے
ملک کے خلاف سازش کرتا ہے۔ آپ کو ابھی اس کے خلاف رپورٹ لکھنا چاہیے۔"
جیلر نے کہا "آپ بہک رہے ہیں۔ یہ قیدی عام قیدیوں کی طرح اس چھوٹی سی
کوٹھری میں ہے۔ آپ کو شراب اور شباب کہاں نظر آیا ہے؟ مسٹر رانا شمشاد علی!
آپ پولیس والے ہیں، یہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ بازی پلٹ گئی ہے۔ آپ جو کہہ
رہے ہیں، اسے ثابت نہیں کر سکیں گے۔"
رانا نے غصے سے پوچھا "کیا آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ یہ شخص مافیا
تنظیم کے سربراہوں میں سے نہیں ہے۔"
"میں اتنا جانتا ہوں کہ اس قیدی کا مقدمہ چل رہا ہے۔ یہ جس جیل سے ٹرانسفر
ہو کر یہاں آیا ہے، وہاں کے ریکارڈ کے مطابق ایک نہایت شریف اور عبادت گزار
شخص ہے۔ ایک جیلر کی حیثیت سے میرا بھی یہی بیان ہے۔ میرا مشورہ ہے، اب
آپ یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ میں آپ کو جیل کی حدود میں من مانی کی اجازت نہیں

دے سکتا۔"

رانا نے بے بسی سے دوسرے کمرے کی جانب دیکھا۔ وہ سمجھ رہا تھا، وہاں سے ٹی وی اور عیش و عشرت کا تمام سامان ہٹا دیا جائے گا۔ جیل کے موجودہ عملے کے خلاف اقدامات کرنے کے لیے نہ کوئی گواہ ہوگا، نہ کوئی ثبوت۔ آج سمجھ میں آ رہا تھا، یہ مافیا تنظیم کے سربراہ گرفتار کیوں نہیں ہوتے؟ جو پہلے ہی جیل میں ہوں، وہ بھلا کیا گرفتار کیے جائیں گے۔

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا ذرا دُور ہو گیا۔ پھر بولا "میں تمہیں جیل میں سکون سے رہنے نہیں دوں گا۔ میں اس بات کو اخبار کے ذریعے اُچھالوں گا کہ تمہارے جیسے پُراسرار مجرم کس طرح جیل کی چار دیواری میں قانونی گرفت سے محفوظ رہتے ہیں۔"

وہ چیلنج کر کے چلا گیا۔ جیلر نے شاہی قیدی سے کہا "جناب! یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا لیکن اخبارات کے ذریعے ہمیں بدنام کر دے گا۔"

"اخبارات بہت کچھ لکھتے ہیں۔ آئندہ بھی لکھتے رہیں گے۔ ان کے لکھنے سے کسی جرم کی نشاندہی ہوتی ہے، جرم ثابت نہیں ہوتا۔"

"پھر بھی رانا کو مُنہ کھولنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

"میرے ایک اشارے پر ابھی اسے گولی ماری جا سکتی ہے مگر اسے زندہ رہنا چاہیے۔ اسے ہمارے خلاف چیختے رہنا چاہیے۔ آخر کار اسے اپنی بے بسی کا یقین ہو جائے گا۔ ہم اور ہمارے آدمی اسے ایماندار اور مکمل فرض شناس بننے کا موقع نہیں دیں گے۔ وہ نہ اِدھر کا رہے گا نہ اُدھر کا۔ ہم اسے ادھورا ہی رکھیں گے۔"

صُبح کے پانچ بج رہے تھے۔ میدان میں جوان لڑکیاں اور لڑکے جوگنگ اور ہلکی پھلکی ورزش کر رہے تھے۔ بوڑھے حضرات بھی چہل قدمی میں مصروف تھے۔ ساحرہ بڑی محبت سے مسکراتے ہوئے نادر کو دیکھ رہی تھی۔ اب وہ دبی زبان سے نادر ہی کہتی تھی۔ شاید ایسا کہنے سے ایک انجانے دوست کی قربت کا احساس ہوتا تھا۔

نادرہ نے پنجوں کے بل اُچھلتے اُچھلتے کہا "تم اسی درخت کے پاس رہو۔ میں ایک راؤنڈ لگا کر آتا ہوں۔"

"کتنی دیر میں آؤ گے؟"

"وقت کا حساب نہ کرو۔ مجھے دیکھتی رہو۔ میں ہر قدم پر تمہیں دیکھتا جاؤں گا اور دیکھتا آؤں گا۔"

وہ اُچھلتے ہوئے اُلٹے قدموں دوڑنے لگا۔ میدان بہت بڑا تھا۔ چاروں طرف گھنے سایہ دار درخت تھے۔ ساحرہ نے کہا "یوں میری طرف دیکھتے ہوئے الٹی دوڑ لگاؤ گے تو گر پڑو گے۔"

وہ دُور جاتے ہوئے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی "آدھی دوڑ کے بعد تم نگاہوں کے سامنے رہو گی۔ پھر میں سیدھی دوڑ لگاؤں گا۔"

یہ محبت کا ایک خوبصورت اظہار تھا۔ نادرہ اسے دیکھتی ہوئی الٹے قدموں دوڑ رہی تھی۔ کہیں ٹھوکر کھا کر گرنا منظور تھا۔ محبوبہ کو نظروں سے اوجھل کرنا گوارا نہ تھا۔ ساحرہ کا ذ اس زاویہ پر کھینچا جا رہا تھا۔ اُسے ہنسی بھی آ رہی تھی کیوں کہ الٹے قدموں دوڑنے کے باعث

نادرہ ایک درخت سے ٹکرا گئی تھی۔

آگے جا کر وہ ذرا ترچھی ہو کر دوڑنے لگی۔ کیوں کہ دائرے کی صورت میں دوڑ رہی تھی۔ اس کے آگے پیچھے اِکّے دُکّے جوان نظر آ رہے تھے۔ وہ سب جانے پہچانے تھے۔ کچھ اجنبی چہرے بھی تھے۔ آدھی دوڑ کے بعد وہ سیدھی ہو گئی۔ دوڑنے کے دوران سر گھما گھما کر ساحرہ کو دیکھتی رہی۔ تب اچانک ہی ساحرہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

کسی شخص نے ایک ہاکی سے نادرہ کے سر پر ضرب لگائی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہاکی لے کر دوڑنے والا دشمن ہو گا۔ وہ دھوکے میں مار کھا گئی۔ دوڑتے دوڑتے لڑکھڑا کر گری۔ پھر سنبھل کر اٹھنا چاہتی تھی مگر دوسرے حملے نے اسے زمین بوس کر دیا۔

ساحرہ اس سے زیادہ نہ دیکھ سکی۔ اس نے پاس کھڑے ہوئے سپاہی کو اُدھر متوجہ کیا۔ اِدھر ایک گاڑی تیزی سے آ کر زوردار بریک کے ساتھ رُکی۔ اس کے دو دروازے ایک جھٹکے سے کھلے۔ کچھ لوگ پھرتی سے باہر نکلے۔ ایک کے ہاتھ میں کلاشنکوف اور دوسرے کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ ایک شخص نے ساحرہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا پھر اسے کاندھے پر لاد کر گاڑی کے اندر پہنچانے لگا۔ وہ چیخ رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ سپاہی نے اسے بچانے کا حوصلہ کیا مگر ریوالور کی گولی اس کی ٹانگ پر لگی۔ میدان میں موجود افراد دوڑتے آ رہے تھے۔ جب کلاشنکوف سے فائرنگ ہونے لگی تو سب رُک گئے۔ سب کو اپنی جان پیاری تھی۔ انہوں نے بے بسی سے دُور اس گاڑی کو دیکھا، جس میں کچھ لوگ نادرہ کو ڈال کر لے گئے۔ اور کچھ لوگ کلاشنکوف کے زور پر ساحرہ کو اغوا کر رہے تھے۔

وہ پچھلی سیٹ پر دو بدمعاشوں کے درمیان ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ "چھوڑ دو مجھے جانے دو۔ میں کہتی ہوں، مجھے جانے دو۔ ذلیل۔ کُتّو! انکل تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔۔۔"

گاڑی تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ وہ جدوجہد کے دوران پچھلے شیشے کے پار دیکھ رہی تھی۔ کچھ لوگ دوڑتے ہوئے اس کی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔ شاہ جی کو اغوا کی خبر ملنے ہی والی تھی۔ ایک نے اسے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ "شور مچاؤ گی تو ہم گولی مار دیں گے۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ریوالور کو دیکھنے لگی۔ پاس بیٹھے ہوئے شخص نے اس کے دونوں بازوؤں کو جکڑ لیا۔ دوسرے نے اس کے مُنہ پر ٹیپ چپکا دیا۔ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے ایک برقع دیتے ہوئے کہا۔ "اسے فوراً پہن لو۔"

وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔ ریوالور والے نے کہا۔ "ایک لفظ نہ کہنا، ہم خود کو خطرات میں نہیں ڈالیں گے۔ اس سے پہلے ہی گولی مار دیں گے۔"

اس نے سہم کر ریوالور کو دیکھا پھر برقع پہننے پر مجبور ہو گئی۔ ایک سفید رنگ کی کار پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ ایک شخص نے اس کا نقاب اُلٹ دیا۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی پھر نقاب کو برابر کرنے کے بعد کہا۔ "گاڑی روکو۔"

وہ رُک گئی ——— ایک نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "باہر نکلو۔"

وہ اندھی سی ہو گئی تھی۔ دیکھ نہیں سکتی تھی۔ منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ چلا نہیں سکتی تھی۔ جس شخص نے ہاتھ پکڑا تھا اس کے سہارے سیٹ پر کھسکتی ہوئی باہر آئی۔ اس گاڑی کے ساتھ ہی ایک اور گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دو آدمیوں نے سہارا دے کر اگلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ یہ سب کچھ بڑی تیزی سے ہو رہا تھا۔ گاڑی کے دروازے زوردار آوازوں سے بند ہوئے پھر وہ چل پڑی۔

اگرچہ وہ کچھ دیکھ نہیں سکتی تھی، تاہم سمجھ سکتی تھی۔ جس گاڑی میں اسے اغوا کر کے ڈالا گیا تھا، اس کے لوگ اُسے دوسری گاڑی میں ڈال کر چلے گئے تھے۔ شاہ جی اور پولیس والے نیلے رنگ کی اس کار کو تلاش کرتے، جس پر نمبر پلیٹ نہیں تھی۔ ویسے اب اس پر نمبر پلیٹ ہو گی مگر اس میں ساحرہ نہیں ملے گی۔

ساحرہ اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی قریب سے گزرنے والی گاڑیوں کی آوازیں سُن رہی تھی۔ یہ آوازیں بہ تدریج کم ہوتی جا رہی تھیں۔ پاس سے گزرنے والے اس کی حالتِ زار کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کون پہچان سکتا تھا کہ برقعے کے اندر مرزا عبادت حسین کی بیٹی اور شاہ جی کی ہونے والی بہو ہے؟ کون سمجھ سکتا تھا کہ نقاب کے پیچھے مُنہ پر ٹیپ چپکا ہوا ہے اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ وہ ہاتھوں سے کام لے سکتی تھی مگر پچھلی سیٹ سے آواز آئی۔ "میرے ہاتھ میں ریوالور ہے، چپ چاپ بیٹھی رہو۔"

وہ دھمکی نہ دیتا، تب بھی وہ چُپ ہی رہتی۔ ظالموں نے اسے لب ہلانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ بے چاری گم صم بیٹھی سوچ رہی تھی۔ یہ کون لوگ ہیں؟ کیوں دشمنی کر رہے ہیں؟ مجھے تو پھر بھی سہولت سے لے جا رہے ہیں مگر نادرہ پر زبردست حملے کیے گئے ہیں۔ اُسے بُری طرح زخمی کیا گیا ہے۔ اوہ خدایا! کیا ظالموں نے اسے مار ڈالا ہے؟

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ آنکھیں پٹی کے دباؤ سے بند تھیں لیکن گرم گرم آنسو محسوس ہو رہے تھے۔ اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ ماں باپ نے، حالات نے یا کسی دُکھ بیماری نے کبھی رُلایا ہو۔ یوں تو سبھی روتے ہیں مگر وہ جوانی میں پہلی بار اپنے جوانمرد کے لئے رو رہی تھی۔

شاہ جی غم و غصے سے لرز رہے تھے۔ کبھی ٹیلیفون اور کبھی وائرلیس پر گرج رہے تھے۔ نیشنل ہائی وے، سُپر ہائی وے اور منگھو پیر شاہراہ کی ناکہ بندی کرا رہے تھے۔ وہ ایک جگہ چین سے رہ نہیں سکتے تھے۔ بیٹے اور ہونے والی بہو کے اغوا نے پاؤں تلے سے زمین نکال دی تھی۔ وہ سپاہیوں کے ساتھ میدان میں آئے۔ تقریباً بیس لڑکیاں، لڑکے اور بوڑھے اس اغوا کے چشم دید گواہ تھے۔ سیکیورٹی آفیسر سب کے بیانات قلمبند کر رہا تھا۔ شاہ جی کو اس جگہ خون کے دھبے نظر آئے تھے جہاں نادرہ کے سر پہ ہاکی سے ضربیں لگائی گئی تھیں۔ بیٹے پر جان چھڑکنے والے باپ کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہے تھے جیسے درندہ غرا رہا ہو۔ پھر وہ تیزی سے چلتے ہوئے گاڑی کے پاس آئے، اسٹیرنگ سیٹ سنبھالی۔ اسے اسٹارٹ کیا۔ پھر تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے میدان کو عبور کرکے سڑک پر آئے۔ دور کوٹھی کے سامنے ان کی بیگم اور ساحرہ کی ممی کھڑی ہوئی تھیں۔ اپنے آنچلوں سے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ انہوں نے گاڑی روک کر بیگم سے پوچھا۔ "مرزا صاحب کہاں ہیں؟"

ساحرہ کی ممی نے روتے ہوئے کہا۔ "وہ کل سے حیدرآباد گئے ہوئے ہیں، اب آنے والے ہوں گے۔ یہ جان لیوا خبر سُن کر صدمہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ بھائی صاحب! میری بچی کو کہیں سے بھی ڈھونڈ کر لائیے۔ آپ پولیس والے ہیں۔ میں اپنی بچی آپ سے لوں گی۔"

"بھابی! تسلی رکھیے۔ حوصلے سے کام لیجئے۔ ہمارے بیٹے کو بھی اغوا کیا گیا ہے۔ ساحرہ ہماری بھی بیٹی ہے۔ ہم انشاءاللہ جلد ہی انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔"

انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھادی۔ پاس بیٹھے ہوئے سپاہی نے وائرلیس کی آواز بڑھادی تھی۔ دوسری طرف سے کہا جارہا تھا۔ "سر! تلاشی جاری ہے۔ ایگل اسکواڈ کے جوان حرکت میں آگئے ہیں۔ شہر کی تمام بڑی شاہراہوں پر پولیس کی گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ مشکوک گاڑیوں کی چیکنگ ہو رہی ہے۔ ہر علاقے کے جرائم پیشہ افراد کو آدھے گھنٹے کے اندر پولیس اسٹیشنوں میں حاضر ہونے کے احکامات جاری کردیئے گئے ہیں۔"

انہوں نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ کو سنبھالا۔ دوسرے ہاتھ سے وائرلیس کے مائیک کو تھام کر غراتے ہوئے کہا۔ "شہر کے کسی بدمعاش سے رعایت نہ کی جائے۔ اُن سے ڈنڈے کی زبان میں پوچھو۔ جو زیادہ مشکوک ہوں، انہیں ٹارچر چیمبر میں پہنچاؤ، میں آرہا ہوں۔"

انہوں نے مائیک سپاہی کو دے دیا۔ دونوں ہاتھوں سے اسٹیرنگ تھام کر ڈرائیو کرتے ہوئے رفتار بڑھاتے جارہے تھے۔ آس پاس بیٹھے ہوئے سپاہی ان کے غیظ و غضب سے سہمے ہوئے تھے۔ گاڑی کی خطرناک رفتار دیکھ کر ان کی جان نکلی جارہی تھی مگر کسی میں ایک لفظ کہنے کی جرأت نہیں تھی۔ جیل کی چاردیواری کے باہر کھڑے ہوئے سپاہیوں نے ان کی گاڑی دیکھتے ہی سلیوٹ کیا۔ پھر آہنی گیٹ کو کھول دیا۔ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے اندرونی آہنی گیٹ تک آئے۔ تمام سپاہی بانس کی طرح سیدھے کھڑے ہوگئے تھے۔ وہ گاڑی سے اتر کر دوسرے گیٹ سے گزرتے ہوئے اندر پہنچے۔ جیلر اور دوسرے ماتحت افسران اِدھر اُدھر سے نکل کر بھاگے بھاگے آئے۔ سامنے پہنچ کر سب نے جُوتوں کی ایڑیاں بجائیں پھر ہاتھ اٹھا کر سلیوٹ کیا۔ شاہ جی جیلر کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ سب پیچھے رہ گئے۔ جیلر نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ "سر! کیا بات ہے۔ آپ نے پہلے کبھی سرپرائز وزٹ نہیں کیا؟"

انہوں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا وہ شاہی قیدی کہاں ہے؟"

"آخری کمرے میں ہے۔"

"پچھلے دو دنوں میں آنے والے اہم ملاقاتیوں کے نام بتاؤ۔"

"سر! اُس قیدی کی اصلیت صرف آپ اور عالی جناب جانتے ہیں اور آپ دونوں کبھی جیل میں اس سے ملنے نہیں آئے لیکن رانا شمشاد علی کو اس کی اصلیت معلوم ہوگئی ہے۔"

"میں خوب سمجھتا ہوں۔ مافیا والے مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ وہ یقیناً رانا کو میری کُرسی ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔"

"سر! ایسی بات نہیں ہے۔ رانا صاحب تو اس کے دشمن بن کر گئے ہیں۔ یہ چیلنج کیا ہے کہ اخبارات کے ذریعے اس قیدی کا بھانڈا پھوڑ دیں گے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے آخری کمرے تک پہنچ گئے۔ اس کمرے کا آہنی دروازہ اندر سے مقفل تھا۔ شاہی قیدی نے سلاخوں کے پیچھے سے مُسکرا کر کہا۔ "سلام سر!"

شاہ جی نے گھور کر کہا۔ "دروازہ کھولو۔"

قیدی نے کہا۔ "آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن آپ کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔ کل آپ کے جونیئر نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہا۔ کیا نام ہے اس کا؟ ہاں، رانا شمشاد علی۔ . . . . ."

"یُوشٹ اَپ۔" شاہ جی نے ریوالور نکال کر کہا۔ "میں یہیں سے تمہیں گولی مار سکتا ہوں۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دروازہ کھول دو۔"

وہ جیب سے چابی نکال کر تالا کھولتے ہوئے بولا۔ "یہ تو سراسر ظلم ہے صاحب! اندر سے خود ہی تالا لگواتے ہیں پھر خود ہی ریوالور کے زور پر کھلواتے ہیں۔"

تالا کھل گیا۔ اس کا کنڈا سرکتے ہی شاہ جی نے ایک زوردار لات ماری۔ سلاخوں والا آہنی دروازہ شاہی قیدی کے منہ پر لگا۔ وہ کراہتا ہوا، لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا کر فرش پر گر پڑا۔ انہوں نے اندر آ کر دروازے کو زوردار آواز سے بند کیا۔ اس کا کنڈا لگا کر فرش پر پڑے ہوئے تالے کو اٹھایا پھر دروازے کو مقفل کرنے لگے۔ جیلر نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "سر! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں یہاں کے ہر قیدی کا محافظ ہوں، انچارج ہوں۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو۔ . ."

"آئی نو بیٹر دین یُو۔ سو یُو ڈونٹ وری۔"

شاہی قیدی نے فرش سے اٹھ کر اپنا منہ سہلاتے ہوئے کہا۔ "سر! ابھی میرا مقدمہ چل رہا ہے۔ ابھی آپ مجھے سزا نہیں دے سکتے مگر آپ سزا کیوں دینا چاہتے ہیں؟ میرا قصور کیا ہے؟"

شاہ نے دروازے سے پلٹ کر اسے غراتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس کی طرف بڑھتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔ "میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"بیٹا؟" قیدی نے شدید حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں، میرا بیٹا اور میری ہونے والی بہو ساحرہ کو تم نے اغوا کرایا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"یہ سچ ہے۔ جس دن میری غفلت سے تمہارا ایک ٹرک پکڑا گیا تھا۔ اسی دن میں سمجھ گیا تھا کہ تم میرے عہدے سے مجھے گرانے کی کوشش کرو گے۔ تم مافیا والے اعلیٰ

عہدے داروں کو گولی نہیں مارتے۔ انہیں انتقاماً ذہنی اذیتوں میں مبتلا کرتے ہو۔ ہم یہاں سیاہ و سفید کے مالک ہونے کے باوجود تمہارے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے۔ ہاں، میں یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ میرے بچوں کو تم نے اغوا کیا ہے۔ میں قانون کا محافظ ہوں مگر قانون سے کھیلتے کھیلتے اسے کھلونا بنا دیا ہے۔ تمہارے جیسے بین الاقوامی مجرم اس کھلونے سے کھیلتے ہیں اور ہم تماشا دیکھتے رہ جاتے ہیں مگر میں بے بسی سے تماشا نہیں دیکھوں گا۔ میرا بیٹا میری کُل کائنات ہے۔ وہ نہ ملا تو میں اس کمرے کو ٹارچر چیمبر بنا دوں گا۔ ایسی ایسی اذیتیں پہنچاؤں گا کہ تم مرتے رہو گے، جیتے رہو گے۔ جیتے رہو گے، مرتے رہو گے لیکن مر نہیں سکو گے۔ جب تک میرے بچے نہیں ملیں گے، میں تمہیں مرنے بھی نہیں دوں گا۔ جینے بھی نہیں دوں گا۔"

"سر! آپ غصے اور جنون میں بولتے جا رہے ہیں۔ جب تک میری بات نہیں سنیں گے، ان بچوں کا سُراغ نہیں ملے گا۔"

شاہ جی ہانپتے ہوئے اسے گھورنے لگے۔ اس نے کہا۔ "آپ فوراً ہی میری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ میں نے بچوں کا اغوا نہیں کرایا ہے مگر میں انہیں سورج ڈوبنے سے پہلے آپ کے پاس پہنچا دوں گا بشرطیکہ وہ زندہ ہوں۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولے۔ "میرا دل کہتا ہے، وہ زندہ ہیں۔ میں گناہگار ہوں۔ میں مجرم ہوں۔ سزا مجھ کو ملے گی۔ میرے بچے معصوم ہیں، وہ زندہ رہیں گے۔"

"جب آپ کو یقین ہے تو وہ آپ کو زندہ سلامت ہی ملیں گے۔"

انہوں نے اچانک قیدی کا گریبان پکڑ لیا۔ اسے جھنجوڑ کر پوچھا۔ "تم نے اغوا نہیں کرایا پھر انہیں شام تک کہاں تک لاؤ گے؟"

"آپ یوں ہی دہلاتے رہیں گے تو میں ان کا سراغ نہیں لگا سکوں گا۔ پلیز گریبان چھوڑ دیجئے۔"

انہوں نے چھوڑتے ہوئے کہا۔ "ابھی میرے سامنے اپنے لوگوں سے بات کرو۔" پھر وہ آہنی دروازے کے پار جیلر کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "اسے بیک ڈور سے لے چلو۔"

جیلر وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کمرے کے پچھلے دروازے پر پہنچ کر اسے کھولنے لگا۔ شاہ جی نے قیدی کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "چلو۔"

وہ آگے آگے چلنے لگا۔ وہ دونوں دروازے سے باہر آکر جیلر کے پیچھے چلتے ہوئے دفتر میں آئے۔ شاہ جی نے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً اپنے ایجنٹوں سے معلومات حاصل کرو۔"

وہ جیلر کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ قیدی ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پھر ذرا انتظار کرنے کے بعد بولا۔ "ہیلو۔ میں بول رہا ہوں۔ اپنے صاحب سے صرف اتنا کہہ دو، یہ زیرو کال ہے۔" وہ چپ ہوگیا۔ ریسیور کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ پھر اچانک چہک کر بولا۔ "ہیلو، سلام سر! میں جیلر صاحب کے فون سے خادم بول رہا ہوں۔ جناب! یہاں مجھ پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ شاہ جی نے میرا گریبان پکڑا ہے۔ مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

شاہ جی صوفے پر سے اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ قیدی نے مسکرا کر ریسیور بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیجئے عالی جناب سے گفتگو کیجئے۔"

شاہ جی کا چہرہ بُجھ سا گیا۔ انہوں نے قیدی کو گھورتے ہوئے ریسیور لے کر کہا۔ "السلامُ علیکم۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "مسٹر شاہ! کیا آپ اس کی انسلٹ کر رہے ہیں؟"

"جناب! اس نے میرے بچوں کو اغوا کرایا ہے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔ تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے کیا؟"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیچھے کوئی ثبوت نہیں چھوڑتے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ میری غفلت سے اُسے بڑا نقصان پہنچا تھا، یہ اسی بات کا انتقام لے رہا ہے۔ جناب! میں کچھ نہیں جانتا مجھے میرے بچے چاہئیں۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"غیر ذمہ دارانہ گفتگو نہ کرو۔ ریسیور اُسے دو۔"

انہوں نے ریسیور اُسے دیا۔ اُس کی آواز سُن کر عالی جناب نے پوچھا۔ "بچے کہاں ہیں؟"

"سر! میں قسم کھاتا ہوں۔ ان کے اغوا میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔"

شاہ جی نے ریسیور چھین کر کہا۔ "جناب! ابھی یہ بچوں کو شام تک واپس پہنچانے کا ۔ ی کر رہا تھا۔"

"ریسیور اسے دو۔"

اس نے پھر ریسیور لے کر کہا۔ "سر! میں نے دعویٰ نہیں کیا وعدہ کیا ہے۔ میں اپنے ذرائع استعمال کروں تو بچے مل سکتے ہیں۔"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ بچے کس نے اغوا کیے۔ بچے میرے بھی ہیں۔ ہم کبھی یہ برداشت نہیں کریں گے کہ انہیں منشیات یا ہتھیاروں کی طرح اسمگل کیا جائے۔ میں تم میں سے کسی کی بکواس نہیں سنوں گا۔ شام سے پہلے بچوں کو شاہ تک پہنچا دو۔ "اوور اینڈ آل۔"

قیدی نے ریسیور کو دیکھا۔ پھر کریڈل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مسٹر شاہ! آپ کے بچے مل جائیں گے۔ میں شیطان ہوں مگر سچ بول رہا ہوں۔ انہیں میں نے اغوا نہیں کرایا ہے۔ بہرحال آپ ان کے نام، عُمر اور حلیہ بتائیں۔"

پھر اس نے جیلر سے کہا۔ "مجھے اپنے ٹرانسمیٹر کی ضرورت ہے۔"

شاہ جی، نادرہ اور ساحرہ کے متعلق تفصیلات بتانے لگے۔ جیلر نے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر لا کر میز پر رکھ دیا۔ قیدی نے اسے آپریٹ کیا۔ پھر کوڈ ورڈز کا تبادلہ کرنے کے بعد کہا۔ "آج صبح پانچ اور ساڑھے پانچ کے درمیان . . . چوہدری عنایت اللہ شاہ کے بیٹے نادر اور مرزا عبادت حسین کی بیٹی ساحرہ کو کسی منظم گروہ نے اغوا کیا ہے۔ ان کے پاس کلاشنکوف کی موجودگی ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہمارے کارندوں میں سے ہیں۔ وہ کوئی بھی ہو، اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ تمام جرائم پیشہ افراد کے کانوں میں یہ بات ڈال دو کہ جو شخص ان اغوا ہونے والوں کو شاہ جی تک پہنچائے گا۔ اسے پچاس لاکھ روپے مالیت کی ہیروئن دی جائے گی۔ اگر اغوا کرنے والا ایسا مُجرم ہو، جو دوسری وارداتوں میں بھی پولیس والوں سے چُھپ رہا ہو تو وہ بچوں کے متعلق صرف ہمیں اطلاع دے۔ ہم اسے پچاس لاکھ کے مال کے علاوہ اسٹیٹ کا ویزا اور گرین کارڈ دیں گے۔ شام تک بچوں کی بازیابی بے حد ضروری ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کرنے کے بعد کہا۔ "مسٹر شاہ! آپ قانون کے محافظ ہیں اور ہم مجرم ہیں۔ آپ اپنے تمام ذرائع استعمال کر رہے ہوں گے۔ اس شہر کی تمام پولیس فورس کو بچوں کی تلاش میں لگایا ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان بچوں کو آپ جیسے قانون کے محافظ ڈھونڈ نکالتے ہیں یا مجھ جیسا مُجرم؟"

اس نے دیوار کی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آٹھ بج رہے ہیں۔ میرے آدمی بارہ نہیں بجنے دیں گے اور بچے حاضر کر دیں گے۔"

شاہ جی تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ مافیا والوں نے دُشمنی نہیں کی تو پھر کون ایسا مائی کا لال ہے، جس نے ان سے دشمنی کی جرأت کی ہے؟

کون ہے وہ؟

مرزا صاحب نے پورچ میں گاڑی روک دی۔ کن انکھیوں سے بیٹی کو دیکھا۔ وہ محبت کرنے والی
اد کلی تھی، اُسے برقعے کی چار دیواری میں چُن دیا گیا تھا۔ وہ کار سے باہر آئے پھر دوسری طرف گھوم
کر بیٹی کے پاس پہنچے اور دروازے کو کھول دیا، پیچھے بیٹھنے والے بھی گاڑی سے نکل آئے تھے۔
انہوں نے بیٹی کے ہاتھ کو پکڑنا چاہا۔ اُس نے جلدی سے ہاتھ ہٹالیا۔ ایک شخص نے مسکراتے
ہوئے کہا "ہمارے پاس ریوالور ہے۔ سیدھی طرح اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دو"
کہنے والے کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ ساحرہ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ مرزا صاحب نے
اسے تھام لیا۔ تب وہ جیسے چونک گئی۔ اسے جانے پہچانے لمس کا احساس ہوا۔ مرزا صاحب
نے ساتھ آنے والوں کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ وہاں سے چلے گئے۔ یہ بیٹی کو سہارا دے کر
برآمدے میں لائے۔ وہ سنبھل سنبھل کر چل رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ گرفت میں تھا۔ وہ دوسرے
ہاتھ سے باپ کے ہاتھ کو بار بار چھو رہی تھی اور انجانے اضطراب میں مبتلا ہو رہی تھی۔

وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ ہاں، لانے کو تو لے آئے مگر اب سامنا کرتے
ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ اس کا ہاتھ چھوڑنا چاہتے تھے مگر وہ نہیں چھوڑ رہی تھی۔ جیسے ڈوبنے
والے کو تنکے کا سہارا مل رہا تھا۔

انہوں نے جبراً ہاتھ چھڑا لیا۔ منہ پھیر کر جانے لگے۔ ڈرائنگ روم کے دوسرے دروازے
تک پہنچنے سے پہلے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی۔ بیٹی کی آواز آئی "پاپا!"

انہوں نے گھبرا کر دیکھا۔ نقاب الٹ گیا تھا۔ ساحرہ نے اپنے منہ سے ٹیپ ہٹا دیا تھا۔
آنکھوں پر ابھی پٹی رہ گئی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی "کیا میں پٹی کھول دوں؟"

وہ کیسے کہہ سکتے تھے۔ "آنکھیں کھولو اور جبراً اٹھا لانے والے باپ کو دیکھو۔" انہوں نے
سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "جب مجھے دوسری گاڑی میں لاکر بٹھایا گیا۔ تب
محسوس ہوا، میں اپنے پاپا کے پاس ہوں۔ کیوں کہ میرے پاپا جو پرفیوم استعمال کرتے ہیں وہی
خوشبو تمہارے لباس سے آرہی ہے۔"

وہ ذرا چُپ ہو کر بولی "تم چپ کیوں ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟ میرے پاپا کا پرفیوم
دوسرے بھی استعمال کر سکتے ہیں مگر میرے پاپا کا ہاتھ، تمہارا ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر ہو
بھی گیا تو دائیں انگوٹھے کے پاس زخم کا اُبھرا ہوا نشان بھی وہی کیسے ہو سکتا ہے؟"

مرزا صاحب نے گھبرا کر دائیں انگوٹھے کو دیکھا۔ وہاں اب زخم نہیں تھا۔ اُبھرا ہوا
نشان رہ گیا تھا۔ وہ بولی "تم چپ کیوں ہو؟ تمہاری مجرمانہ خاموشی سے ایک بیٹی کا دل
ڈوب رہا ہے۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ آنکھوں سے پٹی ہٹاؤں۔ میرے اندر میری
شرم کہہ رہی ہے۔ آنکھ کھلے گی تو حیا سے مر جاؤں گی۔"

مرزا صاحب نے ندامت سے منہ پھیر لیا۔ بیٹی کی آواز میں آنسو بھر آئے تھے۔ وہ
تڑپ کر بولی "تم بولتے کیوں نہیں؟ کہاں ہو تم؟ میرے پاس آؤ۔ جب تک میری آنکھوں
سے پٹی نہیں ہٹاؤ گے۔ میں اندھی بنی رہوں گی۔ آنکھوں کی شرم باقی رہے گی اور اگر تم
مجرم ہو تو شرمانا کیسا۔ آؤ پٹی کھول دو۔"

اس کی آواز رونے لگی۔ آنسو بند آنکھوں میں رُکے ہوئے تھے، اس لیے آواز سے
برس رہے تھے۔ وہ برقعے کو نوچ کر اپنے سے الگ کر رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی "میں تمہیں،
تم کہہ رہی ہوں۔ آپ نہیں کہوں گی۔ آپ کہنے سے باپ کا گمان ہوتا ہے۔ تم کہنے سے
مجرم کا یقین ہوتا ہے۔ میں..... میں تمہیں خبردار کرتی ہوں۔ میری پٹی نہ کھولنا، نہ کھولنا۔
نہیں تو میرے پاپا کو بہت گالی پڑے گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ پھوٹ پھوٹ
کر رونے لگی۔ روتے روتے فرش پر دو زانو ہونے لگی۔ آنکھوں پر پٹی ہونے سے
کیا ہوتا ہے۔ باپ تو آنکھوں سے نہیں، نظروں سے گر رہا تھا۔

نادرہ نے کراہتے ہوئے کروٹ لی۔ سر میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر ذرا دیر کے لیے ساکت ہو گئی۔ سوچنے لگی۔ وہ کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟

چشم زدن میں ساری باتیں یاد آگئیں۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ خوابگاہ ہی تھی مگر وہ اپنی خوابگاہ نہیں تھی۔ خود کو کسی اجنبی جگہ دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سر میں زخم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں لیکن اس میں بلا کی قوتِ برداشت تھی۔ وہ تکلیف برداشت کرتی ہوئی بستر سے اتر گئی۔ چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگی۔

دیواروں پر حیا سوز تصویریں آویزاں تھیں۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ دوڑتی ہوئی ایک کھڑکی کے پاس آئی۔ ایک جھٹکے سے پردے کو ہٹایا۔ خیال تھا کہ باہر دیکھتے ہی اس جگہ کو پہچان لے گی لیکن وہ کھڑکی دوسرے کمرے میں کھلتی تھی۔ دوسرے کمرے میں دو شخص کرسیوں پر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ پردہ سرکتے ہی انہوں نے سر گھما کر دیکھا۔ دونوں مسکرائے۔ ایک نے شراب کا گلاس بلند کرتے ہوئے کہا۔ "ہیلو نادرہ جان! ہوش میں آگئی ہو تو ساری پہن لو۔ مجھے لڑکیاں جوگنگ کے لباس میں اچھی نہیں لگتیں۔"

نادرہ نے غصے سے کہا۔ "میں لڑکی نہیں، مرد ہوں مرد۔ سیدھی طرح بتاؤ۔ تم لوگ کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

دونوں ہنسنے لگے۔ ایک نے کہا۔ "ہم ڈاکٹر شیرازی کی دوسری قسم ہیں۔ وہ لڑکی کو لڑکا بناتا ہے۔ ہم لڑکی کو لڑکی ہی بنا کر رکھتے ہیں۔"

دوسرے نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "آج کل عورتیں ہر بات میں مردوں کی برابری کرتی ہیں۔ ...ی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عورت سے مرد بن جائے۔ یہ اچھا ہوا کہ مرد بننے سے پہلے ہی تم ہاتھ آگئیں۔ اب تمہاری خاک وہیں پہنچے گی جہاں کا خمیر تھا۔ جاؤ۔ بستر پر ساری رکھی ہے میرے آنے تک اسے پہن لو۔"

وہ نشے میں لڑکھڑاتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ نادرہ وہاں سے ہٹ گئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ اسے کھولنا چاہا۔ وہ باہر سے بند تھا۔ اس نے اندر سے بھی چٹخنی چڑھا دی۔ پھر دوسری کھڑکی کے پاس آکر پردے کو سرکایا۔ دوسری طرف ایک اور کمرہ تھا۔ وہاں تین بدمعاش بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی ہنسنے لگے۔ ایک نے کہا۔ "باہر نہیں کمرے کے اندر دیکھو۔ وہاں ساری بلاؤز ہے۔ شلوار سوٹ ہے۔ چنری اور گھاگھرا بھی ہے۔"

وہ پلٹ کر کمرے میں دیکھنے لگی۔ سینٹر ٹیبل پر ڈھیر سارے زنانہ ملبوسات تھے۔ تاش کھیلنے والوں میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ "لڑکی ہو، لڑکی رہو۔ وہاں تمہارے لیے سنگار کا سامان بھی ہے۔ جلدی تیار ہو جاؤ۔ اب ہم انتظار نہیں کر سکتے۔"

اس بات پر سبھی قہقہے لگانے لگے۔ وہ دوڑتی ہوئی دوسرے دروازے تک آئی۔ اسے بھی اندر سے بند کر لیا۔ باہر قہقہے گونج رہے تھے اور وہ قہقہوں کی گونج میں کہہ رہے تھے۔

"بند کر لو۔ اچھی طرح دروازوں کو اندر سے بند کر لو۔ ہمیں باہر سے توڑنا آتا ہے۔"

اس کے والدین اور معالج محبت کا تنکا تنکا جوڑ کر اسے مرد بنانا چاہتے تھے اور وقت کے ظالم ہاتھ اسے توڑ مروڑ کر پھر سے عورت بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔ وہ پریشان ہو کر کبھی اس دروازے کو اور کبھی اُس دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

وہ دونوں دروازوں کے درمیان کمرے کے وسط میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ دونوں طرف کی کھڑکیوں سے درندے جھانک رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے، اپنے پیلے پیلے ٹیڑھے میڑھے دانتوں کی نمائش کر رہے تھے۔ کوئی اپنے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی طرف گندی محبت اچھال رہا تھا۔ کوئی اس سے زنانہ لباس پہننے کی فرمائش کر رہا تھا۔ ایک نے کہا۔ "نادرہ! ذرا لبھانے والی ادا سے کہو، میں لڑکی ہوں۔"

نادرہ نے انکار میں سر ہلایا۔ دوسری طرف کی کھڑکی سے دوسرے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "انکار کرنے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔ تم لڑکی ہو، لڑکی رہو گی۔"

اس نے ناگواری سے دیکھا۔ وہ ان کے مُنہ نہیں لگنا چاہتی تھی۔ خاموش رہ کر اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچ رہی تھی۔ ابھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کبھی دائیں طرف کی اور کبھی بائیں طرف کی کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ ایک ہی سوال زیادہ پریشان کر رہا تھا "کیا یہ تخریب کار میری نئی شخصیت کی تعمیر کو روک دیں گے۔ مجھے بننے سے پہلے بگاڑ دیں گے۔ یہ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟"

پھول کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ وہ تو اپنے رنگ روپ سے حُسن بخشتا ہے، اپنی خوشبو لُٹاتا ہے مگر آدمی اسے شاخ سے جُدا کر دیتا ہے۔ وہ عادتاً تھوڑا بہت تخریب کار ہوتا ہے۔ اسے ہاتھ میں لے کر بڑے شوق سے دیکھتا ہے، پسند کرتا ہے، سونگھتا ہے، اسے دیکھتے دیکھتے سوچتا ہے اور سوچتے سوچتے اس کی ایک پتی نوچ لیتا ہے۔ اس کی ملائمت کو محسوس کرتے ہوئے چٹکی میں مسلتا ہے۔ پھر دوسری پتی، پھر تیسری پتی نوچتا ہے۔ پھول کا لباس اُتارتا جاتا ہے۔ اپنی چٹکی کے پسینے کو خوشبو میں شامل کر کے سونگھتا ہے۔ آدمی خواہ کتنا ہی نارمل ہو، وہ ہمیشہ اپنا پسینہ شامل کرنے کے لیے ہی خوشبو کا لباس اُتارتا آیا ہے۔

وہ پانچ تھے۔ دونوں طرف کھڑکیوں کی جالیوں سے لگے نادرہ کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے مُنہ اس طرح کُھلے ہوئے تھے جیسے وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہیں، مُنہ پھاڑ پھاڑ کر اس کے لباس کو تک رہے ہوں۔ اتنے میں فون کی گھنٹی سُنائی دی۔ نادرہ نے چونک کر ایک طرف دیکھا، فوراً ہی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چشم زدن میں خیالی پرواز کرتے ہوئے فون تک گئی پھر وہاں سے ڈیڈ کے پاس پہنچ گئی۔ اس لمحے کوئی اس سے پوچھتا کہ ہوس کی سُولی پر چڑھنے سے پہلے تمہاری آخری خواہش کیا ہے تو وہ یہی کہتی "مجھے ایک بار ڈیڈ سے بات کر لینے دو۔ اس کے بعد یہ سُولی ہوس پرستوں کا مقدر بن جائے گی۔"

ایک بدمعاش نے کھڑکی کے پاس آ کر کہا "اے نادرہ جان! ہمارا بادشاہ ایک گھنٹے تک پہنچنے والا ہے۔ تم فوراً تیار ہو جاؤ۔"

اس نے ناگواری سے پوچھا "کون ہے وہ بادشاہ؟"

"بادشاہ تو آخر بادشاہ ہوتا ہے اور ندیدہ بھی ہوتا ہے۔ کبھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا کھاتا رہتا ہے۔ بس کھاتا رہتا ہے اور ہم دیکھتے رہتے ہیں۔"

دوسرے نے کہا "ہم اس کے کتے جو ٹھہرے، اس کا چھوڑا ہوا کھاتے ہیں۔"

اس بات پر سب قہقہے لگانے لگے۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے باتھ روم کے دروازے تک آئی، اسے کھول کر دیکھا۔ وہ ان بدمعاشوں کی بکواس سُننا نہیں چاہتی تھی۔ ذرا ان سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے باتھ روم میں آ کر دروازے کو بند کر لیا۔ دوسری طرف ایک اور دروازہ دکھائی دیا۔ شاید وہ باہر کی طرف کُھلتا ہو گا۔ یا دو کمروں کا مشترکہ باتھ روم ہو گا۔

اس نے فوراً ہی دروازے کے پاس آ کر اس کے ہینڈل پر دباؤ ڈالا، وہ کھل گیا۔ وہ ایک اسٹور روم تھا۔ وہاں کچھ عجیب سی بُو تھی۔ ایک طرف بڑے بڑے کارٹن ایک دوسرے پر رکھے ہوئے تھے۔ اس نے سوئچ کو آن کیا۔ اسٹور روم پوری طرح روشن ہو گیا۔ ایک طرف بہت ہی سفید رنگ کی تھیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے ایک تھیلی اٹھا کر دیکھی۔ فوراً سمجھ گئی، وہاں منشیات کی ملکہ ہیروئن کا ذخیرہ تھا۔

اس نے ایک کارٹن کو کھول کر دیکھا۔ اس میں وہی تھیلیاں بھری ہوئی تھیں۔ لیکن کارٹن کی کمی کے باعث باقی تھیلیاں فرش پر چھوڑ دی گئی تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق وہ ایک کروڑ روپے سے زیادہ کا مال ہو گا۔ وہ پیچھے ہٹ کر دروازے کے پاس آئی۔ وہاں سے پورے اسٹور روم کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگی۔ اس کے دماغ میں انتقامی سوچ اُبھر رہی تھی، اگر یہ سارا مال تباہ ہو جائے تو اس مال کا ڈیلر کروڑوں کا نقصان برداشت کر سکے گا؟

یہ کوئی روپے دو روپے کی بات نہیں تھی۔ اس ملک کے نوّے فیصد لوگوں کو ایک کروڑ تک کی گنتی بھی نہیں آتی مگر یہ سکۂ رائج الوقت تھا۔ گنتی نہ آنے کے باوجود جاہل سے جاہل آدمی بھی خواب میں کروڑوں روپے دیکھتا ہے۔ صرف دیکھتا ہے، گنتا نہیں ہے۔ ویسے پتے کی بات یہ ہے کہ گنتی جاننے والے دولت مند بھی ایک سے لے کر کروڑ تک کبھی نہیں گنتے، صرف گڈیوں سے اندازہ کر لیتے ہیں۔ اس اندازے سے ہی جو مسرت حاصل ہوتی ہے وہی اگر خاک میں مل جائے تو کیا اس مال کا ڈیلر اتنا بڑا نقصان برداشت کر سکے گا؟

وہ باتھ روم میں آ کر ٹہلنے لگی۔ ٹہلنے کے دوران آئینے میں خود کو دیکھنے لگی۔ دل ہی دل میں عزم کرنے لگی "میں مرد ہوں اور ایک مرد کو ان حالات میں عورتوں کی طرح پریشان ہونا یا گھبرانا نہیں چاہیئے۔"

اس نے آئینے میں اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے سوچا "قوتِ ارادی کو بازو ہے۔ آزمانے کا وقت آئے گا تو خود کو بلیک بیلٹر ثابت کروں گا۔ کوئی بات نہیں، اگر وہ تعداد

ہیں پانچ ہیں اور مزید ایک آنے والا ہے۔"

اس نے آئینے کے پاس سے ہٹ کر سوچا "مرد صرف قوتِ بازو سے نہیں، اپنی ذہانت سے بھی کام لیتا ہے لیکن اس مال کو تباہ کرنے کا معقول طریقہ کیا ہوگا؟ اور اس کے تباہ ہونے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ کیا میں یہاں سے فرار ہو سکوں گا؟"

وہ پریشان ہو کر ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ یہ سبھی کہتے ہیں کہ آزمائشی حالات میں پریشان نہیں ہونا چاہیئے مگر بے اختیار پریشان ہوتے چلے جاتے ہیں۔

وہ آئینے کے پاس آکر رک گئی۔ آئینے کے نیچے والے ریک پر استعمال شدہ بلیڈ پڑے ہوئے تھے۔ وہاں رہنے والوں نے شیو کرنے کے بعد انہیں وہیں چھوڑ دیا تھا۔ اس نے ایک بلیڈ کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ باتھ روم سے نکل کر کمرے میں آئی۔ اسے دیکھتے ہی ایک طرف کی کھڑکی سے تین بدمعاشوں نے تالیاں بجا کر کہا "آگئی، باتھ روم میں سوچنے لگی تھی۔ لڑکی ہے یا لڑکا؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کھڑکی کے پاس آئی جس کے دوسری طرف سے ٹیلیفون کی گھنٹی سنائی دی تھی۔ اس نے ایک بدمعاش سے کہا "میں ثابت کر سکتا ہوں کہ ایک مرد ہوں۔"

"بھلا کیسے ثابت کرو گے؟"

"تمہارے پاس سگریٹ ہے؟"

اُدھر دو بدمعاشوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اچھا، سگریٹ پینے سے عورت مرد بن جاتی ہے۔"

"پہلے دو چار کش لگانے دو پھر جواب دوں گا۔"

ایک شخص نے اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا، دوسرے نے دیاسلائی کی ڈبیا نکالی۔ دونوں نے کھڑکی کی جالی کے اندر ہاتھ ڈال کر اسے پیش کیا۔ اس نے دونوں چیزیں لے لیں جبکہ آج تک ایسی کسی چیز کو منہ نہیں لگایا تھا۔ اس نے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا۔ اسے سلگانے سے پہلے ذرا سوچتے ہوئے انداز میں کہا "میں تمہارے بادشاہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"پہلے سگریٹ پیو۔"

اس نے ایک تیلی جلائی۔ سگریٹ سلگا کر ایک کش لیا۔ پہلے ہی کش میں کھانسی کا جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ کھانستی چلی گئی۔ کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے غنڈے زور زور سے ہنسنے لگے۔

"دیکھو، یہ مرد ہے۔ جب بھی کوا ہنس کی چال چلتا ہے، اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔"

وہ کھانستے کھانستے بولی "میں تمہارے بادشاہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی چال چلنا چاہتی ہو؟ ہم مرد ہیں، اُلّو نہیں ہیں۔"

وہ کھانستے ہوئے بولی "کیا تم سمجھتے ہو میں ریسیور ہاتھ میں لے کر اپنے ڈیڈ سے باتیں کرنے لگوں گا۔ تم ٹیلیفون اپنے پاس رکھو۔ بادشاہ کا نمبر ڈائل کرو اور ریسیور مجھے دے دو۔"

ان بدمعاشوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر پوچھا "تم بادشاہ سے کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ اپنا پیٹ پکڑ کر بولی "مجھے کچھ تکلیف ہے۔ میں ایک خاص دوا منگوانا چاہتا ہوں۔"

"دوا کا نام بتاؤ۔ ہم منگوا دیں گے۔"

"میں اپنی تکلیف سب کے سامنے بیان نہیں کر سکتا۔ کسی ایک کو ہی بتاؤں گا۔ آخر تم کس بات سے ڈر رہے ہو۔ ریسیور میرے ہاتھ میں آئے گا تو وہ ریوالور نہیں ہوگا کہ تم لوگوں کو گولی مار دوں۔"

وہ پھر ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس سے ذرا دُور گئے۔ آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ پھر ایک نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ ذرا انتظار کیا۔ پھر کہا "میں رحمت بول رہا ہوں۔ یہ لڑکی آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

اس نے پھر کچھ سنا۔ اس کے بعد کہا "اسے کوئی تکلیف ہے۔ یہ ہمیں بتانا نہیں چاہتی۔ آپ سے کوئی دوا منگوانا چاہتی ہے۔ ہم نے سوچا، اگر آپ چاہیں گے تو اس سے بات کر لیں گے ورنہ ہم ریسیور رکھ دیتے ہیں۔"

وہ تھوڑی دیر چپ رہا۔ اس کے بعد ایک ہاتھ سے ٹیلیفون کو اٹھایا، دوسرے ہاتھ میں ریسیور تھا۔ اس نے کھڑکی کے پاس آکر جالی کے اندر ہاتھ ڈالا پھر ریسیور بڑھاتے ہوئے کہا "لو، بات کرو۔"

نادرہ نے . . . . . اطمینان کی سانس لی۔ ریسیور اپنے کان سے لگایا۔ پھر کہا "ہیلو، میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز آئی۔ پھر کسی نے کہا "میں نے سنا تھا، تم لڑکوں کی طرح

بات کرتی ہو۔ آج پہلی بار کانوں سے سُن رہا ہوں۔ بہر حال وہ ضروری بات کیا ہے ؟"

نادرہ نے انگریزی زبان میں کہا "تمہارے آدمی ہماری گفتگو سُن رہے ہیں۔ لہٰذا یہ انگریزی زبان چلے گی۔"

"بے شک چلے گی۔ اپنا مدعا بیان کرو۔"

اس نے پوچھا "باتھ روم والے اسٹور میں کتنے کروڑ کا مال ہوگا ؟"

پھر ہنسی سُنائی دی۔ وہ بولا "کیا پولیس آفیسر کی بیٹی وہ مال پکڑوانا چاہتی ہے ؟"

"کوئی ضروری نہیں کہ چھاپا پڑے۔ آخر میں شاہ جی کا بیٹا ہوں۔ وہ چال چل رہا ہوں کہ ابھی تمہارے ہوش اُڑ جائیں گے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو ؟"

"بڑے تحمل سے سُنو، چیخ و پکار کرو گے تو آواز تمہارے آدمیوں تک نہیں جائے گی۔ ریسیور میرے کان سے لگا ہے۔ اگر مجھے اس بات کا خدشہ ہوا کہ تمہارے آدمی محتاط ہو جائیں گے تو میرا ہاتھ میری جیب میں ہے اور میری جیب میں ایک بلیڈ رکھا ہوا ہے۔ میں فوراً یہ تار کاٹ دوں گی۔ ریسیور میرے ہاتھ میں رہ جائے گا۔ تم اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم نہیں کر سکو گے۔ جو خطرہ درپیش ہے اس کی اطلاع نہیں دے سکو گے۔"

"صاف صاف بتاؤ، کس خطرے کی بات کر رہی ہو ؟"

"میں اسٹور روم کا سارا مال برباد کر دوں گی۔ دو کروڑ کا مال ہوگا تو دو کوڑی کا نہ رہے گا۔"

"بے وقوف لڑکی! ہم نادان نہیں ہیں۔ تمہیں اس کمرے میں قید کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیا تھا کہ اس ذخیرے کو دیکھو گی مگر ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکو گی۔ ہم نے اس کمرے میں، باتھ روم میں اور اسٹور روم تک کوئی ہتھیار نہیں رکھا۔ ایک چھوٹا سا چاقو بھی نہیں چھوڑا۔ کوئی ایسی چیز نہیں رکھی جس سے اس ذخیرے میں آگ لگائی جا سکے۔"

"یہی کام کی بات کر رہے ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے سگریٹ پینے کے بہانے تمہارے آدمیوں سے دیا سلائی حاصل کر لی ہے۔"

دوسری طرف سے اس نے چونک کر کہا "نہیں، تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"مجرم احتیاط برتتے ہیں پھر بھی قانون کی ٹھوکر میں آتے ہیں۔ تم نے ابھی کہا کہ ایک چھوٹا سا چاقو بھی نہیں چھوڑا تھا مگر تمہارے آدمیوں نے شیو کرنے کے بعد

دو چار بلیڈ چھوڑ دیئے تھے۔ ان میں سے ایک ابھی کام آئے گا۔"

وہ غصے سے گرج کر کہنے لگا "بے وقوف لڑکی! ایسی کوئی حماقت نہ کرنا۔ میں صرف بیس منٹ کے فاصلے پر ہوں۔ ابھی وہاں پہنچوں گا۔"

"بیس منٹ تو بہت ہوتے ہیں، جیسے ہی تم ریسیور رکھو گے، میں بستر کی چادر اٹھا کر باہر اسٹور روم میں لے جاؤں گی۔ پھر وہاں گتے کے کارٹن ہیں۔ آگ لگنے میں دیر نہیں لگے گی۔ بیس منٹ میں کتنے کروڑ کا مال جل جائے گا، اس کا حساب ابھی کر لو مگر ریسیور ہاتھ میں رہنا چاہیئے۔ جیسے ہی یہ رکھا جائے گا، تمہاری تباہی شروع ہو جائے گی۔"

وہ انگریزی زبان میں بول رہی تھی اور کبھی کبھی کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے غنڈوں کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا "تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے، میں نے اس کمرے کے دروازے کو بھی اندر سے بند کر دیا ہے۔ تمہارے آدمی اسے توڑنا چاہیں گے تو توڑنے میں بھی اتنا وقت ضرور لگے گا جتنا تمہارے اسٹور کے سفید بارود کو دھواں دار کرنے میں لگ سکتا ہے۔"

دوسری طرف چُپ لگ گئی تھی۔ یقیناً وہ پریشانی اور اضطراب میں مبتلا ہوگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہوگا کہ فوراً کس طرح کے اقدامات کیے جائیں۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ وہ ریسیور رکھ نہیں سکتا تھا۔ رابطہ ختم نہیں کر سکتا تھا۔ نادرہ نے کہا "جہاں تم ہو، وہاں سے تمہارا کوئی بھی آدمی بیس منٹ میں یہاں پہنچ کر تمہارے آدمیوں کو ہوشیار کر سکتا ہے۔ لہٰذا میں تمہیں سوچنے کے لیے صرف دو منٹ کا وقت دیتا ہوں۔ اس کے بعد ٹیلیفون کا تار کاٹ دوں گی۔"

"ٹھہرو، کوئی حماقت کرنے سے پہلے سوچو، تمہارا کیا فائدہ ہوگا۔ تم پھر بھی وہاں سے فرار نہیں ہو سکو گی۔"

"تم لوگوں نے مجھے برباد کرنے، میری تبدیلی کو روکنے کا جو شرمناک منصوبہ بنایا ہے، اس پر عمل کر سکو گے یا نہیں ؟ میں یہاں سے فرار ہو سکوں گا یا نہیں ؟ یہ میں نہیں جانتا لیکن تمہیں زبردست نقصان پہنچاؤں گا۔ ایسی انتقامی کارروائی کو کہتے ہیں۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔"

"دیکھو، نہ میں ڈوبنا چاہتا ہوں نہ تمہیں ڈوبنے دوں گا۔ تم ابھی وہاں سے جا سکو گے مگر مجھے اس بات کی ضمانت چاہیئے کہ تمہارے وہاں سے نکلتے ہی میرے مال پر چھاپا نہیں

نہیں پڑے گا۔"

"دو منٹ میں سے ایک منٹ گزر رہا ہے۔ یہ نہ سمجھنا، تم ضمانت وغیرہ کی باتوں میں الجھا کر زیادہ وقت لے لوگے۔ میں ٹھیک دو منٹ کے بعد یہ تار کاٹنے والا ہوں۔"

وہ جھنجلا کر بولا "کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میں اپنے مال کو بچانے کی خاطر تمہیں جانے دوں گا اور دوسری طرف تم یہاں سے جاتے ہی وہ مال پکڑوا دو گی تو میں ادھر کا رہوں گا نہ ادھر کا۔ ایک تو کروڑوں کا نقصان ہوگا، دوسرے تمہارے سلسلے میں جن سے سودا ہوا ہے ان لوگوں سے بھی دشمنی مول لوں گا۔ دیکھو، میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

نادرہ نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "اچھی بات ہے، میں تمہیں دس منٹ کی مہلت دے سکتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔"

"بتاؤ، جلدی بتاؤ، کیا شرط ہے۔"

"مجھے اپنا تحفظ چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا کوئی آدمی یہاں آکر میرے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دے۔ لہٰذا تم اس فون پر چیخ کر اپنے آدمیوں سے یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ اپنے تمام ہتھیار کھڑکی کے راستے کمرے میں پھینک دیں۔"

"تمہارے پاس ہتھیار ہوں گے، میرے آدمی نہتے ہوں گے تو تم آسانی سے فرار ہو سکو گی۔ پھر بھی میرے مال کے لیے خطرہ پیدا ہوگا۔"

"پہلے پوری بات سن لو۔ تمہارے آدمیوں کے ہتھیار ڈالنے سے پہلے میں ٹیلیفون کا تار کاٹ دوں گا تاکہ اپنے ڈیڈ وغیرہ سے رابطہ قائم نہ کر سکوں۔ یہاں میں نے تمہارے پانچ آدمی دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک کھڑکی کے پاس آئے گا، اپنے ہتھیار پھینکے گا اور یہاں سے باہر چلا جائے گا۔ اس طرح یہ پانچوں باہر جا کر اس کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر سکتے ہیں۔ میرے فرار ہونے کا راستہ روک سکتے ہیں۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ خود ہی اپنے فرار کا راستہ رکوانا چاہتی ہو۔ آخر ان ہتھیاروں سے تم کیا حاصل کر لوگی؟"

"تم میرے لیے نہیں، اپنے لیے سوچو۔ تمہیں اپنے مال کے تحفظ کی ضمانت مل رہی ہے۔ میں ٹیلیفون کے ذریعے ڈیڈ سے رابطہ قائم نہیں کر سکوں گا۔ تمہارے آدمی باہر موجود رہیں گے۔ میں کوٹھی سے باہر نہیں نکل سکوں گا۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم اپنی آبرو بچانے کے لیے ہتھیار حاصل کر رہی ہو۔"

"آبرو عورت کی ہوتی ہے۔ میں مرد ہوں اور مردانہ ذہانت سے تمہارے آدمیوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر رہا ہوں۔ اب دس منٹ پورے ہونے والے ہیں۔ میں اس ریسیور کا رُخ کھڑکی کی طرف کرتا ہوں۔ تم اپنے آدمیوں سے وہی کہتے جاؤ جو میں کہہ چکا ہوں۔ کم آن اسپیک اپ۔"

نادرہ نے ریسیور کا رُخ کھڑکی کی طرف کرتے ہوئے کہا "تمہارا بادشاہ تم لوگوں سے کچھ کہہ رہا ہے۔ غور سے سنو اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کھڑکی سے بلا لو۔"

ریسیور سے آواز آئی "ہاں، باقی لوگوں کو اپنے پاس بلاؤ اور میری بات سنو۔"

اس کے حکم کے مطابق وہ تین بندے بھی کھڑکی سے ہٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اسی کھڑکی کے پاس آگئے، جدھر نادرہ ریسیور لیے کھڑی تھی۔ اس نے کہا "مسٹر، بولنا شروع کرو۔ تمہارے تمام آدمی پہنچ گئے ہیں۔"

وہ اونچی آواز میں بولنے لگا "میری بات غور سے سنو اور فوراً عمل کرو۔ دیر کرو گے تو میں زبردست نقصان . . . . ."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ نادرہ نے فوراً ہی ریسیور کے ایئر پیس پر ہاتھ رکھ کر ماؤتھ پیس میں کہا "زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف انہیں حکم کی تعمیل کے لیے کہو۔"

اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ وہاں سے اس شخص کی آواز سنائی دے رہی تھی "تم پانچوں ایک ایک کر کے کھڑکی کے پاس آؤ اور اپنے ہتھیار نادرہ کے سامنے پھینکتے ہوئے باہر چلے جاؤ۔ باہر پہنچنے کے بعد اس کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر لو تاکہ یہ فرار نہ ہو سکے۔"

وہ پانچوں ریسیور سے آنے والی آواز سن رہے تھے، ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک نے کہا "جو بادشاہ کا حکم ہے، وہ کرنا ہی ہوگا۔"

دوسرے نے کھڑکی کی جالی سے منہ لگا کر بلند آواز سے کہا "کوئی خطرہ ہے، کوئی مجبوری ہے تو بتا دیں۔"

نادرہ نے ریسیور کے ایئر پیس پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے بعد کہا "تم لوگوں نے بادشاہ کا حکم سن لیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں سن سکو گے۔ البتہ تمہاری آواز بادشاہ تک پہنچ سکے گی۔ اگر حکم سے انکار ہے تو اونچی آواز میں بول دو۔"

وہ پانچوں خاموش رہ کر اس ریسیور کو تکنے لگے پھر ایک نے اونچی آواز میں کہا: "آپ جو کہہ رہے ہیں، ہم وہی کریں گے مگر آخری بار اپنا حکم دُہرا دیجئے۔"

نادرہ نے ریسیور کو کان سے لگا کر کہا: "یہ آدمی تمہیں زبردست نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اگر میں نے بھی اپنی ضد پر عمل کیا تو پھر۔ ۔ ۔ ۔"

اس نے بات کاٹ کر کہا: "نہیں، تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔ ایک بار مجھے بولنے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں، انہیں کسی قسم کا اشارہ نہیں دوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ریسیور ادھر کر رہی ہوں، چند الفاظ میں حکم دو۔"

اس نے پھر ریسیور کا رُخ کھڑکی کی طرف کر دیا۔ وہ اونچی آواز میں بولنے لگا: "میں نے جو کہا ہے۔ اس پر فوراً عمل کرو۔ یہی میرا پہلا اور آخری حکم ہے۔"

نادرہ نے کہا: "اپنے آدمیوں سے یہ بھی کہہ دو کہ اب میں ٹیلیفون کا تار کاٹنے والی ہوں۔"

"یہ بات اچھی طرح سُن لو۔ ٹیلیفون کا تار کٹنے کے بعد ہم سے رابطہ قائم نہیں ہوگا لہٰذا جو کچھ کہہ دیا ہے۔ اس پر عمل کرکے کوٹھی کے باہر جاؤ اور اسے چاروں طرف سے گھیر لو۔"

وہ پانچوں نادرہ کو تکنے لگے۔ اس نے جیب سے بلیڈ نکال کر تار کو کاٹ دیا تھا۔ ٹیلیفون ان پانچوں کے پاس رہ گیا تھا اور ریسیور نادرہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اسے بستر پر پھینک دیا۔ وہ پانچوں کھڑکی کے پاس سے چلے گئے۔ پھر ان میں سے ایک سامنے آیا۔ اپنا ریوالور والا ہاتھ کھڑکی کے اندر ڈال کر کمرے میں دیکھنے لگا۔ نادرہ دوسری طرف دیوار سے جا کر لگ گئی تھی۔ کہنے لگی: "میں یہاں ہوں تاکہ تم ہتھیار ڈالنے کے بہانے فائر نہ کر سکو۔ اپنا کام کرتے ہوئے یہاں سے چلے جاؤ۔"

اس نے ریوالور کو کمرے میں پھینک دیا۔ کھڑکی کے پاس سے چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرا آیا۔ اس نے بھی اسی طرح ریوالور کو پھینکا۔ نادرہ نے کہا: "رُک جاؤ۔ مجھے بنانے کی کوشش نہ کرو۔ ریوالور کے ساتھ کارتوس کہاں ہیں؟"

اس نے کہا: "یہ دونوں ریوالور بھرے ہوئے ہیں۔"

"میں ایکسٹرا کارتوسوں کی بات کر رہی ہوں۔"

وہ پھر واپس گیا۔ پھر اس نے ایک چھوٹی سی تھیلی کمرے کے اندر پھینک دی۔ تیسرا آیا۔ اس کے پاس سیون ایم ایم کی رائفل تھی۔ اس نے رائفل کے ساتھ کارتوس کی پٹی بھی

اندر ڈال دی۔ باقی دو کے پاس دو کلاشنکوف تھیں۔ انہوں نے بھی یہی کیا اور وہاں سے چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد ایسا سناٹا چھا گیا جیسے کوئی نہ ہو۔ شاید وہ چلے گئے تھے۔ شاید وہ کہیں چھپے ہوئے تھے۔ نادرہ احتیاطاً دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ کان لگا کر توجہ سے سُننے کی کوشش کر رہی تھی مگر ہلکی سی آہٹ بھی نہیں تھی۔ اس کے سامنے ہتھیار فرش پر بکھرے پڑے تھے۔ اب انہیں سمیٹنا تھا۔ وہ نہتی نہیں تھی۔ اب کوئی اسے لڑکی بنانے رکھنے کے شرمناک منصوبے پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دشمنوں کے مقابلے میں متوازن قوت کی مالک تھی۔ ان کے پاس ہتھیار بھی تھے، آدمی بھی تھے۔ یہ تنہا تھی مگر ہتھیار زیادہ تھے۔ انہوں نے اس کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اِدھر یہ ان کے مال پر قبضہ جمائے بیٹھی تھی۔

سپاہی باپ کی بیٹی نے سمجھ لیا تھا کہ یہاں سے نکلنا چاہے گی تو دشمن کسی ضمانت کے بغیر جانے نہیں دے گا لہٰذا پہلے اس نے طاقت حاصل کی تھی، پھر دشمنوں کے لئے چیلنج بن گئی تھی۔ اسے کچھ نہیں سوچنا تھا۔ سوچنا تو مال کے ڈیلر کو تھا کہ وہ اتنا مال پولیس والوں کے لیے چھوڑ دے یا کوئی اور سمجھوتہ کرکے نادرہ کو نکل جانے کا موقع دے، ابھی فیصلہ باقی تھا۔

ساحرہ کی آنکھوں پر اسی طرح پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ فرش پر دوزانو ہو گئی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے پٹی کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا: "اسے وہی کھولے گا جو بے غیرت ہے اور جو اسے اُٹھوا کر یہاں تک لایا ہے۔"

اس کے دل میں اب شبہے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ مُجرم کے لباس سے آنے والی خوشبو اس کے پاپا کی چُغلی کھا رہی تھی جس ہاتھ کو اس نے سہارے کے لیے تھاما تھا، وہ اس کے پاپا کا تھا اور اس ہاتھ والے کی مسلسل خاموشی ثابت کر رہی تھی کہ وہ اس کے پاپا ہی ہیں۔

آہ، وہ اپنے باپ کو کیا کہتی جب ایک بیٹی کچھ کہہ نہیں سکتی، کچھ کر نہیں سکتی، غصّہ بھی نہیں دکھا سکتی تو رونے لگتی ہے۔ اس لیے وہ رو تی جا رہی تھی۔ تب اسے ایک جانی پہچانی آواز سُنائی دی: "بیٹی اٹھو۔ میں پٹی کھولتی ہوں۔ ذرا دیکھو تو میں کون ہوں۔"

وہ دوزانو پڑی تھی۔ چونک کر سیدھی ہو گئی۔ ایک جانی پہچانی نسوانی آواز سُنائی دی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ لیے۔ انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، نہیں، یہ آپ نہیں ہو سکتیں۔ میرے کان دھوکہ کھا رہے ہیں۔"

خاتون نے ہنستے ہوئے کہا: "ارے لگلی، آنکھیں رکھتے ہوئے کانوں پر کیوں بھروسہ کرتی ہو، ذرا دیکھو، میں تمہاری زبیدہ پھوپھی ہوں۔"

وہ کسی اندھے کی طرح کھڑی ہوئی تھی اس نے کہا: "ہاں، میں سمجھ نہیں رہی ہوں۔ آپ میری پھوپھی اماں ہیں مگر آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ کیا بدمعاشوں نے آپ کو بھی اغوا کیا ہے؟"

"توبہ، مجھے اس عمر میں کون اغوا کرے گا۔"

"تو پھر آپ نے مجھے اٹھوایا ہے؟"

"کیوں مجھے الزام دیتی ہو۔ آرام سے بیٹھو اور پٹی کھولو۔ یا میں کھولتی ہوں۔"

"نہیں۔" وہ ایک دم پیچھے گئی۔ پھر صوفے سے ٹکرا کر گر پڑی۔ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اور اسی طرح دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھتے ہوئے کہا: "نہ اسے کھولوں گی، نہ کھولنے دوں گی۔ پہلے معلوم ہونا چاہیے، میرا مُجرم کون ہے؟"

"مُجرم کوئی نہیں ہے۔ کسی نے تم پر ظلم نہیں کیا ہے۔"

"کیا مجھے میری مرضی کے خلاف جبراً یہاں لانا جُرم نہیں ہے؟ ریوالور دکھا کر مار ڈالنے کی دھمکی دینا جُرم نہیں ہے؟ آج تک کسی غیر شخص نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کے برعکس کتنے ہی لوگوں نے مجھے اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا۔ کیا یہ آپ لوگوں کے لیے بے غیرتی نہیں ہے؟"

"لڑکی! جتنا منہ ہے اتنی ہی بات کر۔ اپنے بزرگوں کو بے غیرت کہہ رہی ہے۔ کیا ہم تیرے دشمن ہیں۔ کیا تو سمجھ نہیں سکتی کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے، تیری بھلائی کے لیے کیا ہے۔"

"پھوپھی اماں! کیا ہماری دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ جوان بیٹی کی بھلائی کے لیے اسے بدمعاشوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے؟"

"بدمعاش انہیں کہتے ہیں جو کسی کے ساتھ بدمعاشی کرتے ہیں۔ تیرے ساتھ کچھ نہیں کیا گیا بلکہ تجھے شرافت سے اور سلامتی سے یہاں پہنچایا گیا ہے۔"

وہ بپھر کر بولی: "آپ کی بھی ایک جوان بیٹی ہے۔ اسے تھوڑی دیر کے لیے بدمعاشوں کے حوالے کر دیجئے۔ بدمعاش پھر بدمعاش ہوتے ہیں جب وہ کسی جوان لڑکی کو اٹھا کر لاتے ہیں تو کیسی بدتمیزی کرتے ہیں، یہ میں نہیں بتا سکوں گی۔ آپ کی بیٹی اچھی طرح بتائے گی۔"

"اے لڑکی، تیری زبان تو قینچی کی طرح چلنے لگی ہے۔ میری بیٹی پر کیچڑ اچھال رہی ہے؟"

"گویا آپ تسلیم کرتی ہیں کہ بدمعاش کے ہاتھ میں جانے سے جوان لڑکیوں پر کیچڑ اُچھلتی ہے۔"

پھوپھی اماں کو چُپ لگ گئی۔ وہ جواب نہ دے سکیں۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد ایک مردانہ آواز سُنائی دی۔ ساحرہ اس کی آواز کو بھی سُن کر چونک گئی۔ اس کی پھوپھی اماں کا بیٹا زبیر بول رہا تھا: "ساحرہ! تم مجھے آواز سے پہچان سکتی ہو۔ آنکھوں سے پٹی ہٹا لو۔ میں تمہیں

سمجھاتا ہوں۔"

وہ چپ رہی مگر اس کے دونوں ہاتھ اسی طرح سر کے پیچھے تھے۔ وہ سر اٹھانے جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔ پھر اس نے کہا "تم سب کی موجودگی بتا رہی ہے کہ تم لوگوں نے کرائے کے غنڈوں کو صرف میرے لیے نہیں، نادر کے لیے بھی حاصل کیا تھا۔ کیا میں غلط سمجھ رہی ہوں۔ کیا تم اس سے زیادہ کچھ اور سمجھا سکتے ہو؟"

"اسے نادر نہیں، نادرہ کہو۔"

"کیا تم ایک مرد بننے والے کا مقدر بدل سکتے ہو؟ اگر قدرت کے کرشمے سے انکار کر سکتے ہو تو جو چاہو اسے کہتے رہو۔ میں تو خدا کو مانتی ہوں۔ خدائی سے انکار نہیں کروں گی۔"

پھوپھی اماں کی آواز آئی "بیٹے زبیر! ہم اپنی باتیں کریں گے۔ نادرہ کا ذکر یہاں نہ کرو۔"

ساحرہ نے کہا "میرے سامنے کوئی اسے نادرہ نہ کہے ورنہ میں کسی کی بات کا جواب نہیں دوں گی۔"

"اطمینان اور سہولت سے ہماری باتیں سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہاری شکایات دور ہو جائیں گی۔"

"اطمینان کے لیے ان تمام بزرگوں کا موجود رہنا لازمی ہے جو مجھے اندھی اور گونگی بنا کر یہاں لانے کے ذمے دار ہیں۔"

پھوپھی اماں کی آواز آئی "تم مانو یا نہ مانو۔ تمہارے پاپا نے یہ تمہاری بھلائی کے لیے کیا ہے۔ اگر وہ تم سے شرمندہ ہیں تو انہیں بولنے پر مجبور نہ کرو۔"

"میں جانتی ہوں، وہ موجود ہیں مگر اپنی آواز نہیں سنائیں گے۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر ایک طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں نہیں جانتی آپ کہاں ہیں۔ آپ جہاں بھی ہیں، میری آواز سن رہے ہیں۔ میں پہلی اور آخری بار کہتی ہوں، میری آنکھوں سے کوئی پٹی نہ کھولے۔ جب تک میں نادر کی آواز نہیں سنوں گی، اس وقت تک نہ آنکھیں کھولوں گی نہ کسی کی صورت دیکھنا پسند کروں گی۔"

وہ نہیں جانتی تھی، ڈرائنگ روم میں اور کتنے لوگ ہیں۔ اب تک اس نے پھوپھی اماں، اور زبیر کی آوازیں سنی تھیں۔ پاپا کی موجودگی کا یقین تھا۔ شاید ان کے علاوہ اور بھی کچھ لوگ ہوں گے مگر سب خاموش تھے۔ شاید سوچ رہے تھے، جواب کیا دینا چاہیے؟

پھر اُسے اپنے قریب پاپا کی جھجکتی ہوئی سی آواز سنائی دی "تم میدان میں تھیں۔ میں دور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے تمہیں گاڑی میں لے گئے۔ پھر میں اس گاڑی کا تعاقب کرتا رہا۔ آگے جا کر تمہیں میری گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ ہر طرح سے محتاط تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی بدمعاش زیادتی نہ کرے۔ کوئی بدتمیزی نہ کرے۔ میں اس سلسلے میں بحث نہیں کروں گا۔ میں ہر طرح مطمئن ہونے کے باوجود جب یہ سوچتا ہوں کہ بدمعاشوں نے تمہیں ہاتھ لگایا ہے تو میرا سر جھک جاتا ہے۔"

وہ چپ ہو گئے۔ ساحرہ اُن کے جھکے ہوئے سر کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے پوچھا "آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

مرزا صاحب کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی "تم اس پولیس افسر کو نہیں جانتیں۔ وہ بہت ذلیل اور خود غرض ہے۔ میں اپنے ڈپارٹمنٹ کا اعلیٰ افسر ہوں۔ اس سے کسی طرح کم تر نہیں ہوں لیکن میری آمدنی کے کچھ ایسے ذرائع ہیں جہاں وہ آڑے آتا ہے۔ پھر ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ کسی دن مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لے گا۔ آخر تو پولیس والا ہے۔ ہمارے کسی بھی معاملے میں مداخلت کر سکتا ہے۔ مجھے اُس کی دھونس میں رہنا پڑتا ہے۔ پھر اس نے ایک ایسا کیسٹ میرے خلاف تیار کرایا ہے جس سے میرا سروس ریکارڈ داغدار ہو سکتا ہے۔"

"مگر وہ کیسٹ تو میرے پاس ہے۔"

"اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ نہ جانے اس کی کتنی کاپیاں بنا رکھی ہیں۔ اس روز سب کے سامنے اسے تمہارے حوالے کر کے تمہیں احمق بنایا ہے۔ تم نادان ہو۔ اس کی چالوں کو سمجھ نہیں سکو گی۔"

"اگر انکل اتنے ہی برے ہیں تو آپ کیوں ان کو دوست کہتے ہیں۔ مجھے اور نادر کو دوست بننے کا موقع کیوں دیا تھا؟"

"پولیس والوں کو خوش رکھنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"کیا آپ نے انہیں خوش کرنے کے لیے نادر پر حملہ کروایا ہے؟"

"طعنے دے کر باتیں نہ کرو، بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ جب بانس نہ ہو گا تو بانسری بھی نہ بجے گی۔ ان کا بیٹا نہیں رہے گا تو وہ تمہیں بہو بنانا اور ہم سے رشتے داری کرنا بھول جائیں گے۔ ہمارے تعلقات آئندہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بیٹیا نہ ہوگا کا مطلب کیا ہوا۔ کیا آپ نے اس پر قاتلانہ حملہ کرایا ہے؟"

"میں کسی کی جان لینا نہیں چاہتا۔ صرف اپنی بیٹی کی جان بچانا چاہتا ہوں۔"

"میری جان کو کیا ہوا ہے۔ کیا انکل اور نادر میرے دشمن ہیں۔"

"بدترین دشمن ہیں۔ ایک بہو بنا کر اور دوسرا بیوی بنا کر تمہاری زندگی برباد کرنا چاہتا ہے۔ تم سمجھ نہیں سکتیں کہ ابھی جو عمارت تعمیر ہو رہی ہے، وہ مکمل ہونے سے پہلے ناقص منصوبے کے باعث گر بھی سکتی ہے۔ ایک آشیانہ جو ابھی بن رہا ہے، اس پر کسی وقت بھی بجلی گر سکتی ہے۔"

"آپ مجھے پھوپھی اماں کے صاحبزادے سے منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، اس کی نسبت سے پہلے میں مر جاؤں یا زبیر ختم ہو جائے۔"

پھوپھی اماں نے سینہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "ہائے ہائے، یہ کیا نحوست بک رہی ہے۔"

ساحرہ نے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "پاپا! جو عمارت نامکمل ہے یا جو منصوبہ ابھی تکمیل پانا چاہتا ہے، اس میں ہم سب کا ہاتھ رہے اور ہم سب مکمل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، روکنا چاہیں تو تباہی اور بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ وہ مکمل شخصیت اختیار کرلے گا؟"

"کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکے گا؟ پاپا! آپ کو یقین ہے کہ وہ ایک مکمل نئی شخصیت اختیار کرے گا مگر آپ انکل سے دشمنی کی بنا پر ہمارے خلاف سازش کر چکے ہیں۔ اب بھی وقت ہے، اگر آپ غلطی کا اعتراف کرلیں تو انکل آپ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ ورنہ آپ خود ہی کہہ چکے ہیں، وہ پولیس والے ہیں۔ آپ کو یہ دنیا چھوڑ دینے پر مجبور کر دیں گے۔"

"ساحرہ! تم میں ذرا بھی عقل ہے تو تمہیں فخر ہونا چاہیئے کہ تمہارا باپ لوہا بن کر لوہے کو کاٹ رہا ہے۔ میں نے جو چال چلی ہے، اس کے بعد شاہ جی سے دوستی قائم رہے گی مگر وہ تمہارا رشتہ کبھی نہیں مانگیں گے۔"

"ایسی کیا بات ہے کہ رشتہ نہیں ہوگا اور دوستی قائم رہے گی۔"

"کچھ۔ میں ایسی ہوتی ہیں جو بچوں کو سمجھائی نہیں جاتیں۔"

ب تک نہیں سمجھوں گی، آپ کی طرف سے دل صاف نہیں ہوگا۔"

اس کے پاپا کی ایک گہری سانس سنائی دی۔ پھر انہوں نے کہا۔ "یہ اچھا ہی ہوا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے پٹی نہیں ہٹائی، ورنہ آنکھیں ملا کر جواب نہ دے پاتا۔ بہر حال غنڈے اسے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ وہ اسے تبدیلی کے مراحل سے گزرنے نہیں دیں گے۔ اس کا علاج مکمل نہیں ہوگا نہ ہی وہ قدرتی طور پر ان مرحلوں سے گزر سکے گی لہٰذا جب وہ لڑکی ہی رہے گی تو پھر اس کے گھر سے رشتہ مانگنے کوئی نہیں آئے گا۔"

وہ حیرانی سے پیچھے ہٹ گئی۔ صوفے سے ٹکرا کر گرتے گرتے بیٹھ گئی۔ پھر اس نے کہا۔ "اوہ خدایا، آپ کتنے ظالم ہیں۔ نادرہ آپ کی بیٹی کی طرح تھی۔ نادر آپ کے بیٹے جیسا ہوگا۔ لیکن آپ نے اس کے خلاف کیسی گھناؤنی سازش کی ہے۔"

"میں کوئی بہت بڑا جرم نہیں کر رہا ہوں۔ سانپ کی اولاد سانپ جیسی ہوتی ہے۔ میں اس کا سر نہیں کچل رہا ہوں۔ صرف زہر نکال رہا ہوں۔ میں نے تم پر پابندیاں عائد کرنے کے بعد آزادی دی۔ اس سے ملنے کا موقع دیا۔ میں جانتا تھا، آئندہ وہ زہریلا نہیں رہے گا۔ تمہاری دوسری سہیلیوں کی طرح بے ضرر رہے گا اور کسی بھی بے ضرر سے پردہ کرایا نہیں جاتا۔"

اس کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ ایسی مکروہ دنیا کو دیکھ رہی تھی جہاں ایک سانس لینا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا۔ "میں سمجھ گئی۔ آپ چاہتے ہیں، اسے قید کر کے رکھا جائے۔ وہ دوائیں استعمال نہ کر سکے۔ اسے کوئی ڈاکٹر میسر نہ ہو لیکن آپ نے یہ بھی سوچا کہ وہ ابھی مکمل نادر نہیں ہے۔ فی الحال نادرہ ہے۔ غنڈے اس کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے۔ اگر آپ لوگ بضد ہیں کہ اسے نادرہ ہی کہیں گے تو میں پوچھتی ہوں، ایک لڑکی کو آپ نے غنڈوں کے حوالے کیوں کیا؟"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں، تمہاری سہیلی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"کیا انکل کے ڈر سے آپ یہاں چھپ کر رہیں گے؟"

"میں ابھی جاؤں گا۔ تمہاری ممی نے انہیں بتا دیا ہوگا۔ میں کسی کام سے حیدرآباد گیا ہوں۔ وہ بے چاری تمہارے لیے رو رو کر بے حال ہو رہی ہوں گی۔"

"اس کا مطلب ہے، ممی آپ کی سازش میں شریک نہیں ہیں۔"

"نہیں، انہیں بعد میں بتاؤں گا۔ اگر پہلے بتا دیتا تو وہ اس طرح نہ روتیں۔ جیسا کہ

اب رو رہی ہوں گی۔"

"ایک بار انکل نے کہا تھا، مُجرم بعض اوقات بڑی زبردست چالیں چلتے ہیں۔ پولیس والے سمجھ نہیں پاتے لیکن ان کے منصوبے میں کوئی خاص کمی رہ جاتی ہے۔ آخر وہ پولیس کی نظروں میں آجاتے ہیں۔ آپ اچھی طرح سوچیے۔ خوش فہمیوں سے نکل کر غور کیجیے۔ آپ کے اس پکّے منصوبے میں یقیناً کہیں خامی رہ گئی ہو گی۔"

"ایک خامی ہے اور وہ تم ہو۔ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ وہ پولیس افسر ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"آپ چاہتے ہیں، میں آپ کا ساتھ دوں؟"

"بے شک، اپنے باپ کا ساتھ دینا چاہیئے۔"

"میں نے کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ اب بھی نہیں کروں گی۔ بس ایک بات مان لیجیے۔ نادر کو واپس لے آئیے۔"

اصل چال کیا تھی۔ نادر کو نادرہ بنانے کے لیے کس منصوبے پر عمل کیا جانے والا تھا، یہ ساحرہ نہیں سمجھ سکتی تھی۔ نہ ہی باپ اسے سمجھا سکتا تھا۔ انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "وہ واپس آئے گی، فی الحال تبدیلی کو روکنے کے لیے اسے کچھ دوائیں کھلائی جائیں گی۔ اینٹی انجکشن لگائے جائیں گے۔"

وہ ایک دم سے تڑپ کر بولی۔ "نہیں، آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ ظلم ہے، سراسر ظلم ہے۔ آپ اس سے دشمنی نہیں کر سکتے۔ میں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ضد کی تھی، اپنے ہاتھوں سے پٹّی نہیں کھولے گی۔ اپنے بزرگوں کا چہرہ نہیں دیکھے لیکن اس نے ہاتھ پیچھے لے جا کر گرہ کھول دی۔ آنکھوں سے پٹّی ہٹائی، پھر اپنی پٹّی کو اپنے باپ کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "میں اندھی بن کر رہوں گی تو اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں، اسے لے آئیے۔ میں اور نادر، انکل کو سمجھائیں گے۔ میں یقین سے کہتی ہوں، وہ آپ سے انتقام نہیں لیں گے۔"

"میں تم سے زیادہ تجربہ رکھتا ہوں۔ تم سے زیادہ شاہ جی کو جانتا ہوں۔ نادر نے اگر نئی شخصیت اختیار کر لی تو وہ تمہیں ضرور بہو بنائیں گے۔ میں انکار نہیں کر سکوں گا

لہٰذا اسے لڑکی ہی رہنے دو۔"

"اوہ پاپا، آپ کی باتیں سُن کر مجھے شرم آ رہی ہے۔ اگر آپ کو یہی ڈر ہے تو میں وعدہ کرتی ہوں۔ آپ اسے لے آئیں۔ میں اس سے شادی کرنے سے انکار کر دوں گی۔"

"مجھے افسوس ہے۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ پھر میں ایک ہی بات جانتا ہوں۔ سانپ کا زہر نکال دیا جائے تو اس سے خطرہ نہیں رہتا۔"

"میں نے التجا کی ہے۔ اس کے بعد بغاوت بھی کر سکتی ہوں۔"

"تم کیا کرو گی۔ کیا شاہ جی سے مل کر اپنے ماں باپ کو خاک میں ملاؤ گی؟"

"میں کوشش کروں گی، آپ لوگوں پر آنچ نہ آئے۔ میرا مقصد صرف نادر کو بچانا ہے۔ جب میں ان کے بیٹے کی حفاظت کے لیے کام کروں گی تو وہ آپ کو معاف کر دیں گے۔"

وہ غصے سے گرج کر بولے۔ "بکواس بند کرو۔ میں جسے بدترین دشمن سمجھتا ہوں، اس سے معافی حاصل کروں گا۔ ہرگز نہیں۔"

ساحرہ نے اپنی پھوپھی اور زبیر کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہاں میرا راستہ روکنے والا اور کون ہے؟"

زبیر نے کہا۔ "تم غلط سمجھ رہی ہو۔ تمہیں قیدی بنا کر نہیں رکھا جائے گا۔ تم آزاد ہو مگر کچھ دنوں تک مصلحتاً تمہیں باہر نہیں جانا چاہیئے۔"

"میں ابھی جاؤں گی۔"

مرزا صاحب نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا۔ ساحرہ نے حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ مجھ پر گولی چلائیں گے؟"

"میں اسے احتیاطاً اپنی جیب میں رکھتا ہوں تاکہ دشمن سے کبھی شکست کھانے کا موقع آئے۔ شرمندگی ہو، اس کے سامنے جھکنا پڑے یا اس سے معافی مانگنا پڑے تو اس سے پہلے اپنی جان دے دوں۔ میں نے قسم کھائی ہے، اگر تم شاہ جی کے پاس جاؤ گی تو میں بھی چلوں گا لیکن سیدھا تمہاری ممی کے پاس جاؤں گا۔ پہلے انہیں گولی ماروں گا پھر خود بھی مر جاؤں گا۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے کبھی پستول کو اور کبھی اپنے باپ کو تکنے لگی۔ ان کے چہرے

ہے، ان کی آنکھوں سے اور ان کے لب ولہجے سے پتا چل رہا تھا کہ وہ جو کہہ رہے ہیں، کر گزریں گے۔ وہ کسی کے سامنے جھکنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ شاہ جی کے سامنے تو کسی حال میں جھکنا گوارا نہیں کریں گے۔ وہ سچ مچ خودکشی کرلیں گے اور خود مرنے سے پہلے اس کی حرم کو بھی ختم کردیں گے۔

انہوں نے کہا: ”اگر وعدہ کرو کہ باہر نہیں جاؤگی اور شاہ جی سے کسی طرح رابطہ قائم نہیں کروگی تو میں کل صبح تک نادرہ کو واپس گھر پہنچا دوں گا۔“

”آپ آج بھی پہنچا سکتے ہیں۔“

”مجھے معلوم کرنا ہوگا، وہ بدمعاش اسے کہاں لے گئے ہیں۔ اگر آج اس کا پتا چل جائے تو آج ہی پہنچا دوں گا۔“

”اچھی بات ہے، میں انکل سے رابطہ قائم نہیں کروں گی اور یہاں سے باہر نہیں جاؤں گی۔“

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ خوش ہو کر کہا: ”مجھے یقین ہے، تم اپنے وعدے پر قائم رہوگی۔ میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا۔“

وہ سوچتے ہوئے، سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے کہا: ”میں جا رہا ہوں۔ اسے تلاش کروں گا۔ جیسے ہی پتا چلے گا، اسے تمہارے پاس لاؤں گا۔“

اس نے پُرامید ہو کر باپ کو دیکھا، پھر نظریں ملتے ہی سر کو جھکا لیا۔ مرزا صاحب وہاں سے جاتے ہوئے، زبیر کو اشارہ کرتے ہوئے کوٹھی کے باہر آئے۔ ان کے پیچھے زبیر نے آکر پوچھا: ”کیا واقعی نادرہ کو واپس کر دیا جائے گا؟“

”میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہہ دیا ہے۔“

”لیکن ماموں جان! وہ ہمارے لیے مصیبت بن جائے گی۔“

”فکر نہ کرو۔ آج کی رات گزرنے دو۔“

”وہ رات بھی گزرنے نہیں دے گی۔ میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔ وہ اوپر سے جتنی خاموش رہتی ہے، اندر سے اتنی ہی ضدی ہے۔“

”میں خواب آور دوا بھیج دوں گا۔ تم اسے کسی بھی پینے کی چیز میں ملا کر دے دینا۔ وہ آرام سے صبح تک سوتی رہے گی۔“

انہوں نے کار کا دروازہ کھولا۔ اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ دروازے کو بند کیا۔ پھر کار اسٹارٹ کرکے ڈرائیو کرتے ہوئے وہاں سے جانے لگے۔ ان کی جیب میں گلیسرین کی ایک ننھی سی شیشی تھی۔ گلیسرین کا ایک ایک قطرہ، ایک ایک آنکھ میں ٹپکایا جائے تو بے اختیار آنسو بہنے لگتے ہیں۔ ان کے لیے یہ حربہ ضروری تھا۔ وہ جہاں جا رہے تھے، وہاں اغوا ہونے والی ایک بیٹی کے غیرت مند باپ کی طرح آنسو بہانا لازمی تھا۔

نادرہ تقریباً دس منٹ تک دیوار سے لگی کھڑی رہی، کھڑکی کے قریب سانس روک کے کسی آہٹ کا انتظار کرتی رہی۔ وہاں بالکل سناٹا چھا گیا تھا۔ پھر اس نے پاس رکھے ہوئے فلاور اسٹینڈ پر سے گلدان کو اٹھایا اور اسے کھڑکی کے سامنے زوردار آواز سے پھینک دیا۔

کوٹھی کی خاموشی میں وہ آواز دُور تک گونجتی گئی ہوگی۔ اگر کوئی چُھپا ہوتا تو یکبارگی کھڑکی کے سامنے آکر ضرور فائر کرتا لیکن کوئی نہیں تھا۔ وہ مطمئن ہو کر فرش پر جُھک گئی۔ پھر رینگتی ہوئی ہتھیاروں کے پاس آئی۔ اس نے پہلے ایک ریوالور کو اٹھا کر اس کے چیمبر کو چیک کیا۔ پھر دوسرے کو چیک کیا۔ وہ دونوں بھرے ہوئے تھے۔ اس نے دونوں کو اپنی شرٹ کے بٹن کھول کر اندر چُھپا لیا۔ پھر سیون ایم ایم کی رائفل اٹھائی۔ کارتوس کی پٹی کو شانے سے لٹکایا۔ ایک تھیلے میں ریوالور کی گولیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اسے بھی اٹھا لیا۔ باقی ہتھیار وہیں چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ رائفل کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کھڑکی کے پاس دیکھنے لگی۔ اس نے اچھی خاصی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ اب اسے ثابت کرنا تھا کہ وہ مرد ہے اور مردوں سے مقابلہ کرتے ہوئے وہاں سے فرار ہو سکتی ہے۔

اس نے ایک دروازے کی چٹخنی نیچے سرکائی۔ اسے آہستگی سے کھول کر دیکھا۔ دوسری طرف سے وہ مقفل نہیں تھا۔ جانے والے دروازے کھول کر گئے تھے۔ وہ محتاط انداز میں چلتے ہوئے باہر آ گئی۔ ایک طرف ٹیلیفون کا کٹا ہوا تار نظر آ رہا تھا مگر وہ ٹیلیفون سیٹ اٹھا کر لے گئے تھے۔ ریسیور کمرے کے اندر بستر پر پڑا ہوا تھا۔ وہ کمرے کی ایک دیوار سے لگ کر چلتے ہوئے، ایک کوریڈور سے گزرتے ہوئے اسی کمرے کے دوسرے دروازے

تک پہنچ گئی۔ پھر اس نے دوسرے کمرے کو کھول کر دیکھنا چاہا، وہ مقفل تھا۔ یقیناً اسی کمرے میں ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ وہ دوسرے کمرے کی دیوار سے لگی ہوئی ایک طرف بڑھنے لگی۔ وہاں سے گھومنے کے بعد ایک زینہ نظر آیا۔ جو اوپر طرف جا رہا تھا۔ اس نے زینے کے نچلے پائیدان پر ایک قدم رکھتے ہوئے اوپر کی جانب دیکھا۔ پھر آواز دی۔

"اوپر کون ہے؟"

جواب نہیں ملا۔ اس نے پھر آواز دی مگر خاموشی رہی۔ وہ رائفل کو محتاط انداز میں سنبھالے ہوئے ایک ایک قدم اوپر چڑھنے لگی۔ اسے حیرانی نہیں تھی کہ تمام بدمعاش اسے تنہا چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ نہ تو فائر کر سکتے تھے۔ نہ ہی اسے چھیڑ کر فائرنگ پر مجبور کر سکتے تھے۔ اس طرح دُور تک فائرنگ کی آواز گونجتی ہوئی جا سکتی تھی اور پولیس والوں کو ادھر متوجہ کر سکتی تھی۔

وہ زینہ اسے چھت پر لے آیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے برسوں کے بعد کھلی فضا میں آئی ہو۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ دور بہت دور سمندر دکھائی دے رہا تھا۔ دائیں طرف کسی پرانی عمارت کے کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ بائیں طرف جو کو قبروں کا صدیوں پرانا قبرستان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ چھت پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کنارے کی طرف آئی۔ کسی نے للکار کر کہا۔ "خبردار!"

وہ فوراً پیچھے ہو گئی۔ کوئی کہہ رہا تھا "چالاکی نہ دکھانا۔ چھت پر سے کُود کر فرار ہونا چاہو گی تو ہم گولی چلا دیں گے۔"

وہ پانچوں اس کوٹھی کے باہر جھاڑیوں میں اور ان کھنڈروں میں چُھپے ہوئے تھے۔ اس کے خلاف محاذ بنائے ہوئے تھے۔ چھت کے چاروں طرف ذرا اُونچی چار دیواری تھی۔ محاذ بنانے والے اس پر بہ آسانی گولی نہیں چلا سکتے تھے۔ اس نے کہا۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں، تم لوگ مجبوری کی حالت میں گولی چلاؤ گے ورنہ فائرنگ نہ کرنا تمہارے حق میں بہتر ہی رہے گا۔ میں وارننگ دیتا ہوں، اس کوٹھی کے اندر داخل ہونے کی حماقت نہ کرنا۔ ورنہ گولی چلاؤں گا۔ نتیجہ وہی ہوگا کہ دُور تک آواز جانے کے ڈر سے تم لوگ فائرنگ نہیں کرو گے۔"

یہ دھمکی دے کر وہ پھر تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی کوٹھی کے اندر آئی۔ وہاں سے دوڑتی ہوئی کوٹھی کے مختلف حصّوں سے گزرتی ہوئی بیرونی دروازے کے پاس پہنچی۔

پھر اسے اندر سے بند کر دیا۔ پہلے وہ بھول گئی تھی۔ باہر محاذ بنانے والے کسی وقت بھی آ سکتے تھے۔ وہ پھر تیزی سے چلتے ہوئے اس کوٹھی کے مختلف حصوں کو دیکھتی گئی۔ کچن میں دیکھ کر پتا چلا، وہاں بھی کوٹھی سے باہر نکلنے کا پچھلا دروازہ ہے۔ اس نے اسے بھی اندر سے بند کر دیا۔

ہر طرح اطمینان حاصل کرنے کے بعد اُسے بھوک کا احساس ہوا۔ اس نے کچن میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا بلکہ چولہا بھی نہیں تھا۔ کئی دنوں کے کچھ جھوٹے برتن پڑے ہوئے تھے۔ شراب کی خالی بوتلیں تھیں۔ اس نے نل کو کھولا تو پانی آنے لگا۔ وہ رائفل کو ایک طرف رکھ کر مُنہ ہاتھ دھونے لگی۔ پھر اس نے چلّو سے پانی پیا۔ واپس ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا، ذرا سے فاصلے پر جو کھنڈر کا قبرستان نظر آ رہا تھا۔ ایک شخص ہاتھ میں رائفل لیے چوکور قبر کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ پھر ایک دوسرا غنڈہ سگریٹ کا کش لگاتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اپنا جھوٹا سگریٹ اسے دیتے ہوئے کچھ کہنے لگا۔ وہ دونوں پریشان نظر آ رہے تھے۔ نادرہ نے پوری طرح پردے کو سرکاتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔ "اے، ایسے کب تک چلے گا؟"

دونوں نے کھڑکی کی جانب دیکھا۔ نادرہ نے کہا۔ "تمہارا صاحب تو کہہ رہا تھا، یہاں سے بیس منٹ کے فاصلے پر ہے۔"

ایک نے سگریٹ کے جلتے ہوئے ٹوٹے کو زمین پر زور سے مارتے ہوئے کہا۔ "ہمارا بس چلے تو ابھی تمہیں گولی مار کر قصّہ ختم کر دیں۔"

دوسرے نے کہا۔ "اگر صاحب کے آنے سے پہلے پولیس والے آ گئے تو ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ چاروں طرف سے فائرنگ کریں گے۔"

وہ بولی۔ "کیوں بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری تمام گولیاں اس کوٹھی کی دیواروں پر لگیں گی۔ میں نے نشانے بازی کی باقاعدگی سے مشقیں کی ہیں۔ میری ایک گولی ضائع نہیں جائے گی۔ تم لوگوں کو چھپنے کا شاید ہی کہیں موقع مل سکے گا۔"

اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ سورج چڑھتا جا رہا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق نو بج رہے ہوں گے۔ تقریباً سوا پانچ بجے کسی نے اس پر حملہ کیا تھا۔ تب سے کوئی پونے چار گھنٹے ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ تین گھنٹے تک بے ہوش پڑی

رہی تھی۔ باقی پون گھنٹے میں اس نے دشمنوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ سوچنے لگی۔ "جب میں اتنا کر چکا ہوں تو ڈیڈ نہ جانے کیا کرتے پھر رہے ہوں گے۔ وہ ضرور یہاں پہنچنے والے ہوں گے۔"

اس نے دُور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ ساحرہ نگاہوں کے سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سوچا۔ "کیا وہ میرے لیے تڑپ رہی ہوگی۔ میری ممی اسے دلاسے دے رہی ہوں گی۔ اس کی مَم اور پاپا بھی میرے لیے پریشان ہوں گے۔ شاید انکل بھی ڈیڈ کے ساتھ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔"

یوں تو سبھی پریشان ہوں گے لیکن نادرہ کو یہ سوچ کر خوشی ہو رہی تھی کہ ساحرہ پہلی بار اس کے لیے آنسو بہا رہی ہوگی۔ اسے یاد کر رہی ہوگی۔ اس کے لیے دعائیں مانگ رہی ہوگی۔ ہر چاہنے والا اپنی جانِ آرزو تک پہنچنے سے پہلے لبوں پر دُعا بن کر تڑپتا ہے۔

نادرہ کھڑکی کے قریب دیوار سے لگ کر اسے تصوّر میں دیکھنے لگی۔ "ساحرہ ٹھیک اسی لمحے تم بھی مجھے نگاہوں کے سامنے دیکھ رہی ہوگی۔ میں اپنی خیریت بتا رہا ہوں تم اپنے آنسو پونچھ لو۔ میں تمہارے خیالوں میں آ کر تسلیاں دے سکتا ہوں مگر تم واہموں اور اندیشوں میں گھری ہو۔ مجھے خیالی دشمنوں کے نرغے میں دیکھ رہی ہو۔ جب یہ مرد میدان مار کر آئے گا تو تم فخر کرو گی۔ تمہاری آنکھوں کے آنسو مسکرانے لگیں گے۔ ابھی تو رو رہی ہو اور یہ عجیب جذبہ ہے۔ تمہارے آنسو دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی ہے اور خوشی کیوں نہ ہو۔ میری عورت ہے۔ میرے لیے رو رہی ہے۔ اپنی دُعاؤں کو آنسوؤں میں بھگو کر خُدا تک پہنچا رہی ہے۔ جو بھی کر رہی ہے اپنے مرد کے لیے کر رہی ہے۔ اے جانِ جاں، آج معلوم ہوا کہ محبت سے رونے والی کے آنسو بھی مسرّتوں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔"

وہ خیالوں سے چونک گئی۔ باہر ہلکا سا شور سُنائی دیا۔ ایک تیسرا بدمعاش دوڑتا ہوا ان دونوں کے پاس آیا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "اُدھر دیکھو، دو گاڑیاں نظر آ رہی ہیں۔"

سب اُدھر دیکھنے لگے۔ ایک نے کہا۔ "اب یہ لڑکی یہاں سے نکل نہیں سکے گی۔"

"یہ بھی تو سوچو، یہ پولیس والے بھی ہو سکتے ہیں۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔ وہ پولیس کی گاڑیاں نہیں ہیں۔ دُور ہی سے پرائیویٹ کاریں نظر آ رہی ہیں۔"

وہ جدھر دیکھ رہے تھے، اُدھر نادرہ نہیں دیکھ سکتی تھی مگر محتاط ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل کو ایک بار پھر چیک کیا۔ اس کے بعد دوڑتے ہوئے، زینے پر چڑھتے ہوئے چھت پر پہنچ گئی۔ پھر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ایک طرف دُور کچی سڑک پر دو کاریں آتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ چھت کی چار دیواری ذرا اونچی تھی۔ وہ سر اٹھا کر دیکھ سکتی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی پانی کی ٹنکی کے پاس آئی۔ پھر اس کی سیڑھیوں پر چڑھتی ہوئی اوپر پہنچ گئی۔ وہاں سے چاروں طرف محاذ بنانے والے بھی صاف طور پر دکھائی دے رہے تھے۔

وہ گاڑیاں کوٹھی سے کچھ فاصلے پر آکر رُک گئیں۔ اگلی گاڑی کے دروازے کھلے۔ پھر ہر دروازے میں سے ایک ایک کر کے لوگ نکلنے لگے۔ ان میں سے ایک بادشاہ خان تھا۔ دوسرا مومن خان۔ بادشاہ خان نے باہر آتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "تم سب جہاں ہو، وہیں اپنے ہتھیار چھوڑ کر میرے پاس چلے آؤ۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

ایک کھنڈر کی شکستہ دیوار کے پیچھے کھڑے ہوئے غنڈے نے کہا "صاحب! تم اپنے ساتھ پولیس والوں کو لائے ہو۔ ہم کیسے بھروسہ کریں۔ کیا ہمیں جیل بھجوانا چاہتے ہو؟"

دوسری گاڑی کے تمام دروازے کھل گئے تھے، وہاں سے مسلح سپاہی باہر نکل رہے تھے۔ پہلی گاڑی کی پچھلی سیٹ سے شاہ جی نکلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ نادرہ خوشی سے کھل گئی۔ اس وقت بادشاہ خان کہہ رہا تھا "میں تم سب کو حکم دیتا ہوں، ایک گولی نہیں چلے گی۔ اسی لیے مومن خان کو ساتھ لایا ہوں۔ تم سب اسے جانتے ہو، جب یہ ساتھ آیا ہے تو پولیس والے تمہیں نہیں پکڑیں گے۔"

نادرہ نے بلند آواز سے کہا "کیسے مسلمان ہو۔ کم از کم مومن پر تو بھروسہ کرو۔"

شاہ جی نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے پانی کی ٹنکی کی بلندی پر دیکھا۔ پھر نادرہ کو دیکھ کر خوشی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولے "بریو مائی سن۔ تم نے تو کمال کر دیا۔ مجھے بادشاہ خان سے معلوم ہو چکا ہے، تم نے ان کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔ سپاہی باپ کے بیٹے، تم نے خود کو مرد ثابت کیا ہے۔ آئی ایم پراؤڈ آف یو۔"

انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر کار کے قریب جانے لگے۔ وہ سمجھ گئے تھے، دو طرفہ فائرنگ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ سپاہیوں کی فائرنگ کا جواب دیں گے تو اوپر سے نادرہ چاروں طرف گھوم کر فائرنگ کرے گی۔

نادرہ پانی کی ٹنکی سے اُتر کر دوڑتے ہوئے، زینے سے اُترتے ہوئے بیرونی دروازے کے پاس آئی۔ پھر اسے کھول دیا۔ سامنے ہی اس کے ڈیڈی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں بازو پھیلائے۔ بیٹا دوڑتا ہوا جا کر ان کے گلے لگ گیا۔ انہوں نے تھپتھپاتے ہوئے کہا "میرے بیٹے، آج میرا سینہ فخر سے تن گیا ہے۔ میں ایک جوانمرد بیٹے کو پا کر کتنا خوش ہوں۔ یہ میرا خدا جانتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آج سے نادرہ رخصت ہو گئی ہے۔ اب نادر میرے پاس رہے گا۔"

وہ نادرہ کے ساتھ چلتے ہوئے اندر آئے۔ ان کے پیچھے بادشاہ خان وغیرہ تھے۔

نادر نے پوچھا "ساحرہ کیسی ہے۔ میرے لیے رو رہی ہو گی؟"

وہ ڈرائنگ روم میں آکر رُک گئے۔ پھر کہا "تم سمجھ رہے ہو، تمہارے ساتھ ساحرہ کو اغوا نہیں کیا گیا ہے؟"

نادرہ نے چونک کر پوچھا "کیا مطلب؟ کیا اسے بھی؟"

"ہاں، اسے بھی اٹھوایا گیا ہے مگر وہ کہاں ہے، مجھے معلوم ہے۔"

"اوہ ڈیڈی! پہلے اس کے پاس جانا چاہیئے تھا۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ خیریت سے ہے۔ اسے نقصان پہنچانا تو دُور کی بات ہے، کوئی اُسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔"

"مگر وہ کہاں ہے؟"

"اپنوں میں ہے۔"

"یہ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ ہمیں کیوں اغوا کیا گیا؟"

"بیٹے، یہ بات سمجھنے کے لیے انسان کے پاس سازشی دماغ ہونا چاہیئے۔ سیدھے سادے لوگ ایسی ہیرا پھیری کو سمجھ نہیں پائیں گے۔"

"کیا آپ ہمارے اغوا کا مقصد سمجھ گئے ہیں؟"

"بڑی حد تک سمجھ گیا ہوں اور کچھ ابھی سمجھنا باقی ہے۔"

ایک سپاہی بڑی سی ٹرے میں کچھ سینڈوچز اور ٹھنڈی بوتلیں لے آیا۔ نادرہ نے خوش ہو کر پوچھا "ڈیڈی، کیا آپ نے سوچا تھا کہ میں بھوکی ہوں؟"

"باپ نہیں سوچے گا تو کیا دشمن سوچیں گے، آرام سے کھاؤ اور بوتل پیو۔"

سپاہی چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں بادشاہ خان، مومن خان کے علاوہ عالم جان اور قاسم علی بھی موجود تھے۔ ان کے پیچھے تقریباً سات مسلح سپاہی تھے۔

قاسم علی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "جناب! میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، آپ نے ہمیں اس طرح کیوں بلوایا ہے؟"

شاہ جی نے اسے غرّا کر دیکھا، پھر کہا۔ "میں تم جیسے ذلیل لوگوں کو سیدھا کھڑا ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ فرش پر گھٹنے ٹیک دو۔"

قاسم علی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "سر! آپ میری عزّت، میری سوشل پوزیشن کا خیال کریں۔"

یُوشٹ اَپ انسپکٹر، اُن کے جُوتے مارو۔ یہ گھٹنے ٹیک دیں گے۔"

انسپکٹر کے حرکت کرنے سے پہلے ہی دونوں نے فرش پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ دونوں ہاتھ آگے باندھ لیے۔ شاہ جی نے کہا۔ "بادشاہ خان! میں نے راستے میں کہا تھا کہ تمہارا مال اس شرط پر جانے دوں گا کہ تم اپنے مال کے ساتھ میرا مال بھی لے جاؤ گے۔"

"جی جناب! آپ نے کہا تھا مگر وہ مال کہاں ہے؟"

انہوں نے عالم جان اور قاسم علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کی لاشیں جائیں گی۔ تم لوگ مال چھپانے کے ماہر ہو۔ ان کی لاشیں بھی چھپا دو گے۔"

یہ سنتے ہی قاسم علی اور عالم جان گڑگڑاتے ہوئے فرش پر اوندھے مُنہ لیٹ گئے۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے۔ "سر! آپ مائی باپ ہیں۔ اوپر خدا مالک ہے۔ نیچے آپ ہیں۔ ہمیں معاف کر دیجئے۔"

شاہ جی نے کہا۔ "چلو سیدھی طرح گھٹنے ٹیک کر بتاؤ، مرزا عبادت حسین کی بیٹی ساحرہ کہاں ہے؟"

اس نے گڑگڑا کر کہا۔ "جنابِ عالی! آپ یقین کریں، دنیا والوں کو دکھانے کے لیے اسے اغوا کیا گیا ہے ورنہ وہ تو اپنے باپ مرزا صاحب کے پاس موجود ہے۔"

یہ ایسی چونکا دینے والی بات تھی کہ نادرہ اور شاہ جی اپنی جگہ سے اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔ نادرہ نے غصّے سے پوچھا۔ "کیا تم سمجھتے ہو ہم تمہاری اس بکواس پر یقین کر لیں گے۔ کیا اغوا کرنے والے بدمعاش کبھی کسی کی بیٹی کو اس کے باپ

کے پاس پہنچا سکتے ہیں؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "شاہ جی، آپ کو دھوکہ دینے کے لیے اسے اغوا کیا گیا تھا تاکہ آپ یہ سمجھتے رہیں کہ بدمعاش صرف آپ کی بیٹی ہی کو نہیں ان کی بیٹی کو بھی اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

شاہ جی اسے گہری سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر آہستہ سے چلتے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔ اس کے بالوں کو مٹھی میں پکڑ کر ایک جھٹکے سے سر اوپر کیا۔ اس کے بعد پوچھا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مرزا عبادت حسین میرے خلاف انتقامی کارروائی کر رہا ہے؟"

"جی ہاں جناب! وہ اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کے بیٹے سے نہیں کرنا چاہتا، وہ آپ کے خلاف بھرا بیٹھا ہے۔ وہ آپ سے بظاہر دشمنی بھی نہیں چاہتا مگر آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ صرف آپ کی بیٹی کو اٹھوا لیتا تو آپ کسی نہ کسی وجہ سے اس پر شبہ کرتے۔ اس نے ساتھ ہی اپنی بیٹی کو بھی اٹھوا کر کراچی کی ایک کوٹھی میں پہنچا دیا ہے۔"

نادرہ نے کہا۔ "کیا کوئی باپ اتنا بڑا خطرہ مول لے سکتا ہے؟ کیا وہ نہیں سمجھ سکتا کہ بیٹی کو اس طرح اٹھوانے سے وہ بدنام ہو جائے گی؟"

"انہوں نے ان تمام پہلوؤں پر غور کر لیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔ شاہ جی، ساحرہ کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں لہٰذا اس کے اغوا کی بات وہ اخبارات تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ پھر ساحرہ، رشتے داروں کے ہاں چھپا کر رکھی جائے گی۔ لہٰذا وہ اپنے رشتے داروں میں بدنام نہیں ہوں گے۔"

شاہ جی نے اس کے بالوں کو چھوڑ دیا۔ پیچھے ہٹ کر بولے۔ "ہُوں، بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ وہ میری بیٹی کو اغوا کرا کے قتل کرا دینا چاہتا تھا۔ تاکہ یہ نہ رہے تو میں رشتہ بھی نہ مانگ سکوں۔"

قاسم علی نے کہا۔ "نہیں جناب! آپ کی بیٹی کے قتل کا سودا نہیں ہوا تھا۔"

عالم جان نے کہا۔ "میں نے بھی صرف اغوا کا سودا کیا تھا، قتل کا نہیں۔"

بادشاہ خان نے کہا۔ "یہ درست کہتے ہیں۔ آپ کی صاحبزادی کو قتل کرنے کی نیّت سے نہیں لایا گیا تھا۔"

شاہ جی ایک ایک کا مُنہ تک رہے تھے اور سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

پھر انہوں نے کہا۔ ”تم لوگ کہنا کیا چاہتے ہو؟“

قاسم علی نے کہا۔ ”آپ ہماری جان بخش دیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، آپ کی صاحبزادی کو نقصان نہیں پہنچا۔ ہم ایسی سچ بات بتاتے ہیں جسے آپ تو کیا کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔“

”زیادہ تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فوراً بولو۔ کیا بات ہے؟“

”جناب، مرزا کی پلاننگ یہ تھی کہ آپ کی صاحبزادی ابھی لڑکی ہے نہ لڑکا۔ لہٰذا اس کی تبدیلی کو روک دیا جائے۔ یہ ہمیشہ لڑکی ہی بن کر رہے گی اور جب لڑکی رہے گی تو پھر آپ ان کی بیٹی کا رشتہ نہیں مانگیں گے۔“

شاہ جی نے دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصے سے پوچھا۔ ”وہ مرزا کا بچہ، تبدیلی کیسے روک سکے گا۔ کیا وہ قدرت سے لڑنا چاہتا ہے؟“

”نن۔ . . نہیں۔“ بادشاہ خان نے کانپتے ہوئے کہا۔ ”وہ، یہ چاہتا تھا۔ غنڈے آپ کی بیٹی کو نوچ کھسوٹ کر رکھ دیں۔ اسے عورت بنا دیں، مکمل عورت۔“

شاہ جی نے غصے سے چیخ کر کہا۔ ”نہیں۔“ اور اس کے ساتھ ہی انہوں ایک گھونسا بادشاہ خان کے مُنہ پر مارا۔ ”کتو! کمینو! میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

وہ غصے سے پاگل ہو گئے۔ بادشاہ خان پر حملہ کرنے کے بعد دوڑتے ہوئے قاسم علی کے پاس گئے۔ پھر اس کے سینے پر لات رسید کی۔ دوسری لات عالم جان کے مُنہ پر پڑی۔ انسپکٹر اور سپاہیوں نے بھی ان تینوں کی پٹائی شروع کر دی تھی۔ نادرہ گم صُم ہو کر انہیں تک رہی تھی اور سوچ رہی تھی، جسے اپنے باپ کے برابر سمجھتی رہی کیا وہ انکل اس کے خلاف اتنی گھناؤنی اور شرمناک سازش کر سکتا ہے؟ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

نادرہ نے چیخ کر کہا۔ ”ڈیڈی! بس کیجئے۔“

اس نے باپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر بولی۔ ”کیا ان کی پٹائی کرنے سے اس لڑکی کی عزت واپس آ جائے گی جسے اغوا کر کے لایا گیا تھا۔ انہوں نے تو اسے لڑکی ہی سمجھا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں نے مردانگی ثابت کر دی ہے مگر ڈیڈ! آپ سر جھکا کر سوچئے۔ اب تک کتنی معصوم بہنوں، بیٹیوں کو اغوا کر کے انہیں برباد کیا گیا۔ ان کی عزت کی دھجیاں اُتاری گئیں۔ ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جھاڑیوں میں

پھینک دیا گیا۔ ایسی شرمناک وارداتوں سے ہمارے اخبارات اور پولیس کی فائلیں بھری پڑی ہیں۔ آپ غصے اور جنون میں ان تینوں کو قتل کر سکتے ہیں۔ آپ اپنی بیٹی کی خاطر اس شہر کو جہنم بنا سکتے ہیں لیکن جن کے والدین آپ کی طرح بڑے ذرائع کے مالک نہیں ہیں۔ آپ کی طرح طاقت، ہتھیار اور قانون کی عملداری نہیں رکھتے، وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ کیسے صبر کرتے ہیں؟ آپ کو صبر کرنا ہوگا۔ تاکہ دوسروں کے دُکھ کا احساس ہو سکے۔ آپ کو ایک ایسے باپ کی طرح چُپ رہنا ہوگا، برداشت کرنا ہوگا۔ جس کی بیٹی کی آبرو لُٹ گئی، جس کی بیٹی کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اخباروں کے صفحات تک پہنچ گئے۔“

شاہ جی صوفے میں دھنس گئے۔ وہ آہستہ آہستہ ہانپ رہے تھے۔ ان تینوں کو گھور کر دیکھ رہے تھے لیکن بیٹی کی باتیں سُن کر پہلے جیسا غصہ اور جنون نہیں رہا تھا۔ وہ سنجیدگی سے سوچ رہے تھے کہ اس مُلک کی سرزمین میں جیسا بیج بویا ہے ویسی ہی فصل کاٹ رہے ہیں۔

نادرہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹرے کے پاس آئی۔ وہاں سے ایک بوتل کھول کر باپ کی طرف بڑھا دی۔ وہ چُپ چاپ اسے لے کر پینے لگے۔ نادرہ نے قاسم علی سے پوچھا۔ ”کیا ساحرہ کو پہلے سے اس منصوبے کا علم تھا؟“

قاسم علی نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ”نہیں بی بی جی، وہ بے چاری معصوم ہے۔ مرزا صاحب کہتے تھے۔ اسے پہلے سے معلوم ہوگا تو وہ ان کا ساتھ نہیں دے گی۔“

نادرہ نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا۔ ”وہ حیا والی ہے۔ محبت والی ہے۔ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ کسی کو دھوکہ نہیں دیتی۔ ڈیڈ، اب کیا ہوگا۔ اب پھر دشمنی بڑھے گی۔ وہ مجھ سے دُور کر دی جائے گی۔“

باپ نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر سر جھکا کر سوچتے رہے۔ کبھی کبھی ایک آدھ گھونٹ پیتے رہے۔ قاسم علی، عالم جان اور بادشاہ خان کی حالت غیر تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے، آج خیریت نہیں ہے۔ شاید یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکیں۔ مومن خان کو پورا یقین تھا کہ یہاں جو کروڑوں روپے کا مال ہے، شاہ جی اسے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انسپکٹر اور تمام سپاہی اٹینشن کھڑے ہوئے تھے۔ اپنے افسر کو دیکھ رہے تھے۔ پتا نہیں، آئندہ مجھے کیا ہونے والا تھا۔

وہ بڑی دیر تک گھونٹ گھونٹ پیتے رہے۔ سب خاموش تھے۔ کسی کو کچھ بولنے

جرأت نہیں تھی۔ آخر کو بوتل خالی ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھے۔ خالی بوتل کو اس کی گردن سے پکڑا۔ پھر قاسم علی کی طرف بڑھنے لگے۔ اس کی گھگی بندھ گئی۔ وہ منہ سے کچھ بولنا چاہتا تھا، گڑگڑا کر معافی مانگنا چاہتا تھا مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ نادرہ نے کہا: "ڈیڈ!"

وہ آگے بڑھتے بڑھتے رُک گئے۔ سر گھما کر بیٹی کو دیکھا پھر بوتل کو زور سے فرش پر دے مارا۔ وہ ایک چھناکے سے ٹوٹی اور ریزہ ریزہ ہو کر دُور تک پھیل گئی۔ انہوں نے قاسم کو مخاطب کر کے کہا: "دیکھو، اسے دیکھو۔ میں ایک چٹکی بجاؤں گا اور تم تینوں ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے۔"

تینوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ منہ کھلے ہوئے تھے۔ انہوں نے بہت بڑا جرم کیا تھا لیکن اس جرم کی سزا موت نہیں تھی۔ چونکہ وہ عدالت بھی نہیں تھی اور وہاں کا حاکم مطلق صرف شاہ جی تھا۔ اس لیے وہ کسی وقت بھی موت کا حکم سنا سکتا تھا۔

شاہ جی وہاں سے واپس اپنے صوفے کی طرف آئے۔ پھر انہوں نے کہا: "میں نے ایک ایسا فیصلہ کیا ہے جس کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

وہ سب انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ انہوں نے آرام سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا: "میں نے تم تینوں کو معاف کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

تینوں نے ایک ساتھ بے اختیار گہری سانسیں لیں مگر بے یقینی سے شاہ جی کو دیکھا۔ انہوں نے انسپکٹر سے کہا: "باہر جو سپاہی ہیں، انہیں پانچوں بدمعاشوں کے ساتھ اندر لے آؤ۔"

انسپکٹر چلا گیا تو انہوں نے بادشاہ خان سے پوچھا: "یہ جو تمہارے پانچ غنڈے ہیں، کیا یہ بھروسے کے آدمی ہیں؟"

"جی ہاں جناب! یہ میرے ایک اشارے پر جان بھی دے سکتے ہیں۔"

"ہم کسی معاملے میں انہیں رازدار بنائیں تو؟"

"وہ راز ان کے اور ہمارے سینوں میں ہمیشہ کے لیے دفن رہے گا۔"

وہ پانچوں بدمعاش آ گئے۔ ان کے ساتھ چار سپاہی بھی تھے۔ شاہ جی نے کہا۔ "انسپکٹر! میں ایک معاملے میں تمہیں اور ان گیارہ آدمیوں کو رازدار بنا رہا ہوں۔ یہ راز

کسی بارھویں آدمی تک نہیں پہنچنا چاہیے۔"

پھر انہوں نے قاسم علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "میں اس شرط پر جان بخش رہا ہوں کہ تم تینوں میرے رازدار بن کر رہو گے جو کہوں گا، اس پر عمل کرو گے۔"

انہوں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ پھر گھٹنوں سے چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ قاسم علی نے جھک کر کہا: "مجھے ایک بار معاف کر دیجئے۔ میں ساری زندگی غلام بن کر رہوں گا۔"

شاہ جی نے کہا: "اچھا تو سب غور سے سُن لو۔ میں تم لوگوں سے یہاں مل چکا ہوں۔ یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔

انہوں نے نہیں، نہیں کے انداز میں سر ہلایا۔ شاہ جی نے کہا: "میرا بیٹا مجھے مل چکا ہے۔ یہ بات یہاں سے باہر نہیں جائے گی۔"

اس بات پر ان تینوں کے ساتھ مومن خان اور سپاہیوں نے بھی سر ہلایا۔ انہوں نے کہا: "فی الحال میرا بیٹا چھپا رہے گا۔ میرے سپاہی اسے تلاش کرتے رہیں گے۔ تم تینوں میرے دشمن کو یہی تاثر دو گے کہ میں کبھی اپنے بیٹے کو تلاش نہیں کر سکوں گا۔ کیا ایسا کرو گے؟"

وہ تینوں جلدی سے ہاں، ہاں کے انداز میں سر ہلاتے چلے گئے۔

زبیر اور پھوپھی اماں دونوں ہی گھنٹے بھر سے ناشتہ کرانا چاہتے تھے مگر وہ انکار کر رہی تھی۔ آخر صاف طور سے کہہ دیا، جب تک نادر کی آواز نہیں سُنے گی، اس کی خیریت معلوم نہیں کرے گی۔ ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پئے گی۔ پھوپھی اماں نے چڑ کر کہا: "تم نے تو بے شرمی کی حد کر دی۔ میرے سامنے کسی لڑکے سے اتنی محبت جتا رہی ہو جب کہ وہ لڑکا بھی نہیں ہے۔"

"جب وہ لڑکا نہیں ہے تو پھر بے شرمی کیسے ہوئی؟"

"میں تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتی۔ اگر بھائی کی بیٹی نہ ہوتیں تو کبھی بہو بنانے پر راضی نہ ہوتی۔"

"کیا؟ آپ نے کیا کہا؟"

ساحرہ ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ اور مجھے بہو بنائیں گی۔ کس کی اجازت سے بنائیں گی۔ یہ خیال آپ کے دماغ میں آیا کیسے؟ کیا میں کوئی گائے بکری ہوں کہ آپ میرے گھر سے مجھے باندھ کر لے جائیں گی؟"

پھوپھی اماں جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ اس سے دُور جاتے ہوئے بولیں۔ "ارے ارے، تم تو ایسے تن کر کھڑی ہو گئیں جیسے مار ہی ڈالو گی۔ کیا شریف زادیاں ایسی ہوتی ہیں۔ مجھے تو شبہ ہے، اس کے ساتھ رہ کر تم بھی لڑکا بنتی جا رہی ہو۔"

زبیر نے آگے بڑھ کر اپنی ممی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا، پھر کہا: "آپ غصہ تھوک دیں، اپنے کمرے میں جائیں۔ میں ساحرہ سے بات کرتا ہوں۔"

"تم کیا بات کرو گے۔ اب تو بات ختم ہی سمجھو۔"

ساحرہ نے ناگواری سے کہا: "بات ہوئی کب تھی جسے آپ ختم کر رہی ہیں۔"

"ساحرہ پلیز۔" زبیر نے اسے التجا آمیز نظروں سے دیکھا۔ پھر ماں کو لیتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آ کر بولا: "تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔ جب تمہارے پاپا نے رشتے کی بات چھیڑی ہے، تب ہی امی نے ایسا کہا ہے۔"

"تو پھوپھی اماں کو پاپا کے پاس جا کر رشتے سے انکار کرنا چاہئے۔ کیا میرے منہ پر انکار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ سراسر میری توہین کر رہی ہیں؟"

"بے شک۔ امی کو تم سے نہیں، پاپا سے کہنا چاہئے لیکن امی کے انکار کے باوجود میں دل کی بات کہتا ہوں۔ ہم نے بچپن ایک ساتھ گزارا ہے۔ میں بچپن سے تمہیں پسند کرتا آیا ہوں۔ تم سے محبت کرتا ہوں۔"

ساحرہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے سامنے آئی۔ گہری سنجیدگی سے بولی: "میں بھی تمہیں چاہتی ہوں۔ تم سے محبت کرتی ہوں مگر ایک ماموں زاد بہن کی حیثیت سے۔ مجھے یقین ہے، اس کے بعد تم بھی ایک پھوپھی زاد بھائی کی حیثیت سے گفتگو کرو گے۔"

زبیر نے ایک گہری سانس لی۔ دوسری طرف جاتے ہوئے کہا: "جب تک شادی نہیں ہوتی، ہم پھوپھی زاد، ماموں زاد، تایا زاد، چچا زاد اور خالہ زاد بھائی بہن ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد میاں بیوی بن جاتے ہیں۔ ہم ابھی ایک دوسرے کے کزن رہیں گے لیکن محبت میں ناکامی ہو اور تم نادر کی زندگی میں شریکِ حیات بن کر نہ جا سکو تو وعدہ کرو، میری شریکِ حیات بننا پسند کرو گی۔"

"تم نے محبت میں ناکامی کی بات کی ہے۔ اگر کسی سے محبت کرو تو معلوم ہو گا یہ بھی ایک جذبہ ہے جس میں کوئی ناکام نہیں ہوتا۔ کسی کو پا لینا محبت نہیں ہے۔ چاہ کر کھونا اور اس کے لیے زندگی گزار دینا سب سے بڑی محبت ہے۔ میں اس کی زندگی میں شریکِ حیات بن کر نہ جا سکی تو کسی اور کی لائف پارٹنر بننا کبھی گوارا نہیں کروں گی۔"

"تم جذباتی لہجے میں بول رہی ہو ورنہ دنیا میں آج تک ایسا نہیں ہوا۔ کوئی عورت اپنی سہیلی سے خواہ کتنی ہی محبت کرے، اپنا ایک جیون ساتھی ضرور بناتی ہے۔"

"وہ سہیلی نہیں ہے۔"

"اگر وہ سہیلی رہے، تبدیل نہ ہو سکے تو کیا میرے حق میں فیصلہ کرو گی؟"

"میں ایک بات بتاؤں۔ شاید اس کے بعد کچھ اور کہنے کی گنجائش نہ رہے۔ میں برسوں سے دُعا مانگتی آ رہی تھی، کہ سہیلی سے کبھی جُدا نہ ہونا پڑے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، میرا خدا میری دُعا کو اس انداز میں پورا کرے گا۔"

"اگر دعا پوری نہ ہو سکی۔ میڈیکل سرٹیفکیٹ اس کے خلاف رہا تب . . . ؟"

ساحرہ نے مُنہ پھیر لیا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس سے دُور گئی۔ ایک جگہ رُک گئی۔ پھر بڑے اعتماد سے اور بڑے ہی مستحکم لہجے میں کہا۔ "میڈیکل سرٹیفکیٹ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ صرف ایک عورت کا بیان کافی ہوگا۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ زبیر پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ لڑکی نادرہ کی محبت میں اس انتہا کو پہنچ جائے گی۔ وہ مرزا ماموں کا قائل ہو گیا۔ اب سمجھ میں آ رہا تھا، انہوں نے ایسی چال کیوں چلی۔ کیوں اسے لڑکی ہی بنائے رکھنے کے لیے اغوا کرایا۔ اب تو ساری دنیا کو معلوم ہوگا کہ وہ لڑکی تھی، لڑکی ہے، لڑکی رہے گی۔ ان حالات میں ساحرہ کے کسی بیان کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔

وہ سوچتے سوچتے چونک گیا۔ کال بیل کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم کے اگلے دروازے پر آیا۔ برآمدے میں دو شخص کھڑے ہوئے دکھائی دیئے۔ اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے کھڑکی سے جھانک کر پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

ایک شخص قریب آ کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "ہمیں مرزا صاحب نے بھیجا ہے۔ ہم یہاں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ پلیز، دروازہ کھولیے۔"

مرزا ماموں کے حوالے پر اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ شخص اندر آتے ہی اسے پرے دھکیل کر ریوالور نکالتے ہوئے بولا۔ "آواز نکالو گے تو گولی مار دوں گا۔"

وہ ریوالور کو دیکھتے ہی دم بخود رہ گیا۔ مُنہ سے آواز نہ نکل سکی۔ اس نے کھڑکی سے دو آدمی دیکھے تھے مگر دروازہ کھلتے ہی چار آ گئے۔

انہوں نے ماں بیٹے کی نگرانی کے لیے ایک مسلح شخص کو وہاں چھوڑا۔ باقی تین افراد اس کمرے سے باہر آئے۔ دروازے کو بند کیا پھر دوسرے دروازے کے قریب جا کر دیوار

سے لگ کر ایک واکی ٹاکی نکالا۔ اس کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ اس کے بعد کہا۔ "جناب ہم نے ماں بیٹے کو قابو میں کر لیا ہے۔ اب اس کمرے کے پاس ہیں جس میں ساحرہ بی بی موجود ہیں۔ ہم دروازے پر دستک دینے جا رہے ہیں۔ دستک دیتے ہی آپ ذرا اونچی آواز میں انہیں مخاطب کیجیے گا اور دروازہ کھولنے کے لیے کہیے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں یہاں سے آواز سُن رہا ہوں۔"

وہ واکی ٹاکی والا اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دروازے کے سامنے آیا پھر اس نے دستک دی۔ کمرے کے اندر ساحرہ بستر پر اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ نادرہ کے لیے سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ دستک کی آواز سُن کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر اسے اپنے انکل شاہ جی کی آواز سُنائی دی۔ "بیٹی ساحرہ! میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔"

اس میں جیسے بجلی بھر گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی پھر دوڑتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا واقعی آپ ہیں؟"

"ہاں بیٹے، میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔"

اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا لیکن تین اجنبیوں کو دیکھتے ہی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ ان میں سے ایک نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔ "بی بی جی! آپ پریشان نہ ہوں۔ ہم شاہ جی کے بندے ہیں۔ ابھی آپ نے اس واکی ٹاکی کے ذریعے ان کی آواز سُنی ہے۔ یہ لیجیے، آپ ان سے بات کر کے مطمئن ہو سکتی ہیں۔"

ساحرہ نے جھجکتے ہوئے واکی ٹاکی کو دیکھا۔ وہاں سے شاہ جی کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ "بیٹی، میں اپنے آدمیوں کی آوازیں سُن رہا ہوں۔ کیا مجھ سے بات نہیں کرو گی؟"

اس نے جھپٹ کر واکی ٹاکی لے لیا۔ پھر کہا۔ "انکل! میری بالکل فکر نہ کریں۔ آپ کو نادرہ کے اغوا کی خبر مل چکی ہو گی۔ آپ جلدی بتائیے، وہ کہاں ہے؟ آپ نے اسے تلاش کیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ ہمارے بزرگوں نے بہت مایوس کیا ہے۔ پلیز، انکل، آپ ہمیں مایوس نہ کریں۔"

"بیٹے! تم بولتی جا رہی ہو، کچھ میری بھی سنو۔ اگر چُپ چاپ ان آدمیوں کے ساتھ چلی آؤ تو میں تمہیں نادرہ کے پاس پہنچا دوں گا۔"

وہ یکبارگی خوشی سے چیخ کر بولی۔ "کیا؟ آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہوں۔ فوراً ان کے ساتھ چلی آؤ۔"

"میں آ رہی ہوں مگر۔۔۔۔۔۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی "کیا زہرا اور پھوپھی اماں کو پتا ہے کہ آپ کے پاس آ رہی ہوں؟"

"انہیں کچھ معلوم نہیں ہوگا اور نہ ہی تم بتاؤ۔ چپ چاپ چلی آؤ۔ کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟"

"انکل، آپ کیسی بات کر رہے ہیں، میں ابھی آ رہی ہوں۔"

وہ تینوں ایک طرف ہٹ گئے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے کمرے سے باہر آئی۔ پھر ایک نظر پھوپھی اماں کے کمرے کی طرف ڈالی۔ ایک نے آہستگی سے کہا۔ "وہ دونوں کمرے میں ہیں۔ شاہ جی نے تاکید کی تھی، انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ وہ بخیریت ہیں۔"

وہ مطمئن ہو کر ان کے آگے چلتے ہوئے، ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے باہر آئی۔ وہاں ایک کار موجود تھی۔ کھڑکیوں کے شیشے گہرے رنگ کے تھے۔ اندر بیٹھے ہوئے نظر نہیں آسکتے تھے۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا، ساحرہ نے ذرا جھک کر دُور ہی سے دیکھا تو خوشی سے کھل گئی۔ دوسری کھڑکی کی طرف، پچھلی سیٹ پر شاہ جی بیٹھے ہوئے تھے اور شاہ جی کے ساتھ نادرہ نظر آ رہی تھی۔ ساحرہ نے جلدی سے سر پر آنچل ڈال لیا۔ کہاں تو نادر کے پاس پہنچنے کے لیے بے تاب تھی۔ اب اسے دیکھتے ہی شرمانے لگی تھی۔ شاہ جی نے کہا "بیٹی، جلدی آؤ، دیر نہ کرو۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پچھلی سیٹ پر آ کر نادرہ کے برابر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھادی۔ وہ پھر ایک بار اغوا کی جا رہی تھی۔ پہلے مرزا صاحب کا خیال تھا، وہ بیٹی کی بھلائی کے لیے اغوا کرا رہے ہیں۔ اب شاہ جی کا خیال تھا، وہ دو محبت کرنے والوں کو ملانے اور مرزا صاحب کو اچھا سبق سکھانے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ کوئی بھی ناجائز کام خواہ کتنی ہی محبت اور نیک نیتی سے کیا جائے، وہ ہر حال میں ناجائز ہوتا ہے۔ اگر ایک ڈاکو کسی مالدار کو لوٹ کر غریبوں میں وہ مال تقسیم کر دے تو عام لوگوں کی نظر میں یہ ڈاکو کی نیکی اور خدا ترسی تو ہوگی۔ وہ عوام میں ہیرو تو کہلائے گا مگر مذہب اور قانون کی نظر میں مجرم ہوگا۔

اسے اختصار سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ لوگ مجبور ہیں، بہت مجبور ہیں۔ اپنی جائز بات منوانے کے لیے کئی طرح کے ناجائز راستے اختیار کرتے ہیں اور یہی ہمارا آج کا معاشرہ ہے۔

جب تک گلیسرین کی جلن آنکھوں میں رہی، مرزا صاحب روتے رہے۔ آنسو بہاتے رہے پھر آہستہ آہستہ جلن ختم ہونے لگی۔ آنسو بھی ختم ہونے لگے۔ اب وہ دوسروں کے سامنے جیب سے ننھی سی شیشی نکال کر آنکھوں میں گلیسرین ٹپکا نہیں سکتے تھے۔ اگر مزید آنسو نہ بہتے تو بیٹی کے اغوا پر ہمدردی کرنے والے ضرور سوچتے، کیا باپ کے آنسو اتنی ہی دیر کے تھے۔ وہ کسی کو بولنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے، لہٰذا صدمے سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گئے۔

ساحرہ کی ممی نے ان کی یہ حالت دیکھی تو سینہ پیٹ کر رونے لگیں۔ نادرہ کی ممی نے فوراً ٹیلیفون کے ذریعے ڈاکٹر کو طلب کیا۔ وہاں ان دونوں کے علاوہ ساحرہ کی خالہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ حالاں کہ نادرہ کی ممی نے منع کیا تھا کہ ابھی کسی رشتے دار کو اطلاع نہ دی جائے۔ بیٹی کا معاملہ ہے۔ بات دُور تک پھیلے گی لیکن ساحرہ کی ممی نے اپنی بہن کو اپنے غم میں شریک کرنے کے لیے بلایا تھا۔

مرزا صاحب دل ہی دل میں ناراض تھے کہ بیگم نے بہن کو کیوں بلایا ہے۔ کیوں کہ وہ تنہا نہیں تھیں۔ اپنے شوہر اور بچوں کے علاوہ اپنے سُسرال سے بھی دو عورتوں کو لے آئی تھیں۔ انہوں نے یہ پلاننگ کرتے وقت سوچا نہیں تھا کہ بیگم اپنے میکے والوں کو بلائیں گی۔ بیٹی کے اغوا کی بات چھپی نہیں رہ سکے گی۔ اب یہاں سے یہ جائیں گے تو جہاں بیٹھیں گے وہاں یہ قصّہ چھیڑیں گے اور بات دُور تک پھیلتی چلی جائے گی۔ مشکل یہ تھی کہ وہ اپنی پلاننگ میں بیگم کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اب انہوں نے بہن وغیرہ کو بلایا تھا تو یہ ان کی نادانی نہیں تھی۔ ایسے وقت اپنوں کو ہی بلایا جاتا ہے اور ان کے گلے لگ کر رویا جاتا ہے۔

مرزا صاحب آہستہ آہستہ ہوش میں آگئے۔ انہیں ڈر تھا، ڈاکٹر کہیں ان کی جھوٹی بیہوشی کا پول نہ کھول دے۔ ڈاکٹر نے ان کا معائنہ کیا پھر اعصاب کو بحال رکھنے کے لیے دوائیں تجویز کرنے لگے۔ مرزا صاحب نے بڑے ہی درد و کرب سے کہا "ڈاکٹر، یہ دوائیں نہ دو، تھوڑا سا زہر دے دو۔"

یہ بات سُن کر خواتین بے اختیار رونے لگیں۔ اپنے اپنے طور پر تبصرہ کرنے لگیں۔ "ہائے، بیٹی بھی کتنی پیاری ہوتی ہے۔ گھر سے باہر قدم نکلے تو غیرت مند باپ خودکشی کر لیتے ہیں۔"

ایک خاتون نے کہا "ویسے فکر کی بات نہیں ہے۔ شاہ جی کی پہنچ دُور تک ہے۔ دیکھ لینا، جلد ہی وہ ساحرہ اور نادرہ کو واپس لے آئیں گے۔"

ایک اور خاتون نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا "ہاں بہن، وہ تو ٹھیک ہے مگر دو لڑکیاں دس بدمعاشوں کے بیچ رہیں گی۔ اب تک پانچ گھنٹے گزر چکے ہیں، پتا نہیں وہ انہیں کہاں لے گئے ہیں اور ان کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہیں۔"

خاتون نے دو الفاظ کیسا سلوک پر خاصا زور دے کر بات پوری کی۔ مرزا صاحب نے انہیں گھور کر دیکھا۔ ڈاکٹر نے کہا "اب خواتین یہاں بھیڑ نہ لگائیں تو بہتر ہے، انہیں آرام کرنے دیں۔"

مرزا صاحب نے کہا "تھینک یو ڈاکٹر، میں تنہائی اور سکون چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر چلا گیا۔ خواتین وہاں سے دوسرے کمرے میں منتقل ہو گئیں۔ ساحرہ کی ممی پائنتی بیٹھ کر ان کے پاؤں دابنے لگیں۔ انہوں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا "تمہیں بہن کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں گھبرا گئی تھی۔ میری جان نکلی جا رہی تھی۔ کوئی سہارا نہیں مل رہا تھا۔ ایسے میں بہن کو نہ بلاتی تو کیا کرتی؟"

"تم نے اپنے سہارے کے لیے بُلا لیا۔ یہ نہیں سوچا کہ بیٹی کے اغوا پر یہ خواتین طرح طرح کی باتیں کریں گی۔ کیا تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے؟"

بیگم نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ انہوں نے کہا "سر جھکانے سے کیا ہوتا ہے۔ ان کے پاس جاؤ۔ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سمجھاؤ، یہ بات ہمارے گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ ورنہ یہ محلے پڑوس میں جہاں بیٹھیں گی، وہیں یہ قصہ دہراتی رہیں گی۔"

بیگم اٹھ کر چلی گئیں۔ انہوں نے گھڑی دیکھی، یہاں آئے دو گھنٹے ہو گئے تھے۔ اب تک شاہ جی سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ لڑکیوں کو تلاش کرنے میں مصروف تھے۔ مرزا صاحب نے اگرچہ بڑی ہی مستحکم منصوبہ بندی کی تھی۔ کہیں بھی کوئی خامی نہیں چھوڑی تھی۔ تاہم دل ہی دل میں گھبراتے ہوئے سوچ رہے تھے: شاہ جی سے نظریں کیسے ملاؤں گا۔ ان کے سامنے صحیح طور پر رو پاؤں گا یا نہیں؟

بے شک انہوں نے کوئی کمزوری نہیں چھوڑی تھی مگر یہی سب سے بڑی کمزوری تھی کہ بیٹی اغوا نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ اس گھر میں نہیں تھی مگر دوسرے گھر میں تھی۔ ان کی اپنی پناہ میں تھی۔ وہ مطمئن تھے اور جب آدمی کو اطمینان ہو تو وہ کبھی نہیں روتا البتہ اداکاری دکھانا ہوتی ہے۔ وہ یہی سوچ رہے تھے کہ عورتوں کے سامنے تو کامیاب اداکاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ شاہ جی کے سامنے کیا ہو گا؟

ایک گھنٹے بعد ان کا اطمینان ختم ہو گیا۔ بیگم نے اطلاع دی کہ زبیر اور ان کی امی آئی ہیں۔ اپنی بہن اور زبیر کا نام سنتے ہی وہ ایک دم سے اچھل کر بستر پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے پوچھا "کیا ساحرہ بھی آئی ہے؟"

"بیٹی کے اغوا سے آپ کے دماغ پر بُرا اثر پڑا ہے۔ بھلا سوچیے تو سہی، آپ کی ہمشیرہ اور زبیر پنڈی سے آئے ہیں۔ ساحرہ ان کے ساتھ کیسے ہو سکتی ہے۔"

انہوں نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا "فوراً دونوں کو میرے پاس بلاؤ اور دیکھو، کوئی کمرے میں نہ آنے پائے۔"

بیگم کے بلانے سے پہلے ہی وہ کمرے میں آگئے۔ مرزا صاحب نے پریشان نظروں سے دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھنے لگے۔ میری بیٹی کو چھوڑ کر کیوں آئے ہو؟

پھر انہوں نے بیگم سے کہا "تم باہر جاؤ۔ میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

بیگم نے حیرانی سے کہا "یہ ابھی لمبے سفر سے تھک کر آئے ہیں۔ انہیں غسل وغیرہ سے فارغ ہونے دیجئے۔ میں ان کے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔"

مرزا صاحب نے یک بیک دھاڑتے ہوئے کہا "بکواس بند کرو۔ میں یہاں سے جانے کے لیے کہہ رہا ہوں، چلی جاؤ۔ دروازہ بند کر دو۔ کوئی یہاں نہ آئے۔"

بیگم کو مرزا صاحب کا یہ رویّہ بہت بُرا لگا لیکن وہ یہ سوچ کر برداشت کر گئیں کہ

بیٹی کی وجہ سے دماغ قابو میں نہیں ہے۔ پھر بھی وہ غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے باہر گئیں، دروازے کو بند کر دیا۔

مرزا صاحب نے فوراً زبیر کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ اسے تنہا چھوڑ کر کیوں آئے ہو؟"

"ماموں جان! اسے کچھ بدمعاش اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

مرزا صاحب نے فوراً ہی اس کے گریبان کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ان غنڈوں نے ہمیں ریوالور دکھا کر بے بس کر دیا تھا۔ ہمیں ایک کمرے میں بند کر دیا تھا پھر پتا ہی نہ چلا، وہ ساحرہ کو کب لے گئے۔ ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ باہر ریوالور لیے کھڑے ہیں۔ آخر میں نے ہمت کی اور انہیں آواز دی۔ ساحرہ کو پکارا۔ جب خاموشی رہی تو میں نے اپنی امی کے ہاتھوں کی رسّی کھولی۔ انہوں نے میری رسّی کھول دی۔ پھر ہم دروازہ کھول کر باہر آئے تو کوئی نہیں تھا۔ کمرے میں دیکھا تو ساحرہ نہیں تھی۔"

مرزا صاحب پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زبیر کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے بہن کو دیکھا۔ بہن نے کہا۔ "غنڈوں نے ہمارے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ اوپر سے پٹی باندھ دی۔ پھر ہمارے ہاتھ باندھ کر کمرے میں ڈال دیا۔ میں تو سیدھی پولیس اسٹیشن جانے والی تھی مگر زبیر نے انکار کیا۔ کہنے لگا۔ پہلے ماموں جان سے بات کریں گے۔ ہم سیدھے تمہارے پاس آ رہے ہیں۔"

وہ گھور کر بہن کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے پوچھا۔ "کون تھے وہ بدمعاش؟"

"کہہ تو رہی ہوں، بدمعاش تھے۔ اب کیا وہ نام اور پتا بتا کر جاتے؟"

مرزا صاحب نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ دھپ سے بستر پر گر گئے۔ پھر کہا۔ "اوہ زبیر، تم جوانمرد ہو، تم نے کیسے میری بیٹی کو جانے دیا۔ تمہیں کچھ تو کرنا چاہیے تھا۔ آخر وہ کون تھے، کہاں سے آئے تھے؟"

"ماموں جان! آپ نے ہمیں نگرانی کے لیے رکھا مگر ریوالور خود لے آئے۔ اگر میرے پاس ہتھیار ہوتا تو کبھی ساحرہ کو لے جانے نہ دیتا۔"

"وہ کون ہو سکتے ہیں؟" مرزا صاحب بڑبڑانے لگے۔ پھر اٹھ کر بولے۔ "آخر وہ کون ہو سکتے ہیں؟ مجھ سے اور میری بیٹی سے کون دشمنی کر سکتا ہے؟"

کئی سال پہلے پولیس والے ایسا سوال کرتے تھے، محلے والے پوچھتے تھے۔ رشتے دار پوچھتے تھے۔ آخر کسے دشمنی ہو سکتی ہے۔ کون جوان لڑکی کو اٹھا کر لے جا سکتا ہے... ایسا دشمنی کی بنیاد پر ہوا کرتا تھا لیکن آج دہشت گردی اتنی عام ہو گئی تھی کہ کسی سے ذاتی دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جدید ہتھیار لے کر دندناتے پھرنے والے کسی کو بھی اٹھا کر لے جا سکتے تھے۔ اب وہ شاہ جی پر شبہ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان دونوں کی تلاش میں وہ صبح سے گئے ہوئے تھے، اب تک واپس نہیں آئے تھے۔ نادرہ کی ممی بار بار فون کر کے بتاتی جا رہی تھیں کہ فلاں فلاں پولیس افسر بھی ان دونوں کی تلاش میں مصروف ہیں بہت جلد بچے مل جائیں گے۔

مگر کیسے ملیں گے؟ اغوا کا کیس اور پیچیدہ ہو گیا تھا۔ وہ لڑکی جو ابھی واپس نہیں ملی تھی، وہ پھر اغوا کر لی گئی تھی۔ یہ فریاد نہیں کر سکتے تھے، یہ بیان نہیں دے سکتے تھے کہ بیٹی کو ابھی ابھی اغوا کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے نہیں کیا گیا تھا یا اس سے پہلے اگر کیا گیا تھا تو پھر دوبارہ کسی اور نے اغوا کیا ہے۔

تب ان سے سوال کیا جاتا کہ بیٹی کو دوبارہ اغوا کس نے کیا ہے؟ کیسے خبر ملی کہ لڑکی جن اغوا کرنے والوں کے قبضے میں تھی، وہاں سے کچھ دوسرے بدمعاش اسے اٹھا کر لے گئے ہیں؟ اب مرزا صاحب صحیح معنوں میں اغوا شدہ لڑکی کے باپ تھے، زبان سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ بیٹی پہلے نہیں، اب اغوا کی گئی ہے۔ خدا کے لئے اسے تلاش کرو، معلوم کرو کہ کون لوگ اسے لے گئے ہیں؟

وہ سوچ رہے تھے، ٹہل رہے تھے، بڑبڑا رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا پھر اچانک وہ رُک گئے، چونک کر ایک طرف دیکھا۔ پھر تقریباً دوڑتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ باہر بیگم نے اس حال میں دیکھا تو پوچھا۔ "کیا ہوا، کہاں جا رہے ہیں؟"

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تیزی سے دوڑتے ہوئے باہر آئے پھر اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ بیگم پیچھے پیچھے... آ رہی تھیں لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی اور احاطے سے باہر نکل گئی۔ بیگم نے پلٹ کر زبیر سے پوچھا۔ "کیا بات

ہے۔ وہ کہاں گئے ہیں؟"

زبیر نے کہا۔ "ممانی جان، ہمیں کیا معلوم۔ ہم ابھی آئے ہیں اور خود سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

مرزا صاحب کے دماغ میں آندھی چل رہی تھی، وہ طوفانی رفتار سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ ایک جگہ سگنل نے ان کا راستہ روک لیا۔ وہ چاہتے تھے، سگنل کی پروا کیے بغیر تیزی سے کار دوڑاتے چلے جائیں پھر سوچا، دماغ کو قابو میں رکھنا ہوگا۔ اگر پولیس والوں نے پیچھا کیا اور انہوں نے یہ کہا کہ بیٹی کا معاملہ ہے اور وہ اسی سلسلے میں قاسم علی سے ملنے جا رہے ہیں تو یہ بات شاہ جی تک پہنچ سکتی تھی اور شاہ جی، قاسم علی تک پہنچ سکتے تھے۔

وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہوئے آخر قاسم علی کے دفتر پہنچ گئے۔ وہاں پتا چلا، وہ آج دفتر نہیں آیا ہے۔ شاید اپنی رہائش گاہ میں ہے۔ انہوں نے منیجر سے رہائش گاہ کا پتا پوچھا۔ منیجر نے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنے کسی پرائیویٹ مکان میں آرام کرتے ہیں۔ میں وہاں کا پتا نہیں جانتا۔ البتہ فون نمبر دے سکتا ہوں۔"

مرزا صاحب نے فون نمبر لے کر ریسیور اٹھایا، نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد قاسم علی کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے کہا۔ "میں مرزا بول رہا ہوں۔ قاسم، یہ کیا ہو رہا ہے؟ میری بیٹی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔"

قاسم کی آواز سنائی دی۔ "جناب، آپ ہی کے مشورے پر ایسا کیا گیا ہے۔ بیٹی آپ کے حوالے کر دی گئی ہے۔"

"یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں۔ بیٹی میرے پاس نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں اسے ایک کرائے کی کوٹھی میں لے گیا تھا۔ وہاں میری بہن اور میرا بھانجا اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ چند بدمعاش آئے، انہوں نے ریوالور دکھا کر میری بہن اور میرے بھانجے کو باندھ کر کمرے میں چھوڑ دیا، پھر میری بیٹی کو اٹھا کر لے گئے۔"

"اوہ مرزا صاحب! یہ تو آپ بڑی عجیب خبر سنا رہے ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ اغوا کا

جھوٹا ڈرامہ جو ہم نے کیا، اب وہ سچ ہو رہا ہے۔"

"قاسم علی! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے، میں نہیں آسکوں گا۔"

"آخر بات کیا ہے۔ تمہاری آواز کچھ عجیب سی ہے، ایسا لگتا ہے، کسی تکلیف میں مبتلا ہو۔"

قاسم علی یہ کیسے بتا سکتا تھا کہ اس کی بُری طرح پٹائی ہوئی ہے۔ چہرہ سُوج گیا ہے، کتنے ہی زخم آئے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ مرزا صاحب کا سامنا نہیں کر سکے گا۔ اس نے کہا۔ "آپ نے درست اندازہ لگایا ہے۔ میں بیمار ہوں۔ اپنے گھر سے نکل نہیں سکتا۔ آپ مجھے فون پہ بتائیں، مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، تم نے اغوا کے سلسلے میں کن بدمعاشوں کی خدمات حاصل کی تھیں؟"

"بدمعاش جو بھی تھے، میرے بھروسے کے تھے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔ ان میں سے کسی کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے اپنا الگ منصوبہ بنایا اور میری بیٹی کو اٹھا کر لے گیا۔ قاسم علی! میں غصے سے کھول رہا ہوں۔ میں بُری طرح کانپ رہا ہوں۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ میری بیٹی پرائے ہاتھوں میں جائے مگر وہ جا چکی ہے۔ تم میرے دل اور دماغ کی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ فوراً مجھے ان بدمعاشوں کے نام اور پتے بتاؤ۔"

"آپ اپنے آپ میں نہیں ہیں۔ اس وقت کوئی غلطی کر بیٹھیں گے تو میں بھی پھنس جاؤں گا۔ آپ میرے کسی بھی بدمعاش سے ملاقات کرنے جائیں گے تو یہ بات شاہ جی سے چھپی نہیں رہے گی۔ آج ان کی پوری پولیس فورس شہر میں دندناتی پھر رہی ہے، ہر مشکوک آدمی کا محاسبہ کر رہی ہے۔ پلیز مرزا صاحب، آپ اپنے گھر چلے جائیں۔ آرام سے بیٹھیں۔ میں سوچتا ہوں اور اپنے آدمیوں کو آپ کی صاحبزادی کی تلاش میں لگاتا ہوں۔ آپ کا اس معاملے میں باہر نکلنا اور اُسے خود تلاش کرنا یا کسی بدمعاش سے ملنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ آپ نے جو بات شاہ جی سے چھپانا چاہی، اسے چھپائے رکھیں۔ اسی میں میری اور آپ کی بھلائی ہے اور یہی دانشمندی ہوگی۔"

اس کے ساتھ اس کے کراہنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں، مرزا صاحب نے کہا۔ "دیکھو قاسم، میں مانتا ہوں، تم بیمار ہو مگر فون بند نہ کرنا۔ مجھے کوئی راستہ بتاؤ تاکہ میں خود بیٹی کی تلاش میں نکل سکوں۔"

میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ وہ آپ کی بیٹی ہے۔ آپ اسے دن رات تلاش کر سکتے ہیں لیکن اس معاملے میں میرا ساتھ رہنا یا میرے کسی بدمعاش کا ساتھ دیکھا جانا میرے لیے موت کے برابر ہوگا۔ میں اس سلسلے میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گا، مجھے بہت افسوس ہے، ویسے میں دوسری خدمات کے لیے اب بھی حاضر ہوں۔ میرا فون نمبر آپ کے پاس ہے، آپ جب چاہیں مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ میں بہت تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔ ابھی مجھے معاف کر دیجیے۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ خالی ریسیور کو تکنے لگے۔ وہ اس ریسیور کی طرح آواز سے خالی تھے، نہ کسی کو دکھڑا سنا سکتے تھے، نہ کسی سے مشورہ لے سکتے تھے۔ ایسے مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں آدمی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے بعد تکلیف کی شدت سے چیختا ہے لیکن وہ اتنے مجبور تھے کہ چیخ بھی نہیں سکتے تھے۔

انہوں نے اپنے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ تھوڑی دیر میں بیگم کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے پوچھا۔ "کچھ پتا چلا؟"

"نہیں۔ میں ہر آنے والے کو امید بھری نظروں سے دیکھتی ہوں۔ شاید کوئی خوشخبری ملے لیکن اس کی خبر نہیں مل رہی ہے۔"

"ریسیور زبیر کو دو۔"

"آپ کہاں ہیں، کیوں اتنے غصے میں گئے ہیں؟ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

"یہ فضول باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ ریسیور زبیر کو دو۔"

تھوڑی دیر بعد زبیر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو، ماموں جان؟"

"کیا تم نے ممانی کو بتا دیا ہے؟"

"جی نہیں، میں نے امی کو منع کر دیا ہے، ممانی جان کو بتانا ہوگا تو آپ بتائیں گے۔"

"انہیں پتا نہیں چلنا چاہیے ورنہ وہ تمام عمر مجھے مجرم سمجھتی رہیں گی۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اسی لمحے چونک کر سوچا۔ یہ میں نے کیسی غلطی کی۔ مجھے یاد رکھنا چاہیے کہ فون پر ہونے والی گفتگو ریکارڈ کی جاتی ہے مگر ہو سکتا ہے اب ریکارڈ نہ کی جا رہی ہو۔"

وہ گھبرا بھی رہے تھے اور خود کو تسلی بھی دے رہے تھے۔ ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کریں؟ ساحرہ کو کس طرح تلاش کریں؟

قاسم علی کے منیجر نے پوچھا۔ "جناب! کچھ ٹھنڈا یا گرم لا کر دوں؟"

انہوں نے انکار میں سر ہلایا۔ اب وہ بولنا نہیں چاہتے تھے۔ اندر سے بھرے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا تھا، رو پڑیں گے۔ اس دفتر سے ایک باتھ روم اٹیچڈ تھا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔ جیب سے رومال نکال کر جلدی سے منہ پر رکھا۔ آنسو جب آنکھ سے نکلتے ہیں، منہ سے آواز نکلتی ہے۔ آنسو چھپانے کے لیے وہ باتھ روم کے اندر آئے تھے۔ آواز چھپانے کے لیے منہ پر رومال رکھ لیا پھر پتا چلا، آواز رک نہیں سکے گی۔ انہوں نے رومال کو منہ میں ٹھونس لیا۔ انہیں یاد نہیں آ رہا تھا اب سے پہلے کبھی رونا آیا ہو۔ آج پتا چل رہا تھا کہ رونا اپنی مرضی سے نہیں آتا۔ بے اختیار آتا ہے، آج وہ بلا ختیار رو رہے تھے۔ اپنے منہ کو دبا کر خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ خیال ستا رہا تھا کہ پھول جیسی بیٹی کے بدن کو بدمعاشوں نے ہاتھ لگایا ہوگا۔ پہلے اس کا احساس نہیں ہوا تھا۔ پہلے ان کے دل و دماغ میں یہی بات تھی کہ ایک ڈرامہ ہے ایک جھوٹ ہے، ساحرہ کو اٹھانے والے اپنے ہی خریدے ہوئے بدمعاش ہیں، جیسے ان کی عزت کرتے ہیں ویسے بیٹی کی عزت بھی کر رہے ہوں گے مگر آج تک کسی نے دیکھا نہ سنا کہ بدمعاش کسی کی بیٹی کو ہاتھوں میں اٹھا کر لے جا رہے ہوں۔ اپنے درمیان گاڑی میں ڈال رہے ہوں اور یوں اس کی عزت بڑھاتے جا رہے ہوں۔

باتھ روم کے آئینے پر نظر پڑی تو انہوں نے ندامت سے منہ پھیر لیا۔ اگر وہ خود کو تسلی دیں کہ انہوں نے شریف بدمعاشوں کی خدمات حاصل کی تھیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ دوبارہ اغوا کرنے والے بدمعاش بھی شریف ہوں گے۔ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے۔ وہ کس حال میں ہوگی۔ کس طرح اپنے پاپا کو پکار رہی ہوگی اور شاید دل ہی دل میں کوس رہی ہوگی کہ ابتدا تو باپ نے کی۔ انتہا بدمعاش کر رہے ہیں۔

وہ شرم سے سر جھکا رہے تھے۔ دونوں آنکھیں سختی سے بھینچ رہے تھے۔ اپنے آپ کو بھی دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے باوجود ندامت پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ بس ایک ہی دعا دل سے نکل رہی تھی۔ بیٹی خیریت سے ہو، اسے کوئی ہاتھ نہ لگا رہا ہو۔ وہ اس

اعتبار سے مسلمان تھے کہ کبھی کبھی خُدا کو یاد کر لیتے تھے۔ آج بھی خُدا یاد آ رہا تھا اور وہ کہہ رہے تھے، اس کی خُدائی کے سامنے کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ کوئی معجزہ رُونما ہو سکتا ہے اور ان کی بیٹی دیکھتے ہی دیکھتے ان کے سامنے بخیریت پہنچ سکتی ہے۔

ایسا اکثر لوگ کرتے ہیں۔ بے شک خُدا کو یاد نہ کریں لیکن جب یاد کرتے ہیں تو اس کی ذات سے فوراً کسی معجزے کی توقع کرتے ہیں۔ اس قادرِ مطلق کی قدرت کو سمجھنا محال ہے۔ وہ پہلے ہی ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں کوئی معجزہ رُونما ہوتا ہے۔ یہ معجزے سے کم نہیں تھا کہ ایک لڑکی دوبارہ اغوا کی گئی۔ دوبار بدمعاشوں کے ہاتھوں سے ہو کر اپنوں تک پہنچی اور اس کی عزت و آبرو سلامت رہی۔ خُدا اور اس کی خُدائی اسی وقت تک یاد آتی ہے، جب تک آدمی مصیبت میں گرفتار رہے۔ مرزا صاحب کو اپنی بیٹی عزت آبرو کے ساتھ واپس مل جائے گی تو اس میں خُدا کی قدرت نظر نہیں آئے گی۔ وہ اس کی بازیابی کو دشمنوں کی ناکام سازش اور اپنی کامیاب کوشش کا نتیجہ سمجھتے رہیں گے۔

وہ تقریباً بیس منٹ تک باتھ روم میں چھُپے رہے، چھُپ چھُپ کر آنسو پونچھتے رہے۔ اپنے آپ کو سمجھاتے رہے، بیٹی خیریت سے ہوگی۔ جلد ہی مل جائے گی۔ آنسو کسی مسئلے کو حل نہیں کر سکتے۔ وہ واش بیسن کے پاس آئے۔ نلکے کو کھول کر مُنہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے سوچنے لگے۔ وہ ملے گی۔ ضرور ملے گی۔ مجھے اپنے تمام ذرائع استعمال کرنے چاہئیں۔ اگر میں اغوا کی بات چھپاؤں گا تو کبھی اپنے ذرائع استعمال نہیں کر سکوں گا۔

وہ رومال سے مُنہ پونچھتے ہوئے باتھ روم سے باہر آئے۔ پھر ٹیلیفون کے پاس بیٹھ گئے۔ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگے۔ قاسم علی کا منیجر ان کے سامنے ایک ٹرے میں کچھ ناشتہ اور چائے رکھ کر چلا گیا۔ انہیں ٹیلیفون کے جتنے نمبر یاد تھے، وہ سب کو باری باری ڈائل کر رہے تھے جن سے کچھ توقع تھی انہیں اپنی پریشانیاں بتا رہے تھے مگر ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ریسیور سے جواب ملتا تھا۔ "جناب مرزا صاحب! ہمیں شاہ جی نے پہلے ہی بتا دیا ہے اور تاکید کی ہے، اس بات کو پھیلنا نہیں چاہیئے۔ چُپ چاپ ان دونوں کو تلاش کرنا چاہیئے۔"

انہیں بڑا مان تھا کہ وہ بڑے ذرائع کے مالک ہیں، وقت آنے پر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر سکتے ہیں لیکن آج پتا چلا کہ اپنی بیٹی کی عزت نہیں بچا سکتے۔ کئی جگہ سے

انہیں کہا گیا۔ "آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں۔ اس شہر کا کوئی ایسا بدمعاش نہیں ہے جو اپنے اپنے علاقے کے تھانے میں حاضر نہ ہوا ہو اور جس کی پٹائی نہ کی گئی ہو، ہر ایک سے اگلوایا جا رہا ہے۔ ایسا کوئی آفیسر یا کوئی شناسا نہیں ہے جس کی گاڑیاں ان دونوں کی تلاش میں نہ دوڑ رہی ہوں — اُن اغوا کرنے والوں سے نمٹنے کے لیے ہتھیار بھی ہیں، پولیس بھی ہے، گاڑیاں بھی ہیں۔ ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے دُور کی خبر لانے کے لیے ریڈیو وائرلیس اور ٹرانسمیٹر بھی ہیں۔"

مرزا صاحب نے کہا۔ "میں جانتا ہوں، شاہ صاحب نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ وہ بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا ذریعہ تلاش کر رہے ہیں لیکن یہ بے شمار تلاش کرنے والے ان کو تصویروں کے بغیر کیسے ڈھونڈ سکتے ہیں۔ کیسے ان کی شناخت کر سکتے ہیں۔ ان کا حُلیہ وغیرہ ضرور بتایا گیا ہوگا؟"

"حُلیہ بھی بتایا گیا ہے اور تلاش کرنے والوں کو ان کی تصویریں بھی دی گئی ہیں لیکن لڑکیوں کے نام اور ان کی ولدیت غلط بتائی گئی ہے تاکہ آپ لوگوں کی عزت پر آنچ نہ آئے۔"

مرزا صاحب نے جھکے ہوئے انداز میں ریسیور کو رکھ دیا۔ یقیناً شاہ جی کی پہنچ بہت دُور تک تھی، وہ جو کہہ دیتے تھے وہی ہو جاتا تھا۔ انہوں نے منٹوں میں دونوں کی تصویریں پرنٹ کرائی ہوں گی۔ مرزا صاحب کو اُن کی ذہانت کا قائل ہونا پڑا۔ اگر وہ تصویریں اخبار میں چھپ جائیں تب بھی کوئی ان کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کوئی رشتے دار ان سے پوچھتا کہ یہ ساحرہ کی تصویر لگتی ہے تو لگا کرے۔ بعض لڑکیاں بعض لڑکیوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ ساحرہ ہی ہوگی۔ بہر حال وہ ڈھیٹ بن کر انکار کر سکتے تھے۔

انہوں نے پھر ریسیور اٹھا کر اپنے گھر والوں سے رابطہ قائم کیا۔ بیگم کی آواز سُنائی دی۔ انہوں نے پوچھا۔ "کچھ پتا چلا؟"

"یہی میں آپ سے پوچھنے والی تھی۔"

"کیا شاہ جی آ گئے؟"

"ان کا پتا نہیں ہے۔ یقیناً وہ انہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ مرزا! یہ کیا ہو رہا ہے۔ ان دو بچیوں سے کون دشمنی کر رہا ہے؟"

نادرہ کی بات نہ کرو۔ وہ بہت بڑے پولیس افیسر کی بیٹی ہے اور پولیس والوں کے ہزاروں دشمن ہوتے ہیں۔ کوئی بھی اسے اٹھا کر لے جا سکتا ہے، کوئی بھی اسے ہلاک کر سکتا ہے لیکن ہم تو کسی کے دشمن نہیں ہیں، ہماری بیٹی کو کس نے اغوا کیا ہے یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے۔"

انہوں نے حیران ہو کر پوچھا "کیا صرف میرے سوچنے کی بات ہے؟"

"ہاں، اگر ہماری بیٹی، نادرہ کی دیوانی نہ ہوتی۔ اس کے ساتھ ساتھ نہ رہتی تو اس کے ساتھ اغوا بھی نہ ہوتی۔"

"آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ نادرہ کے والدین نے سن لیا تو کیا کہیں گے۔"

جو کہتے ہیں کہنے دو۔ مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ سیدھی سی بات ہے۔ میں نے دونوں کو ملنے کی آزادی دی۔ اس کا نتیجہ میں بھگت رہا ہوں۔"

"آپ آزادی نہ دیتے۔ ساحرہ تنہا کالج جاتی تب بھی اغوا کی جا سکتی تھی۔ آپ تو الٹی باتیں کرتے ہیں۔ ساحرہ کے مقابلے میں نادرہ نہ تو خوب صورت ہے اور نہ ہی ڈھنگ کی لڑکی نظر آتی ہے، اسے تو لڑکا ہی کہنا چاہیے اور ہماری ساحرہ کا تو ماشاءاللہ جواب نہیں ہے، آپ یوں کہیے کہ اصل میں ساحرہ کو اغوا کیا گیا ہے۔ چونکہ نادرہ اس کے ساتھ تھی اس لیے بدمعاش اُسے بھی اٹھا لے گئے۔ ہماری بیٹی کی وجہ سے اس پر بھی مصیبت آئی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔"

انہوں نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ بیگم کی یہ بات دل کو لگ رہی تھی، ایک بیگم ہی نہیں، ساری دنیا یہ جواز پیش کر سکتی تھی کہ اغوا اسے کیا جاتا ہے جو نہایت حسین ہو اور ساحرہ بے حد حسین تھی۔ اس کے مقابلے میں کوئی نادرہ کو اغوا کرنا پسند نہ کرتا لہٰذا جواز یہی پیش کیا جا سکتا تھا کہ وہ ساحرہ کے ساتھ تھی، اس لیے اُٹھانے والے اُسے بھی اٹھا کر لے گئے۔

وہ جھنجلا کر وہاں سے اٹھ گئے۔ ایک تو بیٹی کے لیے صدمہ اور بے چینی تھی۔ پتا نہیں بدمعاش کیا کر رہے ہوں گے، دوسرے یہ سوچ سوچ کر غصہ اور جھنجلاہٹ طاری ہو رہی تھی کہ شاہ جی، نادرہ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اسے تنہا ڈھونڈ نکالیں گے کیوں کہ اغوا کے وقت ساحرہ اس کے ساتھ نہیں تھی، وہ تو باپ کے پاس تھی۔ یوں تدبیر الٹی ہو جائے گی۔ جسے برباد کرنے کے لیے بدمعاشوں کے حوالے کیا تھا اسے باپ ڈھونڈ نکالے

گا اور جس بیٹی کو بدمعاشوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے، وہ سازش کا شکار ہو گئی تھی۔ اس معاملے کا سب سے تاریک پہلو یہی تھا کہ پورے شہر میں جتنی سرگرمی سے ان کی تلاش جاری تھی، اس کے نتیجے میں نادرہ ہی مل سکتی تھی۔ ساحرہ کے بارے میں کون جانتا تھا کہ وہ دوبارہ باقاعدگی سے اغوا کی گئی ہے اور اسے تلاش کرنے کے لیے ایک بار پھر شہر کی تمام پولیس کو اپنی سرگرمیوں کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

وہ اپنی کار ڈرائیو کرتے ہوئے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئے۔ پھر گاڑی پورچ سے دُور ہی روک دی۔ وہاں شاہ جی کی گاڑی نظر آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا، وہ واپس آ گئے ہیں۔ مرزا صاحب گاڑی سے اُتر کر سوچتے ہوئے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں آئے۔ وہاں شاہ جی بیٹھے ہوئے ان کی بیگم سے باتیں کر رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر مرزا صاحب کی آنکھوں سے اچانک ہی آنسو اُبل پڑے۔ وہ ہائے میری بچی کہہ کر دروازے سے لگ گئے۔ دونوں ہاتھوں سے مُنہ چُھپا کر رونے لگے۔ شاہ جی نے آگے بڑھ کر ان کے بازو کو تھام لیا پھر ایک ہاتھ سے تھپکتے ہوئے بولے "مرزا صاحب! حوصلہ کیجیے۔ ہمارے بچے جہاں بھی ہوں گے، خیریت سے ہوں گے۔"

انہوں نے روتے ہوئے کہا "آپ کا تو بیٹا ہے۔ میری بیٹی ہے۔ کیا اس ولدات [illegible] دنیا والوں کو مُنہ دکھا سکوں گا۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اپنے اس رونے اور آنسو بہانے پر خود بھی حیران تھے۔ پتھر کو لاکھ ہتھوڑے سے مارو، وہ چُور چُور ہوتا جائے گا لیکن اس میں سے آنسو نام کی کوئی چیز نہیں نکلے گی۔ البتہ جن پتھر نا لوگوں کی بیٹیاں ہوتی ہیں، وہ ایسے مقامات پر غیرت کا ایک آنسو ضرور ٹپکاتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں رو رہے تھے بے اختیار ان کے اندر سے آنسو اُبل رہے تھے۔ وہ ہچکیاں لے لے کر اپنی بیٹی کو یاد کر رہے تھے، پہلے وہ شاہ جی کے سامنے مگر مچھ کے آنسو بہانا چاہتے تھے لیکن حالات نے انہیں حقیقی آنسو بہانے پر مجبور کر دیا تھا۔

ساحرہ کی مم اور نادرہ کی ممی نے انہیں دونوں طرف سے سہارا دیا۔ وہاں سے لا کر صوفے پر بٹھا دیا۔ شاہ جی انہیں غور سے دیکھ رہے تھے اور افسوس کر رہے تھے۔ سوچ

رہے تھے۔ ”مرزا اب پچھتا رہا ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اب یہ کبھی مجھ سے دشمنی نہیں کر سکے گا۔ کبھی مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہیں کرے گا۔“

اسی وقت مرزا صاحب نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”شاہ جی! آپ جانتے ہیں، میں نادرہ کو اپنی ساحرہ کی طرح چاہتا ہوں۔ میں نے دونوں کی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا مگر دیکھیے، تقدیر کیا گل کھلا رہی ہے؟“

وہ بول رہے تھے اور شاہ جی آنکھیں سکیڑ کر خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انہیں یاد آگیا۔ اس مرزا نے میرے بیٹے کو بیٹی بنائے رکھنے کے لیے کس طرح بدمعاشوں کے حوالے کیا تھا، اب مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ نادرہ کو ساحرہ کی طرح چاہتا تھا۔ اس دنیا میں کتنے ذلیل اور کمینے لوگ رہتے ہیں۔ ابھی اس لمحے اپنی بیٹی کے لیے سچے آنسو بہا رہا ہے اور میرے بیٹے کے لیے جھوٹی محبت کا اظہار کر رہا ہے۔ اگر مجھے حقیقت کا علم نہ ہوتا تو یہ اب بھی مجھے اُلو ہی بناتا رہتا۔

انہوں نے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں اس بات کو مانتا ہوں کہ انسان اپنے اعمال کی سزا اسی دُنیا میں پاتا ہے۔“

مرزا صاحب نے چونک کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ ”میرا مطلب ہے، میں مذہبی طور پر تو مانتا تھا مگر ذاتی طور پر نہیں مانتا تھا اور سوچتا تھا، میں بڑے بڑے ذرائع کا مالک ہوں، بھلا میرے اعمال کی سزا اس دنیا میں کون دے سکتا ہے مگر دیکھیے، مجھ جیسے افسر کے بیٹے کو بھی بدمعاشوں نے نہیں چھوڑا۔“

ان کی بیگم نے کہا۔ ”آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں، بھلا آپ کے اعمال کون سے بُرے ہیں۔ آپ نے کس کا بُرا کیا ہے؟“

شاہ جی نے کہا۔ ”یہی تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے کس کے ساتھ بُرائی کی ہے، چونکہ آدمی اپنا محاسبہ خود نہیں کر سکتا اس لیے بُرائی کو سمجھ نہیں پاتا۔ کیوں مرزا صاحب! کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟ کیا آپ اپنا محاسبہ کر کے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ نے کس کے ساتھ بُرائی کی جس کے نتیجے میں ہماری ساحرہ ہم سے دُور کر دی گئی۔“

انہوں نے کہا۔ ”نہیں، شاہ جی نہیں۔ لوگ تو دوستوں کے دوست ہوتے ہیں، میں تو دشمنوں کا بھی دوست بن جاتا ہوں۔ کسی کا دل نہیں دُکھاتا۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اب

انجانے میں کوئی بھول ہو گئی ہو تو خُدا معاف کرے اور میری بیٹی مجھے صحیح سلامت مل جائے۔“

”یہ آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ خُدا ہمیں معاف کرے لیکن خُدا گنہگاروں کو اتنی جلدی معاف نہیں کرتا۔ توبہ کے دروازے کھُلے تو رہتے ہیں لیکن توبہ اسی وقت قبول ہوتی ہے، جب ہم آئندہ غلطی نہ کرنے کا عہد کریں۔“

بیگم نے کہا۔ ”آپ بار بار غلطیوں کا اور ناکردہ گناہوں کا کیوں اس انداز میں ذکر کر رہے ہیں، آخر بات کیا ہے؟“

شاہ صاحب نے کہا۔ ”یہ سوال صرف مجھ سے نہیں، مرزا صاحب سے بھی کرو۔ ابھی ہم دونوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہم سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو سکتی ہے جو ہمارے علم میں نہ ہو۔ کیوں مرزا صاحب، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

مرزا صاحب نے ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”بے شک، ہم سے لاعلمی میں کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔“

شاہ جی کی بیگم نے کہا۔ ”میں نے منت مانی ہے، اگر ہمارے بچے مل گئے تو بیس دیگیں پکوا کر پیر بابا کی درگاہ میں بھیجوں گی۔“

ساحرہ کی ممی نے کہا۔ ”میری تو بیٹی ہے، میں چالیس دیگیں پکوا کر بھیجوں گی۔“

شاہ جی نے کہا۔ ”صرف منت ماننے سے کچھ نہیں ہوتا، خُدا کے سامنے سجدہ کر کے گڑگڑانا ہوگا۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت کم نمازیں پڑھی ہیں لیکن مرزا صاحب سے کہتا ہوں، آئیے ظہر کا وقت ہو رہا ہے، ہم نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مُعافی مانگیں، اپنے بچوں کی بازیابی کے لیے گڑگڑا کر دُعا کریں۔ وہ غفور الرحیم ہے۔ ہمیں مُعاف کرنے والا اور ہماری دُعائیں قبول کرنے والا ہے۔ ہمارے بچے ضرور ہمارے پاس آئیں گے۔“

مرزا صاحب فوراً ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے۔ ”آپ درست کہتے ہیں، آپ کے سپاہی اس شہر کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ ہمارے بچوں کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔ دوا تو ہم کر ہی رہے ہیں، اب دُعا کا وقت ہے۔ آج میں ظہر کی نماز ضرور پڑھوں گا۔“

وہ وہاں سے جاتے ہوئے بولے۔ ”بیگم، دوسرا لباس نکالو۔ میں غسل کرنے

جا رہا ہوں۔"

شاہ جی، بیگم کے ساتھ اپنی کوٹھی میں آگئے۔ اذان کے بعد انہوں نے بیڈ روم میں بہت عرصے کے بعد بیگم کے ساتھ جا نماز بچھائی، اس پر کھڑے ہوئے اور نیت باندھ کر نماز پڑھنے لگے۔ دوسری طرف مرزا عبادت حسین بھی اپنی بیگم کے ساتھ اپنے بیڈ روم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انہیں جلد ہی احساس ہوا کہ دھیان نماز کی طرف نہیں ہے۔ بار بار بیٹی کی طرف جاتا ہے۔ اگر بیگم ساتھ کھڑی نہ ہوتیں تو انہیں پتا بھی نہ چلتا کہ کس وقت رکوع میں جاتا ہے اور کس وقت سجدہ کرتا ہے۔ ان کے رکوع میں جانے سے یہ خیالات بھٹکتے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ آخر دعا مانگتے وقت پھر آنکھیں بھیگنے لگیں، وہ گڑگڑانے لگے "خدایا! میری بیٹی مجھے لوٹا دے۔ اگر وہ عزت آبرو سے واپس آگئی تو میں برابر نماز پڑھا کروں گا۔"

رشوت لینے والے ایسے پکے ہو جاتے ہیں کہ خدا کو بھی رشوت دینا چاہتے ہیں۔ وہ برابر نماز پڑھنے کی پیش کش یوں کر رہے تھے جیسے اپنے رب کا بھلا کرنے جا رہے ہوں۔ اگر کوئی ہمارے کام آتا ہے تو ہم اس کے کام آتے ہیں۔ صرف خدا کی ذات ایسی ہے کہ ہم نماز پڑھ کر اور روزے رکھ کے بھی اس کے کام نہیں آسکتے۔ یہ عبادتیں تو اپنی اصلاح اور اپنی فلاح کے لیے ہیں۔

اُدھر شاہ جی نماز پڑھ رہے تھے۔ آخری رکعت میں محسوس ہوا کہ وہ گر پڑیں گے۔ اچانک چکرا کر بیٹھ گئے۔ بہت دیر سے دل میں درد اٹھ رہا تھا۔ کوئی بات ستا رہی تھی۔ ایسا اکثر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، جب ضمیر جاگتا ہے، جب اس قہار اور جبار کا ڈر اور خوف دل پر مسلط ہوتا ہے تو آدمی یونہی چکرا کر گر پڑتا ہے۔ وہ گرتے ہی سجدے میں چلے گئے تھے۔ ان پر لرزہ طاری تھا اور وہ لرزتے ہوئے سوچ رہے تھے "اگر دشمنوں کی چال کامیاب ہو جاتی، اگر میرے بیٹے کو شرمناک منصوبے کے مطابق ہمیشہ کے لیے عورت بنا دیا جاتا تو میرے بچے کا کیا ہوتا۔ اس کا مستقبل برباد ہو جاتا۔ میں دنیا والوں کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ خدایا، یہ تیری دنیا کیسی ہے، کس طرح معصوم بچیوں کی عزت آبرو سے کھیلا جاتا ہے۔ میں پولیس کا آدمی ہو کر آج تک اس بات کو اتنی شدت سے محسوس نہیں کر سکا مگر آج، ہاں آج میرے معبود۔ اپنا دامن جلا تو آگ کا اندازہ ہو گیا۔"

دوسری طرف مرزا صاحب جس قدر اپنی بیٹی کی سلامتی اور اس کی آبرو کی حفاظت کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے اسی قدر اطمینان حاصل ہو رہا تھا۔ دوا کرنے کے بعد دعا کرو تو یقین ہوتا ہے، کوئی ایک چیز تو اثر کرے گی۔ دعا ختم کرتے ہی، انہوں نے ٹیلیفون کی طرف دیکھا۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ جا نماز کو سامنے سے موڑ کر وہاں سے اٹھتے ہوئے ٹیلیفون کے پاس آئے۔ پھر ریسیور اٹھا کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "ہیلو، میں مرزا عبادت حسین بول رہا ہوں۔"

قاسم علی کی آواز سن کر وہ چونک گئے۔ وہ کہہ رہا تھا "مرزا صاحب! آپ کے لیے خوشخبری ہے۔"

انہوں نے خوش ہو کر پوچھا "کیا میری بچی مل گئی؟"

بیگم کی نماز ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک دم سے چونک کر شوہر کی طرف دیکھا۔ پھر جلدی سے نماز پڑھنے لگیں کیونکہ دوسرے ہی لمحے ان کے شوہر کا خوشی سے دمکتا ہوا چہرہ بجھ گیا تھا۔ دوسری طرف سے قاسم علی کہہ رہا تھا "جناب! میں تو آپ کو اس کامیابی کی خوشخبری سنانا چاہتا ہوں جس کے لیے آپ نے نادرہ کو اغوا کرایا تھا۔"

"کیا تم مجھے پھانسنا چاہتے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے، یہاں گفتگو ریکارڈ ہوتی ہے؟"

"جناب! میں نے ایکسچینج سے پوری معلومات حاصل کرلی ہیں۔ وہاں میرے اچھے خاصے بندے موجود ہیں۔ انہوں نے یقین دلایا ہے، آپ کے ٹیلیفون کو ڈیٹیکٹ نہیں کیا جا رہا ہے۔"

انہوں نے اطمینان کی سانس لے کر پوچھا "تم نادرہ کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہی کہ اسے مکمل عورت بنا دیا گیا ہے۔"

انہوں نے خوش ہو کر پوچھا "واقعی؟"

"جناب، میں غلط بات کیوں کہوں گا۔ میرے بندوں نے ابھی مجھے رپورٹ دی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں، ابھی نادرہ کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ اگر اجازت ہو تو اسے ہفتے، دو ہفتے، مہینے، دو مہینے یہیں رکھا جائے۔ اس کے بعد تو وہ کبھی تبدیل ہونے کا نام نہیں لے گی۔"

"دیکھو قاسم! تم نے اچھی خبر سنائی ہے۔ مجھے خوش ہونا چاہیے لیکن میں بیٹی کے لیے بہت پریشان ہوں۔ نادرہ کے ساتھ جو کرنا چاہو کرو۔ مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔ ہاں، میری بیٹی

کے لیے کچھ کر سکتے ہو تو میں تمہارے آدمیوں کو منہ مانگی رقم دوں گا۔ تمہارے لیے کاروبار میں ایسی سہولتیں فراہم کروں گا کہ نہ کبھی انکم ٹیکس ادا کرو گے نہ کسی مال کی ڈیوٹی دو گے۔ تم کسی طرح میری بیٹی کا سُراغ لگانے کی کوشش کرو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ اُدھر نادرہ کی ممی نے نماز پوری کر لی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی طرف حیرانی سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ بہت دیر سے سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ آخری رکعت پوری نہیں کی تھی۔ سجدے میں پتا نہیں کیا پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر آہستگی سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔ "آپ خیریت سے تو ہیں؟"

وہ اسی طرح سجدے میں پڑے رہے، تب بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔ انہوں نے جھنجوڑ کر پوچھا۔ "آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

تب وہ چونک گئے۔ فوراً سجدے سے سر اٹھایا تو بیگم نے دیکھا، ان کی آنکھیں اور ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ بیگم کو خالی خالی نظروں سے تک رہے تھے۔ انہوں نے اپنے آنچل سے ان کی آنکھیں اور چہرے کو پونچھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ ہمت ہار رہے ہیں؟"

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر آہستگی سے کہا۔ "میں نے اپنے بیٹے کی تباہی کا جو منظر دیکھا ہے، اگر تم دیکھ لیتیں تو خوف کے مارے دَم نکل جاتا۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"بیگم! ہمارے بیٹے کے خلاف بڑی گھناؤنی سازش کی گئی تھی اور سازش کرنے والا یہ مرزا ہے۔"

بیگم نے بے یقینی سے انکار میں سر ہلایا۔ شاہ جی نے کہا۔ "میں تمہارا شوہر ہوں۔ وہ تمہارا بیٹا ہے۔ میں اس کے بارے میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"لیکن مرزا صاحب کی حالت تو دیکھیے، وہ اپنی بیٹی کے ساتھ ساتھ ہمارے بیٹے کے لیے بھی نڈھال ہو رہے ہیں۔"

"تم ایک گھریلو عورت ہو۔ مجھ جیسا گھاگ پولیس افسر بھی ان کی دو رُخی چالوں سے دھوکا کھا چکا ہے مگر اب وہ دھوکا کھا رہے ہیں۔ ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ یہ بات تمہاری زبان سے کسی کے کانوں تک نہ پہنچے۔ ہمارا بیٹا خیریت سے ہے اور میں نے اُسے

ایک جگہ چھپا رکھا ہے۔"

وہ خوشی سے تڑپ گئیں۔ اپنے شوہر کے بازو کو تھام کر بولیں۔ "کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں، ساحرہ بھی وہاں محفوظ ہے۔"

"یا اللہ، آپ نے کتنی بڑی خوشخبری سُنائی ہے۔ ابھی دُعا مانگ کر جا نماز سے اٹھنے بھی نہیں پائی کہ دعا قبول ہو گئی۔ واہ میرے مالک، تُو بڑا رحیم ہے، کریم ہے۔ سب سے عظیم ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے اپنی بیگم کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ خوش ہونے کا موقع دے رہے تھے۔ اچانک بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا، پھر پوچھا۔ "لیکن مرزا صاحب نے کیا سازش کی تھی؟"

"ہمارے بیٹے کو اغوا کرایا تھا، ہمیں اُلّو بنانے کے لیے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی کو بھی اٹھوا لیا اور اسے ایک کرائے کے مکان میں پہنچا دیا۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ہمارا بیٹا تکمیل کے مراحل سے نہ گزر سکے۔ اسے ہمیشہ کے لیے عورت بنا کر رکھا جائے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"اس کم بخت مرزا نے میرے بیٹے کو غنڈوں، بدمعاشوں کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ ظلم، بربریت اور گھناؤنی حرکتوں کے ذریعے ہمارے بیٹے کو ہمیشہ کے لیے عورت بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔"

بیگم نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ حیرانی سے ان کا چہرہ تکنے لگیں۔ انہوں نے کہا۔ "ہاں بیگم، مرزا نے جیسی حرکت کی، میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ میں اسے کڑی سے کڑی سزا دینا چاہتا تھا لیکن ابھی نماز پڑھتے پڑھتے گر پڑا اور سجدے میں چلا گیا۔ مجھے الہام سا ہوا کہ دشمن کو مُعاف کر دو۔ اس نے جیسی بھی حرکت کی، اس کی بیٹی کو اس کے گھر واپس پہنچا دو۔"

بیگم نے خوش ہو کر کہا۔ "دیکھیے، نماز میں کتنی برکت ہے۔ آپ ایک عرصے کے بعد اس جا نماز پر بیٹھے ہیں تو آپ کے مزاج میں تبدیلی آگئی ہے۔ آپ نے دشمن کا بھی بھلا سوچا ہے۔ ساحرہ ہماری بیٹی ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہونے والی بہو ہے۔ اسے آپ ضرور واپس لے آئیں۔"

وہ جاء نماز پر سے اٹھ گئے۔ اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی سُنائی دی۔ وہ وہاں سے چلتے ہوئے فون کے پاس آئے۔ پھر صوفے پر بیٹھ کر ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو!"

دوسری طرف سے قاسم کی آواز سُنائی دی "جناب، میں آپ کا خادم ہوں، غلام ہوں۔ قاسم علی بول رہا ہوں۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ابھی تھوڑی دیر پہلے مرزا سے فون پر گفتگو کی اسے یہ جھوٹی خوشخبری سُنائی کہ نادر صاحب کو سازش کے تحت مکمل عورت بنا دیا گیا ہے۔"

شاہ جی نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ دوسری طرف کی بات سُنتے رہے۔ پھر انہوں نے پوچھا "صرف اتنا بتاؤ، مرزا کا ردِ عمل کیا تھا۔ کیا وہ خوش ہو رہا تھا؟"

"جی ہاں، وہ کہہ رہا تھا، یہ اتنی بڑی خوشخبری ہے کہ اسے خوش ہونا چاہیئے لیکن بیٹی کی جُدائی مار رہی ہے۔ وہ مجھے بیٹی کو تلاش کرنے کے سلسلے میں بڑی بڑی سہولتیں دینے کا وعدہ کر رہا ہے۔"

"تم اس سے جو سہولتیں حاصل کر سکتے ہو، کرتے رہو۔ میں اس سے سمجھ لوں گا۔"

انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ بیگم ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے گھور کر کہا "ابھی میں نے جاء نماز پر بیٹھ کر فیصلہ کیا تھا، دشمن کو معاف کر دینا چاہیئے۔ اس کی بیٹی اسے واپس کر دینا چاہیئے لیکن وہ کم بخت ہماری محبت اور ہمدردی کا مستحق نہیں ہے۔"

وہ ایک عالیشان کوٹھی تھی۔ ساحرہ ایک ہی جگہ کھڑی گھوم گھوم کر اس ہال نما ڈرائنگ روم کو دیکھ رہی تھی جس کا کوئی اختتام نہ تھا۔ وہ بارہ دری کی طرح چاروں سمت پھیلا ہوا تھا۔ سٹنگ روم، ڈائننگ ہال، ٹی وی لاؤنج اور فش ایکیوریم سب کے سب ایک ہی جگہ سے نظر آتے تھے۔ جہاں نظر جاتی تھی، آرائش و زیبائش کا بے حد قیمتی سامان دکھائی دیتا تھا۔ وہ کوٹھی شاہی محل لگتی تھی۔ اسے کسی شاہ کی ملکیت ہونا چاہیئے تھا مگر وہ بدنامِ زمانہ اسمگلر حشمت نواز کی ایک پرائیویٹ آرام گاہ تھی۔

ساحرہ نے حیرانی سے پوچھا "یہ کس کی کوٹھی ہے؟"

نادرہ نے کہا "کسی نہ کسی کی ہوگی۔ فی الحال ہماری ہے۔"

"انکل کہاں چلے گئے؟"

"اُنہیں سینکڑوں کام ہوتے ہیں۔ سینکڑوں جگہ حاضر ہونا پڑتا ہے۔"

"وہ کب آئیں گے؟"

"یہ ان سے پوچھنا چاہیئے تھا۔"

"کچھ تمہیں بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ ہم کب گھر جائیں گے؟"

"فی الحال یہی ہمارا گھر ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"اتنی دیر سے سوالات کئے جا رہی ہو۔ ہم صبح سے بھوکے ہیں۔ کچن میں چلو، فریج میں دیکھو۔ کچھ کھانے پینے کا سامان ہوگا۔"

"کیا اتنی بڑی کوٹھی میں کوئی ملازم نہیں ہے؟"

"پھر سوال کر رہی ہو۔"

"میں کیا جانوں۔ کچن کدھر ہے۔"

"یقین کرو۔ اسی کوٹھی میں ہوگا۔ ہم تلاش کرلیں گے، آؤ۔"

وہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ نادرہ نے کہا "تم نے مجھ سے مل کر خوشی کا اظہار نہیں کیا۔"

"میں صبح سے تمہارے لیے دُعائیں مانگ رہی تھی۔ اب مل گئے ہو تو سمجھ میں نہیں آتا، خوش ہونا چاہیئے یا نہیں کیونکہ اگلا موڑ جُدائی کا ہے۔"

"اب ہم جُدا نہیں ہوں گے۔ دو چار روز میں یہاں سے فلائی کریں گے اور لندن پہنچ جائیں گے۔"

وہ چلتے چلتے رُک گئی۔ پھر بولی "کیا انکل میرے پاپا کے پاس گئے ہیں؟"

"شاید گئے ہوں۔"

وہ کچن میں پہنچ گئے۔ ساحرہ نے کہا "کیا انکل اتنا نہیں جانتے کہ جب تک پاپا کے دل سے دشمنی ختم نہیں ہوگی، وہ مجھے اتنی دور تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔"

"وہ تمہارے پاپا سے اجازت حاصل کرنے نہیں گئے ہیں اور نہ ہی ان کے دل سے دشمنی ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دشمنی آپ ہی آپ ختم ہو جائے گی۔"

"آپ ہی آپ کیسے ہوگی؟"

"پہلے ہم لندن جائیں گے۔ وہاں چند ماہ کے اندر میرا آپریشن ہوگا۔ میں وہیں تمہیں شریکِ حیات بناؤں گا۔ پھر تمہارے والدین کے پاس لاؤں گا۔"

ساحرہ نے اسے تعجب سے دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا تم پورے ہوش و حواس میں بول رہے ہو؟"

"اس میں ہوش و حواس کا کیا سوال ہے؟"

"جو تم کہہ رہے ہو، اس میں انکل کی مرضی شامل ہے۔"

"ڈیڈ نے ہی یہ منصوبہ بنایا ہے۔"

کچن میں ڈبل روٹی اور انڈے رکھے ہوئے تھے۔ ساحرہ نے آملیٹ بنانے کے لیے ایک انڈا اٹھایا تھا۔ اس کی بات سُنتے ہی پیچھے ہٹ گئی۔ پھر انڈے کو فرش پر مارتے

ہوئے بولی "کیا تم لوگوں نے مجھے گائے بکری سمجھ لیا ہے؟ تم مجھے دل و جان سے چاہنے کا دعویٰ کرتے ہو۔ انکل مجھے بیٹی کہتے ہیں۔ پاپا کی تو میں بیٹی ہوں مگر تم تینوں میں اور ان بدمعاشوں میں کیا فرق ہے جو کسی شریف زادی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں؟"

"تم کچھ جذباتی ہو گئی ہو۔ میں تمہاری رضامندی حاصل کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں والدین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر تمہارے ساتھ بھاگ جاؤں گی؟"

"کن والدین کی بات کرتی ہو۔ وہ تو پہلے ہی تمہیں بدمعاشوں کے حوالے کر چکے ہیں۔"

"کیا ان کی غلطی کے جواب میں ہمیں بھی غلطی کرنا چاہیئے؟"

"کیا تمہیں پتا ہے، وہ میرے خلاف کیسی سازش کر رہے تھے؟"

"جیسی بھی کر رہے تھے، ناکام ہو گئے۔"

"اگر کامیاب ہو جاتے تو میں ایک ایسی سہیلی کے روپ میں ملتا جس کی کوئی آبرو نہ ہوتی۔ جو کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔ پھر تمہارے شریف والدین تمہیں ایک آبرو باختہ سہیلی سے ملنے کی اجازت نہ دیتے۔"

ساحرہ نے منہ پھیر کر کہا "مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس بات کو جانے دو۔"

"کسی بات کو نظر انداز کرنے سے بات ختم نہیں ہوتی، وہ اپنے منطقی نتیجے تک پہنچتی ہے۔ مجھے حیرانی ہے، میرے ساتھ اتنی شرمناک واردات ہونے والی تھی اور تم اسے نظر انداز کرنے کو کہہ رہی ہو۔ تمہیں تو یہ سُنتے ہی اپنے باپ کے نام پر تھوک دینا چاہیئے تھا۔"

"کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ ایسی خلافِ تہذیب بات سُن کر میں نے مُنہ پھیر لیا ہے۔ باپ کو شرم نہیں آئی۔ بیٹی کو تو آرہی ہے۔ اب اُنہیں پاپا کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ میری پہلی اور آخری خواہش یہی ہے کہ ان کی صورت دیکھنے سے پہلے مر جاؤں۔ اس کے باوجود میں ان کے نام پر تھوک نہیں سکتی۔ ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ اگر باپ شریف نہ ہو تو کیا ایک لڑکی مہذب رہ کر اپنے عمل سے شریف زادی نہیں کہلا سکتی؟"

وہ انڈے پھینٹنے کے بعد چولہا جلانے لگی۔ اس کے شعلوں کا عکس اُجلے گلابی

چہرے پر پڑنے لگا۔ رخسار تمتما رہے تھے۔ وہ آگ سی تھی اور کیوں نہ ہوتی، صبح سے اندر ہی اندر پک رہی تھی۔

اُدھر نادرہ کا دل کھنچا جا رہا تھا۔ اسے چھُو لینے کو جی چاہتا تھا مگر ایسی بحث چھڑ گئی تھی جس کا نتیجہ ہی تلخی یا مایوسی ہوتی ہے۔ اس نے سوچا، پہلے اسے کھلانا پلانا چاہیئے، بعد میں اپنے ساتھ رہنے پر مائل کرنا چاہیئے۔ ورنہ ناراضگی کی صورت میں بھُوکی رہے گی۔

وہ کچن سے باہر آ گئی۔ اس کوٹھی کے مختلف حصّوں سے گزرتے ہوئے اس کا تفصیلی جائزہ لینے لگی۔ ڈرائنگ روم میں، ڈائننگ ہال میں اور وہاں کے ہر کمرے میں الگ الگ ٹیلیفون تھا۔ ان کے نمبر بھی علیحدہ تھے لیکن کہیں بھی ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے کا سسٹم نہیں تھا۔ ایکسچینج سے نمبر بتا کر رابطہ قائم کرنا پڑتا تھا اور یہ ایکسچینج کوٹھی کے باہر والے ایک حصّے میں تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "کچن سے ملاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد ہی ساحرہ کی آواز سُنائی دی "ہیلو، کون ہے؟"

"میں بول رہا ہوں۔"

"نادرہ! تم کہاں ہو؟"

"اسی کوٹھی کے ایک حصّے میں ہوں۔ کھانا تیار ہو جائے تو بُلا لینا۔"

"اتنی بڑی کوٹھی میں کہاں آوازیں دیتی پھروں گی؟"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ایکسچینج والوں کو پتا ہے، میں کس کمرے میں ہوں۔ ریسیور اٹھا کر مجھے مانگ لینا۔"

"ایکسچینج والوں سے کیوں؟ تم سے ہی تمہیں مانگ لوں تو؟"

نادرہ نے خوش ہو کر کہا "یہ بات ہوئی نا۔ اتنی دیر بعد پیار سے بول رہی ہو۔ میں سر کے بل آؤں گا۔"

"اپنے پیروں پر ہی آنا۔ تمہیں دس منٹ میں ڈائننگ ٹیبل پر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"بس ابھی آیا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ساحرہ نے کھانا تیار کرنے کے دوران دو سپاہیوں کو دیکھا۔ وہ گوشت، سبزی اور طرح طرح کے تازہ پھل لائے تھے۔ اس سے پوچھ رہے تھے، ان چیزوں کو کہاں رکھنا چاہیئے۔ وہ کسی چیز کو فریج میں رکھوا رہی تھی اور کسی کو اسٹور روم میں۔

ساتھ ہی سوچتی جا رہی تھی۔ آخر ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔ کیا واقعی یہ باپ بیٹے مجھے یہاں قید رکھنا چاہتے ہیں؟ یہاں سے جانے نہیں دیں گے؟ کیا اس مقصد کے لیے کئی دنوں کے انتظامات کیے جا رہے ہیں؟

وہ کھانے کے لیے ڈائننگ ٹیبل کے کارنر پر ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے۔ نادرہ نے خوش ہو کر کہا "میرے خواب پورے ہو رہے ہیں۔ ہم اپنی گھریلو زندگی کا پہلا کھانا ایک ساتھ کھا رہے ہیں اور میں تمہارے ہاتھ کا پکایا ہوا کھا رہا ہوں۔"

"کیا ہم رات کا کھانا بھی یہاں کھائیں گے؟"

"ہاں۔"

"کیا ہم کل بھی یہاں رہیں گے؟"

"ہم یہاں بھی رہیں گے اور جہاں بھی رہیں گے ساتھ ساتھ رہیں گے۔"

ساحرہ نے کھانے کی پلیٹ اپنے سامنے سے ہٹا دی۔ اس نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"نہ یہاں رہنا چاہتی ہوں نہ کھانا چاہتی ہوں۔"

نادرہ نے دل میں سوچا۔ یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔ ایسے تو یہ کھانا چھوڑ دے گی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا "پہلے کھا لو، پھر باتیں کریں گے۔"

"میں ایک بار کہہ چکی ہوں، نہیں کھاؤں گی۔"

"میں تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ تم میری محبت کو سمجھتی ہو، میں تمہیں ناراض کر کے ساتھ زندگی نہیں گزاروں گا۔ پہلے تمہاری رضامندی حاصل کروں گا مگر کھانے سے انکار نہ کرو۔"

"پہلے فیصلہ کرو پھر کھاؤں گی۔"

"تمہاری یہی ضد ہے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

"تم کیوں نہیں کھاؤ گے۔ تم تو فاتح ہو۔ مجھے مالِ غنیمت سمجھ کر لائے ہو۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ بھوکے پیٹ رہ کر، ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو کر ہم جو فیصلہ کریں گے وہ دانشمندانہ نہیں ہوگا۔ پلیز، بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئی مگر کھانے کی پلیٹ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ نادرہ نے اپنے ہاتھ سے ایک لُقمہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ مُنہ پھیرنے لگی۔ اُس نے اٹھ کر ایک ہاتھ سے اجن کے

بازو کو جکڑ لیا۔ پھر کہا" پہلا لقمہ میرے ہاتھ سے کھاؤ۔"

وہ سب کچھ بھول گئی۔ کن انکھیوں سے اپنے بازو کو دیکھنے لگی۔ عجیب بات تھی۔ اس نے بازو کو گرفت میں لیا تھا مگر دل گرفتار ہو رہا تھا۔ اس ایک شکنجے میں کتنی ہی جانی انجانی آرزوئیں پھڑپھڑانے لگی تھیں۔ اسے پتا ہی نہ چلا، وہ کب مان گئی۔ اس کے ہاتھ سے کھانے لگی۔

نادرہ نے پچھلے دنوں ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جن میں نفسیاتی پہلوؤں سے مرد اور عورت کے تعلقات پر خاصی روشنی ڈالی گئی تھی۔ ساحرہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو زندگی کے اہم معاملات کو ڈرامائی انداز میں قبول نہیں کرتیں۔ وہ ہر بات کے خاص پہلوؤں کو سمجھتی ہیں۔ ان پر غور کرتی ہیں۔ اس کے مثبت اور صحیح نتائج کا اندازہ کرتی ہیں۔ اس کے بعد اسے قبول کرتی ہیں۔ وہ بے شک ذہین تھی مگر جذباتی طور پر متضاد طبیعت رکھتی تھی۔ اگر کوئی بات زبردستی اس سے منوائی جاتی تو وہ کبھی نہ مانتی یعنی وہ تشدد پسند نہیں کرتی تھی، محبت سے ہر اچھی بات مان لیتی تھی مگر تشدد پسند نہ کرنے کے باوجود تشدد اسے پسند تھا۔ نادرہ اس کے بازو کو گرفت میں لیتی تو وہ چُپ چاپ پگھلنے لگتی تھی۔

انہوں نے دوپہر کا کھانا ختم کیا تو چار بج رہے تھے۔ ساحرہ نے کہا" اب بتاؤ، میں اپنے والدین کے پاس کب جاؤں گی؟"

"کیا مجھ سے نفرت ہے؟"

"یہ بے تکا سوال ہے۔"

"ہم طویل انتظار کے بعد ایک دوسرے کے قریب آئے ہیں اور تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو۔ میں کیا سمجھوں؟"

"میں چور دروازے سے لائی گئی ہوں، اس لیے فوراً جانا چاہتی ہوں۔ کسی دن سیدھے راستے سے آؤ۔ پھر دیکھو، میں مر جاؤں گی مگر تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

نادرہ نے ایک گہری سانس لے کر کہا" پہلے چائے پلاؤ پھر ہم کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔"

"میں نے ٹھوس دلیل پیش کی ہے۔ ایک معقول بات کہہ رہی ہوں۔ اسے ہر معقول شخص تسلیم کرے گا۔ تعجب ہے، اب بھی تم کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہو۔"

"میری محبت کو سمجھو۔ تم تقدیر سے ملی ہو۔ میں تمہیں اپنی نظروں سے دور نہیں کرنا چاہتا۔

شاید اسی لیے بہانے کر رہا ہوں، باتیں بنا رہا ہوں۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرے جذبات کو سمجھ سکتی ہو؟"

اس نے نادرہ کو دیکھا۔ پھر نظریں جھکا لیں۔ وہاں سے جاتے ہوئے بولی" اچھی بات ہے۔ چائے لا رہی ہوں۔ شام تک تمہارے ساتھ رہوں گی، اس کے بعد تمہارا اخلاقی فرض ہے کہ مجھے میرے والدین تک پہنچا دو۔"

وہ چائے کے لیے کچن کی طرف جانے لگی۔ نادرہ نے اٹھتے ہوئے کہا" میں کیسٹ لائبریری روم میں رہوں گا۔"

اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب سرمایہ داروں کے ہاں کتابوں کی شاندار لائبریریاں ہوتی ہیں۔ تاریخی نسخوں سے لے کر سیاست اور ادب کے موضوع پر بڑی معلوماتی کتابوں کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ یوں ان کے اعلیٰ ذوق کا پتا چلتا ہے۔ اسمگلنگ کے ذریعے بننے والے سرمایہ داروں کے ہاں ایسے کتب خانوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ البتہ ان کے ہاں کیسٹ لائبریریاں ہوتی ہیں۔

نادرہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا، آڈیو اور وڈیو دونوں طرح کے کیسٹ تھے۔ ان پر سرسری نظر ڈالنے سے پتا چلا، اکثر تو پاپ اور ڈسکو میوزک کے کیسٹ تھے یا پھر افغانستان میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کے گیت تھے۔ اس کے ڈیڈ نے حشمت نواز کے بارے میں صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ افغانی ہے۔

ساحرہ چائے لے کر گئی تھی مگر اس نے پہلے دستک نہیں دی تھی۔ ایک ہاتھ سے ٹرے سنبھال کر، دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھول کر اندر پہنچی تو نادرہ کی پشت اس کی طرف تھی۔ سامنے ٹی وی نظر آ رہا تھا۔ وہاں ایسے مناظر تھے جنہیں وہ بے اختیار دیکھتی رہی۔ حالانکہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر اسے ہوش آیا، شرم آئی، تب وہ الٹے پاؤں باہر آ گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اس نے تھوڑی دیر تک سوچا۔ کیا کمرے میں جانا چاہیے؟ اور جب وہ جائے گی تو کیا اسی طرح فلم چلتی رہے گی؟

اس نے خود ہی سوچا۔ خود ہی انکار میں سر ہلایا۔ "نہیں، میں نہیں جاؤں گی۔ توبہ توبہ......!"

اس نے کچھ سوچنے کے بعد ٹرے کو فرش پر رکھ دیا۔ پھر دستک دے کر بولی

سے باہر نکل آئی۔ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئی۔ وہاں بھی ٹی وی کا اسکرین نگاہوں کے سامنے روشن تھا۔ جو بات کبھی سوچی نہ ہو، کبھی خواب و خیال میں نہ ہو مگر چور خیالوں میں رہی ہو اور وہ اچانک نگاہوں کے سامنے آجائے تو دل مجرمانہ انداز میں دھڑکنے لگتا ہے۔ جیسے چوری پکڑی گئی ہو اور چور خیالات کو کیمرے کی آنکھوں سے محفوظ کر کے اسکرین تک پہنچا دیا گیا ہو۔

وہ خیالات سے چونک گئی۔ نادرہ نے آواز دی تھی "ساحرہ!" وہ فوراً اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سر پر آنچل تھا مگر اسے درست کرنے کے بہانے گھونگھٹ بنالیا۔ اس کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ نادرہ کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر میز پر رکھتے ہوئے کہا "تم بھی عجیب ہو، چائے دروازے پر چھوڑ آئیں۔ یہ تو شربت ہو گئی ہے۔"

ساحرہ نے جواب نہیں دیا۔ اسے گھوم کر بھی نہیں دیکھا بلکہ اس سے دُور ہوگئی۔ نادرہ نے انجان بن کر پوچھا "تمہیں چُپ کیوں لگ گئی ہے؟"

ساحرہ نے آہستگی سے کہا "تم مناسب اور نامناسب باتوں کی تمیز کرنا بھول گئے ہو۔ مجھے فوراً یہاں سے جانا چاہیے۔"

"کیا میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی ہے؟"

"پہنچ سکتی ہے۔"

"کیا تم میرے پاس رہ کر خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی ہو؟"

"کیا نہیں سمجھنا چاہیے؟ میں تھوڑی دیر پہلے دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتی تھی۔ پتا چلا، چاروں طرف سپاہیوں کا پہرہ ہے۔ ایک سیکیورٹی آفیسر نے مجھے باہر نکلنے سے منع کر دیا۔"

"اس نے تمہاری بھلائی کے لیے منع کیا ہے۔ اگر تمہارے پاپا کے غنڈوں نے دیکھ لیا تو تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ تمہیں پاپا کے پاس پہنچادیں گے لیکن مجھے ایسی جگہ پہنچادیں گے، جہاں میرے ڈیڈ اپنے تمام ذرائع کے باوجود نہیں پہنچ سکیں گے۔ ہوسکتا ہے، وہ مجھے مار ہی ڈالیں۔ کیا تم یہی چاہتی ہو؟"

وہ اس کی طرف گھوم کر بولی "میں صرف ایک بات چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ ہمارے

بزرگوں کے درمیان صلح و صفائی ہوجائے۔ اس کے بغیر بات بگڑتی چلی جائے گی۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، مجھے یہاں قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔"

"وہ تھوڑی دیر پہلے میں نے فون پر پاپا سے رابطہ قائم کرنا چاہا تھا۔ ایکسچینج سے جواب ملا، وہ اس نمبر پر رابطہ نہیں کراسکتا۔ میں پوچھتی ہوں، آخر کیوں؟ مجھے میرے ماں باپ سے دُور کیوں رکھا گیا ہے؟ اس میں ہماری کیا بھلائی ہے؟"

"تمہارے پاپا نے ایسے حالات پیدا کیے ہیں جس کے بعد ہماری شادی نہیں ہوسکتی۔ اگر تم یہاں سے جاؤ گی تو آئندہ ہماری ملاقات نہیں ہوگی۔ وہ ہمیں ملنے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔"

"میں ایک بار نہیں، کئی بار یقین دلا چکی ہوں۔ میں تمہارے سوا کسی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تمہارے ساتھ زندگی گزاروں گی۔ میری مرضی کے خلاف کوئی میری شادی ہرگز نہیں کراسکتا مگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔"

نادرہ نے اس کے قریب آکر کہا "میں تم پر اعتماد کرتا ہوں مگر حالات کا بھروسہ نہیں ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ہمارے دل ایک ہیں۔ ہمارے ارادے ایک ہیں۔ اس کے باوجود سازشیں کی گئیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے الگ کیا گیا۔ مجھے تباہ و برباد کردینے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ اگر آئندہ بھی ایسی کوئی سازش ہوئی تو تم کیا کروگی؟"

ساحرہ نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔

"خدانخواستہ ایسا ہوا تو دیکھ لینا میں ساری زندگی تمہارے نام سے گزار دوں گی۔"

"مجھے یقین ہے، تم ایسا کروگی لیکن دنیا ایسا کرنے نہیں دے گی۔ تمہیں سماج میں زندہ رہنا ہے۔ اپنا کیریئر بنانا ہے۔ ایک تنہا لڑکی مذہب، قانون اور دستور کے خلاف زندگی نہیں گزار سکتی اور نہ ہی کوئی گزارنے دے گا۔"

نادرہ اس کے اور قریب آکر بولی "اور یہ کون سی دانشمندی ہے۔ ہمارے بزرگوں کے درمیان ٹھن گئی ہے۔ وہ اپنی انا اور برتری کی جنگ لڑتے رہیں گے اور ہم اس جنگ میں محرومیت کا شکار ہوتے رہیں گے تو پھر کیا ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے سے

ٔروم ہونے کے لیے الگ ہو جائیں ؟"

ساحرہ اسے بالکل قریب پاکر پیچھے ہٹنا چاہتی تھی کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے بازوؤں کو پکڑ لیا۔ پھر جھنجوڑتے ہوئے بولا "بات اتنی سی نہیں ہے کہ مجھ سے الگ ہو کر ساری زندگی میرے نام سے گزار دوگی۔ بات یہ بھی ہے کہ میں تمہارے بغیر نارمل زندگی نہیں گزار سکوں گا۔ ڈاکٹروں نے پہلے ہی پیش گوئی کی ہے کہ میں دماغی مریض بن سکتا ہوں۔ کیا تم جانتی ہو، دماغی مریض کسے کہتے ہیں؟"

ساحرہ اس کے بازوؤں میں جکڑی ہوئی تھی۔ وقتی طور پر بات کرنا بھول گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ دیدے پھیل رہے تھے۔ وہ نادرہ نہیں تھی، نادر تھا۔ وحشت اور جنون میں کہہ رہا تھا "دماغی مریض اسے کہتے ہیں جو دماغ کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ بے قابو ہو کر کسی کو گالی بک دے، کسی پر ہاتھ اٹھا دے، کسی پر جارحانہ حملہ کر دے۔ کوئی سی بھی محرومی انسان کو دماغی مریض بنا سکتی ہے۔ جو محروم ہوتے ہیں، اپنی زندگی کی کسی خاص کمی کو پوری نہیں کر سکتے۔ وہ منشیات کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ اپنی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے جنون میں مبتلا ہو کر ہتھیار اٹھا لیتے ہیں یا وحشت میں آکر ہر اُس چیز کو دبوچ لیتے ہیں جو اُن کے ہاتھ سے نکل رہی ہو اور تم میرے ہاتھ سے نکلنا چاہتی ہو۔"

ساحرہ نے نکلنے کی بے نام سی کوشش کی۔ پھر کوشش پر ایمان نہ رہا۔ دل بے ایمان ہونے لگا۔ ہاتھ پاؤں بُری طرح لرز رہے تھے۔ اچانک موسم بدل جانے سے گرم ہوا کبھی ہونٹوں پر چل رہی تھی، کبھی رخساروں پر مچل رہی تھی، کبھی گردن پر اُتر رہی تھی۔ عجب بدحواسی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کرے۔ وہ اعتراضاً لڑنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے وہ لڑائی شروع کر چکا تھا۔ گھبراہٹ اسی بات کی تھی کہ جو بات شروع ہو چکی ہے، وہ کہاں ختم ہو گی؟

ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی، جیسے خطرے کی گھنٹی بجی ہو۔ وہ ایک دم سے تڑپ کر نکل گئی۔ پیچھے ہٹ کر بولی "نہیں نہیں، تم گندے ہو۔"

نادر اس کی طرف بڑھا۔ وہ پلٹ کر بھاگنے لگی۔ اس نے آواز دی "ساحرہ، رُک جاؤ۔"

وہ دوڑتی ہوئی ڈائننگ ہال میں آئی۔ وہاں بھی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ نادر نے فون کی طرف ناگواری سے دیکھا، پھر اس کے پیچھے بھاگا۔ وہ آگے بھاگتی ہوئی فش ایکیوریم میں پہنچی۔ وہاں بھی ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے پھر آواز دی "ساحرہ، رُک جاؤ۔ میری بات سنو۔"

وہ اب رُکنے والی نہیں تھی۔ وہاں سے دوڑتے ہوئے، زینے پر چڑھتے ہوئے دور

بھاگی۔ نادر نے اس کے پیچھے دوڑ لگائی۔ زینے کے ایک ایک، دو دو پائیدان کو پھلانگتے ہوئے اوپر جانے لگا مگر اس سے پہلے ہی ساحرہ سامنے والے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ پھر اسے بند کر دیا۔ نادر تیزی سے آتے ہوئے اس دروازے سے ٹکرا گیا۔ بند کرنے میں ذرا بھی دیر ہوتی تو دروازہ ایک جھٹکے سے کُھل جاتا، وہ اندر پہنچ جاتا۔ اس کمرے میں بھی ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ نادر نے اُدھر غصّے سے دیکھا۔ پھر سوچا۔ ٹیلیفون کے ذریعے ہی ساحرہ کو منایا جا سکتا ہے۔

وہ دوسرے کمرے کی طرف جانے لگا۔ ادھر ساحرہ نے دروازہ بند کرتے ہی دونوں ہاتھ دھڑکتے ہوئے سینے پر رکھ لیے۔ دل سینے کے اندر پاگل ہو رہا تھا۔ ابھی تک چہرے اور گردن پر گرم سانسوں کی آنچ محسوس ہو رہی تھی مگر محسوسات کے دوران مداخلت ہو رہی تھی۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی جا رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب آئی۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو۔"

شاہ جی کی آواز سُنائی دی "بیٹی ساحرہ! کیسی ہو؟"

ساحرہ نے سلام کیا۔ پھر پوچھا "انکل، میں یہاں کب تک رہوں گی؟"

شاہ جی نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا "میرا بیٹا کہاں ہے؟"

اسی فون پر آواز سُنائی دی "ڈیڈ! میں دوسرے فون پر ہوں۔"

شاہ جی نے ہنستے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے، دونوں الگ الگ فون پر ہو یعنی الگ الگ کمرے میں ہو۔ کہیں آپس میں جھگڑا تو نہیں ہو گیا۔"

"یہ اپنے پاپا کے پاس جانا چاہتی ہے۔"

"بیٹی! میں تمہیں پہنچا دیتا مگر شہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ پچھلے جمعے کو حیدرآباد جانے والے جلوس پر سہراب گوٹھ سے فائرنگ ہوئی تھی جس کے نتیجے میں کشیدگی پھیل گئی ہے۔ مجھے چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر رہنا ہے۔ آج میں نہیں آسکوں گا۔"

"آپ اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں مجھے گھر پہنچا سکتے ہیں۔"

"پہلی بات تو یہ کہ میں تمہارے پاپا سے اس سازش کا حساب لوں گا جو وہ میرے بیٹے کے خلاف کر رہے تھے۔ میں ان سے تحریری بیان لوں گا تاکہ آئندہ ایسی سازش نہ کر سکیں۔ پھر وہ تم دونوں کا رشتہ پکا کریں گے۔ اس کے بعد تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔"

"اگر پاپا راضی نہ ہوتے تو؟"

"بچے! اس کا فیصلہ تم پر چھوڑ دوں گا۔ جو چاہو گی، وہی ہو گا۔ تمہیں یہ تو فخر ہے کہ تمہارے پاپا کی سازشوں کے جواب میں، میں نے تم سے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔"

"انکل! میں اپنے پاپا سے زیادہ آپ پر مان کرتی ہوں۔"

"شاباش بیٹے، مجھ پر بھروسہ رکھو۔ تم عزت آبرو سے رہو گی۔ صحیح سلامت رہو گی اور میں تمہارے باپ کے پاس جلد ہی تمہیں پہنچاؤں گا۔"

اس کے بعد شاہ جی نے نادرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹے، میں نے تمہاری دوائیں بھجوا دی ہیں۔ ابھی تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔ ڈاکٹر شیرازی کو اس کوٹھی کا پتا بتا دیا ہے۔ وہ شام کو یا رات کو کسی وقت آئیں گے۔ ساحرہ کو ان کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری بیٹی کے متعلق کوئی غلط قیاس آرائی کرے اور وہ بدنام ہو۔ بہرحال، میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ پھر کسی وقت رابطہ قائم کروں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ نادر نے اپنے ریسیور کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "ساحرہ! ریسیور نہ رکھنا۔"

جواب میں اس کی آواز سنائی نہیں دی۔ اس نے کہا۔ "دروازہ کھولو۔ میں آ رہا ہوں۔"

پھر آواز سنائی نہیں دی۔ اس نے ریسیور کو اچھی طرح کان سے لگا کر سنا۔ پتا چلا، دوسری طرف سے رابطہ ختم ہو گیا ہے۔ اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ گھور کر ریسیور کو دیکھا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے یوں جکڑ لیا جیسے ساحرہ کو پوری طرح گرفت میں لے رہا ہو۔۔۔ وہ پورے یقین سے سمجھ رہا تھا کہ مکمل طور پر نادر ہے۔ اس میں نادرہ کا کوئی کمزور پہلو نہیں رہا ہے۔ اس نے آپریٹر کے ذریعے ساحرہ کے کمرے سے رابطہ قائم کیا۔ وہاں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔"

"میں نادر بول رہا ہوں۔ ریسیور نہ رکھنا۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اس نے کہا۔ "ساحرہ! باہر آؤ۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"کیا میں بُرا ہوں؟"

"بُرے نہیں ہو مگر اچھے بھی نہیں ہو۔ تمہیں کسی نتیجے پر پہنچنا ہے کہ تم کیا ہو؟"

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر نادر نے کہا۔ "میں تمہارے ہی جواب کی روشنی میں جواب دے رہا ہوں۔ تم نے کہا، میں بُرا نہیں ہوں۔ اس کا مطلب ہے، میں نے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے جو کیا، وہ تمہیں بُرا نہیں لگا۔"

"یہ تمہاری الٹی منطق ہے۔"

پھر تم نے کہا۔ "میں اچھا بھی نہیں ہوں۔ اس کا مطلب ہے، مجھے اچھی طرح محبت کرنا نہیں آتا۔ کچھ میں کروں گا، کچھ تم سکھاؤ گی تو اچھا بن جاؤں گا۔"

"نادرہ! سنجیدگی اختیار کرو۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیا تم میڈیکل کا تمام کورس مکمل کیے بغیر ڈاکٹر بن سکتے ہو؟"

"ایسے تو کوئی نہیں بن سکتا۔"

"کیا اپنا علاج مکمل کئے بغیر ایک نئی شخصیت اختیار کر سکتے ہو؟"

نادرہ خاموش رہی۔ ساحرہ نے کہا۔ "صرف میں نے محبت سے تمہیں نادر تسلیم کیا ہے لیکن ابھی تم مکمل نادر نہیں ہو۔ میں تمہاری ہوں۔ تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ ایسے مراحل میں تمہیں قدم قدم میرے پاس آنا چاہیئے۔ اگر ایک ہی جست میں پہنچنے کی کوشش کرو گے تو مُنہ کے بل گرو گے۔ تمہیں بھی نقصان پہنچے گا، مجھے بھی صدمہ ہو گا۔ صرف تم ہی نہیں، میں بھی ذہنی مریضہ بن جاؤں گی۔ کیا تم یہی چاہتے ہو؟"

نادر نے جواب نہیں دیا۔ ساحرہ نے ذرا انتظار کرنے کے بعد پوچھا۔ "چُپ کیوں ہو؟"

"میں خاموشی اور تنہائی چاہتا ہوں۔ تم نے میری آنکھیں کھول دیں؟ شکریہ۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ جوش اور جذبے میں بھول گئی تھی کہ ابھی تکمیل کے مراحل باقی ہیں۔ جب تک آدمی خود مکمل نہیں ہو گا، اس وقت تک کوئی مکمل کام نہیں کر سکے گا۔ ادھورا انسان باتیں پوری کرتا ہے مگر کام ادھورے کرتا ہے۔ خوشیاں ادھوری دیتا ہے۔

نادرہ نے سنجیدگی سے سوچا۔ "میں جوش اور جذبے میں نادر بن جاتا ہوں اور بھول جاتا ہوں کہ ابھی نادرہ مجھ پر مسلط ہے۔ میں ساحرہ کی محبت میں بہت دُور نکل جاتا ہوں، میں اس کی محبت میں بہت سخی ہوں مگر سخاوت کرتے کرتے کسی مرحلے پر

کنگال ہو جاؤں گا۔ پھر اسے کیا منہ دکھاؤں گا۔ نارسائی کی قسم، مر جاؤں گا۔"

اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ پھر میز پر ایک گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ "میں مر جاؤں گا۔"
وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "پتا نہیں مجھے کب مکمل ہونا ہے؟"

وہ ایک طرف پلٹ گئی۔ سامنے قدِ آدم آئینہ تھا۔ آئینے میں وہ تھی اور وہ تھا۔ اس نے خود کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "وہ گھڑی کب آئے گی جب میں کہوں گا کہ میں تھی اور اب ہوں اور ساری عمر رہوں گا۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا۔ مٹھیاں کھول کر پھیلے ہوئے پنجوں کو دیکھا۔ وہ پنجے شکنجے بن جائیں تو کوئی اپنی گردن نہ چھڑا سکے۔ کسی پر کراٹے کا ہاتھ پڑ جائے تو وہ ان ہاتھوں کی مردانگی کو کبھی بھول نہ سکے۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنے ایک ہاتھ کو سیدھا کیا۔ پھر دوسری بار جھٹکے سے دوسرے ہاتھ کو سیدھا کیا۔

اس کے بعد کراٹے کی مشقیں کرنے لگی۔ پینترے بدلنے لگی۔ یک بیک اس نے بڑک ماری۔ حلق سے ایک زوردار گرجتی ہوئی سی آواز نکالی۔ "ہی۔ ہا۔ ۔ ۔"

یہ عین انسانی مزاج کے مطابق ہے۔ آدمی حملہ کرنے سے پہلے غصّے میں کچھ بولتا ضرور ہے۔ مدِ مقابل کو اپنی شہ زوری سے مرعوب کرنے کے لیے چیلنج کے انداز میں ایک آدھ فقرہ ضرور ادا کرتا ہے۔ اگر بہت زیادہ غصّے میں ہو تو بول نہیں پاتا مگر حلق سے بے ہنگم سی آواز نکلتی ہے۔ ایسے ہی انسانی مزاج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کراٹے لڑنے والے اپنے حلق سے ایک چیخ نکالتے ہیں۔ "ہی۔ ہا۔ ۔ ۔ ۔"

اس طرح اندر کا غبار نکلتا ہے۔ نادرہ نے اندر سے چیختی چلاتی آواز نکالی۔ "ہی۔ ہا۔" پھر وہاں سے ایک چھلانگ لگائی۔ فضا میں اچھلتی ہوئی، میز کے اوپر سے گزرتی ہوئی دوسری طرف پہنچی۔ سامنے چینی مٹی کا ایک خوبصورت گلدان رکھا ہوا تھا۔ اس گلدان میں کاغذ کے پھول سجائے گئے تھے۔ اس نے پھولوں کو نکال کر پھینک دیا۔ گلدان کو ہاتھوں میں لے کر دیکھا، پرکھا، تولا، اس کے وزن اور مضبوطی کا اندازہ کیا۔ پھر اسے چھت کی طرف اچھال دیا۔ ایک بڑک ماری۔ "ہی۔ ہا۔" پھر فضا میں چھلانگ لگائی۔ اس سے پہلے کہ گلدان زمین پر واپس آتا، اس نے ایک کراٹے کا بھرپور ہاتھ رسید کیا۔ ٹوٹنے کی آواز ہوئی۔ گلدان کے ٹکڑے فضا میں بکھرے اور زمین بوس ہو گئے۔

وہ پینترا بدلتے ہوئے پلٹ گئی۔ سینٹر ٹیبل کے دوسری طرف ایک اور گلدان، فولادی اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی۔ فضا میں اچھلتی ہوئی، میز کے اوپر سے گزرتی ہوئی اس گلدان کے قریب پہنچی۔ دوسری طرف ساحرہ دوڑتی ہوئی کمرے سے نکلی تھی، وہ اس کی بڑکیں سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ دوسرے کمرے کی کھڑکی کے پاس آکر اس نے جالی میں ہاتھ ڈالا۔ پھر پردے کو سرکا کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔ ایک ٹوٹا ہوا گلدان دور تک فرش پر بکھرا ہوا تھا۔ کمرے کے اندر جو انتشار تھا، وہ نادرہ کے ذہنی انتشار کا عکاس تھا۔

ساحرہ وہاں سے چلتے ہوئے دروازے کے پاس آئی۔ اس نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ نادرہ دوسرے گلدان کو اٹھا کر ذرا اچھالنے کے بعد کیچ کر رہی تھی۔ پھر اس نے اسے آخری بار چھت کی طرف اچھالا۔ ایک بڑک ماری۔ "ہی۔ ہا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے فضا میں چھلانگ لگائی، اس سے پہلے کہ وہ دوسرا گلدان بھی فرش کی طرف آتا، اس نے ایک فلائنگ کک ماری۔ گلدان اس کی ٹھوکر میں آیا، پھر ٹوٹ کر بکھرتا ہوا فرش پر پہنچ گیا۔

وہ پینترا بدلتے ہوئے بستر کے پاس آئی۔ وہاں دو بڑے بڑے تکیے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک تکیے کو اٹھا کر اسے اچھالا۔ پھر اپنے دونوں بازوؤں میں قید کر لیا۔ بھینچ لیا۔ اس کی ملائمیت کا اندازہ کیا۔ سر کو جھکا کر اپنا چہرہ اس پر رگڑتے ہوئے اسے چوم لیا۔ اس کے بعد اسے پھر فضا میں اچھالا۔ جب وہ چھت کی طرف جا کر واپس آنے لگا تو اس نے اچھل کر ایک کراٹے کا ہاتھ رسید کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مگر کچھ نہ ہوا۔ نہ وہ ٹوٹا نہ بکھرا۔ جیسا تھا، ویسے ہی بستر پر آکر گر پڑا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جو چیز ٹھوس اور سخت ہوتی ہے، وہ مار کھا کر ٹوٹ جاتی ہے۔ جس میں ملائمت اور لچک ہوتی ہے، وہ کبھی نہیں ٹوٹتی۔

تکیہ بڑا ہی نازک اندام تھا مگر ایک چیلنج تھا۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی۔ بستر پر آیا۔ تکیے پر منہ کے بل گرا۔ اسے اپنے وجود تلے دبا ڈالا۔ پیس ڈالا مگر اس کا کچھ نہیں بگڑ رہا تھا۔ اس نے بار بار کوشش کی مگر اصل مجبوری یہ تھی کہ اس نے خالی ہاتھ لڑنے کا فن سیکھا تھا۔ جوڈو کراٹے میں کوئی ہتھیار استعمال نہیں ہوتا۔ آج اسے ہتھیار کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا مگر ہتھیار نہیں تھا۔ اس نے جھنجلا کر غلاف کے چیتھڑے

اڑا دیے۔ تکیے کو نوچ کھسوٹ کر پھاڑ ڈالا، روئی اُڑنے لگی۔ وہ دونوں مٹھیوں میں روئی کو بھینچ کر ہانپ رہی تھی۔ کانپ رہی تھی۔ اس کے دیدے پھیل کر سُرخ انگارہ ہو رہے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یوں تک رہی تھی، جیسے دکھائی نہ دے رہا ہو اور اسے راستہ نہ مل رہا ہو۔

پھر وہ کُود کر فرش پر پہنچی۔ دروازے کی طرف آنے لگی۔ ساحرہ فوراً ہی پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گئی۔ وہ نادرہ کا جوش و جنون دیکھ کر پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ نادرہ اسی جنون کی حالت میں کمرے سے نکلی۔ دوڑتی ہوئی زینے کے پاس آئی پھر نیچے جانے لگی۔ ساحرہ اسے آواز دینا چاہتی تھی مگر ڈر لگ رہا تھا۔ وہ پیچھے پیچھے جانے لگی۔ آگے جانے والی بہت آگے نکل گئی تھی۔ یوں لگتا تھا غصّے میں کوئی ہنگامہ کرنے والی ہے۔

کوٹھی کے باہر سیکیوریٹی گارڈز اُسے دیکھتے ہی الرٹ ہو گئے۔ سلام کرنے لگے۔ اس نے ایک سپاہی سے رائفل چھین لی۔ سپاہی نے پریشان ہو کر سیکیوریٹی افسر کو دیکھا۔ افسر نے ادب سے پوچھا۔

"نادر صاحب، کیا شوٹنگ کا موڈ ہے؟"

نادر نے افسر کے پاس سیون ایم ایم کی رائفل دیکھی تو پُرانی رائفل سپاہی کی طرف اچھال دی۔ ایک ہاتھ افسر کی طرف بڑھایا۔ سیکیوریٹی افسر نے ہچکچاتے ہوئے اپنی رائفل دی، پھر کہا "صاحب! اندھیرا ہو رہا ہے۔ ابھی شوٹنگ مناسب نہیں ہے۔ پھر یہ رہائشی علاقہ ہے۔"

نادرہ نے رائفل لیتے ہی چھلانگ لگائی۔ ذرا دُور گئی۔ پھر نوّے ڈگری پر فائر کیا۔ اس کے فوراً بعد رائفل کا رُخ افسر اور سپاہیوں کی طرف کر دیا۔ وہاں بھگدڑ سی مچ گئی۔ وہ چھوٹے صاحب کے خلاف جوابی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا سیکیوریٹی افسر بھاگ کر دروازے کے پیچھے چلا گیا۔ سپاہیوں نے بھی گرتے پڑتے کہیں نہ کہیں چھپنے کی جگہ نکالی۔ افسر نے اونچی آواز میں پوچھا "صاحب! آپ کیا چاہتے ہیں۔ پلیز، یہاں فائرنگ نہ کریں۔"

مگر وہ دوڑتی ہوئی کُھلے باغیچے میں چلی گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اظہار کا راستہ مل رہا ہے۔ ایک کمی تھی جو دوسری طرح پوری ہو رہی ہے لیکن ایک فائر

سے بات نہیں بنی۔ گولی خالی گئی تھی۔ کوئی ٹارگٹ نہیں تھا۔ اس نے دوسری بار گھوم گھوم کر درختوں پر فائرنگ کی۔ اس کے نتیجے میں کسی درخت سے کچّے آم گرے، کسی درخت سے پرندے۔ وہ وحشیانہ انداز میں مسکراتے ہوئے مُردہ پرندوں کو دیکھنے لگی۔ ایک درندے کی طرح ہانپتے ہوئے سانس لینے لگی۔

"بھوں بھوں۔ بھوں بھوں۔" کتا بھونک رہا تھا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک السیشن ڈاگ زنجیر سے بندھا ہوا بھونک رہا تھا۔ اس کی طرف لپک رہا تھا لیکن زنجیر کی لمبائی تک پہنچ کر رُک رہا تھا۔ پھر پلٹ رہا تھا اور پلٹ پلٹ کر بھونک رہا تھا۔ نادرہ نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا۔ رائفل سیدھی کی اور نشانہ لیا۔ سپاہی باپ کی بیٹی کا یہ پرانا شغل تھا۔ ایک ہی فائر میں زنجیر ٹوٹ گئی۔ وہ خطرناک کتا آزاد ہو گیا۔

ساحرہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ غرّاتا ہوا، بھونکتا ہوا نادرہ کی طرف آ رہا تھا۔ وہ رائفل سیدھی کیے چپ چاپ کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی کتّے نے قریب پہنچ کر چھلانگ لگائی، نادرہ نے ٹریگر دبا دیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ فضا میں اچھلنے والا کتا زمین پر دھپ سے آ کر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ نادرہ نے دوسرا فائر کیا۔ تیسرا فائر کیا۔ حالانکہ وہ مر چکا تھا۔ مگر وہ جنون میں اور جوش میں فائر کرتی جا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا، وہ گولیوں سے چھیدتی جا رہی ہے اور اسے راستہ بنانے کے لیے ہتھیار مل گیا ہے۔

رائفل خالی ہو گئی۔ اس نے ایک طرف اُسے پھینک دیا۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کتّے کو فاتحانہ انداز میں دیکھا۔ پہلے ایسا ہی ہوتا ہے، ہاتھ میں ہتھیار آئے تو آدمی پہلے کتّے بلّی مارتا ہے پھر آدمی مارتا ہے۔

ساحرہ کھڑکی کے پاس کھڑی شاہ جی اور ڈاکٹر شیرازی کی باتیں سُن رہی تھی۔ شاہ جی نے پہلے ہی فون پر سمجھا دیا تھا کہ اسے کسی کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔ اسی لیے وہ ڈاکٹر شیرازی سے چھپی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ایسا لگتا ہے، آپ کا بیٹا یہاں کسی سے لڑتا رہا ہے۔ کیا یہاں اور بھی کوئی ہے؟"

شاہ جی نے کہا۔ "نہیں، یہ تنہا ہے۔ آپ تو جانتے ہیں، اسے جوڈو کراٹے کا شوق رہا ہے۔ آپ جو ٹوٹے ہوئے گلدان دیکھ رہے ہیں، یہ اس نے اپنے آرٹ کا مظاہرہ کیا ہے۔"

ڈاکٹر نے پلنگ پر پھٹے ہوئے تکیے کو دیکھا۔ روئی کمرے میں بکھری ہوئی تھی۔ غلاف کے چیتھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "یہ کسی اندرونی ہیجان میں مبتلا ہے۔ تعجب ہے، ایسا ہیجان اچانک ہی کیسے پیدا ہوا؟"

اس کی مرتکب وہ تھی جو کھڑکی سے لگی کھڑی تھی۔ سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ "میں کیا کروں؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اگر حُسن و شباب سے ترغیب ملتی ہے تو مجھے تنہا نادر کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے لیکن یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ یہ تو انکل کو سمجھنا چاہیے۔"

دوسری طرف ڈاکٹر شیرازی کہہ رہا تھا۔ "ایک سائیکو انالسٹ مجھ سے زیادہ اس معاملے پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ میں آپ کے بیٹے کا معالج ہوں۔ اس حیثیت سے یہی کہہ سکتا ہوں کہ ہیجان پیدا ہونے کے بعد اس کی نکاسی کا، اس کے اظہار کا کوئی راستہ آپ کے بیٹے کے پاس نہیں تھا۔ اسی لیے اس نے کوٹھی کے باہر پے در پے فائرنگ کی۔ کچھ پرندے مارے، ایک کتے کو ہلاک کیا۔ اس فائرنگ کی زد میں

میں کچھ لوگ بھی آ سکتے تھے کیونکہ یہ رہائشی علاقہ ہے۔"

"ڈاکٹر! مجھے افسوس ہے۔"

"آپ بہت بڑے افسر ہیں۔ رہائشی علاقے میں ہونے والی فائرنگ کے معاملے کو اب تک دبا چکے ہوں گے لیکن بیٹے کے معاملے میں افسری کام نہیں آئے گی۔ اس نے جو فائرنگ کی، وہ اس ہیجان کا خطرناک ردِ عمل ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں اشتعال کیسے پیدا ہوا۔ باربار میرے دماغ میں ایک سوال چبھ رہا ہے۔"

"آپ مجھ سے جو پوچھنا چاہیں، پوچھ سکتے ہیں۔ میں نے کچھ نہیں چھپایا ہے۔"

"کیا آپ کا بیٹا اِن دنوں رومانی، جذباتی ناول پڑھتا ہے یا ایسی فلمیں دیکھتا ہے؟"

"میرا خیال ہے، وہ ایسا نہیں کرتا۔"

"آپ اچھی طرح سوچ کر بتائیں۔ آج کل اس کے قریب کوئی لڑکی آئی ہے؟"

شاہ جی ذرا گڑبڑا گئے۔ پھر سنبھل کر بولے۔ "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا بیٹا، میری ہونے بہو کو بہت چاہتا ہے۔ رشتہ طے ہو چکا ہے۔ وہ کسی اور کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔ بائی دی وے، کیا نادر کو لڑکیوں سے دُور رہنا چاہیے؟"

"بے شک، میں نے اور سائیکو انالسٹ نے نادر کو یہ ضرور سمجھایا ہے کہ وہ رومانی انداز سے سوچے۔ اپنی آئیڈیل سے محبت کرے۔ لڑکوں کے انداز میں باتیں کرے۔ اپنے ہر انداز میں مردانہ پن رکھے لیکن یہ مشورہ کبھی نہیں دیا کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ وقت گزارے۔"

"اس میں ہرج کیا ہے؟"

"پھول دسترس میں ہو تو اسے سُونگھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کے حُسن کو چھونے کی خواہش ہوتی ہے۔ پھر بات انگلی پکڑنے سے پہنچا پکڑنے تک پہنچتی ہے اور آپ تو جانتے ہیں، وہ آپ کا بیٹا ضرور ہے مگر صرف زبانی۔"

"میں آپ کی بات مانتا ہوں مگر ہماری جوان نسل بالکل ہی گمراہ نہیں ہے۔ یہ تعلیم یافتہ جوان مناسب اور نامناسب باتوں کو سمجھتے ہیں۔ آپس میں محبت سے وقت گزارتے ہیں اور جذباتی تقاضوں کو کسی مناسب وقت کے لیے ٹال دیتے ہیں۔"

"سوری ٹو سے۔ آپ کا بیٹا جذباتی تقاضوں کو مناسب وقت پر ٹالنا نہیں جانتا۔ البتہ کوئی ایسا ساتھی ہو جو ایسے جذباتی لمحات میں اسے سنبھالے، اسے سمجھائے، وہ محبت سے

تھپک تھپک کر اسے جذبات کے سرد خانے میں پہنچا دے تو بات بن سکتی ہے۔ پھر وہ کسی خطرناک ردِ عمل کا مظاہرہ کرنے کے بجائے نارمل رہا کرے گا۔ آئیے، چلتے ہیں۔"

ساحرہ فوراً ہی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔ تیزی سے چلتے ہوئے دوسرے کمرے میں گئی۔ پھر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ باتیں کرتے ہوئے زینے کی طرف جانے لگے۔ ساحرہ نے دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا، وہ زینے سے اُترتے جا رہے تھے۔ شاہ جی کہہ رہے تھے "نادر میری ہونے والی بہو سے بہت محبت کرتا ہے۔ اسے قریب رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اسے اپنے گھر سے یہاں لے آیا ہوں۔ میں نے اپنے پڑوسیوں کو بھی اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ آپ بھی اتنی مہربانی کریں۔ اگر مرزا صاحب یا کوئی بھی ساحرہ کے متعلق سوال کرے تو آپ لاعلمی ظاہر کر دیں۔"

"نو پرابلم۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

وہ زینے سے اُتر کر نچلے حصّے کے ایک بیڈ روم میں آئے۔ اس کے دروازے کو آہستگی سے کھول کر دیکھا۔ نادر ایک بڑے سے آرام دہ بستر پر سو رہا تھا۔ انہوں نے دروازے کو پھر آہستگی سے بند کر دیا۔ شاہ جی نے کہا۔ "آپ کی دوا نے کام کیا ہے۔ اسے نیند آ گئی ہے۔"

"میں نے نیند کی دوا نہیں دی۔ اس کے دماغ کو سکون پہنچانے کے لیے ایک انجکشن لگایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ جاگ رہا ہے۔ آنکھیں بند کیے آرام سے لیٹا ہوا ہے۔ اسے فی الحال آرام ہی کرنا چاہیے۔"

ساحرہ نے کمرے سے نکل کر دبے قدموں چلتے ہوئے زینے کے پاس آ کر دیکھا۔ نیچے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا مگر باتیں کرنے کی دھیمی دھیمی سی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ صرف آواز تھی۔ الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ وہ زینے کے پاس سے گھوم گئی۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کمرے کے سامنے آئی جہاں نادر نے زلزلہ پیدا کر دیا تھا۔ اس نے اندر آ کر دیکھا۔ ٹوٹی ہوئی اور بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھ کر ڈاکٹر شیرازی کی باتیں دماغ میں گونجنے لگیں۔ آخر نادر میں ہیجان کیسے پیدا ہوا؟

اس اہم سوال کا تعلق اسی سے تھا۔ آخر میں ڈاکٹر شیرازی نے چلتے ہوئے کہا تھا۔ "اگر کوئی ایسا ساتھی ہو جو ایسے وقت نادر کو سنبھال لے، محبت سے تھپک تھپک کر

جذبات کے سرد خانے میں پہنچا دے تو اس میں اشتعال پیدا نہیں ہوگا، کوئی ہیجان برپا نہیں ہوگا۔ وہ پُرسکون رہے گا۔"

وہ سوچتے ہوئے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بستر کے پاس آئی۔ تکیہ پھٹا ہوا تھا۔ روئی ہر طرف بکھری ہوئی تھی۔ کبھی کبھی ہوا کا ہلکا سا جھونکا آتا تو روئی اُڑنے لگتی تھی۔ پھر اس کی پرواز آہستہ آہستہ ختم ہونے لگتی تھی۔ وہ زمین پر پہنچ جاتی تھی۔ اس نے سوچا "نادر کے ساتھ بھی یہی بات ہے۔ ایک جھونکا آتا ہے اور وہ باز کی طرح پرواز کرنے لگتا ہے۔ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ ایسا باز ہے جس کے پَر نہیں نکلے۔ ہوا اُسے اڑاتی ہے اور ہوا ہی اسے گرا دیتی ہے۔ اُسے سمجھانا ہوگا حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہے مگر آدمی جوشِ جنوں میں کب سمجھ دار رہتا ہے۔؟"

بستر پر غلاف کے چیتھڑے پڑے ہوئے تھے۔ عجب شدّتِ دیوانگی تھی۔ اس نے تکیے کے غلاف کو اتارا نہیں تھا بلکہ نوچ کھسوٹ کر پھاڑ ڈالا تھا۔ ساحرہ نے غلاف کو اٹھا لیا، اس کے چیتھڑوں کو دیکھا۔ پھر انہیں دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ دِل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے گم ہو گئی۔ جانے کیا سوچتی رہی، جانے کیا سمجھتی رہی۔ اگر وہ خیالات سے چونکتی تو یہ بتا نہ پاتی کہ اب تک کہاں پہنچی ہوئی تھی۔ اکثر لڑکیاں یہ بتا نہیں پاتیں کہ انہوں نے کہاں سے سوچنا شروع کیا تھا۔ چور خیالات کی بھول بھلیوں میں کتنے بے باک جذبوں نے چھیڑا تھا۔ پھر انہیں کس طرح شرم و حیا نے طلسمِ خیال سے نکالا تھا۔ یہ ساری تفصیلات خود انہیں یاد نہیں رہتیں۔ خیالات سے چونکنے کا عمل بہت کچھ بھلا دیتا ہے۔

وہ چونک گئی۔ غلاف کے چیتھڑے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر پڑے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ شاہ جی دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ "بیٹی! تم یہاں ہو۔ میں تمہیں دوسرے کمرے میں دیکھنے گیا تھا۔ آؤ، نیچے چلتے ہیں۔"

وہ سر جھکا کر ان کے پاس آئی۔ پھر ان کے ساتھ چلتے ہوئے کمرے سے نکلی۔ انہوں نے زینے سے اُترتے ہوئے پوچھا۔ "کیا مجھ سے شکایت نہیں کرو گی؟"

وہ زینے کے ایک پائیدان سے اُترتے ہوئے بولی۔ "نادر اپنے ہوش میں نہیں تھے۔ اگر وہ ہوش میں ہوتے اور ایسا کرتے، تب بھی میں آپ سے شکایت نہ کرتی۔"

"وہ کیوں ؟"

"انہیں سنبھالنا، ان کی دیکھ بھال کرنا، انہیں ہر حال میں نارمل رکھنا میرا فرض ہے۔ آپ نے کسی بھروسے پر ہی مجھے اُن کے پاس چھوڑا ہے۔"

"بیٹی! ہمیشہ سلامت رہو۔ میرے دل سے دُعائیں نکل رہی ہیں۔ تمہاری جیسی بیٹی نصیب والوں کو ملتی ہے مگر تمہارا باپ بہت بدنصیب ہے۔"

وہ چُپ رہی۔ انہوں نے ڈرائنگ روم میں آکر کہا "وہ آرام کر رہا ہے۔ پتا نہیں، جاگ رہا ہے یا سو رہا ہے۔ میں اسے نارمل رکھنے کے سلسلے میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، کیسے کہوں۔ تم نے خود ہی اپنے فرض کا احساس کر کے میری مشکل آسان کر دی۔ دیکھا جائے تو تمہارا کوئی فرض نہیں ہے۔ تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"انکل! انسانیت کا رشتہ ہے۔"

پھر وہ دل ہی دل میں بولی "محبت کا رشتہ ہے جس کا میں اظہار نہیں کر سکتی۔"

کوئی اور وقت ہوتا، کوئی اور لڑکی ہوتی، کوئی اور لڑکا ہوتا اور وہ دونوں شادی کیے بغیر تنہا کسی گھر میں زندگی گزارتے تو قانون اس لڑکی کے فرض کو تسلیم نہ کرتا مگر قانون کا اتنا بڑا محافظ اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ اس کا احسان مند ہو رہا تھا کیونکہ قانون کبھی اپنے لیے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ دوسروں کے لیے ہوتا ہے۔

سیکیورٹی افسر نے آکر سلام کیا، پھر کہا "سر! سپاہی جان محمد ایک ملازمہ کو لے آیا ہے۔"

"اسے اندر بلاؤ۔"

وہ باہر چلا گیا۔ سپاہی جان محمد ایک نوجوان عورت کے ساتھ اندر آیا، پھر سلام کرنے کے بعد بولا "جناب! یہ میرے پنڈ کی رہنے والی ہے۔ بھروسے کی عورت ہے۔ میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔"

شاہ جی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ ایسی ہی تھی۔ کوئی بھی اسے دیکھتا تو سر سے پاؤں تک دیکھنا چاہتا۔ وہ غضب کی صحت مند تھی۔ ایسی صحت مند کہ بدن پر لباس تنگ ہو رہا تھا اور دیکھنے والی نگاہوں کو تنگ کر رہا تھا۔

شاہ جی نے افسرانہ انداز میں پوچھا "تمہارے ماں باپ ہیں؟"

"وہ مر چکے ہیں۔"

"شادی ہو گئی ؟"

"جی اور طلاق بھی ہو گئی۔"

"کیوں ہوئی ؟"

"جناب عالی! میرا آدمی نشہ کرتا تھا۔ کوئی کام دھندا نہیں کرتا تھا۔ ایک دن ایدھی ٹرسٹ والے پکڑ کر لے گئے۔ اپنا گھر میں علاج کرانے کے لیے۔ میں نے اس کے پاس جا کر کہا تھا، مجھے طلاق دے۔ میں تیرے ساتھ نہیں رہوں گی۔

اس نے نہیں دی۔ بھلا کیسے دیتا۔ میں محنت مزدوری کر کے اپنا اور اس کا پیٹ بھرتی تھی۔"

انہوں نے سخت لہجے میں کہا "بات مختصر کرو۔"

"جناب عالی! میں بہت کم بولتی ہوں۔ وہی زیادہ بولتا ہے لیکن طلاق کا ایک لفظ نہیں بولتا تھا۔ جب وہ اپنا گھر سے باہر آیا تو علاج سے فائدہ نہیں ہوا تھا۔ وہ بہلا کر کے وہاں سے چھٹی لے آیا تھا۔ نشے سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ اسے ایک ہی چیز کی ضرورت تھی اور وہ تھی ہیروئن۔ میں نے کہا، تو جہنم میں جا، مجھے طلاق دے دے۔

اس نے مجھے پرے دھکیلتے ہوئے کہا "بھاگ جا یہاں سے۔ میں تجھے طلاق نہیں دوں گا۔"

میں نے ایک پڑیا نکالی۔ پھر اسے دکھاتے ہوئے کہا "کیا یہی چاہتا ہے؟" وہ خوش ہو گیا۔ میری طرف بڑھتے ہوئے خوشامد کرنے لگا۔ میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "خبردار! مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ طلاق دے گا تو پڑیا دوں گی۔"

ساحرہ نے کہا "تم بہت بولتی ہو۔"

"بی بی جی! طلاق کا معاملہ ہے۔ پوری بات نہیں بتاؤں گی تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔ میں بات مختصر کر کے بولتی ہوں۔ اس نے طلاق دی اور مجھ سے پڑیا لے لی۔ میں پکا کام کرنے والی عورت ہوں۔ میں نے دوسری پڑیا نکالی۔ اُس نے دوسری طلاق دی۔ پھر تیسری پڑیا پر تین طلاقیں ہو گئیں۔ اُس سے جان چھوٹ گئی۔"

شاہ جی نے پوچھا "یہاں تمہارا اور کون ہے؟"

"کوئی نہیں ہے جی۔ میں اکیلی ہوں۔ یہ سپاہی جان محمد بول رہا تھا، آپ کو اکیلی عورت کی ضرورت ہے۔ جو یہاں رہے، باہر نہ جائے، کسی سے ملاقات نہ کرے۔ جنابِ عالی! میں کان پکڑ کے سچ سچ بولتی ہوں۔ میں ایسی ویسی عورت نہیں ہوں۔ میرا کوئی ملنے والا نہیں ہے۔ بھلا میں یہاں سے باہر جا کر کیا کروں گی؟"

سپاہی جان محمد نے کہا "سر! یہ بہت لذیذ کھانے پکاتی ہے۔ ہمیشہ صاف ستھری رہتی ہے، گھر کو بھی چمکا کر رکھتی ہے۔ میں اس کی خوبیاں دیکھ بھال کر لایا ہوں۔ بس خرابی ایک ہی ہے، بولتی زیادہ ہے۔"

شاہ جی نے سیکیورٹی آفیسر کو بُلا کر کہا "اس کے لیے سرونٹ کوارٹر کھول دو اور اسے اچھی طرح سمجھا دو، یہاں کس طرح رہنا ہے۔"

وہ سیکیورٹی آفیسر اور سپاہی جان محمد کے ساتھ جانے لگی تو ساحرہ نے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے پلٹ کر کہا "شبّو۔"

"ٹھیک ہے، غسل کر کے آؤ اور رات کا کھانا تیار کرو۔"

شاہ جی نے کہا "بیٹی! میں تمہارے لیے ایک درجن ریڈی میڈ سوٹ لایا ہوں۔ تمہاری دوسری ضروریات کا بھی سامان ہے۔ یہ سب نادر کے کمرے میں رکھا ہے۔ تم دیکھ لینا۔ کچھ اور ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔"

ساحرہ نے انہیں دیکھا۔ جب نظریں ملیں تو پلکیں جُھکا لیں۔ انہوں نے پوچھا "کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ سر پر آنچل درست کرتے ہوئے بولی "آپ تمام ضروریات کا سامان لائے ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے غیر مُعیّنہ مدّت تک یہاں رہنا ہے؟"

انہوں نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ خود کو قیدی اور مجبور نہ سمجھنا۔ تم آزاد ہو جب کہو گی، تمہارے والدین کے پاس پہنچا دوں گا مگر خُدا کے لیے ابھی نہ کہنا۔ میرے بیٹے کی زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"۔۔۔ سمجھتی ہوں۔"

"خوش رہو بیٹے! میں پھر آؤں گا۔"

وہ اس سے رخصت ہو کر باہر آئے۔ تمام سپاہی الرٹ ہو گئے۔ وہ کوٹھی کے ایک طرف سے چلتے ہوئے پچھلے حصّے میں پہنچے۔ اُدھر ایک علیحدہ سا کمرہ تھا جہاں ایک چھوٹا سا ٹیلی فون ایکسچینج قائم کیا گیا تھا۔ وہاں دو شخص بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اٹینشن ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا "کیا تم دونوں ڈیوٹی پر ہو؟"

ایک نے کہا "نہیں سر! میں نے ڈیوٹی ختم کی ہے۔ اب چھ بجے سے شریف احمد کی ڈیوٹی ہے۔"

انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "سات بج رہے ہیں۔ تمہاری ڈیوٹی بہت پہلے ختم ہو چکی ہے۔ تمہیں یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ ناؤ گیٹ آؤٹ۔"

وہ جلدی سے سلام کر کے باہر چلا گیا۔ انہوں نے شریف احمد سے پوچھا "تمہاری ڈیوٹی کب تک ہے؟"

"جناب! رات کے دو بجے تک۔"

انہوں نے جیب سے ایک کیسٹ نکالا۔ پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اس پر ایک ٹیلیفون نمبر لکھا ہوا ہے۔ رات کے ٹھیک ایک بجے اس نمبر پر ڈائل کرو گے اور مرزا عبادت حسین کو مخاطب کرو گے۔ جب یقین ہو جائے کہ مرزا بول رہا ہے تو اس کیسٹ کو ریکارڈر کے ذریعے سُنا دینا مگر یہ نہ بتانا کہ جو آوازیں وہ سُن رہا ہے، وہ کسی کیسٹ میں ریکارڈ کی گئی ہیں۔ کیا میری باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں؟"

"جی جناب! میں سمجھ رہا ہوں۔ اس کیسٹ کو پہلے ریکارڈر میں رکھ دوں گا۔ پھر ایک بجے اس نمبر پر ڈائل کروں گا۔ کسی مرزا عبادت حسین کو مخاطب کروں گا جب یہ یقین ہو جائے کہ مرزا صاحب بول رہے ہیں تو میں ریکارڈر آن کر دوں گا۔"

شاہ جی نے کہا "یہ ریکارڈنگ دس منٹ کی ہے۔ اس کے بعد بھی ریکارڈر کو آف نہ کرنا۔ مرزا جواباً جو کچھ بولے گا، اُس کی آواز دوسرے سادہ کیسٹ میں ریکارڈ ہوتی رہے گی جب تک وہ فون بند نہ کرے، اس وقت تک ریکارڈر کو آن رکھنا۔"

"جی جناب! میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔"

"میں کسی وقت بھی تم سے رابطہ قائم کر کے یہ ریکارڈنگ سنوں گا، جو تم یہاں کرو گے۔"

"یس سر! آل رائٹ سر!"

نادرہ کو پتا نہ چلا، کتنی دیر تک وہاں پڑی رہی۔ رفتہ رفتہ مدہوشی کی کیفیت ختم ہوتی گئی۔ اُسے آہٹ سی محسوس ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ نگاہوں کے سامنے ساحرہ تھی۔ وہ گیلے بالوں میں تولیہ لپیٹ کر غسل خانے سے باہر آ رہی تھی۔ آنکھیں کھولنے کے بعد یہ خواب سا لگ رہا تھا۔ پھر یاد آیا۔ میں تو ساحرہ کے ساتھ اسی کوٹھی میں ہوں اور جانے کب تک رہوں گا؟

وہ مُسکرانے لگی۔ ساحرہ نے اسے دیکھا۔ جاتے جاتے ٹھٹک گئی پھر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "تم جاگ رہے ہو؟"

"پتا نہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "یعنی تمہیں غفلت یا بیداری کا یقین نہیں ہے؟"

"تم خواب نہیں ہو تو جاگ رہا ہوں، ورنہ نیند میں باتیں کر رہا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "تم بہت اچھے ہو۔"

"دُور سے تو ڈھول بھی اچھا لگتا ہے۔"

وہ محبت سے گھُور کر بولی۔ "باتیں خوب بناتے ہو۔ ایک بات پوچھوں؟"

"ایک سے کیا ہوتا ہے۔ ایک ہزار پُوچھو۔"

"تم مجھے پانے کے لیے محبت کرتے ہو یا کھونے کے لیے؟"

"میں تمہیں کھونے سے پہلے مَر جاؤں گا۔"

"مگر تم مجھے پانے سے پہلے مار رہے ہو۔"

نادرہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

وہ بستر کے سرے پر بیٹھ کر بولی۔ "میں قریب رہنا چاہتی ہوں مگر محبت کے نام پر دہشت پیدا کرو گے تو مَر جاؤں گی۔"

نادرہ نے سر کو جھکا لیا۔ پھر ندامت سے بولی۔ "پتا نہیں، مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

"تمہیں پتا ہونا چاہیئے۔ تم نارمل ہو۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"میں تمہارے پاس خود آکر بیٹھ گئی ہوں۔ میں اور پاس رہنا چاہتی ہوں مگر تمہیں وعدہ کرنا ہوگا، ہمارے درمیان شرم و حیا کی دیوار قائم رہے گی۔ نادر! ہم مہذب ہیں۔ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دی ہے۔ ہم محبت کریں گے اور جی بھر کے کریں گے۔ بس وعدہ کرو، میں جو حدیں مقرر کروں گی، تم انہیں پار نہیں کرو گے۔"

اس نے ساحرہ کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "تم جو کہو گی، وہی کروں گا۔ بس میرے پاس رہا کرو۔"

"ایک وعدہ اور کرو۔" ساحرہ نے سر جھکا کر کہا۔ "آئندہ تم کیسٹ لائبریری میں نہیں جاؤ گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں۔ نہیں جاؤں گا۔"

ساحرہ نے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ دو بڑے سوٹ کیس ہیں۔ ایک میں میری ضرورت کا سامان اور کپڑے ہیں اور دوسرے میں تمہاری ضروری چیزیں ہیں۔ ان میں سے اپنا لباس نکالو اور غسل کر کے آؤ۔ میرا خیال ہے، شبو نے کھانا تیار کر لیا ہے۔"

نادرہ نے پوچھا۔ "یہ شبو کون ہے؟"

وہ بولی۔ "نئی ملازمہ ہے۔ دیکھو، تم نے وعدہ کر لیا ہے، کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے۔"

میرا خیال ہے، میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا۔ ہاں، کچھ حدیں مقرر کرنے کی بات ہو رہی تھی۔"

"یہی حد ہے۔ اگر میں نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہاتھ پکڑ کر کھینچنا شروع کر دو۔ بس یہ ہاتھ ہے، ہاتھ ہی تک رہو۔"

تم کہہ رہی ہو تو یہیں تک رہوں گا۔"

وہ بستر سے اٹھ کر سوٹ کیس کی طرف جانے لگی۔ ساحرہ نے کہا۔ "میں کچن میں

ہوں۔ ضرورت ہو تو بلا لینا۔"

وہ کچن میں آئی۔ شبو سلاد بنا رہی تھی۔ ساحرہ اسے دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔ ایک تو وہ بھرے بھرے بدن کی جوان عورت تھی۔ اس پر ململ کا کرتہ پہن رکھا تھا اور دوپٹہ بھی اتار کر کرسی پر ڈال دیا تھا۔ اس نے ساحرہ کو دیکھتے ہی کہا "بی بی جی! کھانا تیار ہے۔"

ساحرہ نے ناگواری سے پوچھا "تو نے یہ لباس کسے دکھانے کے لیے پہنا ہے؟"

"میں بھلا کسے دکھاؤں گی۔ آج گرمی زیادہ تھی، اس لیے یہ جوڑا پہن لیا۔"

ساحرہ نے دھتکارنے کے انداز میں ایک ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "چلو، یہاں سے نکلو۔ ڈھنگ کا لباس ہو تو پہن کر آنا، ورنہ چھٹی کر لینا۔"

شبو کی سمجھ میں نہیں آیا، اس لباس میں کیا خرابی ہے۔ عورت تو خود کو سنوارنے، نکھارنے کے لیے پہنتی اوڑھتی ہے۔ پھر بی بی جی کو برا کیوں لگ رہا ہے۔ اس نے کرسی پر سے دوپٹہ اٹھاتے ہوئے کہا "میں نے اتنی جگہ کبھی کام نہیں کیا۔ پہلے پہل غلطی ضرور ہوگی۔ جب آپ لوگوں کا مزاج سمجھوں گی تو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

وہ دوپٹے کو کمر سے باندھتے ہوئے جانے لگی۔ ساحرہ نے کہا "اے، کسی سے لڑنے جا رہی ہے کیا؟"

وہ جاتے جاتے رک گئی، پھر پلٹ کر بولی "میرا آدمی کہتا تھا، اسے باندھ کر رکھنے سے کمر چست رہتی ہے۔"

وہ ڈانٹ کر بولی "اسے کھولو اور سر پر رکھو۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا۔ صاحب کے سامنے کبھی ننگے سر نہ آنا۔"

وہ سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے چلی گئی۔ ساحرہ نے ہانڈیاں کھول کر دیکھیں۔ اس نے دو طرح کے سالن اور چاول تڑکا لگا کر پکائے تھے۔ اس نے دونوں سالن کو چکھ کر دیکھا۔ پھر قائل ہو گئی۔ کم بخت نے بہت ہی لذیذ سالن تیار کیے تھے۔ اچھا کام کرنے والی تھی۔ باورچی خانے کو صاف ستھرا رکھا تھا۔ کوئی چیز بکھری ہوئی نہیں تھی۔ اس نے کچن سے نکل کر بیڈ روم کے دروازے کے قریب آ کر پوچھا "نادر! مجھے بھوک لگی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"پانچ منٹ میں آ رہا ہوں۔"

دس منٹ کے بعد دونوں ڈائننگ میز کے اطراف بیٹھے کھا رہے تھے۔ نادر

نے پاجامہ اور کرتا پہنا ہوا تھا۔ ساحرہ نے چور نظروں سے دیکھا۔ اس کی ہلکی ہلکی سی مونچھیں نکل آئی تھیں۔ وہ صبح شام شیو کرتی تھی۔ طرح طرح کی کریم اور دوائیں استعمال کرتی تھی۔ اس کے باوجود چہرہ نوخیز لڑکوں جیسا تھا۔ صرف ٹھوڑی کے اطراف ہلکی ہلکی شیو کے آثار نظر آتے تھے۔ اس کے برعکس سینے پر بال تھے جو کرتے کے کھلے گریبان سے جھانک رہے تھے۔

اس سے نظریں ملتے ہی ساحرہ نے نظریں جھکا لیں۔ پھر آہستگی سے کہا "بٹن لگاؤ۔"

نادرہ پہلے تو کچھ نہ سمجھ سکی پھر اس نے نظریں جھکا کر گریبان کو دیکھا۔ اس کے بعد مسکرا کر کہا "کیا ہرج ہے۔ میرے سامنے تم ہو۔ کوئی اور تو نہیں ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی 'چھن چھن' کی آواز آئی۔ دونوں نے تعجب سے کان لگا کر سنا۔ پھر آواز آئی۔ 'چھن چھن' 'چھن چھن'!

انہوں نے چونک کر ڈرائنگ روم کی طرف دیکھا۔ آواز وہیں سے آ رہی تھی اور قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر ڈائننگ روم کا پردہ ذرا سا ہٹ گیا۔ شبو نظر آئی۔ اس نے ساحرہ بی بی کے حکم کے مطابق ڈھنگ کے کپڑے پہنے تھے۔ چوڑی دار پاجامہ تھا۔ اس پاجامے کی چوڑیوں کے اوپر بھری بھری پنڈلیاں دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں۔ پاجامے پر شلوار پہنے ہوئے تھی، جیسے مغل شہزادیاں پہنا کرتی تھیں۔ ہاتھوں میں بیلے کے گجرے تھے۔ بالوں میں موتیے کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔ آنکھوں میں اتنا موٹا کاجل لگایا تھا کہ چہرے پر آنکھیں ہی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ناک کی لونگ لشکارے مار رہی تھی۔ گالوں کی لالی اور ہونٹوں کی سرخی سے شعلے لپک رہے تھے۔ بدن پر نقلی زیورات کی دکان سجی ہوئی تھی۔ بناؤ سنگھار میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ تیور بتا رہے تھے، دیکھنے والوں کو ہرگز نہیں چھوڑے گی۔

ساحرہ نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے پوچھا "اللہ! تم کیا چیز ہو؟"

"آپ نے ڈھنگ کا لباس پہننے کو کہا تھا۔ یہ ٹھیک ہے نا؟"

"تم نے پاؤں میں یہ گھنگرو کیوں باندھے ہیں؟"

"بی بی جی! یہ گھنگرو نہیں، پازیب ہے۔"

اس نے قالین پر پاؤں مار کر آواز سنائی۔ پھر ان کے قریب آنے لگی۔ پازیب چھنا چھن بجنے لگی۔ اس کے آنے کا انداز ایسا تھا جیسے جوانی کی رم جھم میں چھم چھم برسنے آ رہی ہو۔ نادرہ کی آنکھوں سے نادر جھانک رہا تھا۔ اس نے سوچا۔ میری ساحرہ اگر ایسا لباس

پہنے۔ ایسا ہی بناؤ سنگھار کرے اور چلتے ہوئے ہر قدم پہ اس کی پازیب مجھے پکارتی چلے تو کیسی رُومانیت ہوگی۔ میری نظریں پازیب کی طرح اس کے قدموں سے لپٹی رہیں گی اور میں ہر قدم پر کہوں گا۔ جاناں! اپنے گورے گورے پاؤں دھیرے سے رکھو۔ یہ چھم چھم ایک موسیقی ہے۔ جو سپیرے کی بین سے زیادہ زہریلی ہے۔ اس کی آواز پر ڈسنے والے بلوں سے نکل آتے ہیں۔

ساحرہ نے ایک چمچ زور سے میز پر پٹخ دیا۔ نادرہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بولی۔

"تمہیں کچھ ہوش ہے؟"

نادرہ نے کہا۔ "ہوش کیسے رہے گا۔ اسے دیکھتے ہی ایک آئیڈیا دماغ میں آیا ہے۔"

"کیسا آئیڈیا؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔"

اس نے شبّو کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "اے، یہ پازیب اتار دو۔"

وہ بڑی شوخ نظروں سے نادرہ کو دیکھ رہی تھی۔ سپاہی جان محمّد نے اُسے چُپ چاپ بتا دیا تھا کہ شاہ جی کی لڑکی کچھ دنوں میں لڑکا بننے والی ہے بلکہ دیکھنے سُننے میں ہر اعتبار سے اب بھی وہ مرد ہی ہے اور یہ بات شبّو کے پلّے نہیں پڑ رہی تھی۔ بھلا ایک لڑکی جو آگے چل کر عورت بننے والی ہو، وہ مرد کیسے بن سکتی ہے۔ اسی لیے وہ صرف شوخی سے نہیں، شوق سے بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے سمجھنا چاہتی تھی مگر لفافہ بند ہو تو خط کے مضمون کا پتا نہیں چلتا۔

وہ قالین پر بیٹھ کر پازیب اُتارنے لگی۔ نادرہ نے پوچھا۔ "تم یہاں کام کرنے آئی ہو یا بارات میں جانے؟"

ساحرہ نے کہا۔ "اپنے کوارٹر میں جاؤ۔ یہ تمام زیور اور پھول کے گجرے اُتار کر آؤ۔ میں سادگی چاہتی ہوں۔"

وہ دونوں پازیب اُتار کر نادرہ کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "پہلے میں سادگی سے آئی تھی۔ آپ نے کہا۔ "ڈھنگ کے کپڑے پہنو۔ میں نے سوچا۔ سر سے پاؤں تک ڈھنگ سے رہنا چاہیے۔ اس لیے یہ پہن کر آ گئی۔ بی بی جی! میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ سادگی کسے کہتے ہیں؟"

"سادگی کا مطلب ہے، صاف ستھرا لباس پہنو۔ کوئی بناؤ سنگھار نہ کرو۔ چلو، جاؤ یہاں سے۔"

وہ جانے لگی۔ ساحرہ نے آواز دی۔ "یہ پازیب کس کے لیے چھوڑ کر جا رہی ہو؟"

نادرہ نے ایک ہاتھ سے دونوں پازیبوں کو سمیٹ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ مجھے پسند ہیں۔"

شبّو نے خوش ہو کر اسے دیکھا۔ پھر وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ساحرہ نے پوچھا۔ "تم نے اسے کیوں رکھ لیا ہے؟"

"میں نے کہا نا۔ ایک آئیڈیا دماغ میں آیا ہے۔"

ساحرہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ نادرہ نے کہا۔ "کھاتی جاؤ اور میری باتیں سُنتی جاؤ۔"

وہ کھانے لگی۔ اس نے کہا۔ "میں نے شادی بیاہ کی تقریبات میں تمہیں زیورات پہنے دیکھا ہے۔ سچ کہتا ہوں جب سولہ سنگھار کرتی ہو تو تم پہ سے نظریں نہیں ہٹائی جاتیں۔ میں تمہیں دیکھ کر سوچا کرتا تھا، تم ہر اعتبار سے مکمل ہو لیکن آج شبّو کو دیکھ کر محسوس ہوا، تم میں ایک کمی رہ گئی تھی۔"

ساحرہ نے چونک کر اسے دیکھا، پھر ناراض ہو کر بولی۔ "اچھا تو دوسری کو دیکھ کر مجھ میں کمی محسوس ہونے لگی ہے؟"

وہ غصّے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ جانے لگی۔ نادرہ نے اس کی کلائی تھام کر کہا۔ "میری بات تو سُنو۔"

اُس نے ایک جھٹکے سے کلائی چھڑائی۔ پھر اونہہ کہہ کر جانے لگی۔ نادرہ نے پازیب دکھاتے ہوئے کہنا چاہا مگر وہ سُننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس سے دُور نکل گئی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولی۔ "اچھا ہوا میں تمہاری طرح عورت نہیں ہوں۔ عورتوں کی یہ بڑی عادت ہے، اپنی خامی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ سمجھنے سے پہلے جل بھن جاتی ہیں۔"

ساحرہ کمرے میں آ کر ایک صوفے پہ بیٹھ گئی جب نادرہ آئی اس نے منہ پھیر لیا۔ اس نے کہا۔ "میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے تمہیں ہر روپ میں، ہر سنگھار میں دیکھا ہے مگر یاد نہیں پڑتا، کبھی تمہارے پاؤں میں پازیب دیکھی ہو۔ آج شبّو کو دیکھ کر تصوّر

میں تمہیں دیکھتا رہا اور تمہارے پاؤں میں چھم چھم کی آواز سُنتا رہا۔"

وہ مُنہ بچلاتے ہوئے تھی۔ بے اختیار مسکرانے لگی۔ نادر نے کہا۔" چھوٹے چھوٹے مُنہ پر مسکراہٹ کتنی بھلی لگتی ہے۔"

وہ پھر ناراض ہو کر بولی۔" تم نے اس کی پازیب کیوں لے لی؟"

" میں تمہارے پاؤں میں پہنانا چاہتا ہوں۔"

" کیا؟" وہ ناگواری سے بولی۔ پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔" ایک ملازمہ کے پاؤں سے پازیب اتار کر میرے پاؤں میں پہناؤ گے؟"

" ساحرہ! پازیب ایک حُسنِ آرائش ہے۔ کسی ملازمہ یا مالکہ کی جاگیر نہیں ہے محبت کرنے والے ہاتھ اسے کسی ملازمہ کو پہنا دیں تو حُسن اسے ہی ملے گا۔

یہ پازیب محبت کی ایک صدا ہے۔ یہ صدا قدم قدم آتی ہے اور دیوانے کو اپنی آمد کی خبر دیتی ہے اور جب جاتی ہے تو یادوں میں رہ جاتی ہے۔ سرگوشیوں کی طرح خیالوں میں بجتی رہتی ہے۔

حُسنِ نظر رکھنے والے طوطا چشم بھی ہوتے ہیں۔ وہ یہ پازیب کسی کے پاؤں میں بھی پہنا سکتے ہیں لیکن میں نے کسی کے پاؤں سے اتار لی۔ کیونکہ یہ میری آرزو ہے جو تمہارے قدموں سے لپٹنا چاہتی ہے۔ کیا اسے کسی اور کے قدموں سے لپٹنا چاہیئے؟"

ساحرہ کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے اپنے نادر کو دیکھا۔ نادر نے کہا۔" میں تمہاری تسلی کے لیے شبو کو پازیب کی قیمت ادا کر دوں گا۔ یا تم اسی کمرے میں پہن لو اور باہر جانے سے پہلے اتار دو مگر میری خواہش پوری کر دو۔"

ساحرہ نے ایک گہری سانس لی۔ پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔" لاؤ، پہن لیتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک تپائی کو اپنے سامنے کر لیا۔ ایک پاؤں اس پر رکھا۔ نادر آہستہ آہستہ بیٹھتے ہوئے بولا۔" میں پہناؤں گا۔"

ساحرہ نے پاؤں کھینچ لیا۔ پھر محبت سے گھور کر بولی۔" توبہ ہے، میرے پاؤں کو ہاتھ لگاؤ گے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم، محبت پاؤں سے شروع ہوتی ہے۔ پہلے پاؤں پاؤں چلتی ہے پھر سر چڑھ کے بولتی ہے۔"

وہ زیرِ لب مسکرانے لگی۔ نادر نے کہا۔" پاؤں یہاں رکھو۔"

" مجھے شرم آتی ہے۔"

" بھئی شرم آئے تو مُنہ چھپاتے ہیں، تم پاؤں چھپا رہی ہو۔"

اس نے شرماتے ہوئے اپنا پاؤں تپائی پر رکھ دیا۔ نادر قالین پر بیٹھ گیا۔ ایک مرد عورت کے قدموں میں بیٹھے، یہ بڑے شرم کی بات ہے۔ لہٰذا یوں کہنا چاہیئے کہ مردانہ جذبوں نے ایک سہیلی کو سہیلی کے قدموں میں بٹھا دیا تھا۔

ساحرہ کانپ گئی۔ جلدی سے پاؤں نیچے کر لیا۔ نادر نے سوال کیا۔" کیا کر رہی ہو؟ مجھے پہنانے تو دو۔"

وہ شرماتے ہوئے، منہ پھیرتے ہوئے سر کو ہلا کر بولی۔" نہیں۔"

" یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

" تم نے وعدہ کیا ہے، ہمارے درمیان مناسب فاصلہ رہے گا۔"

" ضرور رہے گا۔"

" تم نارمل رہو گے؟"

" ضرور رہوں گا۔"

ساحرہ نے پیر اس کے آگے تھوڑا سا بڑھا دیا۔ نادر نے کہا۔" اوپر تپائی پر رکھو۔"

اس نے محبت سے ناراض ہو کر دیکھا، پھر کہا۔" زیادہ بولو گے تو نہیں پہنوں گی۔"

وہ سرد آہ بھر کر دونوں ہاتھوں سے پازیب پہنانے لگا۔ بھلا پہنانے میں کیا دیر لگتی ہے مگر وہ شعلوں کو زنجیر پہنا رہا تھا۔ انگلیاں جل رہی تھیں اور دیر تک جلنا چاہتی تھیں۔ ساحرہ نے پاؤں کھینچ کر کہا۔" بس، یہ دوسری میں پہن لوں گی۔"

اس سے پہلے کہ وہ اعتراض کرتا، اُس نے دوسری پازیب چھین لی اور دوسرے پاؤں میں پہنتے ہوئے بولی۔" میں نے تمہاری بات مان لی۔ اب تم میری بات مانو۔ ڈاکٹر نے جو دوائیں دی ہیں، انہیں کھاؤ اور آرام سے بستر پر لیٹ جاؤ۔"

" اور تم؟"

" میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

وہ خوش ہو گئی۔ اس کے پاس سے اٹھ کر پلنگ کے سرہانے والی میز کے پاس آئی۔ وہاں ایک جگ میں پانی اور دوائیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق

انہیں کھایا اور پانی پی لیا۔ پھر آرام سے بستر پر لیٹ کر کہا۔ "آؤ۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر الماری تک گئی۔ پازیب بھی بولتی گئی۔ نادر بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے ساحرہ کا حُسن وجود بے صدا تھا، اب چھم چھم کرتا تھا۔ وہ بولی۔ "تمہیں یہ آواز اچھی لگتی ہے۔ میں ساری رات تمہارے سامنے چلتی رہوں گی۔ ایک بار پھر وعدہ کرو۔ نارمل رہو گے؟"

"رہوں گا، ضرور رہوں گا۔ خُدا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں۔"

وہ چھم چھم کرتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ اسے اندر سے بند کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے نادر کو دیکھا۔ وہ خوشی سے انگڑائی لے رہا تھا۔ ساحرہ نے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا، پھر اسے آف کر دیا۔

اچانک تاریکی چھا گئی۔ اب کوئی کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ نادر کا دل مسرتوں سے دھڑکنے لگا۔ وہ نظر نہیں آ رہی تھی مگر آ رہی تھی، قریب آ رہی تھی اور قریب آ رہی تھی اور قریب آنے سے پہلے دل کو دھڑکا رہی تھی۔ بچپن کی آنکھ مچولی آنکھوں پر پٹی باندھتی ہے۔ جوانی کی آنکھ مچولی اندھیرا کر دیتی ہے۔ ایک کو چُھپاتی ہے، دوسرے کو ورغلاتی ہے۔ اسے ڈھونڈو۔ تم ڈھونڈو گے۔ اسے گرفتار کرو۔ تم گرفتار کرو گے۔ اس کے باوجود تم اسے دیکھ نہیں سکو گے البتہ دریافت کرتے رہو گے۔

نادر نے جمائی لی، پھر کہا۔ "آ بھی جاؤ۔"

"میں نے کہا نا، آنکھیں بند کر لو۔ یہ ہماری محبت کا تقاضا ہے نادر! سونے کی کوشش کرو۔ دیکھو، تم نے ابھی جمائی لی تھی۔ تمہیں نیند آ رہی ہے۔ میں تمہیں پازیب کی آواز سُناتی جاؤں گی، خود بولتی رہوں گی، گنگناتی بھی رہوں گی۔ اس سے زیادہ قریب اور کیا ہو سکتی ہوں؟"

وہ آنکھیں بند کیے سُن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ابھی ہماری محبت کی ابتدا ہے۔ ہمارے درمیان مذہبی اور قانونی پابندیاں ہیں۔ ہم تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہم اچھے انسان ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اخلاقی پابندیوں میں رہیں، نہ میں بھاگی جا رہی ہوں نہ تم بچھڑے جا رہے ہو۔ اللہ نے چاہا تو ہم آخری سانس تک ساتھ رہیں گے۔"

وہ تاریکی میں چل رہی تھی۔ چھم چھم کی آواز اس کی آواز کے ساتھ سُر پیدا کر رہی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "نادر! ہمیں ایک بہت بڑے چیلنج کا سامنا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں، تم نارمل نہیں رہو گے۔ میں چاہوں تو میرا سلیقہ، میری ذہانت، میری محبت تمہیں

پابندیوں میں رکھے گی اور میں تم سے یہی چاہتی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ تم جبر کرو اور میرا سر شرم سے جُھک جائے، میری آنکھوں میں آنسو ہوں اور میں اس بستر میں مُنہ چھپا کر کہوں۔

ایک ایک سانس میرے لیے قتل گاہ تھی
میرا گناہ یہ تھا کہ میں بے گناہ تھی
میں چاہتی تھی رُوح اسے سونپ دوں مگر
اس آدمی کی صرف بدن پر نگاہ تھی

نادر، میرے نادر! جانِ ساحرہ! شاعری دنیا کا سب سے حسین جذبہ ہے مگر شاعرانہ حُسن اور شاعرانہ جذبات کی تکمیل کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے۔ وہ وقت آنے تک اپنے دماغ سے خیالِ پریشاں کو نکال دو۔ سکون سے سو جاؤ، سو جاؤ نادر، سو جاؤ۔"

وہ کہتی جا رہی تھی۔ پازیب کی چھم چھم کبھی پاس آ رہی تھی، کبھی دُور جا رہی تھی مگر زیادہ دُور نہیں جا سکتی تھی۔ محبت کی پازیب سے باندھی گئی تھی۔ اس لیے پاس آ جاتی تھی پھر وہ رُک گئی۔ اندھیرے میں سننے لگی۔ وہ خراٹے لے رہا تھا۔

کچھ اس کے پیار کی حکمتِ عملی نے اور کچھ دواؤں کے اثر نے اسے سُلا دیا تھا۔ جب تک وہ جاگتا رہا تھا، ایک ضدی نادر تھا۔ اب نادرہ سکون سے سو رہی تھی۔

فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔ زبیر نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ صبح سے جب بھی فون کی گھنٹی بجی تھی، سب کے سب دوڑ پڑتے تھے۔ اس امید پر کہ اچھی خبر ملے گی۔ زبیر نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو۔" پھر دوسری طرف کی باتیں سن کر بولا۔ "جی ہاں، مرزا عبادت حسین موجود ہیں۔ آپ کون ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں انہیں ان کی بیٹی کے متعلق خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔"

زبیر نے ایک دم سے چونک کر کہا۔ "ماموں جان! ساجدہ کی خبر آئی ہے۔ کوئی ہمیں خوش خبری سنانا چاہتا ہے۔"

سب کے سب اچھل پڑے۔ مرزا دوڑتے ہوئے آئے، اس سے ریسیور چھین کر کان سے لگاتے ہوئے بولے۔ "ہیلو، میں مرزا عبادت حسین بول رہا ہوں۔ کیا میری بیٹی مل گئی ہے؟"

"وہ تو نہیں ملی مگر اس کی آواز مل گئی ہے۔ ذرا سنیے تو سہی، کیا کہہ رہی ہے۔"

مرزا صاحب کان لگا کر سننے لگے پھر ایک دم سے تڑپ گئے۔ بیٹی کی چیخ سنائی دی تھی۔ وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔ "چھوڑ دو، مجھے جانے دو۔ مجھے میرے پاپا کے پاس جانے دو۔"

ادھر پاپا نے تڑپ کر کہا۔ "بیٹے! میں تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ جلدی بتاؤ، کہاں ہو، باپ کی جان، تم کہاں ہو؟ رونے میں وقت ضائع نہ کرو۔ جلدی سے بتاؤ۔"

دوسری طرف چیختی جا رہی تھی، چلاتی جا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کئی

بدمعاش اسے پکڑے ہوئے ہوں، اس پر ظلم کرتے جا رہے ہوں۔ ادھر مرزا صاحب جھاگ کی طرح صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ بیگم جھک کر ریسیور سے کان لگا کر سننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جب کوئی نسوانی آواز سنائی دی اور وہ بیٹی جیسی آواز لگی تو انہوں نے جھپٹ کر ریسیور لے لیا۔ اپنے کان سے لگا کر بولیں۔ "بیٹی ساجدہ! میں تمہاری امی بول رہی ہوں۔ بیٹی، تم کہاں ہو؟"

دوسری طرف وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔ "ظالمو! تمہاری بھی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔ تم لوگوں نے مجھے صبح سے چیختے رہنے پر مجبور کیا۔ میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ تم لوگوں نے مجھے چیخنے اور فریاد کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میں اپنی امی اور پاپا کو آوازیں دوں گی تو وہ میری آواز نہیں پہچان سکیں گے لیکن میں مرتے مرتے بھی آوازیں دیتی رہوں گی۔ اے ظالمو! جب ٹیلیفون سے میری آواز سنا رہے ہو تو مجھے ان سے ملا بھی دو۔ میں ان کے لیے تڑپ رہی ہوں۔ ایک بار ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ پھر خود ہی شرم سے مر جاؤں گی۔"

ریسیور سے آواز آ رہی تھی۔ دونوں میاں بیوی کان لگائے سن رہے تھے اور خلا میں تک رہے تھے۔ جیسے جیسے بیٹی بولتی جا رہی تھی ویسے ویسے مناظر آنکھوں کے سامنے گھومتے جا رہے تھے کہ کس طرح بیٹی پر ظلم ہو رہا ہے۔ کچھ غنڈے بدمعاش ہیں جو اسے مالِ غنیمت سمجھ کر لوٹ کھسوٹ رہے ہیں اور جیسے جیسے یہ مناظر ان کی آنکھوں کے سامنے آتے تھے، وہ آنکھیں بند کر لیتے تھے مگر آنکھیں بند کر لینے سے پہاڑ اوجھل نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ ان کی پہاڑ جیسی بیٹی کو ریزہ ریزہ کر رہے تھے۔

اب بیٹی کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ماں باپ اسے پکار رہے تھے۔ ماں کہہ رہی تھی "بیٹی! ہم تو جیتے جی مر گئے۔" باپ کہہ رہا تھا۔ "میں نے جو بویا کاٹ رہا ہوں۔ بیٹی! میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ ایک بار مجھے مل جاؤ، میں اپنی زندگی کا طریقہ بدل دوں گا۔ ایک چیونٹی کو بھی پاؤں تلے نہیں آنے دوں گا۔ کسی بھی اعلیٰ یا ادنیٰ شخص کو اپنی ذات سے نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔ بس ایک بار مجھے مل جاؤ بیٹی! ایک بار مل جاؤ۔"

پھر وہ دونوں ہی میاں بیوی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ زبیر نے ریسیور کان سے لگا کر سنا۔ اب آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا اور ماموں جان کو سنبھالنے لگا۔ اس کی امی، بھاوج کو سنبھال رہی تھیں۔ بے چارے رشتہ دار کر بھی کیا

سکتے ہیں۔ صرف سنبھال سکتے ہیں۔ جو نقصان ہو جاتا ہے، اسے تو پورا نہیں کر سکتے۔ یہ ان کے بس میں نہیں ہوتا۔

شاہ جی اپنی بیگم کے ساتھ بیڈ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے گھڑی دیکھی۔ پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے، رابطہ قائم ہونے پر اپنا نام بتایا پھر کہا۔ "مجھے مرزا کی آواز سناؤ۔"

دوسری طرف سے بیگم اور مرزا کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ بیٹی کو پکار رہے تھے۔ دہائی دے رہے تھے۔ مرزا اعتراف کر رہا تھا کہ اس نے جو بویا ہے، وہی کاٹ رہا ہے۔ آئندہ اس کی ذات سے کسی بھی اعلیٰ اور ادنیٰ شخص کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ بیگم بھی رو رو کر ہلکان ہو رہی تھیں۔ پھر شاہ جی نے ریسیور رکھ دیا۔ کچھ دیر تک سوچتے رہے۔ بیگم نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔ تم نے کھانا تیار رکھا ہے؟"

"ہاں مگر اب رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ وہ جاگ رہے ہیں اور شاید بھوکے بھی ہیں۔ ان سے ہمدردی کرو۔ کھانا لے جاؤ۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

شاہ جی نے پھر ریسیور اٹھا کر مرزا صاحب کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر کہا۔ "میں سمجھ رہا ہوں، ہم سب سو نہیں سکیں گے۔ تمہاری بیٹی گئی ہے، میرا بیٹا۔ ہم نے بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔ شاید تمہارے منہ میں بھی ایک ایک دانہ نہ گیا ہو۔ میری بیگم کھانا لے کر آ رہی ہیں۔ آپ لوگوں کو ساحرہ کی خاطر کھانا چاہیے۔ زندہ رہنا چاہیے۔"

ساحرہ کی مم نے کہا۔ "بھائی صاحب! اب ہماری زندگی میں کیا رہ گیا ہے۔ یہ دنیا جہنم لگ رہی ہے۔ مر جانے کو جی چاہتا ہے اور آپ کھانے کی بات کر رہے ہیں۔"

"کھانا تو پڑے گا۔ کوئی بھی شخص اپنے عزیز ترین رشتے کی ابدی جدائی برداشت کرتا ہے مگر بھوکا رہتا ہے، ایک دو وقت نہیں کھاتا پھر کھانے لگتا ہے۔"

"میں بھوکی مرتی رہوں گی۔ جب تک وہ نہیں آئے گی، ایک دانہ منہ میں نہیں رکھوں گی۔ میں نے قسم کھالی ہے۔"

شاہ جی نے ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے نمبر ڈائل کرنے کے بعد اپنا تعارف کرایا اور کہا۔ "ساحرہ سے بات کراؤ۔"

تھوڑی دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ شاہ جی نے کہا۔ "بیٹی! میں بول رہا ہوں۔ تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

"نادر کو سلانے میں دیر ہو گئی۔ اب سونے جا رہی ہوں۔"

"کیا اپنی مم اور پاپا کو یاد کر رہی ہو؟"

ایک سرد آہ سنائی دی۔ پھر اس نے کہا۔ "میں یاد نہ کروں، تب بھی یاد آتے رہیں گے۔ رشتہ ہی ایسا ہے۔ دل کھنچا جاتا ہے۔"

"ابھی میں سوچ رہا تھا کہ تمہارے باپ نے میرے بیٹے کے ساتھ بڑی ذلالت کی، بڑی گھناؤنی سازش کی لیکن تمہاری مم کا کیا قصور ہے، وہ بے چاری رو رہی ہیں۔ تمہارے بغیر ایک لقمہ بھی منہ میں رکھنا نہیں چاہتیں۔ میں چاہتا ہوں، تم فون پر ان سے بات کرو اور انہیں کھانے پر مجبور کرو۔"

"آپ بہت اچھے ہیں۔ میں ابھی بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ ایکسچینج والوں سے کہہ دیں۔"

"ریسیور رکھ دو اور گھڑی دیکھو اس وقت ایک بج کر چالیس منٹ ہوئے ہیں۔ بیس منٹ کے بعد یعنی ٹھیک دو بجے ریسیور اٹھا کر اپنے پاپا کا نمبر مانگنا، ایکسچینج والا شخص رابطہ قائم کرا دے گا۔"

ساحرہ نے ریسیور رکھ کر سوچا۔ "انکل بہت اچھے ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کی خوشیاں بھی چاہتے ہیں اور میرے والدین کو زیادہ دیر تک صدمہ بھی نہیں پہنچانا چاہتے۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ پاپا کی بدترین سازش کا انتقام مجھ سے لیتا پھر کسی کا کچھ نہ جاتا۔ میری عزت جاتی۔ میں دنیا والوں کا سامنا کرنے سے پہلے ہی مر جاتی۔ انکل سچ مچ بہت اچھے ہیں۔"

ہر آدمی اس اعتبار سے اچھا ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے اچھا سوچتا اور اچھا کرتا ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی اچھائی کے لیے نادر کو اغوا کرایا تھا۔ شاہ جی نے اپنے بیٹے کی بھلائی کے لیے ساحرہ کو اٹھوا کر نادرہ کے پاس پہنچا دیا تھا۔ یوں دیکھا جائے تو دنیا کا ہر مجرم اپنی اچھائی کے لیے جرم کرتا ہے۔ ساحرہ دیکھ رہی تھی کہ انکل اور پاپا ایک دوسرے کی اچھائی بھی چاہتے ہیں مگر دونوں جہاندیدہ ہونے کے باوجود یہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ ایک دوسرے کی اچھائی چاہتے چاہتے برائی کیوں کر بیٹھتے ہیں؟

وہ ڈرائنگ روم میں تھی۔ اس نے بیڈ روم کے پاس آکر کھڑکی سے جھانک کر اپنے نادر کو دیکھا۔ اندر زیرو پاور کی مدھم روشنی تھی۔ نادر پُرسکون تھا۔ نادرہ سو رہی تھی۔ ساحرہ نے گھڑی دیکھی، پھر شاہ جی کے مقرر کردہ وقت کے مطابق ٹیلیفون کے پاس آئی اور ریسیور اٹھا کر آپریٹر کو شاہ جی کا حکم سنا دیا۔

دوسری طرف شاہ جی، مرزا صاحب کے ہاں پہنچ گئے تھے۔ دونوں میاں بیوی کو بڑے دوستانہ انداز میں کھانے پر مجبور کر رہے تھے۔ مرزا صاحب نیم رضامند ہو رہے تھے مگر بیگم رو رو کر ہلکان ہو رہی تھیں، کھانے کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کی ایک ہی ضد تھی۔ بیٹی آئے گی تو کھائیں گی ورنہ بھوکی مر جائیں گی۔

ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ فون کی ہر گھنٹی پر ماں کا دل دھڑکتا تھا۔ وہ لپک کر ریسیور کو اٹھاتے ہوئے بولیں "ہیلو، کون ہے؟"

دوسری جانب چند ساعتوں تک خاموشی رہی۔ پھر دھیمی سی آواز آئی "ممی۔ میں ہوں..... میں۔"

"میری بچی ساحرہ! یہ تم ہو؟ کیا سچ مچ تم ہو؟"

مرزا صاحب تیزی سے آئے پھر بیگم کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر بولے "کون؟ میری بیٹی، میری ساحرہ، کیا تم ہو؟"

ساحرہ کا سرد لہجہ سنائی دیا "ریسیور ممی کو دیجئے۔"

"بیٹی! تم ابھی خوف زدہ تھیں، فون پر چیخ رہی تھیں۔"

"میں نہ خوف زدہ ہوں، نہ مجھے چیخنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنے ضمیر کی چیخیں سنی ہوں گی۔ ریسیور ممی کو دیجئے۔"

"ابھی تمہاری ممی بات کریں گی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟"

ساحرہ نے سخت اور سرد لہجے میں کہا "میں کہتی ہوں، ریسیور ممی کو دیجئے۔ میں آپ کے لیے مر چکی ہوں۔ آپ سے بات نہیں کر سکتی۔"

وہ سمجھ گئے، بیٹی ناراض ہے۔ انہوں نے کن انکھیوں سے شاہ جی کو دیکھا۔ ان کی موجودگی میں وہ ناراض بیٹی کو منا بھی نہیں سکتے تھے ورنہ شاہ جی سوال کرتے کہ غنڈوں نے ساحرہ کو اغوا کیا تھا۔ پھر وہ باپ سے کیوں ناراض ہے؟

وہ ہچکچاتے ہوئے بولے۔ "بیٹی! اتنا تو بتا دو، تم کہاں ہو؟ وقت ضائع نہ کرو۔"

وہ بولی "میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔ اب آپ کی آواز سنائی دے گی تو میں ریسیور رکھ دوں گی۔"

"نن..... نہیں، ایسا نہ کرنا۔ لو، اپنی ممی سے بات کرو۔"

انہوں نے ریسیور اپنی بیگم کو دیا۔ شاہ جی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

مرزا صاحب نے کہا "اپنی ماں سے بات کرنا چاہتی ہے، ہو سکتا ہے، مجھ سے کہنے کی بات نہ ہو۔"

ماں نے ریسیور کان سے لگا کر پوچھا "تم کہاں ہو، مجھے بتاؤ میں آؤں گی۔ میں ان بدمعاشوں کے قدموں میں سر رکھ دوں گی۔ اپنی تمام جمع پونجی ان کے حوالے کر دوں گی، تمہیں ان سے چھڑا کر لے آؤں گی۔"

شاہ جی نے کہا "بھابی! کچھ میرے بیٹے کے بارے میں بھی پوچھیے۔"

وہ بولیں "ساحرہ! یہاں نادر کی ممی اور ڈیڈی بھی ہیں۔ نادر کہاں ہے؟ کیا دونوں کو ایک جگہ قید کیا گیا ہے؟"

ساحرہ نے کہا "یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ ہمیں کہیں قید کیا گیا ہے؟ میں نادر کے ساتھ بڑے آرام سے ہوں۔"

انہوں نے حیرانی سے پوچھا "آرام سے ہو؟ مگر کہاں ہو؟"

"ہمیں جگہ کا علم نہیں ہے۔ کچھ لوگ ہمیں ایک مکان میں بند کر کے باہر پہرہ دے رہے ہیں۔"

"کبھی تم کہتی ہو، قید نہیں کیا گیا۔ کبھی کہتی ہو، مکان میں بند کر دیا گیا ہے۔ بیٹی! صاف صاف بتاؤ، آخر کہاں ہو؟ کس حال میں ہو؟"

"ممی، یہ درست ہے کہ ہمیں ایک مکان میں بند کیا گیا ہے مگر میں اور نادر آزادی سے ملتے ہیں۔ ہم دونوں ایک ہی کمرے میں ہیں۔ یہاں ہم پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ہم قیدی نہیں ہیں۔ ہماری محبت آزاد ہے۔"

ممی نے پریشان ہو کر پوچھا "تم نادر کے ساتھ ایک ہی کمرے میں ہو؟"

یہ سوال سن کر مرزا صاحب نے ریسیور جھپٹ لیا، پھر کہا "یہ تمہاری ممی کیا پوچھ

رہی ہیں؟"

ساحرہ نے کہا۔ "وہ حیران ہیں کہ میں نادر کے ساتھ ہوں۔ یہ حیرانی بجا ہے۔ اغوا ہونے والی لڑکی کو غنڈوں کے پاس ہونا چاہیے۔ کسی شریف زادے کے پاس ہو تو ماں باپ شرم سے کسی کو منہ نہیں دکھا سکیں گے۔"

"تمہاری باتوں سے پتا چلتا ہے کہ تم جہاں ہو، جس حال میں ہو، مطمئن ہو۔ میں نادر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ سو رہا ہے۔"

"یعنی تم دونوں اتنے مطمئن ہو کہ وہ سو رہا ہے اور تم فون پر باتیں بنا رہی ہو۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ ہم صبح سے تمہارے لیے بھوکے پیاسے ہیں؟"

"مجھے اپنی ممی کے سچے آنسوؤں کا احساس ہے کیونکہ وہ ہمارے اغوا کی سازش میں شریک نہیں تھیں۔ ابھی میرے سمجھانے منانے پر وہ ضرور کھانا کھا لیں گی۔"

مرزا صاحب نے شاہ جی کو شبہے کی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ صبح سے اپنے بیٹے کے لیے پریشان تھے۔ اب اس کا سراغ مل رہا ہے تو اطمینان سے بیٹھے ہیں۔"

"کیا آپ میرے اطمینان پر شبہ کر رہے ہیں؟"

"کیا نہیں کرنا چاہیے۔ آخر ساحرہ آپ کے بیٹے کے پاس کیسے پہنچ گئی؟"

شاہ جی نے ناگواری سے کہا۔ "دونوں کو ایک ساتھ اغوا کیا گیا تھا۔ بدمعاشوں نے دونوں کو ایک ساتھ رکھا ہے۔ ہاں، اگر انہیں الگ الگ اغوا کیا جاتا اور اغوا کرنے والوں کا گروہ بھی الگ الگ ہوتا تو یہ حیرانی کی بات ہوتی کہ آپ کی بیٹی میرے بیٹے کے پاس کیسے پہنچ گئی؟"

مرزا صاحب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ پھر چپ ہو گئے، عقل آ گئی کہ اپنی بیٹی کے بعد میں اغوا ہونے پر اصرار نہیں کر سکتے تھے۔ سو بات بناتے ہوئے بولے۔ "مجھے آپ کے اطمینان پر حیرانی ہے۔ آپ کو ساحرہ سے فوراً بات کر کے غنڈوں تک پہنچنا چاہیے۔"

"کیا آپ نے ایک پولیس افسر کو اس کا فرض ادا کرنے کا موقع دیا؟ ایسے وقت آپ لوگ جذبات میں بہتے ہیں۔ وقت ضائع کرتے ہیں، پھر مجرموں کا سراغ نہ ملے تو پولیس

والوں کو بدنام کرتے ہیں۔"

"ابھی وقت ہے، ساحرہ لائن پر ہے۔ آپ اپنے بیٹے کو نیند سے بیدار کیجیے، اس سے پوچھیے، کیا اطمینان سے سونے کے لیے اپنا گھر نہیں ہے؟"

شاہ جی نے ریسیور لے کر کہا۔ "ہیلو ساحرہ!"

"ہیلو انکل، میں ممی کے لیے پریشان ہوں۔ انہیں کھانا پینا چاہیے۔"

"تم ان سے کہو گی تو وہ ضرور کھائیں گی مگر ہمیں بتاؤ، تم کہاں ہو؟"

"یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔"

شاہ جی نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا۔ اچھا، تو یہ بات ہے مگر یہ تو عجیب سی بات ہے۔ تم دونوں نے غنڈوں سے سمجھوتہ کیا ہے مگر ہمیں پریشان کر رہے ہو، ذرا ٹھہرو۔ میں تمہارے والدین کو صورت حال سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

انہوں نے مرزا صاحب اور ان کی بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ساحرہ باغی ہو رہی ہے۔ وہ صاف طور پر کہہ رہی ہے کہ اس نے ہمارے بیٹے کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا ہے۔ وہ جہاں ہیں، وہاں سے ایک شرط پر واپس آ سکتے ہیں۔"

"کیا واپس آنا ان کے اختیار میں ہے؟ کیا غنڈے انہیں چھوڑ دیں گے؟"

"اغوا کرنے والوں کو بڑی رقم چاہیے۔ ساحرہ اور نادر نے ان سے سودا کیا ہے۔ اگر وہ غنڈے کسی قاضی کو بلا کر ان کا نکاح پڑھا دیں گے تو ان کے والدین یعنی ہم اور تم ان بدمعاشوں کو ایک لاکھ روپے ادا کریں گے۔"

"میں ہرگز نہیں دوں گا۔" مرزا صاحب اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔

بیگم نے کہا۔ "آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ کیا ہماری بیٹی غنڈوں کے پاس رہے گی؟"

شاہ جی نے کہا۔ "یہ رقم میں ادا کر دوں گا۔ انہیں ہر حال میں واپس لاؤں گا۔"

مرزا صاحب نے کہا۔ "میں خوب سمجھتا ہوں۔ آپ ان کی واپسی کے لیے نہیں، ان کا نکاح پڑھوانے کے لیے رقم ادا کریں گے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے، جیسے یہ سوچی سمجھی اسکیم ہے اور اس اسکیم میں آپ پہلے سے شریک ہیں۔"

انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ کے الزام دینے سے کیا میں ملزم کہلاؤں گا؟"

"آپ پولیس والوں کو الزامات کی پروا ہی کب ہوتی ہے۔ آپ لوگ چور سے بھی وصول

کرتے ہیں اور ساہوکار سے بھی۔ آم کے آم کھاتے ہیں، گٹھلیوں کے دام وصول کرتے ہیں۔ ادھر ادا کرنے والوں کو ایک لاکھ روپے دینا چاہتے ہیں، اُدھر میری بیٹی کو اپنے بیٹے کی ضرورت بنا کر لے جانا چاہتے ہیں۔ میں خوب سمجھتا ہوں، ایک لاکھ میں سے پچاس ہزار میرے جائیں گے، آپ کا کچھ نہیں جائے گا۔ بھلا کسی چور، بدمعاش میں اتنی جرأت ہے کہ آپ سے ایک پیسہ بھی لے سکے۔ اپنے اغوا ہونے والوں کے سلسلے میں تاوان کا بوجھ ہم پر پڑے گا۔"

شاہ جی نے پوچھا۔ "کیا آپ کی اس فضول بکواس کا اچھا نتیجہ نکلے گا؟"

"بہتر نتیجے کا انحصار آپ پر ہے۔ آپ چاہیں تو ان بدمعاشوں کو گرفتار کر سکتے ہیں۔"

شاہ جی نے ساحرہ کی ممی سے کہا۔ "بھابی! آپ کے شوہر سمجھنا نہیں چاہتے۔ آپ ماشاءاللہ تعلیم یافتہ ہیں۔ آئے دن اخبارات میں پڑھتی ہوں گی۔ اغوا کرنے والوں کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا ہے تو وہ اغوا ہونے والوں کو واپس نہیں کرتے، گولی مار دیتے ہیں۔"

بیگم نے اپنا ہاتھ دل کی جگہ سینے پر رکھ لیا۔ گھبرا کر مرزا صاحب سے بولیں۔ "آپ کیوں بحث کر رہے ہیں۔ کیا ہماری بیٹی سے بڑھ کر دولت ہے۔ میں یہ رقم ادا کر دوں گی۔"

مرزا صاحب سوچ رہے تھے اور ٹہل رہے تھے۔ پھر ایک جگہ رُک کر شاہ جی کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے آپ پر غلط الزام لگایا ہے۔ یہ نکاح پڑھانے والی بچگانہ اسکیم آپ کی نہیں ہو سکتی۔ بھلا نکاح کیسے ہو سکتا ہے، ابھی نادرہ کی شخصیت تبدیل نہیں ہوئی ہے، ابھی نادر کی حیثیت سے میڈیکل سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ہوگا۔ فی الحال وہ نادرہ ہے۔ یہ نکاح مذہب اور قانون کے خلاف ہوگا۔"

شاہ جی بہت دیر سے ریسیور پکڑے کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ساحرہ! تم ہماری باتیں سُن رہی ہو؟"

"جی ہاں، مگر آپ اس معاملے کو پیچیدہ کر رہے ہیں۔"

"یہ معاملہ پیچیدہ نہیں ہوگا۔ انشاءاللہ ہم سب مل کر تمہاری بھلائی کے لیے فیصلہ کریں گے۔ کسی ایک نتیجے پر ضرور پہنچیں گے۔"

پھر انہوں نے مرزا صاحب اور ان کی بیگم کو سنانے کے لیے۔ "ہوں، اچھا، اچھا! ہاں، ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں، تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی ان سے کہہ دیتا ہوں۔ اگر وہ نہیں کھائیں گی تو تم دوبارہ رابطہ قائم نہیں کرو گی اور اگر کھالیں گی تو تم ضرور فون پر گفتگو کرو گی۔ ٹھیک ہے

ہماری باتیں تمہاری ممی سُن رہی ہیں، تمہارے پاپا بھی سُن رہے ہیں۔ ہیلو، ہیلو۔"

انہوں نے کریڈل پر انگلی کا بار بار دباؤ ڈالتے ہوئے ہیلو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہیلو کہا۔ پھر ریسیور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچانک لائن کٹ گئی ہے یا ساحرہ نے ریسیور رکھ دیا ہے۔ بہرحال، وہ کہہ رہی تھی، ممی کھانا کھائیں گی تو میں صبح ٹیلی فون پر گفتگو کروں گی۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے ریسیور کو رکھ دیا۔ مرزا صاحب نے ٹیلیفون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا ٹُنک ہے۔ جو بات وہ آپ سے کہہ رہی تھی، ہم سے کیوں نہیں کہہ رہی تھی۔ اگر انہوں نے شادی کی شرط رکھی ہے اور اغوا کرنے والے اس سودے پر راضی ہیں تو انہیں مجھ سے گفتگو کرنا چاہیئے۔ میں بیٹی کا باپ ہوں۔ میں یہ معاملات پوری وضاحت سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ آخر یہ شادی کیسے ہوگی؟ کیسے ہماری بیٹی، ہمیں واپس ملے گی؟"

شاہ جی نے کہا۔ "پہلے تو آپ کسی ایک نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ یہ نکاح آپ کو منظور ہوگا کہ نہیں، آپ مذہب اور قانون کو درمیان میں لائیں گے تو بیٹی واپس نہیں ملے گی۔"

شاہ جی کی بیگم کھانا دوبارہ گرم کر کے لے آئیں۔ درمیانی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کھانا شروع کر دیں۔"

مرزا صاحب نے پوچھا۔ "کیا آپ نہیں کھائیں گی؟"

"میں اپنے صاحب کے ساتھ کھا چکی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے، آپ لوگوں کو نادرہ کے اغوا ہونے کی قطعی فکر نہیں ہے۔ آپ اطمینان سے کھاتے پیتے رہے ہیں۔ بیوقوف ہم بنتے رہے ہیں۔"

شاہ جی کی بیگم نے کہا۔ "آپ الزامات عائد کرنے پر تُل گئے ہیں ورنہ اسی بات کو مثبت انداز میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہم بچوں کی بازیابی کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں اور زندہ رہنے کے لیے کھاتے پیتے رہنا چاہتے ہیں۔ کھانا گرم ہے، کھا لیجئے، ورنہ آپ کے ٹھنڈے ہونے تک یہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

ساحرہ کی ممی نے ایک پلیٹ میں سالن ڈال کر ایک روٹی اپنے میاں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ درست کہہ رہی ہیں۔ اب تو ہمیں اطمینان ہے۔ بیٹی خیریت سے ہے، عزت آبرو سے ہے۔ وہ فون کرے گی، لیجئے۔"

انہوں نے اپنے میاں کے ہاتھ میں زبردستی کھانے کی پلیٹ پکڑا دی۔ پھر خود کھانے لگیں۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ وہ کھاتے پیتے رہے اور سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے پلیٹ ایک طرف رکھ کر پانی پیا۔ اس کے بعد ہلکی سی ڈکار لیتے ہوئے کہا۔ "کھانا واقعی زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے اور سوچ بچار کرنے کے لیے بھی۔ یہ بات اب سمجھ میں آئی ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کی شرط مان لینا چاہیئے۔ بھئی نکاح پڑھانے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم اغوا کرنے والوں کا مطالبہ پورا کر دیں گے، ان کی رقم ادا کر دیں گے۔ اپنے بچوں کو واپس لے آئیں گے، آپ کا بیٹا آپ کے گھر رہے گا۔ ہماری بیٹی ہمیں مل جائے گی۔"

شاہ جی کی بیگم نے پوچھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب نکاح ہو جائے گا تو بیٹی آپ کے لیے پرائی ہو جائے گی۔ وہ بہو بن کر ہمارے پاس رہے گی۔"

"بھابی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ جب نکاح جائز نہیں ہو گا تو وہ آپ کی بہو کیسے ہو گی؟"

شاہ جی نے کہا۔ "جب نکاح ہو جائے گا تو ہمیں جائز اور ناجائز کے پھیر میں نہیں پڑنا چاہیئے۔"

"کیوں نہیں پڑنا چاہیئے؟"

"مرزا صاحب! ہم رشوت لیتے وقت کسی عالم سے نہیں پوچھتے۔ کسی قانون کا حوالہ نہیں دیتے۔ بڑی سے بڑی رقم لیتے ہیں اور اس رقم کا نکاح اپنی تجوری سے پڑھا لیتے ہیں۔"

"میں مانتا ہوں۔ ہم راتوں رات امیر بنتے وقت اللہ تعالیٰ سے نہیں پوچھتے مگر اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے، ان کی خوشحالی کے لیے دعائیں ضرور مانگتے ہیں اور پوری سچائی سے ان کا مستقبل سنوارنا چاہتے ہیں اور نکاح کی سچائی لازمی ہے۔"

شاہ جی کی بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو اس میں جھوٹ کیا ہو گا۔ آپ ہماری بات کو یوں سمجھ لیں، ہمارے اور آپ کے ہاں بچپن میں بھی شادیاں ہوتی ہیں۔ بچے ابھی معصوم ہوتے ہیں کہ ان کا رشتہ طے کر دیا جاتا ہے بلکہ نکاح بھی پڑھا دیا جاتا ہے۔ صرف رخصتی کی رسم ان کے جوان ہونے تک ٹال دی جاتی ہے۔ کیا آپ ایسے رسم و رواج سے انکار کر سکتے ہیں۔"

"بچپن میں شادی ہونے والی بات اور ہے مگر ہمارے بچے جوان ہیں۔"

"بے شک جوان ہیں مگر معصوم ہیں۔ جب تک میڈیکل سرٹیفکیٹ نہ ملے، ہم اس نکاح کا اعلان نہیں کریں گے۔ جب سند مل جائے گی تو ہم بڑی دھوم دھام سے نکاح کا اعلان

کریں گے۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جب تک میڈیکل سرٹیفکیٹ نہیں ملے گا، ہماری بیٹی ہمارے پاس رہے گی؟"

نکاح کے بعد ساحرہ ہمارے پاس رہے گی۔ البتہ میڈیکل سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد ہم اسے چند دنوں کے لیے آپ کے پاس بھیج دیں گے، پھر یہاں سے دُلہن بنا کر اپنے ہاں لے جائیں گے۔"

مرزا صاحب نے جھنجلا کر کہا۔ "جب میں نے رشتہ طے کر دیا ہے اور اسے آپ کی بہو بنانے سے انکار نہیں کر رہا ہوں تو آپ بچوں کا کھیل سمجھ کر کیوں اس طرح نکاح پڑھانا چاہتی ہیں؟"

شاہ جی نے کہا۔ جب آپ نے رشتہ طے کیا تھا تو حالات کچھ اور تھے۔ ہم، آپ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی ذلیل، کمینہ ہمارے بچوں کو اغوا کرا لے گا۔"

مرزا صاحب گالیاں سُن کر تلملا گئے مگر کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں، ساحرہ آپ کے ہاں بہو بن کر جائے گی تو اسے کوئی اغوا نہیں کرے گا یا اس طرح کی دوسری واردات نہیں ہو گی۔"

"میں دعوے سے کہتا ہوں، ایسی کوئی واردات نہیں ہو سکے گی۔ میں انہیں چند دنوں میں یو۔ کے بھیج دوں گا۔ آپ اپنے رشتے داروں کو یہی بتائیں گے کہ ساحرہ اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن گئی ہے۔"

"آپ پہلے سے مکمل منصوبہ بنائے بیٹھے ہیں اور اس میں ساحرہ آپ کے ساتھ ہے اور آپ اس منصوبے پر ہم سے جبراً عمل کرانا چاہتے ہیں۔"

"آپ مجھے الزامات دینے سے باز نہیں آ رہے ہیں تو پھر میں ایک سوال ضرور کروں گا۔ آپ کی بیٹی بغاوت پر کیوں آمادہ ہو گئی ہے۔ ابھی آپ نے فرمایا کہ وہ میرے منصوبے میں شریک ہے، میرا ساتھ دے رہی ہے۔ آپ سے کیا غلطی ہو گئی ہے کہ وہ باپ کو چھوڑ کر ہم سے تعاون کر رہی ہے؟"

وہ جواب نہ دے سکے۔ صوفے میں دھنس گئے۔ شاہ جی نے اپنی بیگم سے کہا۔ "چلو، میں آدھی رات تک جاگنے کا عادی نہیں ہوں۔ مرزا صاحب کو سوچنے دو۔ یہ صبح تک سوچ سکتے ہیں یا ساری زندگی سوچتے رہ سکتے ہیں مگر ہو گا وہی جو حالات کہہ رہے ہیں۔"

وہ اپنی بیگم کے ساتھ چلے گئے۔ ساحرہ کی ممی نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔ "میں نادان نہیں ہوں، اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، شاہ جی چالیں چل رہے ہیں مگر میں ایک بات جانتی ہوں، اپنی بچی کو کسی طرح بھی واپس لانا ہے۔"

مرزا صاحب نے بےبسی سے کہا۔ "آج شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ آسانی سے انصاف حاصل کرنے کا کوئی راستہ ہمارے ملک میں نہیں ہے، اگر ایک افسر ظلم کر رہا ہے تو اس کی رپورٹ دیتے وقت دل ڈرتا ہے کہ جہاں ہم رپورٹ دے رہے ہیں، وہ دوسرا افسر کس حد تک ہمارا ساتھ دے گا اور ہمیں انصاف دلائے گا۔ ہم نے رانا شمشاد علی سے تعاون حاصل کر کے دیکھ لیا۔ وہ بےچارہ، شاہ جی کے خلاف دم نہ مار سکا۔"

بیگم نے کہا۔ "آپ ایک بار پھر رانا سے رابطہ قائم کریں۔ ہو سکتا ہے، وہ کوئی مفید مشورہ دے سکے۔"

"تمہارے کہنے سے پہلے اُس سے دو بار گفتگو کر چکا ہوں۔ اس نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ شاہ جی کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا لیکن میرے معاملات ایک ایسے شخص تک پہنچا دیئے ہیں جو ہمارے لیے بہت کچھ کر گزرے گا۔"

"فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ساحرہ کی ممی نے لپک کر ریسیور اٹھایا اور کہا۔ "ہیلو، کون ہے؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا مرزا عبادت حسین جاگ رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

اُس وقت تک مرزا صاحب نے آکر ریسیور لے لیا۔ کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو، مَیں مرزا عبادت حسین بول رہا ہوں، آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"جی، آپ سے ہی چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کون ہیں؟"

"میں قانون ہوں لہٰذا آپ میرے متعلق مزید سوال نہ کریں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ جب تک آپ سے تعارف نہیں ہوگا اور جب تک مَیں مناسب نہیں سمجھوں گا، آپ سے گفتگو نہیں کروں گا۔"

"میں سوالات کرنے جا رہا ہوں۔ آپ جواباً گفتگو کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کی بیٹی کب اغوا کی گئی تھی؟"

مرزا صاحب نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ کون ہیں، بتاتے کیوں نہیں؟"

"دوسرا سوال یہ کہ آپ نے اب تک اس کے اغوا کی رپورٹ تھانے میں درج کیوں نہیں کرائی۔"

مرزا صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "آپ جواب دیں کیا سوچ رہے ہیں؟"

"آپ میرے متعلق اتنی معلومات رکھتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میں نے تھانے میں رپورٹ کیوں نہیں درج کرائی؟"

"میں آپ کی زبان سے سُننا چاہتا ہوں۔"

"یہ جو ٹیلی فون پر گفتگو ہو رہی ہے، یہ بھی ریکارڈ ہو رہی ہوگی۔ ہمارے شاہ جی کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ میں اپنے شعبے کا افسرِ اعلیٰ ہوں مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ ہمارے مُلک میں چاہے جس شعبے کے بھی افسران ہوں، وہ پولیس کے سامنے بےبس ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے میرے گھر کے باہر سپاہیوں کا پہرہ لگایا ہے لیکن میں ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ ہمارا فون ڈسکنیکٹ کرتے ہیں اور ہماری گھریلو باتیں سُنتے ہیں، جو سراسر ناجائز ہے، غیر قانونی ہے، ظلم ہے اور آپ سوال کرتے ہیں، مَیں یہاں سے نکل کر تھانے جا کر رپورٹ درج کیوں نہیں کراتا۔ کیا میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اتنے بڑے افسر نے میری بیٹی کو اغوا کیا ہے یا کرایا ہے؟"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کا فون ڈسکنیکٹ کیا جاتا ہے، آپ اتنی جرأت سے بول رہے ہیں، پھر رپورٹ درج کیوں نہیں کرا سکتے؟"

"اب تو پانی سر سے گزر چکا ہے۔ اب نہیں ڈروں گا۔ یہ شاہ جی میری بیٹی کو اس طرح واپس لانا چاہتا ہے کہ وہ میرے گھر نہ آئے۔ ان کے گھر سیدھی بہو بن کر چلی جائے، یہ مجھے ہر طرح سے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ میں تو کہیں کا نہ رہا۔ اب اس سے ڈر کر کیا کروں گا؟"

"شاباش! اسی حوصلے سے آجائیے اور رپورٹ درج کرا دیجئے۔ اسی میں آپ کا فائدہ ہے ورنہ بعد میں پچھتائیں گے۔"

"آپ یوں فرما رہے ہیں، جیسے قانون کا سہارا لے کر انصاف حاصل کرنا بہت آسان

ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں میرا اور میری بچی کا تحفظ کر سکتے ہیں؟"

"جو مشورہ دے رہا ہوں، اُس پر عمل کریں۔ انشاءاللہ آپ کی بیٹی صحیح سلامت، عزت و آبرو کے ساتھ ملے گی۔"

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ہماری ملاقات ہوگی مگر پہلے میرے مشوروں پر عمل کریں۔ فوراً تھانے جا کر رپورٹ درج کرائیں۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہوگیا۔ مرزا صاحب نے ہیلو، ہیلو کہہ کر آوازیں دیں پھر ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر سوچنے لگے۔ یہ بھی شاہ جی کی کوئی چال ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد حاصل ہو رہی ہے؟

نادرہ نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ ہلکی ہلکی مونچھیں صاف دکھائی دیتی تھیں۔ وہ صبح و شام ٹھوڑی کے آس پاس بلیڈ پھیرا کرتی تھی۔ اس کے باوجود چہرے پر شیو کیے ہوئے مردوں جیسی سختی نہیں تھی۔

وہ ٹی۔ وی اور اخباری اشتہارات سے متاثر ہو کر طرح طرح کی شیونگ کریم، آفٹر شیونگ لوشن اور نت نئے بلیڈ استعمال کرتی تھی۔ کالی اور سانولی لڑکیوں کو رنگ گورا کرنے والی کریم کے اشتہارات متاثر کرتے ہیں۔ جن کا رنگ گورا ہوتا ہے، وہ اپنی زلفوں کو ریشم کی طرح ملائم کرنے کے لیے شیمپو کے اشتہارات سے سبق سیکھتی ہیں۔ جو ناز و انداز سے مٹک مٹک کر چلنا چاہتی ہیں، وہ لان کے اشتہارات سے استفادہ کرتی ہیں۔ اسی طرح نوخیز لڑکے جلد سے جلد مرد بننے کے لیے اپنے چہروں پر بلیڈ پھیرتے ہیں۔ بلیڈ اور شیونگ کریم کے ایسے اشتہارات کو بڑی حسرت سے دیکھتے ہیں، جن میں ایک حسین عورت، ایک خوبرو شیو کیے ہوئے مرد کے چہرے پر ہاتھ پھیرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہماری جوان نسل اپنے زنانہ حُسن میں یا مردانہ حُسن میں تکمیل چاہتی ہے۔ ادھورا پن ان کے اندر انتشار اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے۔ انہیں مذہبی، قانونی، اخلاقی اور معاشرتی طور پر مکمل حسین بنانے کے لیے ٹی۔ وی کے ذریعے ایک ایک گھنٹے کے پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اشتہارات صرف چند سیکنڈ کے ہوتے ہیں جن میں گا بجا کر اور گلیمر پیدا کر کے دیوانہ بنایا جاتا ہے۔

نادرہ نے اپنی صوابدید کے مطابق تازہ ترین اشتہار سے اثر لیا۔ نئی کریم سے خوب جھاگ بنایا۔ نئے بلیڈ سے شیو بنایا، نئے آفٹر شیونگ لوشن سے اپنے چہرے کو مہکایا۔

لباس تبدیل کر کے باتھ روم سے باہر آئی تو ساحرہ ایک صوفے پر سو رہی تھی۔ اُس نے وعدہ کیا تھا، رات بھر ساتھ رہے گی۔ چنانچہ صوفے پر سو رہی تھی اور اس طرح ساتھ نبا رہی تھی۔

اُس نے جوگنگ کے لیے جوتے پہنے۔ دبے قدموں چلتے ہوئے اُس کے پاس آئی۔ بڑی محبت سے دیکھا، اُس کی طرف جھکی پھر خیال آیا۔ پتا نہیں، رات کب تک جاگتی رہی تھی۔ مجھے مداخلت نہیں کرنا چاہیئے۔ حُسن خوابیدہ ہے، خوابیدہ ہی رہے۔

وہ دبے قدموں چلتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئی۔ کوٹھی کے باہر صبح ہونے والی تھی۔ آسمان پر ہلکا ہلکا اجلا پن تھا۔ زمین کا اندھیرا مٹ رہا تھا۔ نادرہ کو دیکھتے ہی سیکیورٹی افسر اور تمام سپاہی اٹین شن ہو گئے۔ وہ پنجوں کے بل اچھلتی ہوئی باہر آئی پھر باغیچے میں پہنچ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی "کیا یہاں قریب کوئی میدان نہیں ہے؟"

سیکیورٹی افسر اس کے قریب جواب دینے کے لیے آیا۔ وہ پنجوں پر اچھلتی ہوئی دُور چلی گئی۔ وہ پھر قریب آیا، وہ اور دُور چلی گئی۔ بے چارہ دوڑتے ہوئے جواب دینے لگا "اس پاس میدان تو نہیں ہے مگر ذرا فاصلے پر سمندر ہے۔ آپ ساحل پر جوگنگ کر سکتی ہیں مگر بڑے صاحب نے منع کیا ہے۔ ابھی کچھ روز یہاں سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔"

وہ بول رہا تھا اور ہانپ رہا تھا۔ نادرہ نے اس کے پیٹ کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ تم لوگ پولیس میں بھرتی ہو کر اپنا پیٹ کیوں بڑھا لیتے ہو؟ ڈیوٹی کے وقت بھی گھر کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہو۔"

سیکیورٹی افسر نے جھینپ کر سر کو جھکا لیا۔ وہ آہستہ آہستہ دوڑ لگاتے ہوئے بولی "تم لوگ کچھ عرصہ پہلے مجھے بی بی جی کہتے تھے، اب جناب کیوں کہتے ہو؟"

وہ جواب دینا چاہتا تھا مگر نادرہ آگے نکل گئی تھی۔ جب وہ دوڑتا ہوا اُس کے قریب آیا تو بولی "کیا ڈیڈی کے حکم سے کہتے ہو یا واقعی جناب نظر آتا ہوں؟"

وہ دوڑتے دوڑتے اور ہانپتے ہانپتے بولا "جب ہم بی بی جی کہا کرتے تھے، تب بھی آپ مکمل جوان دکھائی دیتے تھے۔"

"میں مکمل جوان ہوں یا صرف دکھائی دیتا ہوں؟"

وہ اس سوال کا جواب سوچنے لگا۔ پریشانی یہ تھی کہ جواب بھی سوچ سمجھ کر دینا پڑتا تھا اور دوڑتے رہنا بھی لازمی تھا۔ اُس نے کہا "یہ ضروری نہیں کہ مردانگی ظاہر ہو۔ مرد

باطنی ہوتا ہے۔ اپنے حوصلے سے، اپنی قوتوں سے، اپنی ذہانت سے تمام معاملات پر غالب آتا ہے لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں، جہاں نمائش ضروری ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں شو بزنس کا بڑا زور ہے، مرد بھی شو کرتا ہے۔ خود کو ظاہر کرتا ہے، تب ہی دوسروں پر اثر انداز ہوتا ہے۔"

نادرہ نے پوچھا "میں یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں بحیثیت مرد دوسروں پر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہوں۔ تمہارا اپنا کیا خیال ہے مگر یاد رکھو خوشامد نہ کرنا، صاف اور سیدھی بات کرنا۔"

"جناب، ماتحت کی ہر بات میں خوشامد کا شبہ ہوتا ہے۔ آپ اپنے ماحول اور حالات کا تجزیہ کریں تو میری بات سچ نظر آئے گی۔ ایک تو قدرتی طور پر آپ میں لڑکوں کا سا انداز بچپن سے رہا ہے پھر آپ نے جوڈو کراٹے کی تربیت حاصل کی ہے۔ اس کی وجہ سے آپ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں ایک فائٹر کا سا رُعب اور دبدبہ ہے۔"

وہ نادرہ کے ساتھ پنجوں کے بل اچھلتا اچھلتے ڈگمگا گیا پھر سنبھل کر بولا "جناب، معافی چاہتا ہوں، آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔"

نادرہ نے ہاتھ ہلا کر کہا "جاؤ، آج کے لیے اتنی ہی ورزش کافی ہے۔ روز صبح اٹھ کر دوڑ لگایا کرو۔"

اُس نے خوش ہو کر سلام کیا۔ دل ہی دل میں گالیاں دیں، پھر وہاں سے کوٹھی کے سامنے آ گیا۔ وہ جوگنگ کرتی ہوئی سرونٹ کوارٹر کی طرف آئی۔ وہاں شبو کھڑی ہوئی تھی چونکہ گرمی کا موسم تھا اس لیے ململ کا کرتہ اور پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ صبح ہوا خوری کے لیے کوارٹر سے باہر آئی تھی۔ دوپٹہ اندر چھوڑ آئی تھی۔ سورج مشرق سے طلوع ہو رہا تھا، وہ مغرب میں کھڑی ہوئی تھی جیسے سورج کے سامنے تن کر کہہ رہی ہو۔ یہ تو صرف دن کو نکلتا ہے، میں تو دن رات نکلتی ہوں، کوئی نکلنے کو تو کہے۔

نادرہ پنجوں کے بل اسکیپنگ کرتی آ رہی تھی۔ شبو اسے سر سے پاؤں تک دیکھتی جا رہی تھی۔ اُس نے قریب آ کر پوچھا "اے، مجھے کیوں گھور رہی ہو؟"

"آپ تو بالکل مرد ہیں۔ آپ کے پاؤں میں یہ مردوں والے جوتے اچھے لگتے ہیں پھر آپ میری پازیب کیوں پہننا چاہتے تھے؟"

نادرہ نے ڈپٹ کر کہا۔ "تُو نان سنس! میں نے پازیب اپنے لیے نہیں لی، اُس کی قیمت بتاؤ۔"

وہ مسکراتے ہوئے ذرا آگے بڑھی پھر بولی۔ "جو چیز دل سے دی جاتی ہے، اس کا مول نہیں ہوتا۔ کیا وہ بہت پسند آگئی ہے؟"

"جس مقصد کے لیے لیا تھا، وہ پورا ہو گیا۔ قیمت نہیں لوگی تو اُسے واپس لے لو۔"

"صاحب! ہم غریب دے کر لیتے نہیں ہیں۔ یہ پازیب کیا چیز ہے۔ مجھے مانگ کر دیکھو، میں خود کو واپس مانگنا بھول جاؤں گی۔"

نادرہ پنجوں کے بل اچھلتے اچھلتے رُک گئی۔ اسے بہت اچھا لگا۔ کوئی عورت اسے طلب کر رہی تھی۔ دوسرے لفظوں میں اسے مرد تسلیم کر رہی تھی۔ شبّو ذرا سہم کر پیچھے ہٹ گئی، کہنے لگی۔ "صاحب! معاف کردو، میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا، بھلا میں ساحرہ بی بی کے سامنے کیا ہوں، اُن کے پاؤں کی دھول ہوں۔"

"تم وہی کہو، جو ابھی کہہ رہی تھیں، میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟"

اُس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "ارے صاحب! کیا غضب کی بات پوچھتے ہو، میں کیا بتاؤں کیسے لگتے ہو، ذرا سوچنے دو۔ تم...... تم تو بس ایسے لگتے ہو جیسے وہ ایک تھا، جو ہر چیز کو اپنے قدموں تلے روندتا چلا جاتا تھا، جسے چاہتا تھا، جیت لیتا تھا۔ ہاں، تم بالکل سکندرِ اعظم لگتے ہو۔"

نادرہ نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ شبّو خوش ہو کر آگے بڑھی۔ اس نے ڈپٹ کر کہا۔ "اسٹاپ! کہاں گھسی آرہی ہو؟"

شبّو نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "آپ دونوں بازو پھیلا کر بُلا رہے ہیں۔"

"ایڈیٹ! میں ورزش کر رہا ہوں۔"

اُس کے آگے بڑھے ہوئے دونوں ہاتھ پھیل گئے پھر اوپر کی طرف اٹھ گئے۔ اس کے بعد وہ دونوں ہاتھوں کو سامنے لا کر کمر کی طرف سے جھکتے ہوئے قدموں کو چھونے لگی۔ پوچھنے لگی۔ "اب بتاؤ، کیسا لگتا ہوں؟"

وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ "یہ نہ پوچھو، کیسے لگتے ہو۔ یہ پوچھو، کیا لگتے ہو۔ جو دیکھے گی، یہی کہے گی، میرے لگتے ہو۔"

نادرہ سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔ "مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھ میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ بہت سوچنے کے بعد یہ سمجھ میں آیا کہ ایک عورت ہی میرے متعلق فیصلہ کر سکتی ہے۔"

"کیا ساحرہ بی بی فیصلہ نہیں کر سکتیں؟"

"وہ میری اپنی ہے۔ مجھ میں ایک کیا، ہزار کمی ہوگی، تب بھی وہ دل و جان سے اپنائے گی، کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے گی۔ میری کمزوریوں کو خوبیاں سمجھتی رہے گی۔ میں کبھی اپنے متعلق کچھ سمجھ نہیں پاؤں گا، اس لیے تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

وہ قریب آگئی پھر بولی۔ "چار پیسے کی ہانڈی لینے جاؤ تو اسے بھی چھو کر، ٹھونک بجا کر دیکھنا پڑتا ہے۔ کیا میں تمہیں چھو کر دیکھوں؟"

نادرہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ شبّو اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "اچھا اور سچا فیصلہ سُننے کے لیے مجھے دوست بنانا ہوگا۔ دوست بنانے کے بعد رازدار بنانا ہوگا۔ میں وعدہ کرتی ہوں، کوئی بھی کمی ہوگی اُسے پورا کر دوں گی، کوئی بھی خامی ہوگی، اُسے دُور کر دوں گی۔"

نادرہ اتنی دیر سے پنجوں کے بل اُچھلتی آرہی تھی۔ اس کے باوجود سانس نہیں پھولی تھی۔ اُس میں بڑا دم تھا لیکن شبّو کے قریب آتے ہی وہ ہانپنے لگی۔ جلدی سے اُس کا ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹ گئی۔ ان لمحات میں وہ نادرہ نہیں تھی، نادر تھا اور ذرا فاصلہ رکھنا چاہتا تھا۔ اپنی ساحرہ سے بے ایمانی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ذرا سخت لہجے میں بولا۔ "تم تو گلے پڑنے لگی ہو۔"

پھر وہ اندر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ چند لمحوں تک خاموشی رہی پھر تڑاخ کی بھرپور آواز سُنائی دی۔ شبّو کی کراہ بھی باہر تک پہنچی پھر نادر کی آواز آئی۔ "تو مجھے طعنے دیتی ہے۔ میں باہر اپنی عزت کے لیے ڈر رہا تھا۔ تیری کوئی عزت ہوتی تو یہ بات سمجھ میں آجاتی۔ تجھے ایسے نہیں، ایسے سمجھانا ہوگا۔"

پتا نہیں، وہ کس طرح سمجھانے لگا۔ شبّو کی سہمی ہوئی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ "نہیں صاحب! ایسے نہیں، مجھے معاف کر دو، میں ایسا کبھی نہیں بولوں گی، تم تو......"

وہ بولتے بولتے چُپ ہو گئی۔ آواز دب گئی تھی۔ چند لمحوں کے لیے پُراسرار خاموشی

چھاگئی۔ اس کے بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ کوئی دروازے سے آکر ٹکرایا۔ اس کے بعد شبّو کی ایک کراہ سنائی دی، جیسے وہ چیخنا چاہتی ہو مگر ڈرتی بھی ہو کہ آواز نکالے گی تو اور ظلم ہوگا۔ بڑے لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ فریاد کو لبوں تک آنے نہیں دیتے۔ وہ بند دروازہ تھوڑی دیر تک کانپتا رہا پھر اُسے قرار آگیا مگر قرار نہیں تھا۔ اندر کسی چیز کے گرنے اور ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ شبّو کی کراہ پھر سنائی دی "میں ہاتھ جوڑتی ہوں، مجھے چھوڑ دو۔"

کتاب بند ہو اور سرورق پر لکھا ہو 'بند دروازہ'، تو یہ بڑا سنسنی خیز عنوان ہوتا ہے۔ پڑھنے والے کتاب کھولنے سے پہلے ہی اپنے اپنے مزاج کے مطابق سوچنے لگتے ہیں۔ زندگی میں ناکام رہنے والے لوگ 'بند دروازہ' کے پیچھے کسی خزانے کا راز معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ جس سپاہی یا افسر کی ترقی نہ ہوتی ہو، وہ 'بند دروازہ' کے پیچھے کسی بین الاقوامی اسمگلر کو گرفتار کرنے کی توقع کرتا ہے۔ ایک سیاسی لیڈر اس 'بند دروازہ' کے پیچھے اقتدار حاصل کرنے کا آسان ترین اور قابلِ عمل نسخہ پڑھنا چاہتا ہے۔ وہ تمام مناظر جو ابھی سنسر بورڈ کی نظروں سے نہیں گزرے، انہیں ایک ہوس پرست 'بند دروازہ' کے پیچھے دیکھ لینا چاہتا ہے۔ جب تک اس معاشرے میں بیروزگاری، ناکامی، نامرادی، اقتدار کا لالچ اور پرائی عورت کی ہوس باقی ہے، تب تک وہ 'بند دروازہ' خیالی لاٹری کی طرح کھلتا رہے گا۔

وہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھُل گیا۔ نادر کا ایک ہاتھ کھُلے ہوئے دروازے پر تھا۔ دوسرا ہاتھ اپنے پیٹ پر۔ وہ تکلیف کی شدّت سے کراہ رہا تھا۔ شبّو کمرے کے ایک گوشے میں تھی اور دوپٹے سے چہرے اور گردن کا پسینہ پونچھ رہی تھی پھر نادر نے بڑی مشکل سے کراہتے ہوئے کہا "ڈا.....ڈا.....ڈاکٹر.....ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

وہ لوٹتا ہوا، دروازے کو پکڑ کر جھکتا ہوا گھٹنے کے بل فرش پر آیا، پھر دھڑام سے دہلیز پر گر پڑا۔ شبّو گھبرا کر دوڑتی ہوئی آئی۔ ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھا، پھر پریشان ہو کر کمرے سے نکلی مگر رُک گئی۔ اسے خیال آیا، ململ کا کرتہ پھٹ گیا ہے، ایسے میں باہر جائے گی تو لوگ کیا سوچیں گے۔ بی بی جی تو مار ہی ڈالیں گی۔

وہ پلٹ کر دوڑتی ہوئی کمرے کے اندر آئی، وہاں ایک دیوار سے دوسری دیوار تک رسّی بندھی ہوئی تھی۔ رسّی پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ یہ لباس بدلنے کے لیے پارٹیشن تھا۔ وہ اس کے پیچھے چلی گئی۔ اس پارٹیشن کی رسّی پر کئی جوڑے نظر آرہے تھے، وہاں ململ کے ایک زخمی

جوڑے کا اضافہ ہوگیا مگر ایک لباس پارٹیشن کے پیچھے گُم ہوگیا۔ وہ جتنی جلدی جلدی لباس بدل رہی تھی، اتنی ہی تیزی سے بڑبڑاتی جارہی تھی "مانا کہ میں نے سکندرِ اعظم کہہ دیا تھا مگر اتنی تو عقل ہونا چاہیے..... کہ سکندرِ اعظم جوڈو کراٹے نہیں جانتا تھا، وہ ہتھیار سے لڑتا تھا۔ یہ کیا میرے سمجھانے کی بات ہے کہ کوئی سپاہی ہتھیار کے بغیر میدان نہیں مارتا، اونہہ۔"

وہ لباس بدل کر پارٹیشن سے باہر آئی۔ نادر ابھی تک کراہ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا "ڈاکٹر کو بلاؤ، پلیز جلدی کرو۔"

وہ فرش پر اوندھا ہوگیا تھا۔ آدھا دہلیز کے باہر تھا، آدھا کمرے کے اندر تھا۔ یہ اُس کی زندگی کا بدترین المیہ تھا کہ وہ آدھا ہی آدھا تھا۔

وہ دوڑتی ہوئی کوٹھی کی طرف چلی گئی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے بھگدڑ مچ گئی، ٹیلی فون کھڑکنے لگے، ایمبولینس بلائی گئی، اسے ڈاکٹر شیرازی کے کلینک میں پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا۔ پریشان ہو کر چیمبر میں آیا، وہاں شاہ جی پر نظر پڑی۔ "ڈاکٹر! میرا بیٹا کیسا ہے؟"

"مسٹر شاہ! آپ کو بہت بُرا لگے گا لیکن مجھے کہنے دیجیے۔ آپ نے بیٹے کو بہت ہی ضدی، خود سر اور بے لگام بنا دیا ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"میں کیا کہوں گا، آپ کمرے میں جا کر اس کی حالت دیکھ لیجیے مگر اوپر سے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ہم ڈاکٹر اندر کا حال جانتے ہیں۔ اس لڑکے نے آپریشن سے پہلے خود کو زخمی کر لیا ہے۔"

شاہ جی تیزی سے چلتے ہوئے دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئے۔ اسٹریچر بیڈ پر نادر آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کا لباس اتروا دیا تھا۔ اس پر صرف ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ جس حد تک وہ نظر آرہا تھا، اُس حد تک کہیں زخم نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے الزام دیا ہے کہ اس نے خود کو زخمی کیا ہے۔ شاہ جی نے سوچتے ہوئے قریب آکر چادر پر ہاتھ رکھا، اُسے اٹھانا چاہا، ڈاکٹر نے آکر اُن کے ہاتھ کو تھام لیا، پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "پلیز، یہ مناسب نہیں ہے، آپ باہر چلیں۔"

وہ سر جھکا کر چیمبر میں واپس آئے۔ ڈاکٹر نے کہا "مسٹر شاہ! فصل اُگنے کے قدرتی اوقات ہوتے ہیں لیکن ایسی ادویات بھی ہیں جنہیں کھاد میں شامل کر لیا جائے تو وقت

سے پہلے اُگ آتی ہیں لیکن اس غیر قدرتی فصل میں غذائیت اور توانائی کی کمی ہوتی ہے۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نادر نے آپ کے نسخے کے خلاف دوسری دوائیں استعمال کی ہیں؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ میری ہدایت کے خلاف ابنارمل رہا ہے اور اسے نارمل رکھنے کے ذمے دار آپ ہیں۔ آپ نے مجھ سے جھوٹ کہا کہ اس کے ساتھ کوئی لڑکی نہیں رہتی ہے، جب کہ رہتی آئی ہے۔ اس نے آپ کے بیٹے کو اس قدر جنون میں مبتلا کر دیا کہ اسے کوئی اور راستہ سجھائی نہیں دیا تو اس نے اپنے آپ کو زخمی کر لیا۔"

شاہ جی نے جھنجلا کر کہا۔ "آپ بار بار کہہ رہے ہیں کہ زخمی کر لیا، جبکہ وہ زخمی نہیں۔۔۔!"

وہ کہتے کہتے رُک گئے، چونک کر سوچنے لگے۔ ڈاکٹر شیرازی کو معنی خیز نظر دل سے دیکھنے لگے پھر انہوں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "ڈاکٹر! جو میں سمجھ رہا ہوں، کیا وہی آپ کہنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں، وہی کہہ رہا ہوں۔ ان زخموں کے پیش نظر اس کا آپریشن لازمی ہو گیا ہے۔ اس نے وقت سے پہلے خود کو تبدیلی کے آخری اسٹیج پر پہنچا دیا ہے۔ اسے فوراً اسپتال لے جانا ہو گا۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر کے اسپتال والوں سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ شاہ جی پریشان ہو کر کبھی ڈاکٹر کو اور کبھی اس دروازے کو دیکھ رہے تھے، جس کے پیچھے ان کا بیٹا بے ہوش پڑا ہوا تھا اور اب تبدیلی کے آخری تشویش ناک مرحلے سے گزرنے والا تھا۔

ساحرہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی کبھی بیڈ روم میں جا رہی تھی، کبھی ڈرائنگ روم میں آ کر ٹیلی فون کی طرف دیکھتی تھی پھر ریسیور اٹھا کر آپریٹر سے شیرازی کلینک میں بات کرانے کو کہا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اُس نے پوچھا۔ "کیا ڈاکٹر شیرازی موجود ہیں؟"

جواب ملا۔ "وہ جا چکے ہیں۔"

ساحرہ نے پوچھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے، ابھی ایک اہم مریض ان کے کلینک میں آیا ہے۔ اس کا نام نادر شاہ ہے، اُس کے والد شاہ جی بھی اُن کے ساتھ ہیں، کیا تم ان کے بارے میں بتا سکتے ہو؟"

"جی ہاں، ڈاکٹر صاحب اُسی مریض کو لے کر اسپتال گئے ہیں۔"

ساحرہ نے اسپتال کا نام اور وہاں کا ٹیلی فون نمبر پوچھا، اُسے کاغذ پر نوٹ کیا پھر شکریہ ادا کر کے ریسیور رکھ دیا۔ اطلاع کے مطابق کوئی پندرہ منٹ پہلے نادر کو اسپتال لے جایا گیا تھا۔ ساحرہ انتظار کرنے لگی کہ وہ اسپتال پہنچ جائیں، نادر کو ابتدائی طبی امداد مل جائے، پھر وہ شاہ جی سے رابطہ قائم کرے گی۔

اُسی وقت شبّو دروازے پر نظر آئی۔ ساحرہ اُسے دیکھتے ہی بھڑک گئی۔ صوفے سے اٹھ کر بولی۔ "اِدھر آ چڑیل کی بچی! میں سپاہیوں کو بلوا کر تیری پٹائی کرواتی ہوں۔"

وہ آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "بی بی جی! ایک نہیں، سو جوتے مار، مگر میرا قصور بتا دو۔"

"نادر تیرے دروازے پر بے ہوش پڑا ہوا تھا، تیرے پاس موجود تھا۔"

"یہ تو اُلٹی بات ہوئی، اگر میں نادر صاحب کے کمرے میں ہوتی تو میرا قصور ہوتا۔ میں اکیلی عورت ہوں، وہ میرے کمرے میں آئے، قصور کس کا ہوا؟"

"تیرا ہوا۔ تو ململ کا کُرتہ پہن کر جوانی کا اشتہار بنی پھرتی ہے، کیا لوگ تیرے پیچھے دیوانے ہو کر نہیں آئیں گے؟"

"ایک میں ہی تو اشتہار والی نہیں ہوں۔ نادر صاحب بڑے پہنچے ہوئے ہیں، وہ ٹی وی اور اخبار کے اشتہار میں آنے والیوں کے گھر پہنچ سکتے ہیں، میں تو خواہ مخواہ بدنام ہو رہی ہوں۔"

ساحرہ غصّے میں آگے بڑھتے ہوئے بولی "کیا تو نے اسے جنون میں مبتلا نہیں کیا تھا؟"

"بی بی جی! خُدا کا خوف کریں۔ یہاں میرے آنے سے پہلے انہوں نے چار پرندے اور ایک کتا مارا تھا، کیا اس وقت بھی میں نے جنون میں مبتلا کیا تھا؟"

ساحرہ نے ہونٹوں کو بھینچ کر گہری سانس لی۔ دونوں مُٹھیاں یوں بھینچ لیں جیسے مُنہ پر گھونسا جڑنے والی ہو پھر دانت پیسنے کے بعد بولی "چلی جا میری نظروں سے دُور ہو جا۔ اب سامنے آئے گی تو مُنہ توڑ دوں گی۔"

وہ جانے لگی۔ اس نے آواز دی "اور سُن، اپنا بوریا بستر باندھ کر رکھ، انکل کے آنے کے بعد تجھے یہاں ایک منٹ برداشت نہیں کروں گی۔"

وہ چلی گئی۔ ساحرہ غصّے سے تلملاتی رہی۔ اِدھر سے اُدھر آتی جاتی رہی پھر اُس کی سمجھ میں آیا کہ وہ خواہ مخواہ شبّو پر غصّہ اُتار رہی ہے۔ غصّہ تو نادر پر آنا چاہیے۔ ایک اونچے گھرانے کی شریف زادی سے محبت کرتے کرتے ایک گئی گزری ملازمہ کے کوارٹر میں پہنچ گیا، توبہ توبہ، کتنے شرم کی بات ہے۔

وہ اب تک اپنے آپ کو سمجھا رہی تھی کہ نادر کا قصور نہیں ہے، وہ نارمل نہیں رہتا ہے کبھی کبھی بہک جاتا ہے۔ اب بات سمجھ میں آ رہی تھی۔ بہکنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آدمی اپنی سطح سے، اپنے معیار سے بالکل ہی نیچے گر جائے۔ کیا اسے ساحرہ اور شبّو میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے اپنی توہین کا شدّت سے احساس ہو رہا تھا۔

اسی وقت ایک سپاہی دوڑتا ہوا اندر آیا پھر کہنے لگا "بی بی جی! آپ جلدی سے اُوپر

والے بیڈ روم میں چلی جائیں، یہاں پولیس چھاپا مارنے آئی ہے۔"

ساحرہ نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا "پولیس اور یہاں چھاپا مارنے آئی ہے۔ کیا تمہارا دماغ درست ہے یا چھاپا مارنے والوں کو علم نہیں ہے کہ یہ کوٹھی ہمارے انکل کی تحویل میں ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، جو افسر چھاپا مارنے آیا ہے، اُس کے پاس سرکاری کاغذات ہیں، سرچ وارنٹ بھی ہے اور گرفتاری کا وارنٹ بھی۔"

ساحرہ زینے کی طرف جاتے ہوئے بولی "کس کی گرفتاری کا وارنٹ ہے؟"

"یہ نہیں بتایا گیا ہے۔ اُس افسر کے ساتھ آنے والی پولیس پارٹی نے چاروں طرف سے کوٹھی کو گھیر لیا ہے۔"

وہ تیزی سے زینے پر چڑھتے ہوئے اوپری منزل کے ایک بیڈ روم میں پہنچی۔ وہاں ریسیور اٹھا کر آپریٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں نمبر بتا رہی ہوں، انکل شاہ جی سے میرا رابطہ کراؤ۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا "نمبر کیا ہے؟"

وہ نمبر بتانے لگی پھر کہا "وہ نادر کو ڈاکٹر شیرازی کے ساتھ اسپتال لے گئے ہیں، ابھی اُن سے بات ہو سکتی ہے۔ فوراً رابطہ کراؤ۔"

دوسری طرف سے ایک بھاری بھرکم آواز سُنائی دی "مس ساحرہ! یہاں ایکسچینج کے سوئچ بورڈ سے پتہ چل رہا ہے، آپ دوسری منزل کے بیڈ روم نمبر دو میں ہیں۔ میرا ایک مشورہ ہے، آپ اس کمرے سے باہر نہ نکلیں۔"

وہ سخت لہجے میں بولی "میں اسی کمرے میں رہوں گی، جو تم سے کہہ رہی ہوں اُس پر فوراً عمل کرو، انکل سے بات کراؤ۔"

"سوری، میں آپریٹر نہیں ہوں۔"

وہ چونک گئی پھر اُس نے پوچھا "آپ کون ہیں؟"

"میں ڈی۔ ایس۔ پی۔ سجاد حیدر آپ سے تعاون کی درخواست کر رہا ہوں پلیز! وہیں رُکیں اور ہمارا انتظار کریں۔"

ساحرہ نے بڑی آہستگی سے سوچتے ہوئے انداز میں ریسیور کو رکھ دیا۔ وہ سوچ

رہی تھی، انکل بہت بڑے افسر ہیں۔ ان کے حکم کے بغیر ایک سپاہی یا ایک افسر اِدھر سے اُدھر ہل نہیں سکتا، پھر یہاں کسی ڈی۔ ایس۔ پی نے چھاپا مارنے کی کیسے جرأت کی ہے۔ سپاہی کہہ رہا تھا، وہ اس سلسلے میں باقاعدہ اجازت نامہ لے کر آیا ہے اور چالاک اتنا ہے کہ یہاں پہنچتے ہی ٹیلی فون ایکسچینج کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے، اب وہ انکل کو موجودہ صورتِ حال سے آگاہ نہیں کر سکتی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی۔ پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی سیکیورٹی افسر نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید اُس نے شاہ جی تک یہ خبر پہنچا دی ہو۔ باہر مسلح سپاہی نظر آ رہے تھے مگر وہ سمجھ نہ سکی کہ وہ سپاہی، شاہ جی سے تعلق رکھتے ہیں یا ڈی۔ ایس۔ پی سے؟

اُس نے حقارت سے مُنہ بنا کر سوچا۔ ڈی۔ ایس۔ پی! آخر یا انکل کے سامنے ہے کیا چیز؟ جیسے ہی انہیں معلوم ہوگا، وہ یہاں آئیں گے اور اسے چیونٹی کی طرح مَسل کر رکھ دیں گے۔

اُس نے پردے کو برابر کر دیا۔ اُسی وقت دروازے پر دستک سُنائی دی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی پھر پوچھا۔ "کون ہے؟"

دوسری طرف سے ویسی ہی بھاری بھرکم آواز سُنائی دی، جیسی فون پر سُنی تھی، وہ کہہ رہا تھا۔ "آفیسر آن ڈیوٹی، پلیز، اوپن دی ڈور۔"

اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک قدآور، خوبرو پولیس آفیسر کھڑا ہوا تھا۔

افسر نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

ساحرہ نے ایک طرف ہٹ کر اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ ایک فاتح کی شان سے آیا۔ اُس کی چال میں غرور نہیں تھا، اعتماد تھا۔ اُس نے چاروں طرف گھوم کر کمرے کا جائزہ لیا پھر مسکرا کر کہا۔ "مس ساحرہ! آپ کو زحمت ہو رہی ہے، میں آپ سے گفتگو کروں گا۔ پہلے اپنا فرض ادا کر لوں۔"

پھر اس نے دو سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ کمرے کی تلاشی لیں۔ سپاہی حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ ایک حوالدار نے دروازے پر آ کر کہا۔ "جناب! میں حاضر ہوں۔"

ڈی۔ ایس۔ پی سجاد حیدر نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا، پھر ساحرہ پر نظر ڈالی اور مسکرا کر کہا۔ "آپ شاید ناگواری محسوس کر رہی ہیں۔ دوسرے کمرے میں جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں۔"

پھر اس نے حوالدار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "فضل دین! مس صاحبہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں جاؤ اور ان کا بیان لے لو۔"

ساحرہ نے پریشان ہو کر سجاد حیدر کو اور پھر فضل دین کو دیکھا۔ اس کے بعد ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں۔ . . . . میں ابھی بیان نہیں دوں گی۔"

"کوئی اعتراض ہے؟"

"اپنے انکل سے بات کرنے کے بعد بیان دوں گی۔"

"جہاں تک میرا اندازہ ہے، آپ شاہ جی کو انکل کہتی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"آپ دوسرے کمرے میں جا کر بیان دے دیں، شاہ جی کے آنے یا نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"میرے لیے فرق ہے۔"

"اچھی بات ہے، آپ یہی بیان دے دیجئے کہ آپ بیان نہیں دیں گی مگر دوسرے کمرے میں چلی جائیں۔"

ایک سپاہی تیزی سے چلتا ہوا آیا پھر الرٹ ہو کر سلام کرتے ہوئے بولا۔ "سر! دوسرے کمرے کے اسٹور روم میں تہ خانہ ہے۔"

ڈی۔ ایس۔ پی سجاد حیدر تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر گیا۔

وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوئی تو فلیش لائٹ سے آنکھیں چُندھیا گئیں۔ کسی نے اُس کی تصویر اُتاری تھی۔ وہاں دو فوٹو گرافرز تھے۔ ایک تو کمرے میں تھا۔ دوسرا اسٹور روم سے باہر آ رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک سب انسپکٹر تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"سر! تہ خانے میں کلاشنکوف اور راکٹ لانچر کا ذخیرہ ہے۔"

فوٹو گرافر نے کہا۔ "سر! میں نے ذخیرے کی ڈیٹیل فوٹو گرافی کی ہے۔"

سجاد حیدر ان کی باتیں سُنتا ہوا اسٹور روم میں گیا پھر وہاں سے ایک زینے کے ذریعے تہ خانے میں پہنچا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ بہت بڑا تہ خانہ تھا اور یہ تہ خانہ نیچے گراؤنڈ فلور تک گیا تھا۔

سجاد تہ خانے سے نکل کر کمرے میں آیا۔ تمام سپاہی کوٹھی کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ ایک سپاہی نے آکر کہا۔ "سر! ایک کمرے میں بہت بڑی کیسٹ لائبریری بنائی گئی ہے۔ وہاں بلیو فلمیں خاصی تعداد میں ہیں۔"

سجاد نے جھینپ کر ساحرہ کی طرف دیکھا پھر سپاہی کو ڈانٹ کر کہا۔ "یو نان سنس! جاؤ یہاں سے اور اُس کیسٹ لائبریری کے فوٹو گراف لو۔"

سپاہی چلا گیا۔ سجاد نے مسکرا کر ساحرہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میرا خیال ہے، آپ نے بیان نہیں دیا ہے۔"

ساحرہ چُپ رہی۔ دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ سجاد نے ٹیلی فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ چاہیں تو مسٹر شاہ سے رابطہ قائم کر سکتی ہیں۔"

اُس نے ریسیور اٹھایا پھر آپریٹر سے کہا۔ "مس ساحرہ، مسٹر شاہ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے موجودہ کنٹیکٹ نمبر دیا تھا۔ پلیز آپ ان سے بات کرا دیں۔"

اس نے ریسیور ساحرہ کی طرف بڑھا دیا۔ ساحرہ نے اُسے دیکھا مگر نظریں جھکا لیں۔ آہستگی سے اٹھ کر ریسیور کو لیا پھر کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "آپ کون ہیں؟ کس سے بات کرنا چاہتی ہیں؟"

ساحرہ نے اپنا نام بتایا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی شاہ جی کی آواز سُنائی دی۔ "ہیلو بیٹے! کیا بات ہے؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے سر اٹھا کر سجاد حیدر کو دیکھا پھر کہا۔ "یہاں پولیس والوں نے کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اندر بھی سپاہی موجود ہیں اور ایک ایک کمرے کی تلاشی لے رہے ہیں۔ مجھ سے بیان لینا چاہتے ہیں۔"

دوسری طرف سے بڑی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ "کیا کہہ رہی ہو، جہاں میرے بچے ہوں، وہاں پولیس چھاپا مارے، یہ ناممکن ہے۔"

اُس نے ہچکچاتے ہوئے سجاد کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "انکل، ایک ڈی۔ ایس۔ پی ہیں۔ اپنا نام سجاد حیدر بتاتے ہیں۔ انہوں نے پولیس پارٹی کے ساتھ چھاپا مارا ہے۔ ابھی میرے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔"

"ریسیور اُسے دو۔"

اُس نے ریسیور بڑھایا۔ سجاد نے مسکراتے ہوئے لیا، پھر کان سے لگا کر کہا۔ "آداب عرض کرتا ہوں۔"

شاہ جی نے غصے سے کہا۔ "تو ہیل وِد یور آداب، وھاٹ آر گوئنگ آن دیئر؟"

"جسٹ ڈوئنگ مائی ڈیوٹی۔ (میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔)"

"تم ہو کون؟ کس کی اجازت سے کوٹھی میں داخل ہونے کی جرأت کی ہے؟"

"مسٹر شاہ! آپ جب تک وردی میں تھے، میرے اعلیٰ افسر تھے۔ چونکہ آپ کل سے چھٹی پر ہیں اور آپ کی جگہ جناب رانا شمشاد علی کام کر رہے ہیں۔ اس لیے میں ان کے سامنے جواب دہ ہوں۔"

دوسری طرف سے غرّا کر کہا گیا۔ "ہوں، تو رانا شمشاد نے تمہیں ایک مُہرہ بنایا ہے، میرے خلاف پھر چالیں چل رہا ہے۔ میں ابھی اپنی چھٹی منسوخ کرا کے ڈیوٹی جوائن کر لوں تو تم دونوں کہاں رہو گے؟"

سجاد حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے، آپ ڈیوٹی جوائن نہیں کر سکیں گے، میں آپ کی گرفتاری کا وارنٹ لایا ہوں۔"

دوسری طرف فون پر دہاڑنے کی آواز سنائی دی، جیسے شیر گرج رہا ہو۔ وہ قسمیں کھا رہے تھے کہ دونوں کو لاٹھی حاضر کریں گے۔ اس محکمے سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکیں گے۔

سجاد نے ان کے جواب میں گرجتے ہوئے کہا۔ "یو شٹ اَپ، یو آر نو مور اے بگ باس فار اَس۔ میں آپ کو چار گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں، خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں ورنہ جہاں بھی پائے جائیں گے، وہیں ہتھکڑیاں ڈال دی جائیں گی۔"

یہ کہنے کے بعد اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ ساحرہ اسے سہمی سہمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ وہ محض ایک ڈی۔ ایس۔ پی تھا تاہم اس میں شاہ جی سے زیادہ رُعب، دبدبہ اور خود اعتمادی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ افسر اس کے انکل کو ہتھکڑیاں پہنا سکتا ہے۔

وہ چونک گئی۔ اُسے احساس ہوا، سجاد مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا ہے۔ وہ منہ پھیر کر جانے لگی۔ اس نے کہا۔ "مس ساحرہ! عورتوں کا احترام کرنے والا ہیں

رعایت دینے کی ایک حد ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے، آپ مجھے اس حد میں رکھیں گی۔"

وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔ "میں اور وضاحت سے سمجھاتا ہوں۔ تم یہاں بیان دوگی تو تمہارے والدین کی، تمہارے خاندان کی اور تمہاری عزت رہے گی، انکار کروگی تو پولیس اسٹیشن لے جاؤں گا۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ "آپ مجھے کس جرم میں گرفتار کریں گے؟"

سجاد نے اسٹور روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آگے بڑھ کر دیکھ لو۔ اس تہ خانے میں اسلحے کا ذخیرہ ہے اور اس ذخیرے کے ساتھ تم پائی گئی ہو۔"

"میرا اس کوٹھی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

سجاد نے حوالدار کو مخاطب کرکے کہا۔ "دیکھو، مس صاحبہ بیان دے رہی ہیں، نوٹ کرو۔ ہاں تو اس کوٹھی سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے پھر تم یہاں کیسے ہو؟ کیوں آئی ہو؟ خود آئی ہو یا کوئی تمہیں لایا ہے؟ بس انہی سوالوں کے جوابات دیتی چلی جاؤ، بیان مکمل ہو جائے گا۔"

وہ مسکراتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ ساحرہ ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر غصے سے دیکھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اُسے کیا کرنا چاہئے۔ بیان دے گی تو وہ شاہ جی کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، اپنے پاپا کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، اگر وہ کہے گی کہ نامعلوم غنڈے اغوا کرکے لے آئے تھے تو پھر پتا نہیں، دوسری طرف نادر کیا بیان دے گا، شاہ جی کیا بیان دیں گے۔ ہر ایک کا بیان ایک دوسرے سے مختلف ہوگا تو اصل بات سامنے آتی چلی جائے گی۔

وہ قریبی صوفے میں دھنس گئی۔ ایک ہاتھ سے سر کو تھام لیا۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، اس کی وہ توقع نہیں کر سکتی تھی۔ کیا وہ کبھی سوچ سکتی تھی کہ جس نادر کی چاہت میں وہ اپنے گھر والوں سے باغی ہوگئی تھی، وہی ایک ملازمہ کے کوارٹر میں پایا جائے گا، کیا یہ توقع کر سکتی تھی کہ انکل شاہ جی اُسے ایسی کوٹھی میں پہنچا دیں گے جہاں وہ اسلحے کے ساتھ پکڑی جائے گی۔

وہ جتنا سوچ رہی تھی، اتنا ہی سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ موجودہ حالات میں یہی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ اپنا باپ بھروسے کے قابل نہیں ہے تو کسی اور پر کیا بھروسہ کیا جائے۔ اُسے بیان دیتے وقت وہی کہنا چاہئے، جو سچ ہے اور جو اس پر بیت رہی ہے۔

آج تک شاہ جی کی کسی نے اتنی توہین نہیں کی تھی جتنی ایک ڈی۔ ایس۔ پی فون پر کر چکا تھا۔ وہ اپنی اِنسلٹ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کے بس میں ہوتا تو فوراً جوابی کارروائی کرتے۔ رانا اور سجاد کے خلاف ایسی چال چلتے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھتے اور دوسرے بھی عبرت حاصل کرتے۔

لیکن وہ ڈیوٹی پر نہیں تھے، پھر یہ بات سمجھ میں آگئی کہ پسِ پردہ کچھ گڑبڑ ہے، ورنہ ایک معمولی ڈی۔ ایس۔ پی صرف رانا کی شہ پر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ وہ اسپتال چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ اُن کے بیٹے کا ایمرجنسی آپریشن ہو رہا تھا۔ ایسے وقت موجود رہنا چاہتے تھے لیکن اپنی سروس کا معاملہ تھا۔ برسوں کی ساکھ پل بھر میں خاک ہو رہی تھی۔

وہ اپنی کار ڈرائیو کرتے ہوئے نکلے۔ ذہن بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔ آنکھوں کے سامنے غبار سا چھایا ہوا تھا۔ دنیا صاف نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ آئندہ آنے والے لمحات میں یہ دنیا ان کے لیے پہلے جیسی ہوگی اور اگر نہیں ہوگی تو وہ اپنی کوششوں سے ویسی بنا سکیں گے۔ راستے میں انہوں نے کئی جگہ ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کی۔ اس کے باوجود سپاہی انہیں سلام کرتے رہے۔ آج یہ باتیں ان کے لیے چُبھتا ہوا سوال بن گئی تھیں۔ کیا یہ کل بھی مجھے سلام کریں گے؟

وہ عالی جناب کے سرکاری محل میں پہنچ گئے۔ احاطے کے باہر کچھ موٹر سائیکلیں اور کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہاں کے سیکیورٹی آفیسر نے انہیں دیکھتے ہی اٹینشن ہو کر سلام کیا۔ انہیں اندر جانے کی اجازت دی۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا خاص مہمان آئے ہوئے ہیں؟"

رعایت دینے کی ایک حد ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے، آپ مجھے اس حد میں رکھیں گی۔"

وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔ "میں اور وضاحت سے سمجھاتا ہوں۔ تم یہاں بیان دوگی تو تمہارے والدین کی، تمہارے خاندان کی اور تمہاری عزت رہے گی، انکار کروگی تو پولیس اسٹیشن لے جاؤں گا۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ "آپ مجھے کس جرم میں گرفتار کریں گے؟"

سجّاد نے اسٹور روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آگے بڑھ کر دیکھ لو۔ اس تہ خانے میں اسلحے کا ذخیرہ ہے اور اس ذخیرے کے ساتھ تم پائی گئی ہو۔"

"میرا اس کوٹھی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

سجّاد نے حوالدار کو مخاطب کرکے کہا۔ "دیکھو، مس صاحبہ بیان دے رہی ہیں، نوٹ کرو۔ ہاں تو اس کوٹھی سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے پھر تم یہاں کیسے ہو؟ کیوں آئی ہو؟ خود آئی ہو یا کوئی تمہیں لایا ہے؟ بس انہی سوالوں کے جوابات دیتی چلی جاؤ، بیان مکمل ہو جائے گا۔"

وہ مسکراتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ ساحرہ ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر غصے سے دیکھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ بیان دے گی تو وہ شاہ جی کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، اپنے پاپا کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، اگر وہ کہے گی کہ نامعلوم غنڈے اغوا کرکے لے آئے تھے تو پھر پتا نہیں، دوسری طرف نادر کیا بیان دے گا، شاہ جی کیا بیان دیں گے۔ ہر ایک کا بیان ایک دوسرے سے مختلف ہوگا تو اصل بات سامنے آتی چلی جائے گی۔

وہ قریبی صوفے میں دھنس گئی۔ ایک ہاتھ سے سر کو تھام لیا۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، اس کی وہ توقع نہیں کر سکتی تھی۔ کیا وہ کبھی سوچ سکتی تھی کہ جس نادر کی چاہت میں وہ اپنے گھر والوں سے باغی ہو گئی تھی، وہی ایک ملازمہ کے کوارٹر میں پایا جائے گا۔ کیا یہ توقع کر سکتی تھی کہ انکل شاہ جی اُسے ایسی کوٹھی میں پہنچا دیں گے جہاں وہ اسلحے کے ساتھ پکڑی جائے گی۔

وہ جتنا سوچ رہی تھی، اتنا ہی سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ موجودہ حالات میں یہی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ اپنا باپ بھروسے کے قابل نہیں ہے تو کسی اور پر کیا بھروسہ کیا جائے۔ اُسے بیان دیتے وقت وہی کہنا چاہیئے، جو سچ ہے اور جو اس پر بیت رہی ہے۔

آج تک شاہ جی کی کسی نے اتنی توہین نہیں کی تھی جتنی ایک ڈی۔ ایس۔ پی فون پر کر چکا تھا۔ وہ اپنی اِنسلٹ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کے بس میں ہوتا تو فوراً جوابی کارروائی کرتے۔ رانا اور سجّاد کے خلاف ایسی چال چلتے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھتے اور دوسرے بھی عبرت حاصل کرتے۔

لیکن وہ ڈیوٹی پر نہیں تھے، پھر یہ بات سمجھ میں آگئی کہ پسِ پردہ کچھ گڑبڑ ہے، ورنہ ایک معمولی ڈی۔ ایس۔ پی صرف رانا کی شہ پر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ وہ اسپتال چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اُن کے بیٹے کا ایمرجنسی آپریشن ہو رہا تھا۔ ایسے وقت موجود رہنا چاہتے تھے لیکن اپنی سروس کا معاملہ تھا۔ برسوں کی ساکھ پل بھر میں خاک ہو رہی تھی۔

وہ اپنی کار ڈرائیو کرتے ہوئے نکلے۔ ذہن بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔ آنکھوں کے سامنے غبار سا چھایا ہوا تھا۔ دنیا صاف نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ آئندہ آنے والے لمحات میں یہ دنیا ان کے لیے پہلے جیسی ہوگی اور اگر نہیں ہوگی تو وہ اپنی کوششوں سے ویسی بنا سکیں گے۔ راستے میں انہوں نے کئی جگہ ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کی۔ اس کے باوجود سپاہی انہیں سلام کرتے رہے۔ آج یہ باتیں ان کے لیے چُبھتا ہوا سوال بن گئی تھیں۔ کیا یہ کل بھی مجھے سلام کریں گے؟

وہ عالی جناب کے سرکاری محل میں پہنچ گئے۔ احاطے کے باہر کچھ موٹر سائیکلیں اور کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہاں کے سیکیورٹی آفیسر نے انہیں دیکھتے ہی اٹینشن ہو کر سلام کیا۔ انہیں اندر جانے کی اجازت دی۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا خاص مہمان آئے ہوئے ہیں؟"

"جی نہیں، پریس کانفرنس ہو رہی ہے۔"

وہ اس محل کے سامنے والے ایک بڑے سے ہال میں پہنچے۔ وہاں پریس رپورٹرز، فوٹوگرافرز وغیرہ موجود تھے اور بھی بہت سے جانے انجانے چہرے دکھائی دیئے۔ ان سب کے سامنے عالی جناب ایک اسٹیج نما بالکونی میں ایک شاہانہ طرز کی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آس پاس اہم مشیر اور ماتحت تھے۔ شاہ جی کو دیکھتے ہی عالی جناب نے..... ناگواری سے منہ بنایا۔ اپنے سیکرٹری کو بلا کر کان میں کچھ کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر شاہ جی کا استقبال کیا پھر انہیں بھی عالی جناب کے قریب ہی ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

ایک صحافی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "چونکہ یہاں شاہ جی بھی موجود ہیں، اسی لیے میں سوال کروں گا، غیر قانونی اسلحے کی روک تھام کے لیے پولیس کیا کر رہی ہے؟"

شاہ جی کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ ان کے بیٹے کا آپریشن ہو رہا تھا، ہونے والی بہو، پولیس کی حراست میں تھی اور خود ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگنے والی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے حاضر دماغی سے جواب دیا۔ "ہم اپنے فرائض بخوبی ادا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں جہاں سے بھی ناجائز اسلحے کے متعلق اطلاع ملتی ہے، ہم چھاپے مارتے ہیں۔ نیشنل ہائی وے اور سپر ہائی وے پر سختی سے چیکنگ ہوتی ہے۔ ہم سمندری راستوں پر بھی کڑی نظر رکھتے ہیں۔ ہم آئے دن اخبارات کے ذریعے عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہم سے تعاون کریں۔ منشیات کے اڈوں اور غیر قانونی اسلحے کی نشاندہی کریں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں لوگوں کی طرف سے بھرپور تعاون حاصل نہیں ہوتا۔"

ایک اور اخباری رپورٹر نے اٹھ کر کہا۔ "آپ عوام سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ چوروں، بدمعاشوں، اسمگلروں اور منشیات فروشوں کی نشاندہی کریں لیکن جو کچھ آپ جانتے ہیں، اس سلسلے میں کیا کرتے ہیں؟ سہراب گوٹھ یہاں سے امریکہ تک مشہور ہے۔ سب جانتے ہیں، وہاں ٹنوں کے حساب سے ہیروئن اور اسلحہ جمع ہو رہا ہے۔ کیا آپ نے وہاں کبھی کامیاب چھاپا مارا یا وارننگ کے طور پر ان کا محاسبہ کیا؟"

شاہ جی نے کہا۔ "ہم نے سہراب گوٹھ میں گلزار ہجری کے نام سے ایک تھانہ قائم کر دیا ہے، جیسے ہی وہاں سے مکمل رپورٹ حاصل ہو گی، ہم اس بارہ مارکیٹ

کا محاصرہ کریں گے اور جلد ہی آپ کی شکایات دور کر دیں گے۔"

عالی جناب نے کہا۔ "جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں، ہماری حکومت جلد ہی اس ملک سے برائیوں کا خاتمہ کر دے گی۔ یہاں صرف اور صرف اسلامی نظام ہو گا۔ یہاں رشوت لینے اور دینے والوں کو کڑی سے کڑی سزائیں دی جائیں گی کیونکہ رشوت سے ہی تمام جرائم اور بد عنوانیوں کے راستے کھلتے ہیں۔ ہم یہ راستے ہمیشہ کے لیے بند کر دیں گے۔"

عالی جناب جوشیلی تقریر کرتے جا رہے تھے۔ شاہ جی پریشان تھے، کب تقریر ختم ہو گی، کب یہ کانفرنس برخاست کی جائے گی اور کب یہ اپنا مدعا بیان کریں گے۔ ڈی ایس پی سجاد حیدر نے انہیں چار گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ یہ مہلت ختم ہونے کے بعد کہیں بھی ہتھکڑی لگ سکتی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد کانفرنس ختم ہو گئی۔ لوگ ایک ایک کرکے رخصت ہو گئے۔ عالی جناب کے خاص مشیر اور ماتحت رہ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ڈرائنگ روم میں جا کر شاہ جی کو بلوایا۔ جب وہ پہنچے تو انہوں نے کہا۔ "آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

شاہ جی نے دروازے کی جانب دیکھا، وہ بند تھا۔ ڈرائنگ روم میں کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے کہا۔ "جناب! میں مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ پتا نہیں، کون ڈی ایس پی ہے جس نے افغانی اسمگلر حشمت نواز کی کوٹھی پر چھاپا مارا ہے۔"

"اگر کسی اسمگلر کی کوٹھی پر چھاپا مارا گیا ہے تو آپ مصیبت میں کیوں ہیں؟"

"کچھ حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے اور ہونے والی بہو کو اس کوٹھی میں لے جا کر رکھا تھا۔"

"آپ نے پہلے انتظام کیوں نہیں کیا؟ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے تو میرے پاس آئے ہیں۔"

"جناب! میں اس بات پر حیران ہوں کہ اس ڈی ایس پی کی اتنی جرأت کیسے ہوئی۔ میرے احکامات کے بغیر کوئی سپاہی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا، اگر کوئی ہنگامی حالت ہو یا معاملات میرے ہاتھ سے نکلتے ہوں تو پھر وہ آپ کے ہاتھ میں جاتے ہیں۔ آپ کے حکم کے بغیر وہ میری گرفتاری کا وارنٹ کیسے جاری کرا سکتا ہے؟"

"مسٹر شاہ! تم جانتے ہو، جو نوجوان براہِ راست امتحان پاس کرکے ڈی ایس پی

بن جاتے ہیں۔ وہ کیسے جوشیلے اور فرض شناس ہوتے ہیں۔ بیشک، میری مرضی کے مطابق اُس نے گرفتاری کا وارنٹ اور اس کوٹھی کا سرچ وارنٹ حاصل کیا ہے مگر میں تو یہ سمجھ رہا تھا، تم اس معاملے میں ملوث نہیں ہو۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تمہارا بیٹا اور ہونے والی بہو وہاں موجود ہوں گے۔ جو نوجوان بحیثیت سپاہی اور بحیثیت افسر اس محکمے میں اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں پورا موقع دیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس افغانی اسمگلر حشمت نواز کو خبر پہنچا دی گئی تھی کہ وہ ہوشیار ہو جائے مگر وہ آج کل مُلک میں نہیں ہے۔ یہ اس کی بدنصیبی ہے اور تمہاری بھی۔"

"کیا آپ میری بدنصیبی گوارا کریں گے؟"

"سوری، میں مجبور ہوں۔"

"آپ اور مجبور؟"

"ابھی ڈی۔ایس۔پی سجاد حیدر کا فون آیا تھا۔ جانتے ہو، اس نے کیسے کیسے الزامات لگائے ہیں اور وہ الزامات پوری طرح ثابت کر سکتا ہے۔ تمہارے سیکیورٹی افسر نے، وہاں کے دوسرے سپاہیوں نے، وہاں کے ٹیلیفون ایکسچینج میں کام کرنے والے آپریٹر نے اور کسی ملازم نے بیان دیا ہے کہ تمہارا اس کوٹھی سے گہرا تعلق ہے۔ تم نے اپنے بچوں کو وہاں رکھا تھا۔ وہ بچے جوان ہیں۔ تمہارے بیان کے مطابق ایک بیٹا ہے اور ایک ہونے والی بہو ہے، ہونے والی بہو کا مطلب ہے، ابھی شادی نہیں ہوئی، پھر کس رشتے سے آپ نے دونوں کو کوٹھی میں رکھا تھا؟"

"میں نے کسی بُری نیت سے نہیں رکھا تھا۔"

"آپ کی نیت اس سے ظاہر ہے کہ وہاں ایک کیسٹ لائبریری ہے، جہاں خاصی تعداد میں بلیو فلمیں ہیں۔ وہاں سے کلاشنکوف اور راکٹ لانچر بھی خاصی تعداد میں برآمد کئے گئے ہیں۔ پھر وہ بدنام زمانہ اسمگلر کی کوٹھی ہے۔ اس کوٹھی سے تمہارے جیسے اعلیٰ افسر کا کیا تعلق ہے؟ تمہاری فیملی وہاں کیوں رہتی ہے اور شادی سے پہلے کیوں رہتی ہے۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اسلامی قانون کے مطابق تمہارے بیٹے اور ہونے والی بہو کو سنگسار کیا جا سکتا ہے؟"

انہوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں ثابت کر دوں گا،

وہاں بلیو فلموں کی موجودگی کے باوجود وہ پاکباز رہے ہیں۔ ادھر ڈی۔ایس۔پی نے چھاپا مارا ہے، میری ہونے والی بہو کو گرفتار کیا ہے، اُدھر اسپتال میں میرے بیٹے کا آپریشن ہو رہا ہے۔ ڈاکٹری رپورٹ بتائے گی کہ اس لمحے تک میرا بیٹا مکمل طور پر تبدیل نہیں ہوا تھا۔ وہ بیٹی بھی نہیں تھی، وہ بیٹا بھی نہیں تھا۔ اس کی کوئی شناخت نہیں تھی۔ اس پر کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا۔ عالی جناب، آپ...... اچھی طرح جانتے ہیں، بات صرف طاقت کی ہے۔ آپ کے اور ہمارے ہاتھ میں اتنا پاور ہے کہ ہم سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنا دیتے ہیں۔ آپ مجھ سے ذرا تعاون کریں۔ میں وردی پہننے کے بعد تمام الزامات کو غلط ثابت کر دوں گا اور نوجوان ڈی۔ایس۔پی کی کارکردگی پر پانی پھیر دوں گا۔"

عالی جناب نے کہا۔ "میں تمہیں وردی پہننے کی اجازت نہیں دوں گا، اگر ڈی۔ایس۔پی نے تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی تو اس وردی کے ساتھ پولیس کا محکمہ بدنام ہوگا۔ تمہارا عہدہ کوئی چھوٹا موٹا عہدہ نہیں ہے۔ پولیس والوں کی ساکھ بگڑ جائے گی۔ اخبارات شہ سرخیوں میں سوالات کریں گے کہ جب محکمے کا بڑا ایسا ہو سکتا ہے تو یہاں کے عوام کس پر اعتماد کریں؟"

شاہ جی نے غصے سے دانت پیسنے کے بعد کہا۔ "یہ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ پس پردہ کچھ گڑبڑ ہے۔ جب سے میں نے ڈرگ مافیا کا ایک ٹرک پکڑوایا ہے، میری شامت آگئی ہے۔ میں پاکستانی ہوں، یہ میرا مُلک ہے، میری حکومت ہے، یہاں میری قوت ہے، یہاں میرے عہدے کا رُعب اور دبدبہ ہے۔ اس کے باوجود میں مافیا سے مات کھا رہا ہوں۔"

عالی جناب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "پلیز، میرے سامنے کسی مافیا کی بات نہ کرو۔ میں کسی کو نہیں جانتا۔ میں تمہیں استعفا دینے کا مشورہ دے رہا ہوں۔ بولو، منظور ہے یا نہیں؟"

شاہ جی جھاگ کی طرح بیٹھ گئے، انہوں نے کہا۔ "جب آپ ہی ساتھ چھوڑ رہے ہیں تو میں کیا کر سکوں گا، مجھے منظور ہے۔"

عالی جناب نے کہا۔ "ریسیور اٹھاؤ اور حشمت نواز کی کوٹھی کا نمبر ڈائل کرو۔

میں ڈی۔ایس۔پی سے بات کروں گا۔"

انہوں نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد کہا۔ "ریسیور ڈی۔ایس۔پی سجّاد حیدر کو دو، عالی جناب بات کرنا چاہتے ہیں۔"

انہوں نے ریسیور عالی جناب کو دے دیا۔ وہ اُسے کان سے لگا کر سُننے لگے پھر اپنے مخصوص رُعب اور دبدبے کے ساتھ بولے۔ "یہ کارروائی ابھی مکمل نہ کرو، میرے پاس آؤ۔"

انہوں نے دوسری طرف سے کچھ سُنا۔ ڈی۔ایس۔پی سجّاد حیدر نے کچھ ایسی بات کہہ دی تھی، جس سے وہ بھڑک گئے۔ غصّے سے بولے۔ "نو آرگومنٹس، یُو ہیو ٹو کم ہیئر، وِدھ اِن نو ٹائم۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے غصّے سے ریسیور کو کریڈل کی طرف پھینک دیا۔ شاہ جی نے جلدی سے اسے کیچ کیا۔ پھر سنبھال کر کریڈل پر رکھ دیا۔ عالی جناب وہاں سے اپنے مشیروں کے پاس دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم میں تنہا رہ گئے۔ باہر جا نہیں سکتے تھے۔ آنکھوں کے سامنے وہ ہتھکڑیاں دکھائی دے رہی تھیں، جنہیں آج تک دوسروں کو پہناتے رہے تھے۔ آدمی بھول جاتا ہے، بالکل ہی بھول جاتا ہے کہ جس جنازے کو کاندھا دے کر لے جا رہا ہے، اسی جنازے میں ایک دن وہ بھی جائے گا۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ کُھلا۔ ایک سپاہی نے کہا۔ "آئیے جناب، اندر تشریف لائیے۔"

شاہ جی نے سر گُھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں رانا شمشاد علی نظر آیا۔ وہ انہیں دیکھتے ہی مسکرانے لگا۔ شاہ جی نفرت سے مُنہ پھیرنا چاہتے تھے پھر رُک گئے۔ ان کے پیچھے ایک خوبرو جوان ڈی۔ایس۔پی کی وردی میں دکھائی دیا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے صوفے کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ شاہ جی کو ایک ذرا برتری کا احساس ہوا، وہ مسکرائے کیونکہ وہ دونوں ڈیوٹی پر تھے۔ عالی جناب کے سامنے حاضری دینے آئے تھے۔ بیٹھ نہیں سکتے تھے، جب کہ شاہ جی بیٹھے ہوئے تھے۔

مگر یہ مسکراہٹ، یہ برتری عارضی تھی۔ وہ بھی عالی جناب کی مہربانی سے بیٹھے

ہوئے تھے، ورنہ ملزم تھے۔ انہیں تو کوٹھی کے اندر آنے کی اجازت بھی نہ دی جاتی۔ ماضی میں چور راستوں سے تعلّقات رہے تھے، اس لیے وہ آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ رشوت لینے اور بدعنوانی کا مرتکب ہونے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ملزم ہونے کے باوجود صاحب کے ساتھ بیٹھا جا سکتا ہے، جبکہ قانون کی بالادستی قائم رکھنے والا افسر اٹینشن رہتا ہے۔

عالی جناب ڈرائنگ روم میں آئے۔ دونوں افسران نے ایڑیاں بجا کر سلام کیا۔ انہوں نے سر کو خفیف سی جُنبش دی، پھر ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "اچھا تو تم نئے ڈی۔ایس۔پی ہو؟"

سجّاد حیدر نے اسی طرح اٹینشن رہ کر جواب دیا۔ "جی جناب!"

عالی جناب نے رانا سے پوچھا۔ "کیا اس نوجوان کو پہلے سے جانتے ہو؟"

"نو سر! میں نے اس کا ریکارڈ پڑھا ہے۔ پولیس ٹریننگ کالج سہالہ میں اس نے حیرت انگیز مارکس حاصل کیے ہیں۔ پریکٹیکل میں ہمیشہ اوّل رہا ہے۔"

"پھر بھی تم نے اتنا بڑا کیس اسے کیوں دیا۔ کیا اس سے سینئر افسران نہیں تھے یا ڈی۔ایس۔پی کے رینک میں پرانے اور تجربہ کار لوگ نہیں تھے؟"

"جناب! ہمارے ہاں افسروں کی کمی نہیں ہے لیکن اس نوجوان پر ابھی رشوت کا سایہ نہیں پڑا ہے۔ ابھی یہ کسی کے دباؤ میں نہیں ہے۔ ابھی یہ ٹھوکریں کھائے گا لیکن ٹھوکریں کھانے سے پہلے کچھ اچھے کام کر جائے گا۔"

عالی جناب نے سجّاد حیدر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے سامنے مسٹر شاہ موجود ہیں، تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں نے انہیں چار گھنٹے کی مہلت دی ہے۔ اس عرصے میں انہیں خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دینا چاہیئے۔ یہ ہمارے سب سے سینئر افسر رہ چکے ہیں۔ اسی لیے میں نے یہ رعایت دی ہے تاکہ یہ اپنے طور پر اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے کچھ کر سکیں۔"

"یہ اب بھی تمہارے سب سے اعلیٰ افسر ہیں۔ ابھی انہوں نے استعفا نہیں دیا ہے۔"

"عالی جناب! میں آپ کی بات سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن

جب سے ان کی گرفتاری کا وارنٹ میرے ہاتھ میں آیا ہے، تب سے یہ میرے لیے افسر نہیں رہے۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ شاہ جی بدنام ہوں گے تو پورا محکمہ بدنام ہوگا؟"

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

عالی جناب نے غصّے سے کہا۔ "تم کیا ہو، تمہاری عُمر کیا ہے، تمہارا تجربہ کیا ہے، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"جناب! میں پھر آپ کی بات سے انکار کرنے کی جراٴت نہیں کروں گا لیکن اپنی بات سمجھانا چاہوں گا۔ ہم اس محکمے میں ایک سپاہی سے لے کر افسران تک کا محاسبہ کریں گے اور محاسبے کی رپورٹ عوام کے سامنے پیش کریں گے تو عوام کا اعتماد حاصل ہوگا۔ عالی جناب! لوگوں کا اعتماد پولیس پر سے اٹھتا جا رہا ہے۔ یہ آگ، بارود اور جذباتی آتش فشاں کا دور ہے۔ شکوک و شبہات، خوف و بدگمانی کی فضا ہے۔ ایسے میں اگر ہم نے اپنے فرائض پوری دیانت داری اور ذمّے داری سے ادا نہ کیے تو آج ہم مجرموں کے ساتھی سمجھے جاتے ہیں۔ کل بیانگ دہل مجرم سمجھے جائیں گے۔"

عالی جناب نے کہا۔ "ہاؤ ڈیئر، یو سے آل دیز نان سنس! یہ محکمہ اتنا بدنام نہیں ہے، جتنا اسے تم بدنام کر رہے ہو جبکہ تمہارا پہلا فرض اسے بدنامی سے بچانا ہے۔"

"سوری سر! پہلے اس محکمے کو بدی سے بچانا ہے پھر بدنامی خود پیچھا چھوڑ دے گی۔"

"مسٹر رانا! تم نے درست کہا تھا، یہ جوان جذباتی ہے، بہت زیادہ بولتا ہے۔ بہر حال میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے کہ اس کیس میں جس حد تک جا چکے ہو، اس سے آگے نہ جاؤ، واپس لوٹ آؤ۔"

رانا شمشاد علی نے پوچھا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"مسٹر شاہ کو حراست میں نہ لیا جائے، جو لڑکی اسلحے کے ساتھ پکڑی گئی ہے، اُسے رہا کر دیا جائے۔ تم سب پولیس والے ہو۔ اچھی طرح سمجھ سکتے ہو، کیس کا رُخ کس طرح بدلا جا سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے، اس نوجوان نے بدنام زمانہ اسمگلر حشمت نواز کی کوٹھی پر چھاپا مارا ہے لہٰذا مجرم حشمت نواز کو قرار دیا جائے اور اُسی کے خلاف کیس بنایا جائے۔"

سجّاد حیدر نے کہا۔ "لیکن جناب! وہاں موجود تمام افراد کے بیانات لیے جا چکے ہیں۔ وہ لڑکی ساحرہ بھی اپنا بیان دے چکی ہے، ہمارے پاس اس کے فوٹو گراف موجود ہیں۔"

عالی جناب نے کہا۔ "فوٹو گرافس کو جلا دو۔ جتنے ٹھوس ثبوت ہیں، سب کو ضائع کر دو۔ کیا تم لوگوں کو ہجے کر کے سمجھاؤں؟"

رانا شمشاد علی نے کہا۔ "جناب! یہ بات نہیں ہے، بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔"

"میں نے تمہیں محدود کارروائی کے لیے کہا تھا۔"

"بیشک، آپ کے حکم کے مطابق میں نے ڈی۔ایس۔پی سجّاد حیدر کو سمجھا دیا تھا لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، یہ بے باک جوان ہے، کسی کے دباؤ میں نہیں آتا، اس لیے حد سے آگے جا چکا ہے۔"

"حد سے آگے جانے کا کیا مطلب ہوا؟"

"اُس اسمگلر کی کوٹھی میں اس وقت تمام اخبارات، رسائل اور دوسرے نشر و اشاعت کے نمائندے موجود ہیں، ان کے فوٹو گرافرز بھی ہیں۔"

عالی جناب نے غصّے سے اٹھ کر سجّاد حیدر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے یہ جراٴت کیسے کی، کس سے پوچھ کر اخبار والوں کو انوائٹ کیا ہے؟"

"جناب! اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ ٹریننگ کے دوران جو سکھایا گیا ہے، جو پڑھایا گیا ہے، میں نے اسی پر عمل کیا ہے۔"

"یو نان سنس، کیا تم جانتے ہو، میری ایک جنبشِ قلم سے تمہاری ملازمت جا سکتی ہے، تمہاری وردی اُتر سکتی ہے؟"

"جناب! میں سلطان ٹیپو شہید کی بات کو اپنے الفاظ میں دُہراتا ہوں۔ ایک بے ایمان افسر کی سو سالہ سروس سے ایماندارانہ افسری کا ایک دن قابلِ فخر ہوتا ہے۔ مجھے اجازت دیجیے، میں مسٹر شاہ کو حراست میں لینے کے لیے باہر جا کر انتظار کروں گا۔"

عالی جناب! اچانک خاموش ہو گئے۔ گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے سجّاد حیدر کو دیکھنے لگے۔ وہ سمجھ گئے تھے، یہ نوجوان نہ تو اپنی ملازمت کی پروا کرے گا، نہ

رشوت اور دستِ غیب سے آنے والی دولت کے دباؤ میں آئے گا۔ اسے ایسی سزا کا بھی خوف نہیں ہے، جو اعلیٰ افسر کی نافرمانی کے باعث ملتی ہے۔ میں کیا کروں؟ اس چھوکرے نے تو مجھے دیکھتے ہی دیکھتے بے لبس کر دیا ہے۔ میں عالی جناب ہوں، میرے ہر حکم کی تعمیل ہوتی ہے، یوں تو کوئی بھی افسر اپنے ماتحت سے اپنے احکامات کی تعمیل کرا سکتا ہے لیکن میرا مان، مرتبہ کچھ اور ہے، میں خود مختار ہوں، میرے ناجائز احکامات کی بھی تعمیل ہوتی ہے اور یہ نیا رنگروٹ میرے حکم سے انکار کر رہا ہے۔

انہوں نے اپنے مخصوص رعب اور دبدبے سے کہا۔ "مسٹر رانا! میں تمہیں پندرہ منٹ کی مہلت دے رہا ہوں، اس نوجوان کو سمجھاؤ۔ کوئی ایسا راستہ اختیار کرو کہ پریس کے ذریعے شاہ جی اور محکمے کی بدنامی نہ ہو، میں ابھی آرہا ہوں۔"

وہ ڈرائنگ روم سے چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد دونوں افسر ذرا ایزی ہو گئے۔ رانا نے کہا۔ "سجاد! تھوڑی سی لچک پیدا کرو۔ عالی جناب کی بات مان لو۔"

"سر! تھوڑی سی لچک آپ کے کہنے پر پیدا کروں۔ تھوڑی سی لچک عالی جناب کے حکم پر ہونا چاہیئے۔ یہ ہمارے شاہ جی، سب سے اعلیٰ افسر رہ چکے ہیں، کچھ ان کی خدمات کا خیال کرتے ہوئے لچک پیدا کرنا چاہیئے۔ اس طرح لچک ہی لچک میں پورے کیس کی صورت بگڑ کر رہ جائے گی اور یہی ہوتا آرہا ہے، کیا آپ بھی مجھے یہی کرنے کا حکم دیں گے؟"

"میں تمہیں زیادہ مجبور نہیں کروں گا۔ عالی جناب چاہتے ہیں، شاہ جی ملزم کی حیثیت سے اخبارات میں نہ آئیں، ان کی بدنامی نہ ہو، کیا حرج ہے، اگر ہم انہیں بدنامی سے بچالیں اور تمہارا کیس بھی مکمل ہو جائے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ تم نے ساحرہ کے بیانات قلمبند کرائے ہیں، وہاں جتنے افراد تھے، سب نے اعتراف کیا ہے کہ شاہ جی انہیں اس کوٹھی میں لے کر آئے تھے، اس طرح ان کا تعلق بدنام زمانہ اسمگلر حشمت نواز سے ظاہر ہو جاتا ہے پھر شاہ جی تحریری بیان دیں گے کہ ان سے ایسی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور انہی غلطیوں کے نتیجے میں وہ استعفا پیش کر رہے ہیں۔"

"ان پریس والوں کا کیا ہوگا، جو ابھی کوٹھی میں موجود ہیں، میرا انتظار کر رہے ہیں اور اُن ہی کی تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"ابھی تم نے یہ نہیں بتایا ہے کہ ساحرہ نے اور وہاں موجود افراد نے کیا بیان دیا ہے۔ انہوں نے اپنے طور پر پوچھ گچھ کی ہو، یہ الگ سی بات ہے لیکن تم نے تو اعتراف نہیں کیا ہے۔"

"ہاں، ابھی میں نے پریس والوں کے سامنے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے۔"

"تم یہ ساری باتیں، یہ سارے تحریری بیانات چھپا سکتے ہو۔ پریس والوں کے علم میں نہ لاؤ۔ ان کے سامنے باتیں بنائی جا سکتی ہیں، کوٹھی اس اسمگلر کی ہے، اسے اس نے کرائے پر دیا تھا۔ ساحرہ وہاں پر رہتی تھی، ساحرہ کس کے ساتھ رہتی تھی، یہ بات بھی بنائی جا سکتی ہے۔ وہ کرائے دار کی حیثیت سے وہاں رہتی تھی۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ کوٹھی میں تہ خانہ بھی ہے اور اس تہ خانے میں اسلحے کا ذخیرہ بھی۔"

سجاد حیدر نے کہا۔ "آپ جو لائن دے رہے ہیں، اس کے بعد شاہ جی اپنے بچوں کے ساتھ صاف بچ نکلیں گے۔ اسمگلر حشمت نواز ملزم کی حیثیت سے اخبارات میں آئے گا لیکن وہ بھی پکڑا نہیں جائے گا کیونکہ ملک سے باہر ہے اور جب تک واپس آئے گا، اس کیس کی فائل منوں فائلوں کے نیچے دب کر رہ جائے گی۔ اب واضح طور پر سمجھ میں آرہا ہے کہ ہمارے ہاں بڑے بڑے مجرم اور بڑے بڑے صاحب لوگ گرفتار کیوں نہیں ہوتے۔"

عالی جناب پندرہ منٹ کے بعد ڈرائنگ روم میں آئے تو رانا شمشاد علی نے انہیں بتایا کہ کس طرح شاہ جی کو اور محکمے کو بدنامی سے بچایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے تمام باتیں سُننے کے بعد کہا۔ "مسٹر شاہ! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ ان کے ساتھ جاؤ، تحریری بیان میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرو اور استعفا پیش کر دو، یہ ہمارا وعدہ ہے کہ اس کیس کے سلسلے میں تمہارا نام نہیں آئے گا۔"

شاہ جی چپ چاپ اٹھ کر الرٹ ہو گئے پھر دونوں افسروں کے پیچھے پیچھے ایک مجرم کی طرح سر جھکا کر جانے لگے۔

ساحرہ جیپ کی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سجاد حیدر ڈرائیو کر رہا تھا، پیچھے سپاہی موجود تھے۔ اس کی حیثیت ملزمہ کی نہیں تھی۔ اس کے باوجود اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے آس پاس سے گزرنے والے اُسے پولیس کی حراست میں دیکھ رہے ہیں۔

اُس نے سر پر رکھے ہوئے آنچل کو سامنے گھونگٹ کی طرح کھینچ لیا۔ سجاد نے کن انکھیوں سے دیکھا، پھر پوچھا" کیا تم ہمارے درمیان توہین محسوس کر رہی ہو؟"

"کیا پولیس والوں کے ساتھ جانا اچھی بات ہے؟"

"تمہاری زندگی پولیس والوں میں گزرتی آئی ہے، آج نئی بات تو نہیں ہے۔ ہاں، اگر آنچل کو گھونگٹ بناؤ گی، اپنا منہ چھپاؤ گی تو گزرنے والے تمہیں ملزمہ سمجھیں گے۔"

اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اُس نے آنچل کو پھر سر پر درست کرنا چاہا مگر رُک گئی۔ وہ سجاد کی بات سے انکار نہیں کرنا چاہتی تھی اور اس کی بات ماننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اونہہ، یہ ہوتا کون ہے۔ میں اس کی بات کیوں مانوں؟

سجاد نے کہا" میں نے تمہارے پاپا کو فون کر دیا ہے، وہ خوش ہو رہے تھے، تمہاری ممی مجھے دعائیں دے رہی تھیں۔"

وہ خاموش رہی۔ اُس سے بولنا نہیں چاہتی تھی۔ اندر کوئی انجانا سا خوف تھا کہ بات کرے گی تو پھر بات کرنے کو جی چاہتا رہے گا۔

گاڑی چلتے چلتے رُکنے لگی۔ کچھ خرابی پیدا ہو رہی تھی۔ سجاد نے ماہرانہ ڈرائیونگ کا ثبوت دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ایک جگہ وہ رُک گئی۔ ایک سپاہی نے

اُترتے ہوئے کہا" جناب! میں دیکھ رہا ہوں۔"

وہ گاڑی کو چیک کرنے لگا۔ سجاد نے جیپ سے اتر کر ساحرہ سے کہا" میرا خیال ہے، تم اسی علاقے میں رہتی ہو؟"

"جی ہاں، اس میدان کے اس پار ہماری کوٹھی ہے۔"

سپاہی نے کہا" جناب، گاڑی ٹھیک ہو جائے گی مگر دیر لگے گی۔"

ساحرہ نے کہا" آپ کا شکریہ، میں پیدل چلی جاؤں گی۔"

"تنہا نہیں جاؤ گی، تمہیں گھر تک پہنچانا میری ڈیوٹی ہے۔ چلو، میں ساتھ چلتا ہوں۔"

وہ آگے بڑھ گئی۔ یہ اس کے پیچھے چلتا رہا، پھر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ میدان سے گزر رہے تھے۔ ساحرہ کو یاد آ رہا تھا، یہی وہ جگہ ہے جہاں سے اُسے اور نادر کو اغوا کیا گیا تھا۔ یہ کل کی بات تھی مگر برسوں کی بات لگتی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ایک زمانے کے بعد اپنے ماں باپ سے ملنے جا رہی ہو۔

سجاد نے کہا" تمہاری ممی بہت اچھی ہیں۔ مجھے دُعائیں دے رہی تھیں۔ تم تو دُعائیں بھی نہیں دیتیں، خاموش رہتی ہو، کیا میں اتنا بُرا ہوں؟"

ساحرہ نے کہا" میری سمجھ میں نہیں آتا، مجھے آپ سے کیا گفتگو کرنا چاہئے۔ آپ ایک پولیس افسر ہیں، اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔ مجھے گھر تک چھوڑ کر چلے جائیں گے۔"

"میں صرف پولیس افسر ہی نہیں، ایک انسان بھی ہوں اور انسان کی حیثیت سے کام آ سکتا ہوں۔"

"شکریہ، میں دُعا کروں گی، کسی پولیس والے سے کام نہ پڑے۔"

"کیا تم نادر سے ملنا چاہتی ہو؟"

اُس نے چلتے چلتے چونک کر اُسے دیکھا۔ اُس کی رفتار سست پڑ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اب تو نادر خواب ہو جائے گا۔ دونوں گھروں کے درمیان اتنی کشیدگی ہے کہ مجھے اس سے ملنے کی اجازت نہیں ملے گی۔

سجاد نے پوچھا" کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ خیالات سے چونک گئی، پھر بولی "بہت بُرا ہوا۔ پاپا نے انکل کے خلاف سازش کی۔ انکل نے پاپا کے خلاف سازش کی مگر نقصان ہمارا ہوگا۔ مجھے نادر سے ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

"فون پر بات کر سکتی ہو۔"

"آپ نہیں جانتے، فون کو لاک کر دیا جائے گا۔ مجھے ایسے کمرے میں رکھا جائے گا، جہاں سے نادر کی کوٹھی بھی نظر نہیں آئے گی، نہ وہ نظر آئے گا، نہ اُس کی آواز سُنائی دے گی۔ سُنا ہے، آپریشن ہو رہا تھا۔ پتا نہیں، وہ کیسا ہوگا، کس حال میں ہوگا، مجھے یاد کر رہا ہوگا، ابھی اُسے میری ضرورت ہے۔"

"تم ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ اپنے والدین کو ناراض کر کے اُس سے ملنے نہیں جا سکتیں، اگر چاہو تو میں اس سے ملوں گا اور تمہیں اس کے حالات بتاؤں گا۔"

"ویری نائس آف یو لیکن مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔ آپ میرے لیے زحمت اٹھائیں گے۔"

"اگر یہ زحمت آپ کے لیے باعثِ رحمت ہے تو مجھے خوشی ہوگی۔"

ساحرہ نے ایک گہری سانس لی پھر اتنی دیر بعد مُنہ پر پڑے ہوئے آنچل کو درست کر کے سر پر رکھا۔ اب گھونگٹ میں چھپی ہوئی گوری کا مکھڑا نظر آ رہا تھا۔ سجاد مسکرانے لگا۔

وہ کوٹھی کے احاطے میں پہنچے۔ اُس کی مّمی اور پاپا برآمدے میں کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی خوشی سے آگے بڑھے۔ اس کی مّمی تو جیسے خوشی سے دیوانی ہو رہی تھیں، تیزی سے چلتے ہوئے آئیں پھر بیٹی کو گلے لگا کر رونے لگیں۔ مرزا صاحب نے بڑی گرم جوشی سے سجاد کا ہاتھ تھام لیا پھر بڑی محبت اور عقیدت سے بولے۔

"آپ نے تو کمال کر دیا۔ اتنی جلدی میری بیٹی کو ڈھونڈ نکالا۔ اسے یہاں لے بھی آئے۔ میں یہ ضرور معلوم کرنا چاہوں گا، آپ میری ساحرہ تک کیسے پہنچ گئے؟"

وہ ان کے ساتھ برآمدے تک چلتے ہوئے بولا "کل نادر نے حشمت نواز کی کوٹھی کے احاطے میں فائرنگ کی تھی۔ سُنا ہے، ایک کتّے کو اور چار پرندوں کو مارا تھا لیکن اس کی فائرنگ سے علاقے میں دہشت پھیل گئی تھی۔ وہاں کروڑپتی اور

ارب پتی لوگ رہتے ہیں۔ انہوں نے پولیس اسٹیشن میں فائرنگ کی رپورٹ درج کرائی۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ بدنام زمانہ اسمگلر کی کوٹھی ہے اور وہاں سے فائرنگ ہوئی ہے تو میں نے ایک سب انسپکٹر کو مزید معلومات کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ کوٹھی کے اطراف پولیس کا پہرا ہے۔ وہ سب انسپکٹر شاہ جی کے سیکیورٹی آفیسر کو پہچانتا تھا۔ جب اس نے اس کا نام بتایا تو ساری باتیں کھل کر سامنے آنے لگیں۔ جس سیکیورٹی آفیسر کو شاہ جی کی کوٹھی میں ہونا چاہیئے، وہ ایک اسمگلر کی کوٹھی میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ تھا۔ میں نے پچھلی رات ایک حوالدار کو سادے لباس میں وہاں ڈیوٹی دینے کے لیے کہا۔ وہ صبح تک نگرانی کرتا رہا۔ پھر اس نے فون پر بتایا کہ شاہ جی کا بیٹا یا بیٹی جوگنگ کے لباس میں نظر آ رہا ہے۔ بس اتنی ہی معلومات کافی تھیں۔ میں سمجھ گیا، اگر شاہ کا بیٹا اغوا ہونے کے بعد کسی اسمگلر کی کوٹھی میں سیکیورٹی گارڈ کے ساتھ رہ سکتا ہے تو یقیناً ساحرہ کو بھی وہیں رکھا گیا ہوگا۔"

وہ برآمدے میں آئے۔ پھر وہاں سے گزر کر ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ مرزا صاحب نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا پھر پوچھا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہمارے بچے اغوا کیے گئے ہیں؟"

"مرزا صاحب! پچھلی رات میں نے ہی دو بجے آپ کو فون کیا تھا اور آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ اپنی بیٹی کے اغوا کی رپورٹ تھانے میں درج کرائیں۔"

"اچھا تو وہ آپ نے فون کیا تھا؟"

"جی ہاں، اور آپ نے میرے مشورے پر عمل کیا جس کے نتیجے میں مس ساحرہ آپ کے پاس موجود ہیں۔

مرزا صاحب نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا "جوان! تم بہت ترقی کرو گے۔ مجھے رانا شمشاد علی نے تمہارے متعلق بہت کچھ بتایا ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تمہیں کیا انعام دینے والا ہوں۔ یہ نہ سمجھو کہ تم نے صرف ایک لڑکی کو ڈھونڈ کر اس کے والدین تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے پیچھے تم نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ایک خاندان کو بدنامی اور رُسوائی سے بچایا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ شاہ جی جیسے مُنہ زور اور شہ زور افسر کو ایسی شرمناک شکست دی ہے کہ اب وہ

کبھی آنکھیں ملا کر مجھ سے بات نہیں کر سکے گا۔ سب سے اہم بات یہ کہ مجھے اس چھوکرے سے نجات مل گئی۔ جو نہ تو چھوکرا ہے نہ چھوکری۔ لعنت ہے اس پر۔"

ساحرہ نے جھینپتے ہوئے سجّاد کو دیکھا۔ سجّاد بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملتے ہی نظریں جھک گئیں۔ مرزا صاحب نے ایک چابی جیب سے نکال کر اس کے سامنے جھلاتے ہوئے کہا۔ "میں یہ چابی تمہیں انعام کے طور پر دینا چاہتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "یہ کیسی چابی ہے؟"

وہ بڑی شان سے مسکراتے ہوئے بولے۔ "میرے پاس دو گاڑیاں ہیں۔ ایک گاڑی فاضل رہتی ہے۔ زیادہ قیمتی تو نہیں ہے۔ دو لاکھ پچاس ہزار کی ہے۔ یہ میں تمہیں انعام کے طور پر دے رہا ہوں۔"

سجّاد اس چابی کو دیکھنے لگا۔ وہ اس کی نگاہوں کے سامنے جھول رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "عوام کے خدمت گار کو اگر عوام میں سے کوئی انعام دے تو وہ رشوت ہوتی ہے۔ سرکار انعام دے تو اس کے لیے بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ آپ اسے جیب میں رکھ لیں۔ آئندہ مجھے رشوت دینے کی نادانی نہ کریں۔"

مرزا صاحب حیرانی سے اس کا مُنہ تک رہے تھے۔ ایسی بات نہیں تھی کہ پولیس والے ایماندار نہیں ہوتے۔ یقیناً ہوتے ہیں مگر ان سے پہلا ایماندار افسر ٹکرایا تھا۔ اسی لیے وہ حیران تھے اور بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔ بیگم نے کہا۔ "بیٹے! انعام دینے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم رشوت دے رہے ہیں۔ یوں سمجھو، ہم اپنی خوشی پوری کر رہے ہیں۔"

"آپ لوگوں نے اپنی خوشیاں پوری کرتے کرتے ہمارے ڈیپارٹمنٹ کو رشوت کی بیماری لگا دی ہے۔ آپ میرے بزرگ ہیں پلیز، اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔ ورنہ میں آپ کو رشوت دینے کے الزام میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

مرزا صاحب نے جلدی سے چابی جیب میں رکھ لی۔ پھر کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے، اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولے۔ "شاباش، جوان! تم سچے سپاہی اور محب وطن ہو۔ آج کے دَور میں لوگ دولت کے حصول اور دولت کی نمائش میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں اور تم نے دو لاکھ پچاس ہزار کی کار لینے

سے انکار کر دیا ہے۔ رشوت لینے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر شرم سے مر جانا چاہیئے۔"

بیگم انہیں گھور کر دیکھ رہی تھیں کیونکہ رشوت کی بدولت ہی مرزا صاحب کا شمار امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ سجّاد نے کہا۔ "مرزا صاحب! آپ میری ایک بات مانیں گے۔"

"ایک نہیں، ہزار مانوں گا۔ تم کہو تو سہی۔"

"آپ شاہ جی سے دشمنی ختم کر دیں۔"

انہوں نے چونک کر پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

ساحرہ خوش ہو کر سجّاد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں آپ کی بیٹی کا بیان پڑھ چکا ہوں۔ اس بیان کے مطابق صرف شاہ جی نہیں، آپ بھی مجرم ٹھہرائے جائیں گے۔ اگر میں شاہ جی کو حوالات پہنچاتا تو آپ بھی وہاں نظر آتے لیکن اوپر سے حکم صادر ہوا ہے کہ شاہ جی کے خلاف مقدمہ قائم نہ کیا جائے، بات دبا دی جائے۔ ہم نے ان سے غلطیوں کا اعتراف نامہ اور استعفا لکھوا لیا ہے۔ چونکہ وہ بچ گئے لہٰذا ان کے طفیل آپ بھی محفوظ ہیں۔ آپ دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ لہٰذا دوستی رہے تو بہتر ہے۔ دشمنی سے ایک کو نہیں، سب کو نقصان پہنچتا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے، میں اسے کبھی مُنہ نہیں لگاؤں گا۔"

"میں نے تو درخواست کی ہے۔ آگے آپ کی مرضی ہے۔"

ملازم چائے کی ٹرے لے آیا۔ بیگم نے کہا۔ "آؤ بیٹے، بیٹھو۔ باتیں ہوتی رہیں گی، چائے پیئو۔"

"سوری، میں ڈیوٹی پر ہوں۔"

"تو کیا ہوا؟"

"میں یہ وردی کسی کے گھر جا کر کھانے پینے کے لیے نہیں پہنتا۔"

"مگر بیٹا! ایک چائے کی پیالی سے کیا ہوتا ہے؟"

"رشوت کی ابتدا اکثر چائے کی پیالی سے ہی ہوتی ہے۔ مجھے اجازت دیجیے۔"

وہ جانے لگا، پھر رُک کر بولا۔ "مس ساحرہ! میں اس کیس کے سلسلے میں پھر آپ کو زحمت دُوں گا، چونکہ تھانے میں آپ کو بلانا مناسب نہیں ہے۔ اِس

لیے خود حاضر ہو جاؤں گا۔"

وہ جانے لگا۔ جب دروازے پر پہنچا تو ساحرہ نے آواز دی۔ "سُنیے!"

افسر کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی۔ وہ رُک گیا۔ پھر اس نے گھوم کر دیکھا۔ وہ اس کی طرف آتے ہوئے بولی۔ "میں صبح سے دیکھتی آ رہی ہوں، آپ کبھی نرمی سے، کبھی سختی سے قانون کی بالادستی قائم رکھتے ہیں۔ بہت اصول پرست ہیں لیکن آپ اس وردی سے الگ ایک انسان بھی ہیں۔ میں یہی پوچھنا چاہتی ہوں، آپ پولیس آفیسر کب نہیں ہوتے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "جب میں ڈیوٹی پر نہیں ہوتا۔"

"آپ ڈیوٹی پر کب نہیں ہوتے ہیں؟"

اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میری ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔"

"جب آپ ڈیوٹی پر نہ ہوں تو میری خواہش ہے کہ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور ایک رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔"

وہ کچھ کہنے جا رہا تھا۔ ساحرہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "دیکھیں، انکار نہ کریں۔ آپ نے مجھے صحیح سلامت اور عزت آبرو کے ساتھ میرے گھر پہنچایا ہے۔ میں اس خوشی میں اپنے تمام عزیزوں کو دعوت دینا چاہتی تھی لیکن نہیں دوں گی۔ میرے اغوا ہونے کے بعد اپنے ہی رشتے دار باتیں بنائیں گے۔ ایک آپ ہی ایسے ہیں، جن کے ساتھ ایک شام گزار کر خوشی محسوس کروں گی۔ کیا آپ مجھے یہ خوشی نہیں دیں گے؟"

اس نے ایک گہری سانس لی، پھر کہا۔ "مجھے خوشی بھی ہوگی۔ میں آپ کو فون پر بتاؤں گا۔"

وہ مرزا صاحب اور ان کی بیگم کو سلام کر کے جانے لگا۔ ساحرہ دروازے پر کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ مرزا صاحب نے کہا۔ "یہ ڈی ایس پی کام کا آدمی ہے مگر ہاتھ نہیں آ رہا ہے۔ ابتدا میں ہر شخص ایماندار بنتا ہے۔ بیٹی! یہ تم نے اچھا کیا، اسے کھانے پر بلا لیا۔ ایک بار اپنے گھر کا نمک کھانے دو، پھر میں نمک سے رفتہ رفتہ اسے کار کی چابی تک پہنچا دوں گا۔"

ساحرہ نے انہیں ناگواری سے دیکھا۔ ان سے دُور ہو گئی، پھر کہا۔ "میں سجاد صاحب کو اس گھر کا کھانا نہیں کھلاؤں گی، کسی ہوٹل میں لے جاؤں گی۔"

بیگم نے کہا۔ "ہائے ہائے بیٹی! کیا تمہیں باہر کی ہوا لگ گئی ہے؟"

"میں آپ کی وہ بیٹی نہیں ہوں جو یہاں سے گئی تھی۔ میں وہ ہوں جسے غنڈے لے گئے تھے۔ میں جرائم کی دنیا میں سانس لے رہی ہوں۔ مجھے باہر کی ہوا پاپا نے لگائی ہے۔ کیوں پاپا! میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "..... مگر کسی پولیس افسر کے ساتھ ہوٹل میں جا کر کھانا مناسب نہیں ہے۔"

"کیا آپ نے جو کیا تھا، وہ مناسب تھا؟ جو والدین مناسب اور نامناسب کو نہیں سمجھ سکتے، وہ اپنی اولاد کو کیا سمجھائیں گے۔ میری نظر میں آپ لوگوں کی عزت ہے، احترام ہے لیکن آپ لوگوں کی نصیحتیں اور مشورے ناقابلِ قبول ہیں۔"

وہ پلٹ کر اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔ سوچنے لگی "یہ میں نے اچھا کیا جو باغیانہ انداز میں گفتگو کی۔ آخر میرے پاس بھی سوچنے سمجھنے والا دماغ ہے۔ اپنا اچھا بُرا سمجھ سکتی ہوں۔ میں سجاد صاحب کے ساتھ ضرور کسی ہوٹل میں ڈنر کے لیے جاؤں گی۔ اغوا ہونے کے بعد بدنام ہونے والی ہوں یا ہو رہی ہوں۔ پھر کسی کے ساتھ باہر جانے سے کیا فرق پڑے گا۔ بائی دی وے، اگر میں ایسا انداز اپناتی رہی تو اس میں میرا فائدہ ہے۔ میں نادر سے بھی مل سکتی ہوں۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں آئی۔ پھر دروازے کو اندر سے بند کر دیا تاکہ والدین نصیحت کرنے کے لیے نہ آ سکیں۔

شاہ جی کی کوٹھی قدرے ویران سی لگتی تھی۔ وہاں پہلے جیسی رونق نہیں تھی۔ اب بڑے گیٹ کے پاس مسلح سپاہی نظر نہیں آتے تھے۔ ملازمت ختم ہو چکی تھی، حفاظتی انتظامات بھی ختم ہو گئے تھے۔ اب ایک چوکیدار تھا جو رات کو نظر آتا تھا۔ اندر ایک مالی تھا اور کچن میں ایک باورچی۔ کوئی وہاں کچھ لینے آتا تھا نہ دینے۔ ہزار سے لاکھوں تک کے لین دین کا کھاتہ بند ہو چکا تھا۔

وہ ہر روز وردی پہن کر بڑی شان سے نکلا کرتے تھے۔ استعفا دے کر پہلی بار شلوار قمیض پہن کر باہر نکلے تو یوں لگا، جیسے وہ ایک غبارہ تھے جس کی ہوا نکل گئی ہے۔ کوٹھی کے برآمدے کے پاس مالی کھڑا ہوا تھا۔ انہیں اور بیگم صاحبہ کو دیکھتے ہی جھک کر سلام کرتے ہوئے بولا "صاحب! ہم نے نادر صاحب کے لیے ایک نیا پودا لگایا ہے۔"

اپنے بیٹے کا نام سن کر میاں بیوی رک گئے۔ بیگم نے پوچھا "کون سا پودا ہے؟"

اس نے ایک گملے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "پرسوں ہم کو معلوم ہوا کہ چھوٹے صاحب کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے۔ وہ ایک نئی زندگی گزارنے والے ہیں۔ ہم نے ان کی نئی زندگی کے نام اس گملے میں ایک بیج بو دیا تھا۔ یہ دیکھ لیں، بیج پھوٹ چکا ہے۔ مٹی کے اندر سے پودا سر نکال رہا ہے۔"

دونوں میاں بیوی نے گملے کے قریب آ کر دیکھا۔ نئی کونپل پھوٹ رہی تھی گملے کے اندر جو مٹی کی سطح تھی، اس میں آدھے انچ کے برابر پودا نکل آیا تھا۔

بیگم نے پوچھا "یہ کس پھول کا پودا ہے؟"

مالی نے سر کھجاتے ہوئے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی، پھر کہا "نرسری کے مالک نے اس کا انگریزی نام بتایا تھا۔ ہم کو یاد نہیں ہے۔ ہم پھر پوچھ کر بتا دیں گے۔"

شاہ جی نے کہا "تم نے اسے بیٹے کے نام پر لگایا ہے تو اس کی دیکھ بھال کرنا، پانی دیتے رہنا۔"

وہ بیگم کے ساتھ آ کر کار میں بیٹھ گئے۔ پہلے سرکاری ڈرائیور تھا۔ اب انہیں خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنا پڑا۔ پہلے بڑا گیٹ سپاہی کھولتے تھے۔ اب مالی نے دوڑ کر اس گیٹ کو کھولا۔ انہیں قدم قدم پر اپنے زوال کا احساس ہو رہا تھا۔ اقتدار چھن گیا تھا۔ پہلے جیسی شان و شوکت نہیں رہی تھی۔ اگرچہ اب بھی بیس لاکھ کی کوٹھی، تین لاکھ کی کار اور ملک کے اندر اور باہر لاکھوں روپے کا بینک بیلنس تھا۔ لاہور اور پنڈی میں اچھی خاصی زمینیں تھیں لیکن اقتدار ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر افسرانہ یا حاکمانہ زندگی گزارنے والا خالی ریوالور کی طرح ہوتا ہے جو دھمکی دے سکتا ہے، دھماکہ نہیں کر سکتا۔

وہ سوچ رہے تھے اور کار ڈرائیو کرتے جا رہے تھے۔ بیگم نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "ہم نے سوچا کیا تھا اور کیا ہو گیا؟ خدا کا شکر ہے، ہمارا بیٹا نادر مکمل ہو گیا ہے مگر ہونے والی بہو ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ مرزا صاحب نے وعدہ کیا تھا میڈیکل سرٹیفکیٹ دیکھنے کے بعد شادی کر دیں گے مگر اب وہ نہیں کریں گے۔"

"مایوس کیوں ہوتی ہو، ذرا میڈیکل سرٹیفکیٹ تو ملنے دو۔ میں مرزا سے بات کروں گا۔"

"آپ ان سے کچھ نہ کہیں۔ ان کے تو مزاج ہی بدل گئے ہیں۔ میں نے فون پر بات کی تھی۔ انہوں نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا کہ آئندہ ہم ان سے فون کے ذریعے بھی رابطہ نہ رکھیں۔"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"بتا کر کیا کرتی۔ اب آپ کے ہاتھ میں کیا رہا ہے۔ کہیں آپ کی بات سنی نہیں جاتی، کہیں آپ کا حکم مانا نہیں جاتا۔ آپ مایوس اور دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔

اچانک دردِ سر میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بُخار چڑھتا اُترتا رہتا ہے۔ میں آپ کو صدمہ پہنچانا نہیں چاہتی مگر بیٹے کے معاملے میں چُپ بھی نہیں رہ سکتی۔"

انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "ہمارے بیٹے کی خواہش ضرور پوری ہوگی۔ ساحرہ بہو بن کر ضرور آئے گی۔ کیا ہوا کہ میں افسر نہیں رہا۔ میری طاقت مجھ سے چھین لی گئی ہے لیکن برسوں کی ملازمت نے طرح طرح کے ہتھکنڈے سکھا دیئے ہیں۔ میں مرزا کو مجبور کر دوں گا۔"

وہ اسپتال پہنچ گئے۔ نادر کو اسپیشل وارڈ کے ایک اسپیشل کمرے میں رکھا گیا تھا۔ اگر وہ بدستور افسر رہتے، ملازمت بحال رہتی تو وہاں ان کا بیٹا مفت رہ سکتا تھا۔ اب بھی کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ دولت بے انتہا تھی اور وہ سب بیٹے کے لیے ہی تھی۔ وہ اپنی بیگم کے ساتھ کمرے کے قریب پہنچ کر رُک گئے۔ اندر سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے کھڑکی کے پاس جا کر پردے کو ذرا سا ہٹایا۔ اندر ساحرہ نظر آ رہی تھی۔ دونوں خوشی سے کھِل گئے۔ شاہ جی اندر جانا چاہتے تھے۔ بیگم نے ہاتھ پکڑ لیا۔ "انہیں باتیں کرنے دیجئے۔ ہم یہاں انتظار کریں گے۔"

وہ مسکرا کر رہ گئے۔ نادر بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے اوپر چادر پڑی ہوئی تھی۔ ساحرہ جب سے آئی تھی، ناراضگی ظاہر کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "پاس آ کر بیٹھو۔ پھر بتاؤ، تمہیں کیا شکایت ہے۔"

وہ کُرسی کھینچ کر قریب بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "کیا مجھ سے واقعی محبت کرتے ہو؟"

"کیا تمہیں شُبہ ہے؟"

"پھر شبّو کے کوارٹر میں کیا کر رہے تھے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں صبح جوگنگ کرتے ہوئے اُدھر چلا گیا تھا۔ پتا نہیں، کم بخت نے کس طرح ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں رہا، جب ہوش میں آیا تو اسپتال میں پڑا ہوا تھا۔"

"تم کب تک ہوش میں نہیں آؤ گے۔ جب وہ تمہیں دیوانہ بنا سکتی ہے تو میری کیا ضرورت ہے؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا وہ ہماری سطح کی عورت ہے۔ کیا تم اس سے اپنا مقابلہ کر

رہی ہو۔ تم آسمان ہو۔ وہ زمین کی خاک ہے۔"

"اور تم خاک چاٹنے گئے تھے؟"

"مجھے طعنے نہ دو۔ میں نادم ہوں۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ پہلے میں اپنی تکمیل کے لیے بھٹک رہا تھا۔ اب میں مکمّل ہو چکا ہوں۔ نادر کی ایک نئی شخصیّت اختیار کر چکا ہوں اور ڈاکٹر اس بات کا سرٹیفکیٹ دیں گے۔"

"میں اس نئی زندگی کی مبارک باد دیتی ہوں لیکن اب پاپا ہمارا رشتہ کبھی نہیں کریں گے۔"

"میں ان سے التجا کروں گا۔ ہاتھ جوڑ کر تمہیں مانگ لوں گا۔"

"بہت مشکل ہے۔ وہ تمہاری ممی اور ڈیڈی سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے، پہلے وہ انکل کے عہدے سے مرعوب تھے۔ ان کے دباؤ میں تھے۔ اب چونکہ وہ افسر نہیں رہے۔ اس لیے پاپا کسی کے دباؤ میں نہیں آئیں گے۔ مجھ پر پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کس طرح یہاں ملنے آئی ہوں۔"

"ارے ہاں، یہ تو میں پوچھنا ہی بھول گیا۔ تم اکیلی کیسے آ گئیں؟"

"سجّاد صاحب کے ساتھ آئی ہوں۔"

"سجّاد! یہ کون ہے؟"

"ڈی۔ ایس۔ پی سجّاد حیدر۔"

نادر کے چہرے پر ایک [illegible] سا گزر گیا۔ اس نے ناگواری سے پوچھا۔ "کیا وہی ڈی۔ ایس۔ پی جو میرے ڈیڈی کے زوال اور تباہی کا سبب ہے۔"

"سجاد صاحب قوانین پر عمل درآمد کے قائل ہیں۔ سخت اصول پرست ہیں۔ انہوں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

"ان کے بڑے گُن گا رہی ہو، کیا بات ہے؟"

"تمہیں صرف اپنے متعلق سوچنا چاہیئے۔ اگر تم اس کوٹھی کے احاطے میں فائرنگ نہ کرتے اور یہ رپورٹ تھانے تک نہ پہنچتی تو سجّاد صاحب کو بھی ہمارے متعلق کچھ معلوم نہ ہوتا۔ جب معلوم ہو گیا تو وہ ایک پولیس افسر ہونے کے ناتے کس طرح آنکھیں بند کر سکتے تھے۔ ہمیں کس طرح نظر انداز کر سکتے تھے۔"

"انہیں ہمارے خلاف جو کرنا تھا سو کر لیا مگر میں دیکھ رہا ہوں، تم سے اچھی خاصی

انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے۔"

"ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے پاس نہ ہوتی۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ سجاد صاحب تمہیں مجھ سے ملانے لائے ہیں۔"

"یہی بات ہے۔ مجھ پر بڑی پابندیاں ہیں لیکن پاپا نے سجاد صاحب کے بھروسے پر مجھے گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے۔"

"کیا تمہارے پاپا کو معلوم ہے کہ تم مجھ سے ملنے آئی ہو؟"

"معلوم ہوتا تو وہ کبھی نہ آنے دیتے۔"

"سجاد صاحب جوان ہیں یا بوڑھے؟"

"یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے، بوڑھے ہیں تبھی ان کے ساتھ آنے کی اجازت دی گئی ہے۔"

"وہ نوجوان ہیں، ہینڈسم اور اسمارٹ بھی ہیں۔"

نادر کو چپ لگ گئی۔ وہ ایک ٹک ساحرہ کو تکنے لگا۔ اس نے پوچھا "ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"سوچ رہا ہوں، صرف ماں باپ نے پٹری بدلی ہے یا تم بھی بدل رہی ہو؟"

"فضول باتیں کر رہے ہو۔ انہوں نے ہمارے کیس کو آفس فائل تک محدود کر دیا تھا۔ ورنہ ہم عدالتوں میں گھسٹتے پھرتے، بدنامی الگ ہوتی۔ میں نے احسان مندی کے طور پر انہیں کھانے کی دعوت دی۔ یہاں سے جا کر کسی ہوٹل میں کھانا کھاؤں گی۔"

نادر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "پھر اسی طرح ملنے ملانے کا سلسلہ جاری رہے گا۔"

"تم طنزیہ انداز میں کہہ رہے ہو اور میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھوں گی، جب تک مسٹر سجاد میری اور تمہاری ملاقات کا ذریعہ بنتے رہیں گے۔"

"میں دشمن کے ذریعے محبت کی بھیک نہیں لوں گا۔"

"محبت دینے والا نہ تو بھیک دیتا ہے، نہ دشمن ہوتا ہے۔ جو ذریعہ میں نے

اختیار کیا ہے، اسے تو رہنے دو۔ اگر تم انکار کرو گے تو میں گھر میں بیٹھ جاؤں گی۔ انتظار کروں گی کہ تم کوئی معقول تدبیر سوچو گے اور مجھ سے مل سکو گے یا کم از کم بات ہی کر سکو گے لیکن میں پہلے سے سمجھا دیتی ہوں۔ اتنی سخت پابندیاں ہیں کہ ہم ایک دوسرے کی آواز بھی نہیں سن سکیں گے۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔"

نادر سوچ میں پڑ گیا۔ وہ درست کہہ رہی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی سجاد دشمن ہی سہی لیکن دوستوں سے زیادہ کام آ رہا تھا۔ فی الحال اپنی محبوبہ سے ملنے کی خاطر یہ سمجھوتہ ضروری تھا۔

باہر شاہ جی اپنی بیگم کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر ایک طرف دیکھ کر چونک گئے۔ دُور سے ڈی۔ ایس۔ پی سجاد حیدر آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ وردی میں نہیں تھا۔ سادہ سا لباس پہنے ہوئے تھا۔ سجاد نے انہیں دیکھا تو ٹھٹک گیا۔ پھر مسکرا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "ہیلو مسٹر شاہ!"

شاہ جی نے ناگواری سے کہا "شاید ہمارا کیس ختم ہو چکا ہے اور اگر ہو چکا ہے تو پھر کس سلسلے میں آئے ہو؟"

وہ مسکرا کر بولا "میں ساحرہ کو آپ کے بیٹے کے پاس پہنچا کر گیا تھا۔ اب واپس لینے آیا ہوں۔"

انہوں نے حیرانی اور بے یقینی سے پہلے اس کمرے کی طرف دیکھا جہاں ان کا بیٹا، ساحرہ سے باتیں کر رہا تھا۔ پھر سجاد کو دیکھتے ہوئے پوچھا "میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔ ساحرہ تمہارے ساتھ کیوں آئی ہے؟"

"اس کے والدین آپ لوگوں سے تعلق رکھنا نہیں چاہتے، ساحرہ کو آپ کے بیٹے سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ یہ موقع میں نے فراہم کیا ہے۔"

"مجھے تباہ و برباد کرنے کے بعد میرے بیٹے سے ہمدردی کیوں کر رہے ہو؟"

"مجھے ساحرہ سے ہمدردی ہے۔ میں نے تو ابھی تک نادر کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے۔"

اسی وقت ساحرہ کمرے سے باہر آئی۔ انکل اور آنٹی کو دیکھ کر چونک گئی۔ پھر آگے بڑھ کر سلام کرتے ہوئے بولی "آپ یہاں کب سے کھڑے ہیں؟"

"کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ کیا جا رہی ہو؟"

"جی ہاں، آپ پاپا کا مزاج تو جانتے ہیں۔ میں جھوٹ بول کر آئی ہوں مجھے اجازت دیجیے۔"

انہوں نے جبراً مسکراتے ہوئے اجازت دی لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، جھوٹ بول کر سجاد کے ساتھ کس طرح گھر سے نکل ہے۔ وہ سجاد کے ساتھ جا رہی تھی۔ انہوں نے بیگم سے کہا۔"تم بیٹے کے پاس جاؤ۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

ساحرہ اور سجاد نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اسپیشل وارڈ سے نکلے۔ وہ دُور جاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے انداز سے پتا چل رہا تھا، جیسے ایک دوسرے سے ہنستے ہوئے باتیں کر رہے ہوں۔ یہ حیرت کی بات تھی۔ ان تین دنوں میں ساحرہ اتنی فری ہو گئی تھی کہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں بھی کرنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ گھر سے نکلنے لگی تھی۔ آخر بات کیا تھی؟ چونکہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اس لیے وہ تعاقب کر رہے تھے۔

انہوں نے اسپتال کی عمارت سے باہر آ کر دیکھا، وہ پارکنگ ایریا کے اس حصے میں جا رہے جہاں موٹر سائیکلیں کھڑی ہوتی تھیں۔ انہوں نے سوچا تھا، ساحرہ اپنے پاپا کی شان دار گاڑی میں آئی ہو گی۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ اسے اسٹارٹ کیا۔ پھر انتظار کرنے لگے۔ ذرا سی دیر میں وہ موٹر سائیکل نظر آ گئی۔ سجاد کے پیچھے ساحرہ بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ تو سیدھی سی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھنے والی بے سہارا نہیں بیٹھ سکتی۔ ساحرہ نے سجاد کا سہارا لیا ہوا تھا۔ اس کے بالکل قریب تھی۔ درمیان میں کچھ فاصلہ تھا یا نہیں؟ یہ شاہ جی دیکھ نہ سکے کیونکہ وہ تیزی سے گزر گئے تھے۔ انہوں نے فوراً گاڑی ان کے پیچھے لگا دی۔

ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا جس پر ان کے بیٹے کا حق تھا۔ اسے کوئی اور اپنے ساتھ لگا کر لے جا رہا تھا۔ انہوں نے تیزی سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے موٹر سائیکل سے آگے جا کر ان کا راستہ روک لیا۔ دونوں گاڑیاں رُک گئی تھیں۔ انہوں نے کار سے نکل کر ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔"بھئی ساحرہ! تمہیں بتانا چاہیے تھا کہ گاڑی نہیں ہے۔ میں پہنچا دیتا۔"

ساحرہ نے حیرانی سے پوچھا۔"انکل! آپ ہمارے پیچھے آ رہے تھے؟"

"میں نادر کے لیے دوائیں لینے نکلا تھا۔ ایک دوا اسپتال کے میڈیکل شاپ میں نہیں ملی۔ اس لیے دوسری جگہ جا رہا تھا، تم پر نظر پڑ گئی مگر تم کہاں جا رہی ہو۔ یہ تمہارے گھر کا راستہ تو نہیں ہے؟"

"میں نے سجاد صاحب کو ڈنر کے لیے انوائٹ کیا ہے۔ ہم بیچ لگژری جا رہے ہیں۔"

شاہ جی کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مرزا صاحب اتنے آزاد خیال ہوں گے۔ بیٹی کو رات کے وقت کسی کے ساتھ باہر بھیج دیں گے۔ انہوں نے پوچھا۔"تم اپنی گاڑی میں آ سکتی تھیں۔ کیا یہ موٹر سائیکل تمہارے اسٹیٹس کی چیز ہے؟"

انہوں نے صاف طور پر سجاد کو طنز کا نشانہ بنایا تھا۔ ساحرہ نے ہچکچاتے ہوئے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔"انکل! انہوں نے ہماری شان دار گاڑی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کا خیال ہے، ایسی گاڑیوں میں بیٹھ کر آدمی راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔"

"اور تم ان کے خیال سے متفق ہو۔ بائی دی وے، میں نادر سے کیا کہوں گا؟"

"میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

شاہ جی کو یقین نہیں آیا کہ نادر نے سجاد کے متعلق سُنا ہو اور برداشت کر لیا ہو۔ بہر حال، انہیں چُپ چاپ اپنی کار کی طرف واپس جانا پڑا۔ ابھی استعفا دیئے ہوئے صرف تین دن ہوئے تھے اور دنیا کتنی بدل گئی تھی۔ ان کی کار اب جہاں سے گزرتی، وہاں کوئی سپاہی سلام نہیں کرتا تھا۔ پٹرول پمپ والے پٹرول کے پیسے لینے لگے تھے۔ طویل ملازمت کے دوران ان کی تمام غلطیاں درست سمجھی جاتی تھیں۔ خود وہ بھول گئے تھے کہ غلط کیا ہے؟ صبح وہ بیٹے کے لیے کچھ ضروری سامان خریدنے گئے تو گاڑی غلط جگہ پارک کر دی۔ ٹریفک پولیس کے سارجنٹ نے چالان کر دیا۔ مرزا صاحب نے پہلے ہی دن طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لی تھیں۔ اب ان کی صاحب زادی آنکھوں کے سامنے ایک معمولی ڈی ایس پی کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر گئی تھی۔ نہ انکل کے رشتے سے جھجک محسوس کی تھی نہ شاہ جی کے رُعب اور دبدبے سے سہمی ہوئی نظر آئی تھی۔ واقعی ان تین دنوں میں دنیا بہت بدل گئی تھی۔

انہوں نے اسٹیٹ ایجنسی کے سامنے کار روک دی۔ وہاں بڑی بھیڑ تھی۔ سستے پلاٹ فروخت ہو رہے تھے۔ وہ اندر گئے تو منیجر نے سلام کیا۔ ان کے کان سے ریسیور لگا ہوا تھا۔ اس نے مصافحے کے لیے صرف ہاتھ بڑھا دیا۔ شاہ جی نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں ایک فون کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے انتظار کرنے کے لیے کہا۔ ایک وقت تھا، جب لوگ انہیں دیکھ کر کرسی سے اٹھ جاتے تھے۔ وہ منیجر ابھی تک بیٹھا ہوا تھا۔ بات ختم کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ "جناب، آپ اندر چلے جائیں۔ یہاں فون بزی ہے۔ پلاٹ خریدنے والے حضرات مسلسل فون کیے جا رہے ہیں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر اندرونی کیبن میں گئے۔ وہاں اسٹیٹ ایجنسی کا مالک بھی ریسیور کان سے لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے شاہ جی کو دیکھ کر پیشانی پر سلام کرنے کے انداز میں ہاتھ رکھا۔ پھر ایک کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بڑی سی میز پر تین عدد ٹیلی فون رکھے ہوئے تھے۔ شاہ جی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا ایک کال کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "جناب! ایک فون پر بنکاک سے اور دوسرے پر ہانگ کانگ سے رابطہ ہو رہا ہے اور اس فون کو تو دیکھ ہی رہے ہیں۔ میں مسلسل بات کر رہا ہوں۔ ابھی ریسیور رکھوں گا، ابھی گھنٹی بجنے لگے گی۔ آپ کو زحمت تو ہو گی، انتظار کر لیجیے۔"

شاہ جی اٹھ کر کھڑے ہو گئے، نہ کچھ کہا نہ سنا تیزی سے چلتے ہوئے باہر آئے اور کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئے، غصے سے دروازہ بند کیا۔ کار کو اسٹارٹ کیا۔ پھر پبلک کال آفس پہنچ گئے۔ وہاں مرزا صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ جب ان کی آواز سنائی دی تو انہوں نے کہا۔ "مرزا! فون نہ رکھنا، میں شاہ بول رہا ہوں۔ تم مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو لیکن بیٹی سے کیسی دشمنی ہے۔ اسے ایک جوان مرد کے ساتھ موٹر سائیکل پر گھومنے اور بے حیائی کا اشتہار بننے کے لیے آزادی دے دی ہے۔"

"مسٹر شاہ! میں آپ کو وارننگ دیتا ہوں۔ آئندہ فون پر مجھے مخاطب نہ کرنا، ورنہ آپ کے خلاف کمپلین کر دوں گا۔ یہ ہماری پہلی اور آخری گفتگو ہے۔ گڈ بائی فار گڈ۔"

دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا۔ شاہ جی نے ہیلو . . . ہیلو کہہ کر ریسیور کو

دیکھا۔ پھر اسے غصے سے پٹخنا چاہتے تھے، اسی لمحے ٹیلی فون والے نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بھی بدمزاج آدمی تھا۔ اس نے ریسیور چھینتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا تمہارے باپ کا فون ہے جو پٹخنے جا رہے ہو؟"

"یو بلڈی فول! تم میرے باپ تک پہنچ رہے ہو۔ میں تمہیں اُلٹا لٹکا دوں گا۔ جانتے ہو، میں کون ہوں؟"

"میں ضرور پوچھوں گا۔ کون ہیں آپ؟"

وہ جواب دیتے دیتے رُک گئے۔ وہ تو کچھ بھی نہیں تھے۔ استعفے کے ساتھ ساتھ ان کا شناختی کارڈ بھی لے لیا گیا تھا۔ ان سے برسوں کی شناخت چھین لی گئی تھی۔ ان کے پاس صرف ایک پیدائشی نام رہ گیا تھا۔ اس نام سے وہ کوئی کام نہیں لے سکتے تھے۔

انہوں نے سر کو جھکا لیا۔ جیب سے ایک روپیہ نکالا پھر کال فیس ادا کر کے اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے وقت وہ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔ انہیں بخار چڑھ رہا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ سب سے زیادہ کمزور ہوتے ہیں جو سب سے زیادہ شہ زور ہوتے ہیں۔ ان سے ان کا غرور چھین لو۔ وہ فوراً بیمار پڑ جاتے ہیں۔

وہ دو دن تک بستر پر پڑے رہے۔ بخار چڑھتا اُترتا رہا۔ بیٹے سے بھی ملنے نہیں گئے۔ آپریشن کے بعد اسے خاصی توجہ کی ضرورت تھی، اس لیے اسپتال سے چھٹی نہیں مل سکتی تھی لیکن باپ بیٹے نے سمجھ لیا تھا، ان کے ہاتھ سے بازی نکل گئی ہے۔ باپ اپنی طاقت اور مؤثر ذرائع سے محروم ہو چکا تھا۔ بیٹے کی محبوبہ کچھ پرائی پرائی سی ہوتی جا رہی تھی۔

وہ ایک ہفتے میں صرف ایک بار ملنے آئی تھی۔ اپنی مجبوریاں ظاہر کر رہی تھی۔ حالات کے پیشِ نظر مجبوریاں سمجھ میں آ رہی تھیں لیکن نادر بدگمان ہوتا جا رہا تھا۔ سجاد حیدر کی انسان دوستی کے باعث وہ ایک بار آ سکی تھی اور یہ کہہ گئی تھی۔ "اگر تمہیں سجاد صاحب پسند نہیں ہیں تو اپنے طور پر کوئی راستہ نکالو۔ میں خود کسی کا سہارا لے کر احسان مند نہیں ہونا چاہتی۔"

شاہ جی دوبارہ وہ سرکاری عہدہ حاصل نہیں کر سکتے تھے مگر دوبارہ اپنی طاقت

منوانا چاہتے تھے۔ جب شاہوں اور جاگیرداروں پر زوال آتا ہے تو وہ اپنی دولت کے بل
پر سیاسی میدان میں آجاتے ہیں۔ شاہ جی بہت سوچ بچار کے بعد ایک ایسی سیاسی پارٹی
میں شامل ہوگئے جس کا عوام پر اچھا خاصا اثر تھا اور جو سیاسی تحریکوں کے باعث حکومت
کے لیے دردِ سر بنی رہتی تھی۔ شاہ جی نے سیاسی پلیٹ فارم کے ذریعے یہ چیلنج کرنا شروع
کیا کہ حکومت سہراب گوٹھ کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کرتی؟ یوں تو ملک کے دانشور،
سیاسی راہنما اور اخبارات کئی برسوں سے سہراب گوٹھ کے خلاف آوازیں اٹھا رہے
تھے لیکن شاہ جی کی بات اور تھی۔ وہ حکومت کی مجبوریوں، انتظامیہ کی کمزوریوں اور پولیس کے
ہتھکنڈوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ڈھکے چھپے بہت سے رازوں سے واقف تھے۔
دوسرے لفظوں میں انہوں نے ایک سیاسی پارٹی میں شامل ہو کر مافیا کے خلاف محاذ
بنالیا تھا۔ یہ طریقۂ کار نہایت کامیاب رہا تھا۔ اب یہ بات پکی ہوگئی تھی کہ آئندہ شاہ جی
کو سرکاری شعبوں میں کوئی بہت بڑا عہدہ ملے گا یا پھر مافیا کے خلاف آپریشن ہوگا۔

سجاد نے کوٹھی کے پورچ میں موٹر سائیکل روک دی۔ ساحرہ برآمدے میں کھڑی
اس کا انتظار کر رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی دونوں مسکرانے لگے۔ وہ جلدی سے پاس آکر
بولی: "پاپا ناراض ہو رہے ہیں۔ کہتے ہیں، مجھے موٹر سائیکل پر نہیں جانے دیں گے۔ لوگ
باتیں بناتے ہیں۔"

"ایک پولیس آفیسر سوا دو لاکھ کی گاڑی میں بیٹھ کر جائے گا تو لوگ اور زیادہ باتیں
بنائیں گے۔"

"پلیز، میری بات مان جائیے۔ پاپا نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔ مجھے موٹر سائیکل
پر نہیں جانے دیں گے۔"

"تمہارے پاپا کہاں ہیں؟"

"وہ اندر ہیں۔ آپ سے بات نہیں کریں گے کیونکہ آپ ان کی کوئی بات نہیں
مانتے ہیں۔"

اس نے کار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "ساحرہ! یہ قیمتی کار سامری جادوگر کا
طلسم کدہ ہے۔ اگر میں ایک بار اندر جاکر بیٹھوں گا تو اس کے طلسم سے نکلنا مشکل
ہو جائے گا۔"

"آپ باتیں بناتے رہیں گے تو میں نادرہ سے نہیں مل سکوں گی۔ وہ میرا انتظار
کر رہا ہوگا۔"

سجاد نے اسے دیکھا۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر کہا: "مجھے وہ لمحہ یاد نہیں ہے جب

تمہیں بے اختیار نادر سے ملانے کا وعدہ کر بیٹھا تھا۔ بعد میں احساس ہوا کہ مجھ جیسا اصول پرست بھی کسی نازک سے معاملے میں بے اختیار ہو سکتا ہے۔"

وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "مجھے احساس ہے، آپ میری اور نادر کی خاطر۔۔۔۔"

سجاد نے بات کاٹ کر کہا۔ "صرف تمہاری خاطر۔"

ساحرہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے کہا۔ "جانتی ہو، میں تمہیں نادر سے کیوں ملاتا ہوں؟"

وہ آہستگی سے انکار میں سر ہلا کر رہ گئی، سجاد نے کہا۔ "اگر کوئی ناخواندہ یا ناسمجھ بچی ہوتی تو میں اسے سمجھاتا کہ محبت اندھی نہیں ہوتی۔ جو اندھے ہو کر محبت کرتے ہیں، وہ بعد میں پچھتاتے ہیں۔ کسی کو چاہنے اور اسے اپنانے سے پہلے اسے اچھی طرح دیکھنا، سمجھنا اور سب سے اہم یہ کہ پرکھنا چاہیئے۔ تم ایک عرصے سے نادر کو دیکھتی اور سمجھتی آئی ہو مگر نادر کو نہ تو دیکھا ہے نہ سمجھا ہے، پرکھنا تو بہت دُور کی بات ہے۔ تم ذہین ہو، تعلیم یافتہ ہو۔ یہ سوچ کر تمہیں نادر سے ملاتا ہوں کہ تم آنکھیں کھول کر ملوگی۔ اسے دیکھو گی، سمجھوگی۔ اس کے حوالے سے مستقبل میں ملنے والی مسرتوں کا حساب کر سکوگی۔ میں چھ ماہ میں پانچویں بار اس سے ملانے لے جا رہا ہوں، تو یہ صرف تمہاری خاطر ایسا کر رہا ہوں۔ میں اس دن کا انتظار کر رہا ہوں، جب تم کھلی آنکھوں سے اور کھلے ذہن سے یہ فیصلہ کر سکوگی کہ شاہ جی اور نادر درست ہیں یا تمہارے پاپا کی مخالفت درست ہے؟"

"میں صرف نادر کو جانتی ہوں اور اس کے ساتھ آنکھیں بند کر کے کسی بھی کھائی میں چھلانگ لگا سکتی ہوں۔"

"معاف کرنا ساحرہ بی بی! ایسا تو اندھے کرتے ہیں یا احمق کرتے ہیں۔ میں قانون کا محافظ ہوں۔ کسی کو گمراہی سے روکنا میرا فرض ہے۔ میں جان بوجھ کر تمہیں گڑھے میں گرنے نہیں دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ اپنائیت دکھا کر نادر سے دشمنی کر رہے ہیں۔"

"دشمنی ہوتی تو اس سے ملنے کا موقع ہی نہ دیتا۔ میرا خیال ہے، اب مجھے مخالفت کرنا چاہیئے۔ تمہیں وہاں جانے سے روکنا چاہیئے تاکہ تم اطمینان سے گھر میں بیٹھ کر ان تمام حالات کا ذہانت سے تجزیہ کر سکو، جن سے گزر کر تم یہاں تک پہنچی ہو۔"

ساحرہ پریشان ہو گئی، سوچنے لگی۔ "اگر سجاد نے اپنے ارادے پر عمل کیا تو میں نادر سے نہیں مل سکوں گی۔ یہی تو ایک سہارا رہ گیا ہے۔ اسے ناراض نہیں کرنا چاہیئے۔"

وہ اچانک مسکرا کر بولی۔ "آپ جس طرح میرے کام آ رہے ہیں، اس طرح کوئی نہیں آ سکتا۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں، جیسا آپ کہہ رہے ہیں، ویسا ہی کروں گی۔ اپنے پچھلے حالات کا تجزیہ کروں گی۔ اس سلسلے میں آپ سے مشورے بھی لوں گی، مگر ابھی چلیے، پلیز۔"

"چلنے کا بھی مسئلہ ہے مگر میں کار میں جانا نہیں چاہتا۔"

"آپ میرے لیے اتنا کر رہے ہیں اور اتنی سی بات نہیں مان سکتے۔"

سجاد نے اس سے نظریں ملائیں پھر کہا۔ "میں تمہارے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ مجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ تم اپنی بھلائی کے لیے کیا کر سکتی ہو؟"

"یہ باتیں ہم راستے میں بھی کر سکتے ہیں۔ نادر انتظار کر رہا ہوگا۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ موٹر سائیکل پر جانا نہیں چاہتی تھی۔ والدین اعتراض کر رہے تھے اور یہ کار میں بیٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر بولا "اگر تم میں ذرا بھی عقل ہے تو یہ سمجھ لینا کہ میں اصولوں پر سختی سے عمل کرنے کے باوجود کیوں اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہونے کے بعد تمہارے کام آتا ہوں۔ تمہارے والدین کو دھوکا دے کر نادر سے ملانے لے جاتا ہوں۔ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا مگر تم سے ملنے کے بعد یہ بھی سیکھ لیا ہے۔ اب لگتا ہے، تمہاری خاطر کار میں بھی بیٹھنا ہوگا۔"

وہ موٹر سائیکل پر ہاتھ رکھے جھکا ہوا تھا۔ ساحرہ نے خوش ہو کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر بولی۔ "آپ بہت گریٹ ہیں۔ آپ کو کار میں دیکھ کر پاپا بہت خوش ہوں گے۔"

"اور تم؟"

وہ جھجک گئی۔ پھر بولی۔ "میں۔۔۔۔ میں تو خوش ہو ہی رہی ہوں۔ چلیے۔"

"مگر ایک شرط ہے۔ میں کار کی چابی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ تم ڈرائیو کرو گی۔ میں صرف بیٹھ کر جاؤں گا۔"

وہ مسکراتے ہوئے کار کی طرف بڑھی۔ پھر اپنی کوٹھی کے ڈرائنگ روم کی طرف

ہاتھ ہلا کر کہا۔ "مم۔ پاپا! میں سجاد صاحب کے ساتھ کار میں جا رہی ہوں۔"

اس کے والدین نظر نہیں آ رہے تھے لیکن جب وہ سجاد کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی تو دونوں برآمدے میں آ گئے، ساحرہ نے کار اسٹارٹ کی۔ پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے، الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر گئی۔ مرزا صاحب بڑی سنجیدگی سے مسکرا رہے تھے۔ بیگم نے کہا۔ "کتنی اچھی جوڑی ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک گئے، بیگم کو گھور کر دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"سجاد ہماری بیٹی کے ساتھ کیسا رہے گا؟"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ یہ ڈی ایس پی ہے اور اپنی حرکتوں سے ڈی ایس پی ہی رہنا چاہتا ہے۔ ساری زندگی اسی موٹر سائیکل پر گزارنا چاہتا ہے۔"

"ابھی تو وہ کار میں گیا ہے۔"

"وہ نہیں، ساحرہ لے گئی ہے۔"

"شادی کے بعد ہماری بیٹی اسے اس مقام تک لے آئے گی جہاں آپ پہنچانا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کے اتنا کہنے سننے پر وہ راضی ہوا تھا؟ دیکھ لیجئے، ہماری بیٹی نے راضی کر لیا۔"

انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا۔ "میں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی ساحرہ کو ڈھیل دی ہے مگر ابھی مطمئن نہیں ہوں۔ پہلے سجاد کو ڈرائیونگ سیٹ پر کار کی چابی کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے اندر چلے گئے۔ ساحرہ کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے کن انکھیوں سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ نو بج چکے تھے۔ اس نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ سجاد نے پوچھا۔ "کیا بہت جلدی ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل نادر پریشان ہوں گے۔ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"کیا تمہیں ڈر ہے، دس منٹ لیٹ ہو جانے سے انتظار کرنے والا پلا جائیگا؟"

"مجھے یقین ہے، وہ گھنٹوں میرا انتظار کریں گے۔"

"تو پھر جلدی کس بات کی ہے؟ سہولت سے گاڑی چلاؤ، تمہارے ساتھ

پولیس والا بیٹھا ہے۔"

اس نے جبراً مسکراتے ہوئے گاڑی کی رفتار سست کر دی۔ سجاد نے اپنی جیب سے ایک کیسٹ نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں اس کار میں ایک مقصد سے بیٹھا ہوں۔ تمہیں یہ کیسٹ سنانا چاہتا ہوں۔"

"یہ کیسا کیسٹ ہے؟"

"تمہیں شاید معلوم نہ ہو، میں نے ہی مرزا صاحب کو تھانے میں اغوا کی رپورٹ درج کروانے پر مجبور کیا تھا۔ رانا شمشاد علی صاحب کے مشورے پر تمہارے یہاں کا ٹیلی فون ڈیٹیکٹ کیا جاتا تھا۔ تمہاری بازیابی سے پہلے والی رات کو تمہارے والدین نے ایک کال سنی۔ وہی تم بھی سنو۔"

سجّاد نے اس کیسٹ کو ریکارڈر میں لگا دیا۔ پھر اسے آن کیا۔ تھوڑی دیر بعد زبیر کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر کہہ رہا تھا۔ "ماموں جان، ساحرہ کی خبر آئی ہے۔ کوئی ہمیں خوش خبری سنانا چاہتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد اس کے پاپا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "ہیلو، میں مرزا عبادت حسین بول رہا ہوں۔ کیا میری بیٹی مل گئی ہے؟"

ایک اجنبی سی آواز سنائی دی۔ "وہ تو نہیں ملی۔ اس کی آواز مل گئی ہے۔ ذرا سنئے تو سہی، کیا کہہ رہی ہے۔"

پھر ایک لڑکی کی چیخیں سنائی دیں۔ وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔ "چھوڑ دو، مجھے جانے دو۔ مجھے میرے پاپا کے پاس جانے دو۔"

ساحرہ نے کار کی رفتار اور سست کر دی۔ تعجب سے پوچھا۔ "یہ کون رو رو کر کہہ رہی ہے؟"

"کوئی ہو گی مگر شاہ جی نے اسے تمہاری آواز بنا کر پیش کیا ہے۔ آگے چل کر یہ لڑکی کہتی ہے کہ روتے روتے اس کا گلا بیٹھ گیا ہے۔ اس کے ماں باپ اس کی آواز پہچان نہیں سکیں گے، اور پھر کیسے پہچان سکتے تھے۔ وہ تو ہر لمحے ٹیلی فون کے پاس بیٹھے ہوئے تمہاری آواز سننے کے منتظر تھے۔ لہٰذا جو بھی ڈوبی آواز سنائی دی، انہوں نے محبت کے مارے تسلیم کر لیا کہ وہ تمہاری آواز ہے۔"

سجاد بول رہا تھا اور ادھر کیسٹ چل رہا تھا۔ آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ ساحرہ کی ڈوبتی آواز رو رو کر کہہ رہی تھی "ظالمو! تمہاری بھی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔ تم لوگوں نے مجھے صبح سے چیختے رہنے پر مجبور کیا۔ میری آواز بیٹھ گئی۔ تم لوگوں نے مجھے چیخنے اور فریاد کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میں اپنی ممی اور پاپا کو صدائیں دوں گی تو وہ میری آواز نہیں پہچان سکیں گے لیکن میں مرتے مرتے بھی آوازیں دیتی رہوں گی۔"

ساحرہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سُن رہی تھی۔ پھر اسے اپنی ماں کی آواز سُنائی دی "بیٹی! ہم تو جیتے جی مر گئے۔" اس کے پاپا کہہ رہے تھے "میں نے جو بویا کاٹ رہا ہوں۔ بیٹی! میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ ایک بار مل جاؤ، میں اپنی زندگی کا طریقہ بدل دوں گا۔ ایک چیونٹی کو پاؤں تلے آنے نہیں دوں گا۔ کسی بھی اعلیٰ یا ادنیٰ شخص کو اپنی ذات سے نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔ بس ایک بار مل جاؤ بیٹی! ایک بار مجھے مل جاؤ۔"

اس کے بعد اس کی ممی اور پاپا کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور فریاد کر رہے تھے۔ سجاد نے ریکارڈر کو آف کر دیا۔ کیسٹ کو نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ دونوں کے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ ساحرہ سوچتی رہی۔ سجاد نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو؟"

"آپ نے مجھے یہ کیسٹ کیوں سنایا؟"

"میں ردِ عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ پاپا نے وہی بات کہہ دی جو میں کہنا چاہتی تھی۔ انہوں نے جو بویا وہ کاٹ رہے ہیں۔ نہ وہ میرے اور نادر کے اغوا کی سازش کرتے نہ یہ سب کچھ ہوتا۔"

"تم اپنے باپ کو ایک غلطی کی کتنی سزا دو گی؟ کیا تمہیں یہ احساس ہے کہ شاہ جی نے ایک ڈمی ساحرہ کے ذریعے تمہاری ماں کو کتنا رُلایا اور تڑپایا ہے، کتنا مجبور کیا ہے؟"

"پاپا کی غلطی کی سزا صرف مجھے نہیں، ممی کو بھی ملتی رہی، مجھے اپنی ماں سے جدائی دی ہے۔"

"شاہ جی ایک ذمے دار پولیس آفیسر تھے۔ تمہارے پاپا نے ایک جرم کیا۔ دوسرا جرم شاہ جی نے کیا۔ تمہیں وہاں سے اٹھا کر اپنے بیٹے کے پاس پہنچا دیا۔ کیا وہ اتنے بڑے آفیسر ہو کر قانونی ضابطے کے مطابق اغوا کی رپورٹ درج نہیں کرا سکتے تھے۔ کیا تمہیں

تمہارے گھر واپس نہیں پہنچا سکتے تھے؟"

"میں پاپا کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔"

"اگر تم گھر نہیں جانا چاہتی تھیں تو دارالامان پہنچایا جا سکتا تھا۔ کیا یہ ان کی شرافت ہے کہ انہوں نے تمہیں ایک اسمگلر کے اڈے پر پہنچا دیا؟"

"پاپا اگر راضی ہو جاتے تو انکل کبھی ایسا نہ کرتے۔"

"کیا جن لڑکیوں کے ماں باپ راضی نہیں ہوتے، انہیں اسی طرح اغوا کیا جاتا ہے؟ چوروں اور بدمعاشوں کے اڈے میں انہیں پہنچایا جاتا ہے؟ کیا لڑکیاں ایسی بات پر تمہاری طرح اطمینان کا اظہار کرتی ہیں؟ کیا تم نے تعلیم کے دوران یہ سبق حاصل نہیں کیا کہ جو بات غلط ہے اسے ہمیشہ غلط کہو اور غلطی کرنے والوں کو غلط کار سمجھو۔ خواہ وہ تمہارے پاپا ہوں، خواہ تمہارے انکل شاہ جی ہوں یا تمہارا چاہنے والا نادر ہو۔ کسی کی غلطی کو درست تسلیم نہ کرو۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں، نادر کی محبت میں تم ان کی ہر غلطی کو درست تسلیم کر رہی ہو اور اپنے پاپا کو سزاؤں پر سزائیں دیتے چلی جا رہی ہو۔"

ساحرہ نے ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا "سجاد صاحب! آپ ذہین ہیں۔ کسی بھی معاملے کے ہر پہلو پر نظر رکھتے ہیں۔ کیا آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ آج پاپا راضی ہو جائیں تو یہ سارے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔ کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔ کیا آپ کی اور پاپا کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ میں تعلیم یافتہ، بالغ لڑکی ہوں اور اپنی زندگی کا فیصلہ آپ کر سکتی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ نادر کے دشمن کیوں ہیں؟"

"جب بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اور تم پوچھنا ہی چاہتی ہو تو مجبوراً مجھے یہ سوال کرنا ہوگا۔ کیا تم نے نادر کا میڈیکل سرٹیفکیٹ دیکھا ہے؟"

اچانک ساحرہ کے رخساروں پر لالی جھلک گئی۔ شرم سے دونوں ہونٹ آپس میں بھینچ گئے۔ اس نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے سے آنچل کو اس طرح سر پر درست کیا کہ وہ سجاد کی طرف گھونگھٹ بن گیا۔ اس نے گھونگھٹ کو دیکھا۔ پھر کہا "مجھے افسوس ہے۔ میں نے بہت مجبور ہو کر یہ سوال کیا ہے۔ بہرحال تمہیں جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہئے۔ تم یوں سمجھو کہ آج نادر سے تمہاری آخری

ملاقات ہے۔ تم اس سے کہہ دو کہ وہ میرے پاس میڈیکل سرٹیفکیٹ پہنچا دے۔ مجھ سے ایک بار دفتر میں آکر ملاقات کرے۔ میں تمہارے پاپا کو اس رشتے کے لئے قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

وہ ہل پارک کے پارکنگ ایریا میں پہنچ گئے۔ نادر دُور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ ساحرہ کار رکتے ہی دروازہ کھول کر جانے لگی۔ سجاد نے آواز دی۔ "بھئی یہ گاڑی کی چابی تو لیتی جاؤ۔"

اس نے دور ہی سے پلٹ کر کہا۔ "میں آدھے گھنٹے میں آجاؤں گی۔ آپ کے لئے ٹھنڈی بوتل بھیج رہی ہوں۔"

نادر بڑی محبت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ پاس آگئی۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ نادر نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ ایک نظر کار میں بیٹھے ہوئے سجاد پر ڈالی۔ پھر اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا "دیر کیوں ہو گئی؟"

"پندرہ منٹ لیٹ ہوں، پندرہ سال نہیں۔ کیا تم بور ہو گئے تھے؟"

"تمہارے انتظار میں جو لذت ہے، اسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ ویسے تم پندرہ منٹ اور نہ آتیں تو تمہاری تلاش میں نکل پڑتا۔"

"تلاش میں کیوں نکلتے؟ میں کوئی گم ہونے والی بچی ہوں۔"

"یہی تو بات ہے کہ تم بچی نہیں ہو اور میرے رقیب کے ساتھ آئی ہو۔ سچ سچ بتاؤ، یہ شخص تم پر اتنا مہربان کیوں ہے؟"

"تم نے پہلے بھی پوچھا تھا مگر مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں کچھ نہ کہہ سکی۔ آج یہ صاحب کھل گئے ہیں۔"

"کیا محبت فرما رہے تھے؟"

"اپنے بارے میں دو چار باتیں کہہ کر خاموش رہے۔ مگر پاپا کی حمایت میں اور آپ کی مخالفت میں بہت کچھ بولتے رہے۔ نادر، میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکی ہوں کہ ہمیں دوسروں پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے، کوئی راستہ نکالو۔"

"میں تمہارا برتھ سرٹیفکیٹ اور اسکول سرٹیفکیٹ اسی لئے لے گیا تھا کہ جلد از جلد راستہ نکالنا ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے۔"

"و فو، باتیں نہ بناؤ۔ آج سجاد نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی۔"

"بے چارہ خوش فہمی کا شکار ہے۔"

"وہ تم سے اپنے دفتر میں ملنا چاہتے ہیں اور کہہ رہے تھے کہ ......"

وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"بات پوری کرو۔"

"وہ تمہارا میڈیکل سرٹیفکیٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"وہ کون ہوتا ہے دیکھنے والا۔ یہ ہمارے معاملات ہیں۔"

"تمہیں سجاد صاحب کی بات مان لینی چاہئے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے، سرٹیفکیٹ دیکھنے کے بعد پاپا کو ہمارے رشتے کے لئے قائل کریں گے۔"

"یہ بکواس ہے۔ ہم اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ شرافت سے کام نہیں بنے گا۔ آج سارے انتظامات ہو چکے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو گی۔ ابھی پونے دس ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ بارہ بجے سے پہلے ہمارا نکاح ہو جائے گا۔"

وہ چلتے چلتے رُک گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ نادر نے پوچھا۔ "کیا تمہیں انکار ہے؟"

وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی۔ پتلون اور شرٹ میں کتنا خوبرو لگ رہا تھا۔ اس نے جوڈو کراٹے کی تربیت حاصل کی تھی۔ چلنے اور کھڑا ہونے کا انداز بڑا ہی دلکش ہوتا تھا۔ وہ پورے دل اور دماغ سے اس کی طرف کھنچی چلی جا رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں نادر اور سجاد کا موازنہ کیا تھا۔ دونوں قد آور تھے۔ انیس بیس کا فرق ہو سکتا تھا۔ سجاد وردی پہنتا تھا تو بے حد خوبرو اور اسمارٹ لگتا تھا۔ اس کے انداز میں مردانہ شان و شوکت، رعب اور دبدبہ تھا لیکن نادر بھی کچھ کم نہیں تھا۔ اگر کچھ کم ہوتا تب بھی وہ محبوب کی طرف جھکتی۔ برسوں سے متاثر ہوتی چلی آئی تھی۔ اس کی نرمی اور گرمی، اس کا پیار اور غصہ سب اسے پسند تھا۔ اس کے اندر کوئی خرابی نظر آتی تو اسے بھی پنے چاہنے والے کی ایک خوبی سمجھ کر قبول کر لیتی۔ محبت کو اسی لئے اندھا کہا جاتا ہے محبوب کی ہر برائی میں اچھائی نظر آتی ہے۔

وہ باتیں کرتے ہوئے ہل پارک اس حصے میں آگئے جہاں پہاڑی جیسی ڈھلان تھی بہت

دو نیچے پختہ سڑک پر ایک کار دکھائی دے رہی ہے۔ نادر نے کہا۔ "وہ ہماری گاڑی ہے۔ ہمیں اس راستے سے اتر کر وہاں جانا ہے۔"

"اس ڈھلان سے کیسے اتریں گے؟ گرنے کا اندیشہ ہے۔ کیا ہم دوسری طرف سے گھوم کر نہیں جا سکتے؟"

"ایک طرف سجاد بیٹھا ہے۔ دوسری طرف سے گھوم کر جانے میں کم از کم آدھا گھنٹا لگ سکتا ہے۔ پھر ڈیڈ نے کہا ہے، پولیس والوں پر کبھی بھروسا نہ کرو۔ وہ تنہا دکھائی دیتے ہیں مگر اپنے پیچھے سادہ لباس میں سپاہیوں کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے دوسرے راستے پر سجاد کے آدمی ہماری نگرانی کر رہے ہوں۔"

ساحرہ نے اس کی باتیں سن رہی تھی اور اس خطرناک ڈھلان کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ نادر کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ساتھ جینا ہے، تمہارے ساتھ مرنا ہے، آؤ۔"

وہ سنبھل کر نادر کے ساتھ ڈھلان سے اترنے لگی۔ ان حالات میں لوگوں کا یقین نیکی پر سے ختم ہو جاتا ہے۔ سجاد حیدر نیکی کر رہا تھا اور اس کے ساتھ دھوکا ہو رہا تھا مگر محبت کرنے والوں کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ پر ایسا کر گزرنے پر مجبور تھے کیونکہ قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں۔

سجاد انتظار کرتے کرتے کار سے باہر آ گیا اور ہری ہری گھاس پر ٹہلنے لگا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ایک گھنٹا پورا ہونے لگا تھا جبکہ وہ آدھے گھنٹے کا وعدہ کر کے گئی تھی۔ بچوں کو ٹافی کا لالچ دیا جاتا ہے۔ وہ ٹھنڈی بوتل کا لالچ دے کر گئی تھی۔ اس نے بیزار ہو کر سوچا۔ اب اسے تلاش کرنا چاہیے۔ مگر وہ کار کھلی چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے عہد کیا تھا، کار کی چابی ہاتھ میں نہیں لے گا۔ لیکن وہاں کب تک انتظار کر سکتا تھا آخر مجبور ہو کر اس نے چابی نکالی۔ دروازوں کو لاک کیا پھر اس کی تلاش میں نکل پڑا۔

پہلے تو وہ اطمینان سے تلاش کرتا رہا، پھر بے اطمینانی بڑھنے لگی۔ صبح کے وقت پارک میں برائے نام تفریح کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس نے ایک آدھ سے ساحرہ اور نادر کے بارے میں پوچھا۔ ان کا حلیہ اور لباس کا رنگ بتایا۔ مگر کسی نے صحیح رہنمائی نہیں کی۔ ایک ادھیڑ عمر کا شخص اپنی بیوی کے ساتھ ڈھلان کی طرف بیٹھا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بھئی، یہ ڈسکو اور

جز ڈور اٹیک کا زمانہ ہے۔ محبت کرنے والے سیدھا راستہ اختیار نہیں کرتے۔ بھلا بتایئے تو سہی یہ ڈھلان اترنے کے قابل ہے مگر وہ دونوں اتنے نڈر تھے، جیسے زندگی سے بیزار ہو گئے ہوں مگر صاحب کہاں ہے۔ آخر جوان ہی ٹھہرے۔ بخیریت اتر کر آرام سے اپنی کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔"

سجاد سن رہا تھا اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے اطمینان اور یقین کے لئے ان کا حلیہ اور ان کے لباس کا رنگ پوچھا۔ جب یقین ہو گیا کہ وہی دونوں یہاں سے اتر گئے ہیں تو تیزی سے دوڑتا ہوا اس دفتر کی طرف آیا جو پارک کے انتظام کے لئے مخصوص تھا۔ وہاں اس نے ٹیلیفون کے ذریعے رانا شمشاد علی سے رابطہ قائم کیا۔ انہیں ساحرہ کے فرار کے بارے میں بتایا۔ رانا نے کہا۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔ میں ٹریفک پولیس والوں کو احکامات جاری کرتا ہوں۔ تم بھی انہیں تلاش کرو۔"

سجاد فوری ہدایات حاصل کرنے کے بعد ریسیور رکھ کر تیزی سے چلتا ہوا کار کے پاس آیا اس کا دروازہ کھولا۔ پھر اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال لی۔ پہلی بار مرزا جی کی گاڑی کو ڈرائیو کرتا ہوا اس پارک سے باہر نکلا۔ آدھے گھنٹے تک مختلف راستوں سے گزرتا رہا پھر رانا صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ وہ موجود نہیں تھے۔ ساحرہ کے سلسلے میں کہیں بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔ اس کے لئے ایک پیغام چھوڑ گئے تھے۔ اب سے آدھے گھنٹے بعد عالی جناب سے ملاقات کا وقت مقرر ہوا تھا۔ رانا شمشاد علی نے اسے وہاں پہنچنے کے لئے کہا تھا۔

وہ مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے عالی جناب کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ احاطے کے اندر کار لا کر کھڑی کی۔ اسی وقت عالی جناب رانا سے باتیں کرتے ہوئے باہر آ رہے تھے۔ وہ جلدی میں تھے لیکن سجاد حیدر کو ایک قیمتی کار سے اترتے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ انہوں نے پوچھا "یہ گاڑی سجاد کی ہے!"

"نو سر! کسی اور کی ہو گی۔"

"مسٹر رانا! تم تو کہتے تھے 'یہ بہت ہی ایماندار آدمی ہے۔ کسی کے ہاں چائے بھی نہیں پیتا۔ پھر یہ گاڑی کیسے آ گئی؟"

سجاد حیدر ان کے سامنے آ کر اٹینشن ہو گیا تھا۔ سلام کر رہا تھا۔ رانا نے پوچھا "تمہارا موٹر سائیکل کہاں ہے؟"

میں نے مرزا صاحب کے گھر میں چھوڑ دی ہے۔ ان کی صاحبزادی یہ کار لے کر میرے ساتھ

پارک کی گئی تھی۔ وہاں اس نے گاڑی چھوڑ دی اور نادر کے ساتھ فرار ہو گئی۔"

عالی جناب نے کہا۔" مسٹر رانا! اندر جاؤ جس کی یہ کار ہے اس کے ساتھ رابطہ قائم کرو۔ میں حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

رانا شمشاد علی حکم کی تعمیل کے لئے اندر چلا گیا۔ عالی جناب نے سجاد کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر آہستگی سے کہا۔" میرے پاس آؤ۔"

وہ قریب آ گیا۔ انہوں نے کہا۔" مسٹر سجاد! میں چوبیس گھنٹے حاکم بن کر نہیں رہتا دوست بن کر بھی رہتا ہوں۔ اگر میرا اعتماد حاصل کرنا چاہتے ہو۔ مجھ سے مراعات حاصل کرنا چاہتے ہو تو سچ سچ بتا دو۔ یہ بات کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچے گی۔"

" نہیں جناب! میں قسم کھا کر کہتا ہوں، انہوں نے مجھے کار دینے کی بڑی کوشش کی مگر میں نے اس میں بیٹھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔"

عالی جناب نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔" اچھا تو تم اس میں بیٹھ کر نہیں آئے؟"

" جناب بات یہ ہے کہ......"

انہوں نے بات کاٹ کر کہا۔" میں باتیں بنانے والوں کے ساتھ وقت ضائع نہیں کرتا۔ ثبوت دیکھتا ہوں اور اس کے مطابق عمل کرتا ہوں۔"

رانا شمشاد علی نے باہر آ کر سجاد کو گھورتے ہوئے کہا۔" سر! مرزا عبادت حسین کہہ رہے ہیں، انہوں نے یہ کار ڈی ایس پی سجاد حیدر کو گفٹ کے طور پر دی ہے۔"

سجاد نے تڑپ کر کہا۔" جناب! وہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔ اس نے کئی بار اس کار کی چابی مجھے دینے کی کوشش کی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔"

رانا نے پوچھا۔" تمہیں کون دھوکا دے سکتا ہے۔ تم مرزا عبادت حسین کے کام آ رہے ہو۔ ساحرہ تمہاری احسان مند ہے۔ جو لوگ تمہاری عزت کرتے ہیں، تمہارا احسان مانتے ہیں، کیا وہ تمہارے بارے میں جھوٹ کہیں گے؟ تمہیں دھوکا دیں گے؟ یہ بات ماننے والی نہیں ہے تمہارے پاس کار کی چابی ہے۔ تم کار ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہو۔ مرزا صاحب کہہ چکے ہیں یہ کار تمہیں گفٹ کے طور پر دی ہے۔ اب تمہارے اعتراض کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے؟"

عالی جناب نے کہا۔" تم لوگ میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ مجھے ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنا ہے۔ مسٹر رانا! تم لوگوں میں یہ بڑی خرابی ہے کہ فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ بھئی

انسان ہو۔ کسی سے کچھ لیتے دیتے ہو، یہ دنیا جانتی ہے۔ میں اس سلسلے میں بحث نہیں کروں گا۔ جس طرح مسٹر شاہ کو معاف کیا گیا ہے، اسی طرح میں سجاد کو معاف کرتا ہوں۔ یہ نوجوان ابھی تحریری بیان دے گا کہ اس نے مرزا عبادت حسین کے کام آ کر انہیں اپنا احسان مند بنا کر ان سے ایک قیمتی کار وصول کی ہے۔"

سجاد ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ادب سے بولا۔" نو سر! آپ مجھ پر ظلم نہ کریں۔ میں تحریری بیان نہیں دوں گا۔"

رانا نے کہا۔" سجاد! پاگل ہوئے ہو۔ انکار کرو گے تو تم پر رشوت لینے کا الزام عائد ہو گا۔ تم پر کیس چلے گا۔ تمہاری ملازمت نہیں رہے گی۔"

سجاد حیدر نے بے بسی سے رانا کو اور عالی جناب کو دیکھا پھر کہا۔" مجھے اجازت دیجئے۔ میں مرزا سے فون پہ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

عالی جناب نے کہا۔" تم ایک بار نہیں، دس بار فون پہ بات کرو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے مسٹر رانا! میں نے جو کہا ہے، وہی ہونا چاہئے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی کار کی طرف گئے۔ ایک مسلح سپاہی نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر جا کر بیٹھ گئے۔ پھر وہ کار اسٹارٹ ہو کر ان کے سامنے سے گزرتی ہوئی احاطے سے باہر گئی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی رانا شمشاد نے کہا۔" آخر تم بھی پولیس والے ہو کر پھنس گئے۔"

" سر! آپ تو میری بات کا یقین کر سکتے ہیں۔"

" بے شک، تم پر بھروسا بھی کرتا ہوں، فخر بھی کرتا ہوں۔ میں تمہیں صفائی پیش کرنے کا پورا موقع دوں گا۔ لیکن عالی جناب کا حکم اپنی جگہ اٹل ہے۔ میں ان کے احکامات کی تعمیل پر مجبور ہوں۔ یہ میرا فرض ہے کہ میں اس گاڑی کے ساتھ، گاڑی کی چابی کے ساتھ تمہاری تصویریں لوں، تمہارا تحریری بیان حاصل کروں۔ پھر تمہیں سسپینڈ کر دوں۔ مگر میں تمہارے ساتھ رعایت کروں گا۔ تم اپنا بیان دے دو۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آئے۔ سجاد نے ریسیور اٹھا کر مرزا صاحب! آپ مجھے کیوں پھانس رہے ہیں؟ کیا میں نے آپ سے رشوت لی ہے؟

" کون کم بخت کہتا ہے کہ میں نے تمہیں رشوت دی ہے؟"

" آپ نے ابھی کہا ہے کہ وہ گاڑی مجھے گفٹ کے طور پر دی ہے۔"

بھئی، رشوت الگ چیز ہے۔ گفٹ الگ سی بات ہے۔ میں نے خوش ہو کر تمہیں ایک

تحفہ دیا ہے۔ اِس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"کیا آپ نے مجھے اِس طرح پھانسنے کے لئے ساجرہ کے ساتھ بھیجا تھا تاکہ وہ گاڑی چھوڑ کر بھاگ جائے اور میں پکڑا جاؤں؟"

مرزا صاحب نے چونک کر پوچھا "تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ ساحرہ کے بھاگنے کا مطلب کیا ہوا؟"

"بھاگنے کا مطلب بھاگنا ہوتا ہے۔ وہ میرے ساتھ باہر گئی تھی اور یہ گاڑی چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے اور نادر کے ساتھ گئی ہے۔"

مرزا صاحب کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ "نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ میری بیٹی اس کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ میں نے آپ پر بھروسا کیا تھا۔ آپ کے ساتھ اسے بھیجا تھا۔ آپ اس کے لئے جواب دہ ہیں۔"

"آپ نے مجھے پھانسنے کے لئے یہ چال چلی ہے۔ آپ کی بیٹی نے آپ کو اُلّو بنا دیا۔ اب آپ سر پیٹتے رہیں۔"

"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ مسٹر سجاد! آپ فون نہ رکھیں۔ مجھے بتائیں، میری بیٹی کہاں ہے؟"

"ہم آپ کی بیٹی کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ اگر آپ میرے دشمن نہیں ہیں تو ابھی رانا صاحب کے دفتر پہنچیں اور تحریری بیان دیں کہ نہ آپ نے مجھے کوئی کار گفٹ دی ہے نہ میں آپ کی کار استعمال کرتا ہوں۔ چونکہ آپ کی صاحبزادی یہ گاڑی ہل پارک میں چھوڑ کر گئی تھیں مجھے ٹرانسپورٹ کا مسئلہ درپیش تھا، میری موٹر سائیکل آپ کے ہاں رہ گئی تھی۔ اس لئے مجھے آپ کی گاڑی میں ساحرہ کو تلاش کرتے ہوئے عالی جناب کی رہائش گاہ تک جانا پڑا —— پلیز آپ رانا شمشاد علی کے دفتر پہنچیں۔ ہم وہاں آ رہے ہیں۔"

رانا نے تائید میں سر ہلایا۔ پھر کہا "جوان! تمہیں اسی طرح پھانسنے کی کوشش کی جائے گی۔ عالی جناب خود چاہتے ہیں، تمہاری کوئی کمزوری ان کے ہاتھ آ جائے لیکن میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ چلو، اپنے دفتر چلتے ہیں۔"

وہ کل جنہیں آنٹی اور انکل کہتی تھی، آج وہ ساس اور سسر ہو گئے۔ برسوں کی سہیلی پہلے اجنبی دوست بنی۔ پھر محبوب بنی۔ آخرکار شوہر بن گئی۔ نادرہ کا نام حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا۔ وہ بحیثیت نادرہ غلط تھی۔ اس لئے قدرت نے اسے نادر شاہ بنا دیا تھا۔

کہتے ہیں، عورت ناقابلِ فہم ہوتی ہے۔ لیکن عورت کے لئے مرد بھی ناقابلِ فہم ہوتا ہے گھونگٹ اٹھانے تک پراسرار رہتا ہے۔ دلہن کو تجسس میں مبتلا رکھتا ہے۔ نادر کچھ زیادہ ہی پراسرار تھا مگر ساحرہ تجسس میں مبتلا نہیں تھی۔ اس نے آنکھ کھول کر محبت نہیں کی تھی۔ وہ جیسا بھی تھا اس کے حواس پہ چھایا ہوا تھا۔ نادر شاہ کا نام ہی ایسا جاہ و جلال اور مردانہ خصلتوں کا حامل تھا کہ نام لیتے ہی ساحرہ کا سینہ دھڑکنوں سے بھر جاتا تھا۔

وہ کورٹ میرج تک ساحرہ کے ساتھ تھا۔ نکاح کے رجسٹر اور دوسرے اہم کاغذات پر دستخط کرنے کے بعد اپنے کچھ رشتے داروں کے ساتھ چلا گیا تھا۔ شاہ جی اور بیگم نے ساحرہ کو دلہن بنانے کے لئے ایک بیوٹی پارلر میں پہلے سے وقت مقرر کر رکھا تھا۔ انہوں نے دوپہر کو اس کے ساتھ ایک ہوٹل میں کھانا کھایا۔ نادر کو شریک نہیں کیا۔ یعنی دلہن کو پردہ کرایا جا رہا تھا۔ بیگم نے کہہ دیا تھا، نادر اب حجلۂ عروسی میں ہی اس کا منہ دیکھ سکے گا۔

شادی کی خوشی میں رات کو دعوت کا اہتمام کیا جا رہا تھا بیوٹی پارلر پہنچنے کے بعد بیگم اور شاہ جی ٹیلیفون کے پاس بیٹھ گئے۔ شہر میں جتنے دوست احباب اور رشتے دار تھے انہیں دلہن لانے کی خوشخبری فون کے ذریعے سنا رہے تھے اور رات کو کھانے پر مدعو کر رہے تھے بیگم بار بار اپنی کوٹھی میں فون کر کے معلوم کر رہی تھیں کہ کوٹھی کو کس طرح سجایا جا رہا ہے دلہن کا

کمرہ سجانے پر ناصر ہدایات دی جا رہی تھیں۔ ساحرہ کو دلہن کی طرح سنوارنے کے دوران آدھے گھنٹے کا وقفہ رکھا گیا۔ اس وقفے میں اسے ایک بند کمرے میں تنہا رہ کر اپنے والدین اور سہیلیوں سے رابطہ قائم کرنے کا موقع ملا۔ اس نے سب سے پہلے اپنی مم کو مخاطب کیا۔ ریسیور اس کے پاپا نے اٹھایا۔ "ساحرہ تم کہاں ہو؟ کیا پھر شاہ جی کے فریب میں آ گئی ہو؟"

"آپ مم کو ریسیور دیجئے۔"

"پہلے مجھ سے بات کرو۔"

"جو بات کہوں گی آپ اسے سن نہیں سکیں گے۔"

"تم جیسی اولاد والے سب کچھ سن سکتے ہیں۔ میرا وقت ضائع نہ کرو مجھے تمہارے سلسلے میں رانا شمشاد علی کے دفتر بلایا گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ ہم تمہیں شام سے پہلے ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"خواہ مخواہ بھٹکنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں شام کو نادرہ کے ہاں ملوں گی۔"

کیا مطلب؟ کیا تم شاہ جی کی کوٹھی سے بات کر رہی ہو؟ کیا اس مکار، خبیث نے ....."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "لینگویج پلیز، پاپا! میں پہلے انکل کی حیثیت سے ان کی عزت کرتی تھی۔ اب وہ میرے سسر ہیں۔"

"کیا بک رہی ہو؟"

" وہ رک رک کر بولی۔ "میں پرائی ہو چکی ہوں۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی پھر ماں کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز دودھ میں بھیگی ہوئی تھی۔ بیٹی کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ آپ ہی آپ رونے لگی۔ ماں پوچھ رہی تھی۔ "تم رو رہی ہو؟ ساحرہ! میری بچی کیا ہوا ماں کی جان؟ چپ ہو جاؤ۔ یہ تمہارے پاپا کیا کہہ رہے ہیں؟"

وہ سسکتے ہوئے بولی۔ "مم ... مم میں آپ کا دل دکھا رہی ہوں۔"

"یعنی تمہارے پاپا درست کہہ رہے ہیں؟"

"آں۔ ہاں۔ آں۔ ہاں۔ اسے ہاں کہنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا مگر سسکیوں کے دوران ہاں کا لفظ ا۔ امرتا جا رہا تھا۔ دوسری طرف چپ لگ گئی تھی۔ ماں صدمہ جھیل رہی تھی۔ پھر آنسو بھری آواز ۔۔ ئی دی۔ "اچھا کیا بیٹی! مجھے ماں بننے کا انعام دے دیا۔ تم نے من مانی کی۔ تمہیں تو ہنسنا

پڑ رہا ہے۔ روتی کیوں ہو؟"

وہ روتے روتے بولی۔ "آپ طعنے دے رہی ہیں۔ مگر میری محبت میں رو رہی ہیں۔"

"میں ایسی بیٹی کی تہذیب پر آنسو بہا رہی ہوں جو فون پر دلہن بن کر میکے والوں کے منہ پر جوتے مار رہی ہے۔"

"مجھے اندازہ تھا ایسی ہی باتیں سننا پڑیں گی۔"

"اور تمہیں یقین تھا کہ سن کر بھی اثر نہ ہو گا۔ کیونکہ جو کرنا ہے، وہ سننے سے پہلے کر چکو گی اور وہ تم کر چکی ہو۔"

"میں ہمیشہ آپ کی فرمانبردار رہی، زندگی میں پہلی بار ایک ضد پوری کی ہے۔ آپ مجھے آج معاف نہیں کریں گی۔ مگر رفتہ رفتہ معاف کر ہی دیں گی۔ برس دو برس بعد ہی سہی۔ آپ مجھے گلے سے ضرور لگائیں گی۔ والدین ایک غلطی پر اولاد کو ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھکراتے۔ یہ ان کی محبت اور عظمت ہوتی ہے۔ وہ آخر کار معاف کر دیتے ہیں۔ میں آپ سے اور پاپا سے معافی مانگتی ہوں۔ آج شام کو تمام سسرالی رشتہ دار آ رہے ہیں۔ میرے میکے سے کوئی نہیں آئے گا تو میں شرم سے مر جاؤں گی۔ خدا کے لئے پاپا کو منا لیجئے، آج شام کو میرے ہاں آ جائیے۔ شہر میں جتنے رشتے دار ہیں آپ انہیں لا سکتی ہیں۔"

"اپنی نادان ماں کو یہ بھی سمجھا دو کہ رشتے داروں کو کیسے منہ دکھاؤں گی؟ میری سعادت مند بچی نے اپنا نکاح خود پڑھوایا ہے۔ یہ کس زبان سے کہوں گی؟ اور کہاں کہاں ذلتیں برداشت کروں گی؟"

فون پر مرزا صاحب کی آواز سنائی دی۔ "لڑکی! آج سے ہم تمہارا نام بھول چکے ہیں آئندہ ہم تمہاری آواز بھی نہیں سننا چاہتے۔ تم ہمارے لئے مر چکی ہو۔ اب جہنم میں جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی آواز بند ہو گئی۔ اس نے پکارا۔ "پاپا! مم! ہیلو۔ ہیلو۔"

انہوں نے رابطہ ختم کر دیا تھا جیسے رشتہ ختم کر دیا ہو۔ اس نے بھی ریسیور رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے اپنی من مانی کر کے رشتے کو ذرا کمزور کیا تھا۔ اس اعتماد پر کہ خونی رشتے وقتی طور پر کمزور ہوتے ہیں مگر والدین نے تو رشتہ ہی توڑ دیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک روتی رہی۔ پھر بیگم شاہ نے آ کر اس کے آنسو پونچھے۔ اسے تسلیاں دیں۔ اسے سمجھایا کہ رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے۔ اس کی مم اور پاپا آج نہ سہی مگر جلد ہی اس سے ملنے آئیں گے یا اپنے ہاں

بلائیں سے

شام چھ بجے تک وہ سرخ جوڑے میں دلہن کی طرح سنور گئی۔ سرخ جوڑا ریڈی میڈ خریدا گیا تھا۔ زیورات کی کمی نہیں تھی۔ اس کے بدن پر ہیرے موتی سے جڑے ہوئے زیورات جگمگا رہے تھے۔ وہ پہلے ہی کم حسین نہ تھی۔ بیوٹی پارلر کی ماہر خواتین نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ ساڑھے چھ بجے دلہن بیوٹی پارلر سے یوں چلی کہ آگے پیچھے قیمتی کاروں کی قطار لگ گئی تھی سب سے آگے والی گاڑی پر بینڈ ماسٹر کی ٹیم پورے آرکسٹرا کے ساتھ تھی مگر ابھی بجانے کی اجازت نہیں تھی۔ دلہن کو لے جانے والی بارات خاموشی سے راستہ طے کرتی رہی۔ جب اپنی اور مرزا صاحب کی کوٹھی سو دو سو گز کے فاصلے پر رہ گئی تو شاہ جی نے کہا: "بجاؤ۔ زور زور سے بجاؤ اتنی زور سے بجاؤ کہ مرزا ہڑبڑا کر گھر سے نکل آئے۔"

اچانک بینڈ باجا سُر تال کے ساتھ شروع ہوا۔ وہاں اونچے طبقے کے لوگ رہتے تھے نہ کبھی بینڈ باجے کے ساتھ بارات لے جاتے تھے اور نہ ہی کسی شور برپا کرنے والی تقریب میں شامل ہوتے تھے۔ باجے کی آواز گونجی تو کوٹھیوں کے دروازوں اور بالکونیوں سے عورتیں مرد بچے حیرانی سے بارات کو دیکھنے لگے۔ کوٹھیوں میں ملازمت کرنے والے باہر نکل آئے۔ جب شاہ جی نے پانچ پانچ روپے کے نوٹ لٹانے شروع کئے تو لوٹنے والوں کی بھیڑ لگ گئی۔ انہوں نے اعلان کیا۔ جو بھنگڑا ڈالے گا اسے سو روپے ملیں گے اور رات کا کھانا بھی کھلایا جائے گا۔

پھر تو بارات کا رنگ جم گیا۔ دور دور تک ناچنے والے نظر آنے لگے۔ مرزا اور بیگم مرزا کو بھی حیرانی تھی۔ وہ اوپری منزل پر آئے۔ جب معلوم ہوا کہ بارات ہے تو سمجھ گئے کیونکہ شاہ جی کی کوٹھی رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ ماں نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ بیٹی کو دلہن کے روپ میں دیکھنے کا کتنا ارمان تھا۔ مگر مرزا صاحب نے ان کے بازو کو تھام کر کہا: "اندر چلو۔"

اسی وقت سجاد موٹر سائیکل پر آیا۔ انہیں اوپری حصے میں دیکھ کر بولا "وہ ساحرہ کو دلہن بنا کر لا رہے ہیں مگر اسے تماشا بنا دیا ہے۔"

وہ نیچے ڈرائنگ روم میں آئے۔ مرزا صاحب نے کہا — "مسٹر سجاد! یہ دھاندلی ہے۔ کسی کی بیٹی کو بینڈ باجے کے ساتھ اغوا کیا جا رہا ہے۔ قانون کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔"

"مذاق اڑانا کوئی کھیل نہیں ہے۔ آپ کی بیٹی نے قانون کو دشمن کی حمایت پر مجبور کر دیا ہے۔"

بارات کا شور دروازے پر آ گیا تھا۔ بینڈ باجے کی آوازوں کے ساتھ بھنگڑا ڈالنے والوں کی بڑھکیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک ملازم نے آ کر کہا: "صاحب! وہ بارات ہمارے گیٹ کے پاس رک گئی ہے۔ کچھ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"میں کسی سے نہیں ملوں گا۔ جاؤ یہاں سے۔"

سجاد نے کہا: "ابھی میری بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ بیٹی دروازے پہ ہے۔ وہ جیسی بھی ہے آپ کی ہے۔ دنیا والے اندرونی معاملات کو نہیں سمجھتے انہیں سمجھنے کا موقع بھی نہیں دینا چاہئے۔ آپ دنیا داری کی خاطر جائیں اور دعائیں دے کر آ جائیں۔"

ملازم نے کہا: "صاحب! وہ کہہ رہے تھے جب تک لڑکی کے ماں باپ نہیں آئیں گے، دروازے پر ناچ گانا ہوتا رہے گا۔"

مرزا صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا: "یہ کھلی غنڈہ گردی ہے۔ ہمارے دروازے پر آ کر ہمیں پریشان کیا جا رہا ہے۔ ہمارا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ کیا تم ان کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کر سکتے؟"

"ابھی کر سکتا ہوں۔ مگر یہ آپ کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ آپ۔ ناک کسی طرف سے بچائیں وہ ضرور کٹے گی۔ پلیز، آپ دونوں میرے ساتھ چلیں۔ اولاد زخم دیتی ہے مگر ماں باپ دعا ہی دیتے ہیں۔"

مرزا صاحب نے بیگم کو دیکھا۔ دونوں ہی مجبور تھے مگر مجبوری کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دشمن دروازے پر آ کر کیچڑ اچھالنا شروع کر دے۔ وہ اچانک بپھر کر پاؤں پٹختے ہوئے باہر جانے لگے بیگم اور سجاد ان کے پیچھے ہو لئے۔ باہر طوفانِ بدتمیزی ابھی جاری تھا۔ بینڈ بج رہا تھا۔ لوگ بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ پانچ پانچ روپے لوٹنے والے اڑتے ہوئے نوٹوں کے پیچھے بھاگ رہے تھے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے جا رہے تھے۔ شاہ جی نے مرزا صاحب کو دیکھتے ہی بینڈ ماسٹر کی طرف دونوں ہاتھ اٹھائے۔ باجا بند ہو گیا۔ بھنگڑا ڈالنے والے رک گئے۔ ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔

دلہن کی کار مرزا صاحب کے دروازے کے سامنے روکی گئی تھی۔ شاہ جی نے کہا: "مرزا! تم مجھے دشمن سمجھتے ہو مگر میں نے تمہاری بیٹی کو بہو بنا کر دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ بہو بنانے کے باوجود اسے گھر نہیں لے گیا۔ بیٹی ابھی تمہارے دروازے پر ہے چاروں طرف

نظر ڈالو۔ ایک عالم دیکھ رہا ہے۔ انتظار کر رہا ہے کہ والدین اپنی بیٹی کو کس طرح رخصت کرتے ہیں۔"

مرزا اور بیگم مرزا نے دور دور تک نظریں دوڑائیں، بارات مختصر تھی ۔۔ مگر تماشائی بے شمار تھے۔ آس پاس کی کوٹھیوں والے بھی انہیں دیکھ رہے تھے۔ واقعی ایک عالم تماشا دیکھ رہا تھا۔ سامنے کھڑی ہوئی کار کی پچھلی سیٹ پر ساحرہ گھونگٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ مرزا صاحب نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "دنیا والو! یہ میری بیٹی ہے۔ میں یہاں کبھی نہ آتا مگر اس لئے آگیا کہ مجھے دیکھ کر تم عبرت حاصل کرو۔ تم بیٹی کو کتنا ہی پیار دو۔ کتنا ہی علم اور سلیقہ دو اور عمر بھر کتنی ہی دعائیں دو، یہ ایک دن ہمارے لئے بددعا بن جاتی ہے۔"

شاہ جی نے کہا۔ "مرزا! میں ساحرہ کے لئے دعا چاہتا ہوں بکواس نہیں۔"

"ہاں میں دعا دوں گا۔ میں دل جلا باپ ہوں۔ میری دعا ہے، یہ پھولوں کی سیج پر جائے مگر کانٹوں پر زندگی بسر کرتی رہے۔ یہ ہنستی رہے مگر اس کی روح روتی اور تلملاتی رہے۔ یہ رونا چاہے تو رو نہ سکے۔ سونا چاہے، سو نہ سکے۔ یہ ... یہ ..."

وہ شدت جنون میں چیخ رہے تھے۔ شاہ جی نے بینڈ ماسٹر کو اشارہ کیا۔ یکبارگی باجے کا شور بلند ہوا۔ مرزا صاحب کی آواز دب گئی۔ نوٹوں کی بارش شروع ہوئی تو لوٹنے والوں کا شور اور بڑھ گیا۔ اب دیکھنے والوں کے سامنے مرزا صاحب کا منہ تیزی سے کھل رہا تھا اور بند ہو رہا تھا آواز نکل رہی تھی مگر سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شاہ جی کے اشارے پر بارات حرکت میں آ گئی اور دھیرے دھیرے آگے بڑھتے ہوئے ان کی اپنی کوٹھی میں داخل ہو گئی۔

اس عرصے میں بیگم مرزا گم صم کھڑی ہوئی تھی۔ ماں نے دور سے بیٹی کو گھونگٹ میں دیکھا تھا اور کلیجہ پھٹ گیا تھا۔ مرزا صاحب نے ان کے بازو کو پکڑ کر غصے سے کہا۔ "چلو"

وہ شاہ جی کی کوٹھی کے گیٹ کو دیکھ رہی تھیں۔ جہاں بیٹی دلہن بن کر گئی تھی۔ پھر وہ سرد آہ بھر کر بولیں۔ "آپ نے تو ڈھیر ساری بددعائیں دیں۔ میں نہیں دوں گی۔"

وہ بولتے بولتے رونے لگیں۔ پھر روتے روتے کہا۔ "میں بددعائیں نہیں دوں گی۔ کبھی نہیں دوں گی کیونکہ ماؤں کی بددعائیں بھی دعا بن جاتی ہیں۔"

وہ چکرا گئیں۔ اگر ان کا بازو اپنے میاں کی گرفت میں نہ ہوتا تو گر پڑتیں۔ دوسری طرف سے سجاد نے سنبھال لیا تھا۔

نادر سیاہ بوٹ اور سفید سوٹ میں نہایت خوبرو اور سمارٹ لگ رہا تھا۔ مہمان آ رہے تھے۔ مہمان اور اسے دوہری مبارک باد دے رہے تھے۔ ایک مبارک باد نئی شخصیت کے لئے اور دوسری مبارکباد حسین دلہن کو پا لینے کے لئے تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ لوگ اس کی نئی شخصیت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ عورتیں اور جوان لڑکیاں اسے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے وہ دنیا کا پہلا مرد ہو اور اپنی دلہن کو سرپرائز دینے والا ہو۔

شاہ جی کے لئے مشکلات پیدا ہو گئیں۔ وہ بیٹے کو تماشا نہیں بنانا چاہتے تھے مگر صحافی حضرات، نادر سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ ان سوالات کا تعلق اس کی دلہن سے بھی تھا۔ کچھ سوالات معنی خیز ہوتے تھے۔ کچھ دو ٹوک ہوتے تھے۔ نادر کبھی جواب دیتا تھا اور کبھی پریشان ہوتا تھا۔ کبھی جھنجھلا جاتا تھا۔ شاہ جی پریس والوں کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ وہ اخبارات میں الٹے سیدھے قصے نہ چھاپ دیں۔

رات دس بجے تک ناپسندیدہ مہمانوں سے نجات مل گئی۔ وہ کوٹھی کے اندر آیا تو ڈھیر عورتوں نے گھیر لیا۔ ان میں سے کچھ گیت گانے اور رسمیں ادا کرنے کے بہانے قریب ہو رہی تھیں۔ اسے خواہ مخواہ چھو رہی تھیں جیسے ہاتھ لگا کر اس کی نئی اور پرانی شخصیت کا تجزیہ کرنا چاہتی ہوں۔ ایک سات سال کا بچہ اسے دیکھنے کی ضد کر رہا تھا۔ ماں نے اسے کاندھے پر بٹھا کر دکھایا۔ وہ بولا۔ "ماں! یہ مرد ہے یا عورت؟"

نادر نے اسے گھور کر دیکھا۔ ماں نے بچے کو اتار کر ایک دھپ جماتے ہوئے کہا۔ "کمبخت بہت بولتا ہے۔ تجھے مرد یا عورت سے کیا لینا ہے؟"

چند لڑکیوں نے نادر کو عورتوں کی بھیڑ سے نکال کر دلہن کے دروازے تک پہنچا دیا۔ وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اپنا آنچل بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے ...."

لڑکیاں کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔ ایک نے آٹو گراف بک بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پلیز اپنے تاثرات لکھ دو۔"

وہ بولا۔ "پلیز میرا پیچھا چھوڑ دو مجھے جانے دو۔"

"پہلے لکھو، پھر اندر جانے کی اجازت ملے گی۔"

اس نے مجبور ہو کر آٹو گراف بک لی۔ اسے کھولا پھر قلم لے کر لکھا۔ "اے لڑکی! ایسی سہاگ رات تمہاری زندگی میں آئے تو اس کی صبح نہ چاہنا۔ میں بھی نہیں چاہوں گا۔"

اس نے یہ لکھ کر نادر شاہ کے نام سے دستخط کر دیے۔ لڑکی اسے پڑھتے ہی شرما گئی تھی۔ دوسری نے کہا۔ "یہ آٹو گراف یادگار رہے گا۔ اس پر نادرہ کے بھی دستخط کرو۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "نادرہ فنا ہو چکی ہے۔ اس کے دستخط میں نہیں کر سکتا۔"

لڑکیاں ضد کرنے لگیں۔ وہ آج کسی صورت میں نادرہ کا نام تک لینا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ سب کی سب دروازے کے سامنے راستہ روکے کھڑی تھیں۔ اس نے یکبارگی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "چھپکلی۔ چھپکلی ...."

دوسرے ہی لمحے لڑکیاں چیختی ہوئی اپنے دوپٹوں کو جھٹکتی ہوئی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئیں۔ اس نے اطمینان سے دروازے کو کھولا۔ پھر کمرے میں آ کر اسے اندر سے بند کر دیا۔ کمرہ ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ سامنے پھولوں کی سیج پر دلہن سر جھکائے گھونگٹ میں چھپی بیٹھی تھی۔ یہ وہی سہیلی تھی جس سے وعدہ تھا کہ دونوں ایک ہی گھر میں بیاہ کر جائیں گی اور شادی کے بعد بھی سہیلیوں کی طرح ایک چھت کے نیچے رہیں گی۔ قدرت نے ان کے وعدوں کی لاج رکھ لی۔ وہ ایک ہی گھر میں، ایک ہی چھت کے نیچے رہیں گی۔ مگر اب سہیلیاں نہیں تھیں، وہ دولہا دلہن بن گئے تھے۔

اس نے بڑی محبت سے دلہن کو دیکھا۔ پسینہ پونچھتے ہوئے پاس آ کر بولا۔ "آج تو دلہن کے خوبصورت روپ میں غضب ڈھا رہی ہو۔ اپنے پرائے سب نے تمہیں دیکھا ہے۔ میں ہی دیدار کا پیاسا رہ گیا ہوں۔"

اس نے گھونگٹ کو ہاتھ لگایا۔ ساحرہ نے گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔ یہ سہاگ رات کا منظر اتنا پرانا ہے کہ پڑھتے پڑھتے اور فلموں میں دیکھتے دیکھتے اس کی تمام دلکشی ختم ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود اسے دلکش اور رنگین بنانے کی پوری پوری کوشش کی جاتی ہے۔ شاہ جی نے کیسٹ کے ذریعے رات بھر گانے کا پروگرام رکھا تھا۔ اسپیکر کا رُخ مرزا صاحب کی کوٹھی ہی کی طرف تھا۔ اس کے ذریعے ایسے گانے نشر ہو رہے تھے جن میں ایک سہاگن اپنی سہیلیوں کو سہاگ رات کا قصہ سناتی ہے۔ یہ جذباتی اور شرمناک گیت بیٹی کے کانوں میں بھی پڑ رہے تھے۔ اور ماں باپ تک بھی پہنچ رہے تھے۔ ایسے گیت اکثر تقریبات میں اونچی آوازمیں دور دور تک سنائے جاتے ہیں۔ سبھی سنتے ہیں۔ لیکن حیا اور تہذیب کے ماتھے پر کبھی بل نہیں پڑتے۔

نادر نے اسے ہیرے کی ایک انگوٹھی پہنائی۔ پھر گھونگٹ اٹھا کر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ خواب کا سا گمان ہو رہا تھا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "ساحرہ! یہ تم ہو؟ بخدا آج معلوم ہوا، برسوں تک دیکھی ہوئی صورت بھی دلہن کے روپ میں سحر پھونکتی ہے۔ تم اپنے نام کے اعتبار سے جادو جگا رہی ہو۔"

ساحرہ نے شرماتے ہوئے، زیرِ لب مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ پھر نظریں جھکا لیں۔ نادر نے پوچھا۔ "اس رات صوفے پر سو گئی تھیں مگر آج ؟"

وہ منہ چھپانے لگی۔ یہ چھیڑنے لگا۔ چھیڑ چھاڑ کر ہنسانے لگا۔ باہر بھی ہنسنے ہنسانے کا سلسلہ جاری تھا۔ خسروں کی ایک ٹولی وہاں یہ سُن کر پہنچ گئی تھی کہ شاہ جی روپے نثار رہے ہیں۔ مین گیٹ پر دربان اور دوسرے ملازم ان خسروں کو اندر جانے سے روک رہے تھے۔ وہ ڈھولک بجا کر تالی پیٹ کر دعوے کر رہے تھے کہ اندر گھس کر رہیں گے۔ شاہ جی نے انہیں دور سے دیکھا۔ پھر ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر یہ اندر آنے میں کامیاب ہو گئے تو میں انہیں پانچ سو روپے دوں گا۔ ورنہ پچاس روپے دے کر بھگا دوں گا۔"

خسروں کے لئے آج کمانے کی رات تھی۔ اندر پہنچ جاتے تو ناچ گا کر بڑی بڑی بیگمات سے سو سو روپے لے سکتے تھے۔ پانچ سو کا انعام الگ تھا۔ سب نے مل کر گیٹ پر ہلّہ بول دیا۔ بڑی ضد سے آئے مگر ملازموں نے روک لیا۔ انہیں رگیدتے ہوئے دور سڑک پر پہنچا دیا۔ وہ پھر فاتحانہ انداز میں ناچتے کودتے ہوئے گیٹ پر آ گئے۔ شاہ جی کے ہاں جو مہمان رہ گئے تھے وہ گیٹ پر آ کر تماشا دیکھنے لگے۔

ملازموں کے پاس لاٹھیاں تھیں۔ خسروں کو آج تک کسی نے لاٹھی یا تلوار چلاتے نہیں دیکھا کیونکہ وہ ہتھیار سے خالی ہوتے ہیں۔ وہ ہاتھ نچانا جانتے ہیں، ہاتھ چلانا نہیں جانتے مگر بڑے ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ وہ بار بار گیٹ کی طرف آنے لگے۔ کبھی ملازموں کو کوسنے لگے۔ کبھی ڈھولک بجا کر، ٹھمکے لگا کر مضحکہ خیز حرکتوں سے بہلا کر اندر پہنچنے کی کوشش کرنے لگے اسی تماشے میں رات کے دو بج گئے۔ ان کا برا حال ہو گیا تھا۔ بال کھل گئے تھے۔ چہروں کا گاڑھا میک اپ پسینے سے دُھل رہا تھا۔ بھدّی صورتیں پہلے سے زیادہ بھدّی لگ رہی تھیں۔ طویل جدوجہد کے بعد بری طرح ہانپتے ہوئے گیٹ کے سامنے اکڑوں بیٹھ گئے تھے۔ ان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ اندر گھس کر اپنی جگہ نہیں بنا سکیں گے۔

کمرے کی نیم تاریکی اور نیم روشنی میں دولہا کے خراٹے گونج رہے تھے۔ تکیے پر ساحرہ کی زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ چہرے کا میک اپ اجڑ گیا تھا۔ چہرہ یوں تمتما رہا تھا جیسے ان دیکھی آگ جل رہی ہو۔ وہ دیدے پھیلائے چھت کو تک رہی تھی۔

سوچا تھا کیا اور کیا ہو گیا؟ اس نے جیسا بھی سوچا تھا مگر ایسا نہیں سوچا تھا کیا سہاگ رات ایسی ہوتی ہے؟

وہ ایک جذباتی مگر سیدھی سادی سی لڑکی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے چاہنے والے کو اتنی آسودگی سے نیند کیوں اور کیسے آ گئی ہے؟ اور وہ کیوں جاگ رہی ہے؟ سونا چاہتی ہے مگر سو نہیں سکتی۔ ایک انجانی سی بے چینی اس کے اندر پھیل رہی ہے۔ "بوجھو تو سہی تمہیں کیا ہو رہا ہے؟"

اس کا سر دکھ رہا تھا۔ جانے کیسا غبار بھرا ہوا تھا۔ کہیں سے نکل نہیں رہا تھا۔ وہ بار بار گہری سانس لیتی تھی مگر قرار نہیں آتا تھا۔ اس کے برعکس وہ صرف سانسیں نہیں لے رہا تھا خراٹے بھی لے رہا تھا۔ لیکن یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ساحرہ کو تو یوں لگا تھا جیسے تاریکی میں ایک جگنو چمکا ہو اور چمک کر بجھ گیا ہو۔ شاید اب صبح ہونے والی ہے۔ اس نے تکیے پر سر گھما کر نادر کو دیکھا۔ پھر اس کے سینے سے نکلنے والی سرد آہ نے کہا ـ

ہری گلابی بانہوں والی جھاڑی میں
ہر اک جگنو صبح کو مردہ ملتا ہے

وہ نیا آدمی مر چکا تھا۔ صرف اس کے خراٹے زندہ تھے۔ تب اچانک ہی اس کی سماعت میں دعائیہ چیخیں گونجنے لگیں۔ "ہاں، میں دعا دوں گا۔ میری دعا ہے۔ تو پھولوں کی سیج پر جائے مگر کانٹوں پر زندگی بسر کرتی رہے۔ تو ہنستی رہے اور تیری آنکھیں روتی اور تلملاتی رہیں۔ تو رونا چاہے، رو نہ سکے۔ سونا چاہے، سو نہ سکے۔ اور تو مرنا چاہے مر بھی نہ سکے ....."

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔ وہ ایئر کنڈیشنڈ کمرہ اسے آسیب زدہ لگ رہا تھا۔

ہماری دور کی نظر کمزور ہوتی ہے۔ ہم آنے والے لمحات کو دیکھ نہیں سکتے۔ جب وہ آجاتے ہیں تو مستقبل سے حال بن جاتے ہیں اور تب تک ہمارا حال برا کر دیتے ہیں۔ اب ساحرہ کو سجاد کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ اس نے کہا تھا۔ "تم نے نادر کو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ گزرتے ہوئے وقت کی طرح تمہارے ساتھ رہتی آئی ہے۔ تمہارے حسب حال رہی ہے مگر تم نے نادر کے پاس رہ کر اسے دور تک نہیں دیکھا ہے۔ وہ آنے والا ایک پراسرار مسئلہ ہے اس سے پہلے کہ وہ تمہاری زندگی میں آئے، تم اسے دیکھو، سمجھو، پرکھو پھر قبول کرو۔"

مگر محبت نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ کانوں میں روئی ٹھونس دی تھی اور دماغ کو سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ سہاگ رات کی صبح جو سورج طلوع ہوا وہ کمزور سا تھا اور چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بادل امڈ کر آرہے تھے۔ آہ! اگر بارش ہوگی تو برا ہوگا۔ پانی میں آگ نہیں جلتی۔ وہ بھری برسات میں جلتی رہے گی۔

اس نے کھڑکی کے پاس آکر دیکھا۔ یہ وہی کھڑکی تھی جہاں سے اس کے میکے کی بالکونی نظر آتی تھی۔ نادرہ یہاں سے دیکھا کرتی تھی۔ ساحرہ وہاں جھولے پر بیٹھ کر جھولا کرتی تھی۔ مگر اب وہ بالکونی ویران تھی۔ دروازے اور کھڑکیاں بند کر دی گئی تھیں۔ یقیناً اس کے پاپا نے حکم دیا ہوگا۔ کہ اس بالکونی اور کمرے کی طرف کوئی نہ جائے۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ آسمان کی طرف دیکھا بادل گرج رہے تھے۔ اس نے سر گھما کر نادر کو دیکھا۔ وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ کوئی ضروری نہیں کہ بادل گرجتے ہوں تو برستے بھی ہوں۔ ساحلی علاقوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بادل امڈ کر آتے ہیں۔ مگر گزر جاتے ہیں۔ برستے نہیں ہیں۔ شاید کہیں دور دراز کے علاقوں میں برستے ہوں۔ ہاں برستے ہوں گے۔

جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے نادر کے پاس آئی۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ حالانکہ صبح چار بجے اٹھ کر جوگنگ کے لئے نکلا کرتا تھا۔ مگر یہ نیا آدمی اپنی نئی زندگی کی نئی صبح بے خبر سو رہا تھا۔ ساحرہ کو اس پر پیار آرہا تھا۔ وہ جیسا بھی تھا اس کا محبوب تھا۔ اس کی برسوں کی سہیلی اور اس کا دوست تھا۔ اس کا جیون ساتھی تھا۔ اس کے جی میں آیا، پاس بیٹھ کر اس کے سر کو سہلائے، محبت سے بیدار کرے مگر جانے کیوں، اندر بے چینی سی تھی، سر پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا دھوپ نہیں تھی۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود بڑی گرمی لگ رہی تھی۔ اس نے اپنے لئے ایک جوڑا نکالا۔ پھر باتھ روم میں پہنچ کر شاور کو پوری طرح کھول دیا اور لباس سمیت اس کے نیچے کھڑی ہو گئی، پتا نہیں باہر بارش تھی یا نہیں مگر اس نے بھیگنے کا سامان کر لیا تھا۔

پانی کی پھوار چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے اس کا اپنا نادر تھا۔ کراٹے کے مخصوص لباس میں دکھائی دے رہا تھا۔ ادھر سے ادھر پینترے بدل رہا تھا۔ مخالفین کی پٹائی کر رہا تھا۔ ایک بریک مار کر اینٹ کے دو ٹکڑے کر رہا تھا کیسا شہ زور تھا۔ مخالفین کو شکست دے کر فاتحانہ انداز میں اس کے پاس آگیا تھا اور اسے بڑی محبت سے اپنی پناہ میں لے رہا تھا۔ اچانک ہی ساحرہ نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور گھبرا گئی۔ وہ سچ مچ آگیا تھا۔ تب اسے یاد آیا کہ پریشانی کے عالم میں دروازے کو اندر سے بند کرنا بھول گئی تھی وہ گھبرا کر بولی "کیا کرتے ہو۔ جاؤ یہاں سے۔"

"تم مجھے تنہا چھوڑ آئیں۔ اب ایک لمحہ بھی تمہارے بغیر نہیں رہوں گا۔ بھیگ رہی ہو تو تمہارے ساتھ بھیگتا رہوں گا۔"

وہ گیلے کپڑوں میں سمٹی ہوئی تھی اپنے آپ کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اور بولی "میں غسل نہیں کروں گی۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے باتھ روم سے باہر آئی۔ نادر نے اس کے پیچھے آتے ہوئے کہا۔ "میں تو سایہ ہوں۔ کبھی آگے کبھی پیچھے۔"

بیگم شاہ اپنی عادت کے مطابق صبح سویرے بیدار ہو گئی تھیں۔ نماز پڑھنے کے بعد اپنی بہو کے لئے ناشتا تیار کرنے کے لئے کچن میں گئی تھیں۔ رشتے کی ایک خاتون ان کا ہاتھ بٹانے آگئی۔ انہوں نے کہا "آج موسم کتنا سہانا ہے۔ دھوپ نہیں ہے۔ بادل چھائے ہوئے ہیں۔"

خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "قدرت تمہارے بیٹے اور بہو پر مہربان ہے۔ آج کا موسم انھی کے نام ہے۔"

بیگم خوش ہو کر مسکرانے لگیں۔ بادل گرجنے لگے، بوندیں پڑنے لگیں۔ شاہ جی لان میں ٹہل رہے تھے۔ وہ برآمدے میں آگئے۔ آثار بتا رہے تھے، زور کی بارش ہوگی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بادل چھٹ گئے۔ شاید دو چار سیکنڈ تک بارش ہوئی ہوگی، لان کی گھاس پھول اور پتیاں بھی نہ بھیگ سکیں۔ حبس بڑھ گیا تھا۔ دھوپ نہیں تھی۔ اس کے باوجود گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔

ساحرہ نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ یوں لگتا تھا جیسے سر کو ہاتھوں سے نہیں پکڑے گی تو وہ پھٹ پڑے گا۔ اس نے بستر پر کروٹ لی۔ ادھر وہ نہیں تھا۔ اس نے دوسری کروٹ لی۔ ادھر بھی وہ نہیں تھا۔ باتھ روم کے شاور سے پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اٹھ بھی جاؤ۔ میں نے تو غسل کر لیا ہے۔ تم بھی تیار ہو جاؤ، ممی آتی ہوں گی۔"

اس نے گہری گہری سانس لیتے ہوئے پھر کروٹ بدلی۔ بستر پر کانٹے چبھ رہے تھے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر باتھ روم میں جانا نہیں چاہتی تھی۔ ابھی تک لباس سمیت بھیگی پڑی تھی اور اوپر سے چادر ڈال لی تھی تاکہ نادر اسے پھر اس حالت میں نہ دیکھ سکے۔

وہ تولیے سے بدن پونچھتا ہوا باتھ روم سے آیا۔ پھر لباس تبدیل کرتے ہوئے بولا۔ "کب تک پڑی رہو گی۔ کیا باہر نکلنے کا ارادہ نہیں ہے؟"

وہ خاموش رہی۔ اس نے لباس تبدیل کرنے کے بعد قریب آکر دیکھا پھر پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ تمہارا چہرہ اترا ہوا ہے تم پریشان نظر آرہی ہو۔"

"بس یونہی، سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"غسل کر لو بدن ہلکا ہو جائے گا۔"

"تم باہر جاؤ۔"

"ہرگز نہیں۔ ہم اس کمرے سے ساتھ نکلیں گے۔ بلکہ ہمارے لیے یہیں ناشتا آئے گا۔ اس کے بعد باہر نکلنے کا پروگرام بنائیں گے۔"

"پلیز نادر! میری بات مان لو۔ تھوڑی دیر کے لیے چلے جاؤ۔"

"کیا تمہیں شرم آرہی ہے؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔ گھر والے ہم دونوں کو ساتھ دیکھنا چاہیں گے۔ اگر تم شرما رہی ہو تو میں دوسری طرف منہ کر لیتا ہوں۔"

وہ منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ ذرا دیر بعد چادر کی ہلکی ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی۔ چند ساعتوں تک خاموشی رہی۔ اس کے بعد دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ باتھ روم کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی اس نے آگے بڑھ کر اسے کھولا۔ پچھلی رات والی لڑکیوں میں سے دو نظر آئیں۔ ایک نے پوچھا "نادر بھائی! ہماری بھابی خیریت سے تو ہیں۔ نظر نہیں آرہی ہیں؟"

"غسل کر رہی ہیں۔"

وہ کچھ شرما کر منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔ پھر دوسری نے کہا۔ "آپ یہاں سے جائیں۔ ہم بھابی کو تیار کریں گے۔"

اس نے سوچا۔ ساحرہ یوں بھی شرما رہی ہے۔ اس کا موجود رہنا مناسب نہیں ہے وہ باہر آگیا۔ لڑکیاں اندر چلی گئیں۔ اس نے ٹی وی لاؤنج میں آکر اپنی ممی اور دوسری بزرگ خواتین کو سلام کیا۔ انھوں نے مسکرا کر دعائیں دیں۔ ایک خاتون نے کہا۔ "تمہیں دلہن کے ساتھ اپنے کمرے میں ہی ناشتا کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ یہاں آنا چاہیے۔"

"میں تو یہی چاہتا تھا مگر وہ اتنی شرمیلی ہے کہ مجھ سے بھی شرما رہی ہے مجھے باہر جانے کے لیے کہہ دیا۔"

سب عورتیں ہنسنے لگیں۔ اسی وقت وہ دونوں لڑکیاں زینے سے اترتے ہوئے بولیں۔ "ہماری بھابی بے حد حسین ہیں مگر ملنسار نہیں ہیں۔ ہمیں کمرے سے بھگا دیا ہے۔"

ان لڑکیوں کی ماؤں نے پوچھا۔ "کیا کہتی ہو تمہیں بھگا دیا؟"

بیگم شاہ نے جلدی سے کہا۔ "نہیں، ایسی بھلا کیا بات ہے، وہ بھلا کیوں بھگائے گی؟"

"آنٹی! آپ خود جا کر دیکھ لیں۔ بھابی نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا ہے۔ کہتی ہیں مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے میں تنہائی چاہتی ہوں۔"

نادر نے کہا۔ "وہ کچھ پریشان سی ہے۔ میرا خیال ہے، طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں جا کر دیکھتی ہوں۔" اس کی ممی زینے پر چڑھتی ہوئی اوپر گئیں۔ پھر دروازے پر دستک

دی۔ اندر سے آواز آئی: "میں کہہ چکی ہوں، مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"

"بیٹی! میں ہوں۔ تمہاری آنٹی، تمہاری ساس، تمہاری ماں۔" چند لمحوں کے بعد دروازہ کھل گیا۔ ساحرہ نے سر جھکا کر آداب کہا۔ بیگم اسے دعائیں دیتی ہوئی اندر چلی گئیں۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد اپنی بہو کو بہلا اوڑھا کر باہر لے آئیں۔ شاہ جی بھی آ گئے تھے۔ بیگم نے کہا: "ہماری بیٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ناشتا کرنے سے انکار کر رہی ہے۔"

شاہ جی نے ساحرہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے کہا: "یہ تمہارے نئے گھر کی نئی صبح ہے۔ پہلے دن کا ناشتا ہے۔ ضرور کچھ کھانا چاہئے۔ میں ابھی ڈاکٹر کو فون کر کے بلاتا ہوں۔"

اس نے کہا: "انکل! میں تنہائی چاہتی ہوں۔"

شاہ جی نے اپنی بیگم کو دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر کہا: "ایسا کرو، تم نادر کے ساتھ آؤٹنگ کے لئے چلی جاؤ۔ کسی ڈاکٹر سے کنسلٹ بھی کر لینا اور باہر ہی ناشتا بھی کر لینا۔"

بیگم نے کہا: "آج میں نے بڑے ارمان سے بہو کے لئے خود ناشتا تیار کیا ہے۔"

ساحرہ نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا: "ایسی بات ہے تو میں انکار نہیں کروں گی۔ دو لقمے ضرور کھاؤں گی۔"

"خوش رہو بیٹی! نادر کے ساتھ ڈائننگ روم میں چلو۔ میں ناشتا لاتی ہوں۔"

وہ نادر اور شاہ جی کے درمیان جانے لگی۔ اس کے پیچھے عورتوں نے آپس میں کھسر پھسر شروع کر دی۔ ایک نے کہا: "اے آپا! تم نے دیکھا دلہن کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے رات بھر روتی رہی ہے۔"

"اور چہرے کا رنگ بھی اُڑ گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے، برسوں کی بیمار ہو۔"

ایک نے کہا: "کل گھونگھٹ میں تو اچھی بھلی لگ رہی تھی۔"

دوسری نے جواب دیا: "اے بہن، دلہن اسی لئے بناتے ہیں کہ رہا سہا عیب چھپ جائے اور کوئی نقص ہو تو نظر نہ آئے۔"

ایک لڑکی نے کہا: "امی یہ بڑی بدمزاج ہے۔ میں نے آنٹی کے سامنے اس لئے نہیں کہا کہ وہ ناراض ہو جائیں گی اور ہماری بات کو جھوٹ سمجھیں گی ورنہ یہ تو ہمیں دیکھتے ہی غرّا کر کہنے لگی، کیوں آئی ہو، چلی جاؤ یہاں سے۔ توبہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے، رات بھر نادر بھائی سے لڑتی رہی ہے۔"

ایک بزرگ خاتون نے آہستہ سے کہا: "سو بات کی ایک بات یہ ہے کہ لڑکی کو ماں باپ سے

چھڑا کر لایا گیا ہے۔ زبردستی کے رشتوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔"

بیگم شاہ خود بھی عورت تھیں اور عورتوں کے مزاج کو خوب سمجھتی تھیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ دلہن کے متعلق سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔ ویسے یہ عارضی تبصرے تھے۔ دوسرے تیسرے دن تمام مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اب کوئی دیکھنے، سننے والا نہیں تھا اور نہ ہی گھر کی بات باہر پہنچانے والا تھا۔ اب صرف شاہ جی اور بیگم شاہ دیکھ رہے تھے۔ ہنسنے بولنے والی ساحرہ کو ایسی چپ لگ گئی تھی۔ جیسے چپ ایک بیماری ہو، جو لگ جائے تو پھر پیچھا نہ چھوڑتی ہو۔ وہ جب بھی کوئی بات کہتے تو وہ چونک کر پوچھتی تھی: "آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا؟"

بیگم نے کہا: "بیٹی! تم کہاں گم رہتی ہو۔ کیا سوچتی ہو۔ ہم تمہارے سامنے باتیں کرتے ہیں اور تمہیں سنائی نہیں دیتیں؟"

نادر بیڈ روم کی تنہائی میں پوچھتا تھا: "تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے، تم مجھ سے کترانے لگی ہو۔ پاس آتا ہوں تو دور بھاگ جاتی ہو؟"

"نادر! میں کتنی بار کہہ چکی ہوں مجھے تنہا چھوڑ دیا کرو۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے۔"

"مجھ سے کوئی شکایت ہے تو صاف صاف بتاؤ۔ ہم میاں بیوی ہیں۔ مجھ میں کوئی کمی ہو گی تو میں اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

ساحرہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی تھی مگر وہ آنکھوں کی زبان سمجھ نہیں پاتا تھا۔ تین دن اور تین راتیں گزارنے کے بعد ساحرہ کا یہ دستور بن گیا تھا کہ وہ پاس رہے یا دور رہے نادر کو خاموشی سے تکتی رہتی تھی۔ نادر اس کے لئے شاید ایک سوال بن گیا تھا اور اس کا جواب وہ اسی کے اندر تلاش کر رہی تھی۔

بیگم شاہ نے اپنے میاں سے کہا: "اس لڑکی کی خاموشی بڑی پراسرار ہے، مجھے تو ڈر لگتا ہے۔"

"نادر سے کہو۔ اسے باہر لے جایا کرے دل بہلایا کرے۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے ماں باپ سے بچھڑنے کا غم ہے۔ رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ ایک صبح نادر کے ساتھ باہر جانے کے لئے کوٹھی سے نکلی۔ برآمدے میں آئی۔ مالی نے اسے دیکھتے ہی جھک کر سلام کیا۔ شاہ اور بیگم شاہ اپنی بہو کو کار تک چھوڑنے آئے تھے نادر نے ایک گملے کی طرف دیکھتے ہوئے مالی سے پوچھا: "وہاٹ نان سنس، تم نے اس گملے میں کیا

لگایا ہے۔ میں کئی ہفتوں سے دیکھ رہا ہوں، اس میں کوئی پودا نظر نہیں آتا، کوئی پھول نہیں کھلتا۔"

مالی نے کہا۔ "چھوٹے مالک! میں نے بڑے مالک کو بتایا تھا۔ جس دن آپ کا کامیاب آپریشن ہوا تھا، آپ کی نئی زندگی کے نام اس میں ایک بیج بویا تھا۔ بیج تو پھوٹ گیا ہے، یہ دیکھئے ننھا سا پودا بھی نکل آیا ہے۔ شاید ڈھائی مہینے گزر چکے ہیں۔ جتنا نکلا تھا اتنا ہی رہ گیا ہے۔ نہ بڑھتا ہے نہ مرجھاتا ہے۔"

نادر نے گھور کر اس گملے کو دیکھا۔ گملے کے اندر جو مٹی کی سطح تھی۔ اس سطح سے تقریباً آدھے انچ کی ایک سبز ننھی سی ٹہنی نکلی ہوئی تھی۔ یوں دیکھنے میں نہ وہ ٹہنی تھی نہ ہی پودا لگتا تھا نادر نے مالی کو دیکھ کر غصے سے پوچھا۔ "تمہارے باپ نے بھی کبھی باغبانی کی ہے۔ یہ کیا لگا رکھا ہے اسے اکھاڑ کر پھینک دو۔"

ساحرہ کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سر کو تھام رکھا تھا۔ نادر نے دوسرے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ "چلو۔"

وہ محسوس کر رہی تھی جیسے چل نہیں سکے گی۔ مگر اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔ نادر نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ اسے سہارا دے کر بٹھایا پھر دروازہ بند کر کے دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ کے پاس پہنچا۔ اسی وقت سب چونک گئے۔ شاہ جی اور بیگم شاہ کھڑکی کے پاس جھک کر ساحرہ کو دیکھنے لگے۔ وہ ہولے ہولے ہنس رہی تھی۔ بیگم نے پوچھا۔ "بیٹی! کیا ہوا؟"

وہ ذرا زور سے ہنسنے لگی۔ نادر نے اس کے بازو کو تھام کر پوچھا۔ "کیا بات ہے ساحرہ؟" اس نے ایک جھٹکے سے بازو کو چھڑا لیا۔ پھر زور زور سے قہقہے لگانے لگی۔ شاہ جی نے مخاطب کیا۔ "بیٹی! کیا ہو گیا؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ ایک طرف سے بیگم نے اس کے بازو کو تھام لیا دوسری طرف سے نادر پھر اس کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ "ہوش میں آؤ ساحرہ! تمہیں کیا ہو رہا ہے، پلیز ساحرہ کچھ تو بولو۔"

وہ اپنے آپ میں نہیں تھی۔ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی جا رہی تھی اور زور زور سے ہنستی جا رہی تھی، مالی دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ دوسرے ملازم بھی کوٹھی کے اندر سے آنے لگے شاہ جی نے

ڈانٹ کر کہا۔ "جاؤ اپنا کام کرو۔"

وہ وہاں سے جانے لگے۔ انہوں نے کہا۔ "نادر! اسے سہارا دے کر اتارو۔ باہر جانا مناسب نہیں ہے۔"

"نو ڈیڈ! پہلے اسے خاموش کرانا چاہئے۔ یہ پاگلوں کی طرح ہنستی ہوئی کار سے نکلے گی تو اس کے ماں باپ دیکھ سکتے ہیں۔"

شاہ جی نے پریشان ہو کر نظریں اٹھائیں۔ وہاں سے مرزا صاحب کی کوٹھی کا اوپری حصہ نظر آتا تھا۔ وہ لوگ چھپ کر اپنی بیٹی کو دیکھ سکتے تھے۔ نادر نے ساحرہ کے دونوں بازو پکڑ کر اپنی طرف گھما لیا تھا۔ اسے جھنجھوڑ کر کہہ رہا تھا۔ "پاگل نہ بنو! خاموش ہو جاؤ۔ پلیز کیپ کوائیٹ۔ اسٹاپ یور نان سنس لافنگ۔"

اس کے قہقہوں کی دیوانگی بڑھتی جا رہی تھی۔ بعض حالات میں ایسا ہوتا ہے کہ جب آنسوؤں کے سیلاب کو اندر ہی اندر روکا جاتا ہے تو یک بیک قہقہوں کا آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے۔ نادر سمجھ گیا۔ وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔ اس نے آخری بار اسے چپ رہنے کے لئے کہا۔ پھر ایک زبردست طمانچہ اس کے رخسار پر جڑ دیا، جیسے اچانک بریک لگائے گئے ہوں۔ اس کے قہقہوں کا دم گھٹ گیا۔ وہ ایک دم سے ساکت ہو گئی۔ قہقہوں کی روانی میں کھلا ہوا منہ کھلا رہ گیا۔ دیدے پھیل گئے۔ وہ سپاٹ نظروں سے نادر کو تک رہی تھی۔ وہ بولا۔ "سانس لو۔ ساحرہ سانس لو۔" اس نے جھنجھوڑ ڈالا۔ ایسا کرنے سے سانس آ ہی گیا۔ اس کا چہرہ یوں لگ رہا تھا جیسے تمام خون نچوڑ دیا گیا ہو۔ اس نے ایک گہری سانس لی پھر آگے کی طرف ڈھلک گئی۔

وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

کسی پر جنون سوار ہو جاتا ہے۔ کوئی ہنستے ہنستے رو دیتا ہے۔ کوئی روتے روتے پاگلوں کی طرح ہنس پڑتا ہے اور کوئی پاگل کتے کی طرح کاٹنے دوڑتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے پورا شہر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ چار برس پہلے اس شہر کا کوئی پاکستانی دوسرے پاکستانی سے کبھی لڑتا نہیں تھا اب کیوں لڑتا ہے؟ اس میں دوسرے کو کاٹ کھانے کا جنون کیسے پیدا ہوا؟ اس جنون کی تشخیص کرنا اور اس کی وجوہات معلوم کر کے علاج کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے اگر ایک عورت جنون میں مبتلا ہو جائے اور کسی تشخیص کے بغیر یہ کہہ دیا جائے کہ اس پر جن سوار ہے تو جھاڑ پھونک سے جنون کی شدت کم نہ ہوگی۔ اگر آپس میں لڑنے والی قوم کو اخوت کا درس دیا جائے گا آپس میں اتحاد کے لئے دعائیں مانگی جائیں گی تو کبھی اثر نہیں کریں گی۔ صاف بات ہے، جنون میں مبتلا ہونے والوں کو نصیحت سنائی نہیں دیتی اثر کیا کرے گی؟

اس نے میز پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔" ڈاکٹر! وہ جنون میں مبتلا ہے۔ اس کے پس پردہ کوئی خرابی رہ گئی ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔" مسٹر سجاد! آپ جس ساحرہ کا ذکر کر رہے ہیں، وہ کبھی میری مریضہ نہیں رہی اور میں سرجن ہوں۔ نفسیاتی معالج نہیں ہوں۔"

" ساحرہ کا تعلق اس مریض سے ہے جس کا آپ نے آپریشن کیا تھا میں اسی انکوائری کے لئے آیا ہوں۔ کیا وہ آپریشن واقعی کامیاب رہا تھا؟ کیا اس کی نئی شخصیت مکمل ہو گئی تھی؟ کیا وہ شادی کرنے اور ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل ہو گیا تھا؟

ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے میز پر جھک کر کہا۔" ہاں یہ کوئی ڈھائی ماہ پہلے کی بات ہے یہ کیس

مجھے اس لئے یاد ہے کہ اس نے مکمل تبدیلی سے پہلے اپنا کیس بگاڑ ڈالا تھا۔ اس نے شدید ہیجان میں مبتلا ہو کر خود کو بری طرح زخمی کر لیا تھا۔ ہمیں مجبوراً ایک فیصلہ کن آپریشن سے گزرنا پڑا۔ خدا کا شکر ہے، میں نے نامناسب وقت میں کامیاب آپریشن کیا۔ اس کی شخصیت تبدیل ہو چکی ہے اگر وہ سال چھ ماہ تک ہمارے ٹریٹمنٹ سے گزرتا رہے تو کامیاب ازدواجی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے گا۔"

" یعنی ابھی وہ اس قابل نہیں ہے۔"

" سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کل بیج بو کر آج تناور درخت کی توقع کرنا بچگانہ پن ہے۔"

" شاہ جی جیسے بزرگ نے یہ بچگانہ پن کیا ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ انہوں نے نادر کی شادی کر دی ہے۔ گھر میں بہو لے آئے ہیں اور وہ بہو ہسٹریا کی مریضہ بھی بن چکی ہے۔"

ڈاکٹر بڑی حیرانی سے سن رہا تھا اور بے یقینی سے انکار میں سر ہلا رہا تھا۔ سجاد نے کہا۔ " ہمارے ہاں، اوپر سے نیچے تک یہی ہو رہا ہے ہم سب اپنا اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے اپنے سامنے والے کو نقصان پہنچاتے اور جنون میں مبتلا کرتے ہیں۔ شاہ جی نے اپنی انا کی خاطر اور مرزا عبادت حسین کو نیچا دکھانے کی خاطر ان کی لڑکی کو بہو بنایا اور نادر نے محبت کو ہوس میں بدلنے کی خاطر اس بے چاری کو پاگل بنا دیا۔ اب بھی وقت ہے ڈاکٹر! آپ نادر کی میڈیکل رپورٹ مجھے دیں میں اس سلسلے میں قانونی کارروائی کروں گا۔"

" آپ دو گھنٹے بعد تشریف لائیں۔ میں ایک آپریشن سے فارغ ہونے کے بعد ضرور رپورٹ دوں گا۔ ویسے یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا گھر تباہ کرتا ہے۔ انہوں نے اس لڑکی کو آدھا تو مار ہی ڈالا ہے۔ اگر اسے صحیح میڈیکل ٹریٹمنٹ نہ ملا تو وہ ہمیشہ انتشار میں مبتلا رہے گی۔"

سجاد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ ہسپتال سے نکل کر ڈاکٹر شیرازی کے کلینک میں پہنچا۔ اپنا تعارف کرانے کے بعد بولا " میں شاہ جی کے صاحبزادے نادر شاہ کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔"

" پوچھئے؟"

" کیا نادرہ مکمل طور پر نادر شاہ بن چکی ہے؟"

" جی ہاں وہ مکمل طور پر نادر شاہ ہے۔"

"کیا آپ نے اس سلسلے میں اسے میڈیکل سرٹیفکیٹ دیا ہے؟"

دیا ہے لیکن اپنے جاری کردہ سرٹیفکیٹ کو سرجن انصاری کی میڈیکل رپورٹ کا پابند رکھا ہے۔"

"میں آپ کے جاری کردہ سرٹیفکیٹ کی ایک فوٹو کاپی چاہتا ہوں۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں، جب کہ شاہ جی کے آپ سے اچھے تعلقات ہیں کیا آپ نادر کی شادی میں شریک نہیں ہوئے تھے؟"

یہ کیا بکواس ہے؟ نادر کی شادی؟

"جی ہاں، جس لڑکی سے ہوئی وہ دماغی مریضہ بن چکی ہے۔"

"اوہ خدایا! شاہ جی ایسا نہیں کر سکتے۔"

"آپ نے سرٹیفکیٹ دیا۔ اور انہوں نے ایسا کر دکھایا۔"

"جناب ڈی ایس پی صاحب! انہوں نے بڑی منت سماجت کی تھی میں نے مجبور ہو کر یہ تحریری رپورٹ دی ہے کہ نادر کا آپریشن کامیاب رہا ہے، وہ ایک مرد کی نئی شخصیت اختیار کر چکا ہے۔ اس سلسلے میں سرجن صمد انصاری کی حتمی رپورٹ لازمی ہے اور یہ رپورٹ کم از کم چھ ماہ انڈر ٹریٹمنٹ رہنے کے بعد ملے گی۔"

"بہر حال میں اس کی نقل چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر شیرازی نے پریشان ہو کر کہا۔ "بات بڑھانے سے کیا فائدہ ہے۔ شاہ جی عزت دار آدمی ہیں میں انہیں سمجھاؤں گا۔"

"آپ انہیں نصیحت کریں گے خدا کا خوف دلائیں گے۔ میں پوچھتا ہوں جنہیں بچپن سے خدا کا خوف نہ رہا انہیں بڑھاپے میں کیا ہوگا۔ کیا وہ لڑکی تباہی سے بچ جائے گی؟"

"میں اس کا علاج کروں گا۔"

"علاج ضرور ہوگا مگر ساتھ ہی مجرموں کو سزا بھی ملے گی۔"

"آپ جوان ہیں۔ جوش میں ہیں میں مشورہ دیتا ہوں، کوئی درمیانی راہ اختیار کریں۔"

"یعنی مظلوم کو تسلیاں دیں اور ظالم کو سزا سے بچایا جائے۔ آپ کون سا نیا مشورہ دے رہے ہیں۔ ایسا تو ہمارے ہاں ہوتا آ رہا ہے۔ پلیز، آپ مجھے اس سرٹیفکیٹ کی نقل دے دیجئے۔"

ڈاکٹر شیرازی نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر رابطہ قائم ہونے کے بعد کہا۔ "ہیلو مسٹر شاہ! آپ نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ کیا آپ گھر میں بہو لانے سے پہلے مجھ سے مشورہ نہیں کر سکتے تھے؟"

شاہ جی کی آواز سنائی دی۔ "میں آپ سے ملنے ہی والا تھا میری بہو پر جانے کیوں دورہ پڑتا ہے، آپ اس کا علاج کریں۔۔"

ڈاکٹر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "آپ کی بہو گئی جہنم میں۔ ادھر میں سرٹیفکیٹ دینے کا ملزم ٹھہرایا جاؤں گا۔ ابھی ایک ڈی ایس پی میرے سر پر سوار ہے۔"

"کیا وہ کم بخت سجاد حیدر آپ کے پاس پہنچ گیا ہے؟"

"جی، یہی نام ہے۔"

"آپ اسے سرٹیفکیٹ کی ہوا بھی نہ لگنے دیں۔"

"اس سرٹیفکیٹ میں میرے بچاؤ کی کافی گنجائش ہے لیکن آپ کے لئے کچھ کرنا ہی ہوگا۔"

"شکریہ ڈاکٹر! کیا آپ کسی ماہر نفسیات کے ساتھ میری بہو کو دیکھنے آ سکتے ہیں؟"

"آج شام سے پہلے آ جاؤں گا۔"

ڈاکٹر نے ریسیور رکھ کر کہا۔ "مسٹر سجاد! میں ان کی بہو کا علاج کرنے والا ہوں۔ آپ کا نیک مقصد بھی یہی ہونا چاہئے، اس سے ہٹ کر آپ کسی کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے تو میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔"

"آپ سرٹیفکیٹ کی ایک نقل دے دیجئے۔"

"میں اپنے مریضوں سے تعلق رکھنے والے کاغذات دوسروں کے حوالے نہیں کرتا۔"

"گویا آپ میرے ساتھ تعاون کرنا نہیں چاہتے۔"

"میں اپنی بات کہہ چکا ہوں۔ پلیز میرا وقت برباد نہ کریں۔"

سجاد نے سوچتی ہوئی نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔ پھر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر کہا۔ "ہیلو انصاری! کیا ہو رہا ہے؟"

"ابھی آپریشن تھیٹر سے آ رہا ہوں۔"

"کیا سجاد حیدر نامی ڈی ایس پی تمہارے پاس آیا تھا؟"

"ہاں، نادر شاہ کی میڈیکل رپورٹ لینے دوبارہ آئے گا۔"

"اور تو اسے ٹال دو۔ شاہ جی سے میرے پرانے تعلقات ہیں۔ وہ تمہاری رپورٹ سے بری طرح پھنس جائیں گے۔"

"شیرازی! ایک لڑکی کی زندگی برباد ہو رہی ہے۔"

"میں اس کا علاج کروں گا۔ وہ دماغی مریضہ نہیں بنے گی۔ میں اسے نارمل حالت میں لے آؤں گا۔"

"لیکن پولیس افسر رپورٹ کا مطالبہ قانونی طور پر کرے گا۔"

"تم صرف ایک ہفتے کے لئے ٹال دو۔ مجھے اس لڑکی کے علاج کا موقع دو۔"

"اچھی بات ہے مجھے صرف آج ہی ٹالنا ہوگا۔ میں کل سوئٹزرلینڈ جا رہا ہوں۔"

"پھر تو میرا کام بن گیا۔ تھینک یو۔ تم آپریشن کرنا بھی جانتے ہو اور کو آپریشن بھی۔"

دونوں نے قہقہے لگائے۔ شیرازی نے ریسیور رکھ دیا۔ اسی وقت اسے آواز سنائی دی۔ "کیا اب میں قہقہہ لگاؤں؟"

شیرازی ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دروازے پر ڈی ایس پی سجاد حیدر کھڑا تھا۔ وہ اندر آتے ہوئے بولا۔ "جب تک ساحرہ نارمل نہ ہو، یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا کہ میں ایسے کسی شخص پر بھروسہ نہیں کروں گا جس کا تھوڑا سا بھی تعلق شاہ جی سے ہے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "تم میری اجازت کے بغیر اس چیمبر میں کیسے آ گئے؟"

"میں گیا کب تھا۔ دروازے پر کھڑا تھا۔ تمہارا کاؤنٹر کلرک مجھے روکنا چاہتا تھا۔ میں نے اس وردی سے فائدہ اٹھا کر دھمکی دی۔ ہم پولیس والے دھونس جمانے کے سلسلے میں کافی بدنام ہیں مگر آپ جیسے لوگ ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر۔ "سرجن صمد انصاری کے نمبر بتاؤ۔"

وہ گھور کر دیکھ رہا تھا۔ سجاد نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں اپنے اختیارات سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہوں۔ اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ تم بہت بڑے اسپیشلسٹ ہو۔"

"میں نمبر نہیں بتاؤں گا۔ تم میرے خلاف جو کر سکتے ہو کرو۔ تم میرے کلینک کے اوقات میں مجھے اور میرے مریضوں کو پریشان کر رہے ہو۔ میں تمہارے خلاف قانونی کارروائی کروں گا۔"

سجاد نے نمبر ڈائل کئے۔ پھر رابطہ قائم ہونے کے بعد پوچھا۔ "رانا صاحب کہاں ہیں؟"

جواب سننے کے بعد اس نے کریڈل پر ہاتھ رکھا۔ پھر دوسرے نمبر ڈائل کئے۔ تھوڑی دیر بعد رانا شمشاد علی سے رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "جناب! ڈاکٹر شیرازی میڈیکل رپورٹ دینے سے انکار کر رہا ہے اور سرجن صمد انصاری بھی مجھے ٹالنا چاہتا ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ان کے ساتھ سختی سے نمٹ سکتے ہو۔ مجھے شیرازی سے بات کرنے دو۔"

سجاد نے ریسیور بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ ان رانا شمشاد علی سے بات کرنے والے ہیں جنہوں نے شاہ صاحب کی جگہ سنبھالی ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر شیرازی نے بے دلی سے ریسیور لیا۔ پھر کہا۔ "ہیلو، میں ڈاکٹر شیرازی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے رانا کی آواز آئی۔ "اور میں کون بول رہا ہوں۔ یہ تم شاہ جی کی زبان سے سنو۔"

دوسرے ہی لمحے شاہ جی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "ڈاکٹر! لڑکی کے باپ نے کورٹ سے اجازت حاصل کر لی ہے۔ وہ اپنی نگرانی میں بیٹی کا علاج کرائے گا۔ اسے ہم پر شبہ ہے۔ لہٰذا پولیس والے میری بہو کا معائنہ اپنی نگرانی میں کرانا چاہتے ہیں۔ اسے ابھی لے جا رہے ہیں۔ میں بے بس ہوں مگر تم سے درخواست کرتا ہوں میرے ساتھ بھرپور تعاون کرو اور وہ میڈیکل سرٹیفکیٹ ڈی ایس پی کے ہاتھ نہ لگنے دو۔ میں تمہارا بچاؤ کروں گا۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "مسٹر شاہ! آپ دلدل میں پھنس رہے ہیں اور میرے تحفظ کا یقین دلا رہے ہیں۔ سوسوری۔ میں وہی کروں گا جو قانون کا تقاضا ہے۔ خدا حافظ۔"

اس نے کریڈل پر ہاتھ رکھا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے کے بعد کہا۔ "انصاری وہ نادر والا کیس بہت پیچیدہ ہو گیا ہے۔ ہمیں خود کو اس میں ملوث نہیں کرنا چاہئے۔ ڈی ایس پی کو میڈیکل رپورٹ دے دو۔ میں بھی میڈیکل سرٹیفکیٹ دے رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ سجاد مسکرانے لگا۔

شاہ جی کی کوٹھی کے احاطے میں ایک ایمبولینس کھڑی ہوئی تھی۔ کئی مسلح سپاہی دکھائی دے رہے تھے۔ ایمبولینس والے ساحرہ کو ایک اسٹریچر پر ڈال کر باہر لا رہے تھے وہ بیہوش پڑی تھی۔ رانا شمشاد علی نے اس اسٹریچر کو اپنے سامنے سے گزرتے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "مسٹر شاہ کیا دورہ پڑنے کے بعد یہ بے ہوش ہو جاتی ہے؟"

شاہ جی نے ناگواری سے کہا۔ "جب طبّی معائنے کے لئے لے جا رہے ہو تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اسی کو کہتے ہیں، رسّی جل جاتی ہے پر بل نہیں جاتے۔ یہ وردی اور یہ فیتے جو میرے پاس نظر آ رہے ہیں، کبھی آپ کے پاس تھے۔ آپ اسے پہن کر جسے چاہتے تھے اسے حوالات

میں یا ٹارچر چیمبر میں پہنچا دیتے تھے۔ آج میں اسی وردی میں آپ کو گرفتار کرنے والا ہوں۔"

انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "کس جرم میں؟"

"ذرا صبر کریں، میں ساحرہ کا طبی معائنہ کرا لوں اور مجھے سرجن صمد انصاری کی میڈیکل رپورٹ مل جائے۔ پھر آپ کا جرم بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں آج شام تک آپ کو یہاں سے ہتھکڑی لگا کر لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ باہر آئے۔ نادر کہیں سے آرہا تھا۔ اس نے گاڑی روکی پھر پوچھا "یہ سب کیا ہے؟ ساحرہ کو کہاں لے جا رہے ہو؟"

رانا نے کہا "ظاہر ہے، بیمار کو ہسپتال لے جایا جاتا ہے۔"

"لیکن آپ سپاہیوں کے ساتھ کیوں آئے ہیں؟"

شاہ جی بھی باہر آگئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر کہا "اندر چلو۔ یہ پولیس کیس بن گیا ہے۔"

وہ جلدی سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولا "کیا مطلب ہے؟ یہ پولیس کیس کیسے بن سکتا ہے؟"

اس بار شاہ جی نے بیٹے کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر وہاں سے کھینچ کر اندر لے جاتے ہوئے بولے "اسے ابھی جانے دو۔ وہ تمہیں واپس مل جائے گی۔ پہلے میرے ساتھ چلو۔ میری بات سنو۔"

وہ جبراً اسے کھینچتے ہوئے اندر لے آئے۔ پھر دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا "دیکھو بیٹے! میں آج تک تمہاری ہر ضد پوری کرتا ہوں مگر آج غصے اور ضد سے باز آجاؤ۔ سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم اٹھاؤ گے تو ہمارا گھر تباہ ہو جائے گا۔ شام تک رانا شمشاد علی مجھے گرفتار کرنے آسکتا ہے۔ اس سے پہلے تمہیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

نادر نے حیرانی سے کہا "ڈیڈ! آپ پولیس والوں کے سامنے کمزور پڑ رہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

"یقین کر لو۔ میرے جسم سے وردی اتر چکی ہے۔ شیر کے منہ سے دانت نکال لیے گئے ہیں۔"

"ڈیڈ! شیر کا بیٹا بھی شیر ہوتا ہے۔ میں آپ کو ان کی حراست میں نہیں جانے دوں گا۔"

"میں قانون کو سمجھتا ہوں۔ مجھے جانا ہوگا۔ میں ضمانت پر رہا ہو جاؤں گا۔ پھر مقدمہ لڑوں گا۔ یہ کوئی پیچیدہ کیس نہیں ہے کہ کسی لمبی سزا کا خوف ہو یا میں بچ کر نکل نہ سکوں۔ تم میرے بھی ہتھکنڈے دیکھتے جاؤ۔ میں تمہیں ایک پتا دے رہا ہوں وہاں جا کر چھپ جاؤ۔ کل کورٹ سے تمہاری ضمانت ہو جائے گی، اس کے بعد تم اپنی ممی کے پاس چلے آنا۔"

بیگم نے کہا۔ "اس طرح تو آپ بھی چھپ کر رہ سکتے ہیں اور اپنی ضمانت کرا سکتے ہیں۔"

"تم نہیں جانتیں، یہ رانا اور سجاد بہت مکار ہیں۔ وہ مجھے گرفتار کرنے کی دھمکی دے کر گیا ہے تاکہ میں روپوش ہونے کی کوشش کروں اور وہ مجھے راستے میں کہیں گرفتار کرے۔ میں اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دوں گا۔"

"لیکن ڈیڈ! میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم مجرم کیسے بن گئے۔ ہم نے کیا جرم کیا ہے؟"

بیگم نے کہا! "وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ساحرہ پر ظلم کیا ہے۔ اسے دماغی مریضہ بنا دیا ہے۔"

"کوئی آپ ہی آپ پاگل ہو جائے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ کیا ہم اس کا علاج نہیں کرا رہے ہیں۔ کیا ہم اسے دل و جان سے چاہتے نہیں ہیں؟"

شاہ جی نادر کو غور سے دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ بیٹا نادان ہے۔ اپنی خامی کو سمجھتا نہیں ہے۔ سمجھایا جائے گا تو وہ اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ انہوں نے بیگم سے کہا "میں چائے پینا چاہتا ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔ پھر چائے کے لئے کچن کی طرف جانے لگیں۔ جب وہ کمرے سے چلی گئیں تو باپ نے قریب آکر آہستگی سے کہا۔ "ہم نے مکمل میڈیکل رپورٹ کا انتظار نہیں کیا اور بھولے آئے۔ اب مرزا اپنے حمایتی رانا شمشاد علی اور ڈی ایس پی سجاد حیدر کے ذریعے اس کا طبی معائنہ کرا رہا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہے گا کہ تم ابھی ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل نہیں تھے۔ ہم نے جان بوجھ کر ایک لڑکی کی زندگی برباد کی ہے اور اسے ہسٹریا میں مبتلا کر دیا ہے۔"

وہ ایک دم سے بپھر گیا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ یہ ہم میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ ہمارے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ میری بیوی اس بات کی گواہی دے گی کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اس نے اپنی مرضی سے مجھے اپنا جیون ساتھی بنایا تھا۔ اور ہمیشہ میرے ساتھ زندگی

گزارنا چاہتی ہے۔"

انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "اس کیس میں ساحرہ کی حمایت بہت ضروری ہے۔ اگر اس نے اپنے والدین، دانا اور سجاد کی باتوں میں آ کر ہمارے خلاف ایک لفظ بھی کہہ دیا تو ہم بُری طرح پھنسیں گے۔"

"آپ اطمینان رکھیں ساحرہ کبھی میری مخالفت نہیں کرے گی۔ وہ تو مجھ پر جان بھی دینے کو تیار ہے۔"

ساحرہ جب تک سہیلی تھی اپنی سہیلی پر جان دیتی تھی۔ محبوبہ بنی تو اپنے عاشق پر مرنے لگی لیکن سہاگن بننے کے بعد مشکوک ہو گئی تھی۔ شاہ جی یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ نادر کے دعوے کے مطابق وہ اس پر جان دے سکتی ہے۔

وہ اسپتال کے صاف اور شفاف بستر پر سکون سے لیٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں کھولے سیلنگ فین کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کی طرح چپ تھا۔ کمرہ ایئرکنڈیشنڈ تھا۔ پنکھے کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی وہ چھت سے لٹک رہا تھا۔ ابھی وہ نادر کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر وہ خیالوں میں آ کر پنکھے کی طرح لٹک جاتا تھا۔ نہ گردش کرتا تھا، نہ ہوا پہنچاتا تھا۔ اس کی زندگی میں محض ایک شو پیس بن کر رہ گیا تھا۔

نرس نے کمرے میں آ کر دیکھا۔ پھر مسکرا کر کہا۔ "السلام علیکم، آپ کیسی ہیں؟"

ساحرہ نے اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا۔ دورہ پڑنے کی کوئی علامت نہیں تھی۔ نرس نے مسکرا کر کہا۔ "ڈاکٹر صاحب آ رہے ہیں۔ معائنے کے بعد میں کھانا لاؤں گی۔ کیا بھوک لگ رہی ہے؟"

وہ بدستور چپ رہی۔ اتنے میں ڈاکٹر آ گیا۔ اس نے معائنہ کرنے کے دوران کہا۔ "تم بہت حوصلہ مند ہو۔ ایک ہی دن میں صحت مند لگ رہی ہو۔ میرے ایک مشورے پر عمل کرو گی؟"

ساحرہ نے ڈاکٹر سے نظریں ملائیں مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ وہ بولا۔ "تھوڑی سی خود غرض بن جاؤ، صرف اپنی صحت اور سلامتی کے لئے۔ دوستوں اور دشمنوں کو دماغ پر مسلط نہ کرو۔ جس نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے۔ ابھی اس کے متعلق سوچو بھی نہیں۔ تمہیں غصہ نہیں آئے گا کیوں کہ تم دواؤں کے زیر اثر ہو۔ مگر کمال یہ ہونا چاہئے کہ دواؤں کے بغیر خود کو پر سکون رکھ سکو۔ ڈو یو فالو می؟"

ایک ماتحت تمہارا بیان لینا چاہتا ہے۔ کیا اسے بلالوں؟"

ساحرہ نے اپنا سر پہلے دائیں ہلایا پھر بائیں۔ اس کی ممی نے کہا "میری بیٹی کی طبیعت سنبھلنے دیں۔ بیان لینے کی ایسی جلدی بھی کیا ہے؟"

مرزا صاحب نے کہا "تم دیکھتی آرہی ہو، شاہ جی کیسی تباہ کن چالیں چلتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوگی کہ ساحرہ مخالفت میں بیان نہ دے۔ اس لئے وہ باپ بیٹا کل یہاں آئے ہیں۔ بھلا ہو سجاد کا، وہ انہیں کمرے میں آنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔ بیٹی ساحرہ! اگر وہ کسی طرح آجائیں تو تم ملنے سے انکار کردینا۔"

وہ بول رہے تھے اور بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی طرف سے کسی کی حمایت یا مخالفت کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ سجاد کی آواز سنائی دی "کیا میں آسکتا ہوں؟"

مرزا صاحب نے کہا "بھئی تم تو گھر کے آدمی ہو۔ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو ہماری بیٹی اچھی ہو رہی ہے، کھانا بھی کھایا ہے۔"

سجاد نے ساحرہ کے سامنے آکر مسکراتے ہوئے کہا "ہیلو۔"

وہ سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ اس پر ہیلو کا اثر نہ ہوا۔ سجاد نے کہا "میں ڈاکٹر سے مل کر آرہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں ساحرہ کو بولنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اگر ناگواری ظاہر کرے تو ہم کمرے سے چلے جائیں۔"

بیگم نے کہا "ہماری بیٹی ہم سے ناگواری کیوں ظاہر کرے گی۔ ناگواری اور بیزاری تو دشمنوں سے ہوتی ہے۔"

اسی وقت ڈاکٹر نے آکر سجاد سے پوچھا "کیا آپ نے سپاہیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسٹر نادر شاہ کو یہاں نہ آنے دیں۔ وہ باپ بیٹے مجھ سے شکایت کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا "ڈی ایس پی صاحب! یہ پولیس اسٹیشن نہیں اسپتال ہے۔ علاج میں کر رہا ہوں۔ میں نے مریضہ پر فیصلہ چھوڑ دیا ہے کہ وہ جس سے چاہے ملے، جس سے نہ چاہے انکار کردے۔ اگر وہ دشمن ہیں اور مریضہ ان سے ملنا چاہے گی تو مجھے اسٹڈی کرنے کا موقع ملے گا کہ ناپسندیدہ افراد کی موجودگی کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے؟"

سجاد نے ساحرہ سے پوچھا "کیا تم نادر شاہ سے ملنا چاہتی ہو؟"

ساحرہ نے آنکھیں بند کیں۔ پھر کھول دیں۔ ڈاکٹر نے سجاد سے کہا "اگر آپ اشارہ نہ

ساحرہ نے آنکھیں بند کیں۔ پھر کھول دیں۔ بے انتہا سکون ملے تو زبان ہلانے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ وہ آنکھوں سے بول رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کے ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا "شاباش، تم بہت اچھی ہو۔"

اس نے بیڈ چارٹ دیکھا۔ نسخے میں کچھ تبدیلیاں کیں۔ پھر کہا "خوب کھاؤ پیو اور خوش رہا کرو۔ کوئی بھی ملاقات کرنے کے لئے آئے اس سے بڑے تحمل اور خود اعتمادی سے گفتگو کرو۔ بات نہ کرنے کو جی چاہے تو کسی کو آنے کی اجازت نہ دو۔ دروازہ بند کرادو۔ مگر خوش رہا کرو۔"

ڈاکٹر چلا گیا۔ نرس نے اسے آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ اس کے لئے مکھن، توس، انڈے کا پوچ، دودھ اور ہارلکس لے کر آئی۔ پتا نہیں وہ کب کی بھوکی تھی۔ ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق خوب کھایا۔ اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ دورہ پڑنے کے دوران اس کی کیا حالت ہوتی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد منہ میں پانی تک نہ جاتا تھا۔ اسے بھوک لگتی تھی مگر وہ کھانے سے انکار کردیتی تھی۔ دماغ قابو میں نہیں رہتا تھا۔ خوامخواہ چیخ پڑتی تھی۔ اپنا لباس پھاڑنے اور بال نوچنے لگتی تھی۔ اب اسپتال کے بستر پر ایسا سکون مل رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ جو ہوا وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ یہ فیصلہ اسی پر تھا کہ وہ پھر ایسا خواب دیکھنا چاہے گی یا نہیں؟

سب سے پہلے اس کی ممی اور پاپا آئے۔ بیٹی کو کھاتے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ ماں کی نظریں بیٹی سے ملیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ماں نے پاس آکر اپنے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "تم اچھی ہو رہی ہو۔ کھانے پینے لگی ہو۔ رونے سے طبیعت خراب ہو جائے گی۔ چپ ہو جاؤ۔"

اس کے سامنے سے کھانے کی پلیٹیں ہٹالی گئیں۔ مرزا صاحب نے پاس آکر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "خود کو تنہا اور بے یار و مددگار نہ سمجھنا ہم زندہ ہیں۔ ہمارے جیتے جی کوئی تم پر ظلم نہیں کرسکے گا۔ میں دونوں باپ بیٹے کو جیل بھجوا کر رہوں گا۔"

اس نے چونک کر اپنے پاپا کو دیکھا۔ مگر جواب میں کچھ نہ کہا۔ دماغ بہت ہی پرسکون تھا کچھ کہنے کی تحریک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے "رانا صاحب نے شاہ جی کو گرفتار کیا تھا مگر وہ ضمانت پر رہا ہو گئے۔ اپنے بیٹے کی ضمانت کرالی ہے۔ مگر وہ کب تک بچتے رہیں گے انہوں نے تمہیں ہم سے بدظن کیا۔ تمہاری زندگی برباد کی۔ اپنے ہاں لے جا کر تم پر ظلم کرتے رہے تھے۔ ایک بیان کے بعد ان کی ضمانتیں منسوخ ہو جائیں گی۔ ڈی۔ ایس پی سجاد حیدر کا

بچے ہوں تو میں سمجھا دوں - یہ ملنا چاہتی ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہی نادر شاہ اور شاہ جی کمرے میں آ گئے۔ نادر کو دیکھتے ہی ساحرہ کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک پیدا ہوئی۔ شاہ جی نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ نادر نے اس کا ہاتھ تھام کر بڑے جذب کے عالم میں کہا۔ "میں کل سے آ رہا ہوں مگر یہ لوگ تم سے ملنے نہیں دیتے۔ کیا میں تمہارا دشمن ہوں؟ کیا میں نے تم پر ظلم کیا ہے؟ بولو ساحرہ! ان سب کے سامنے بول دو۔ ہم ایک دوسرے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ جئیں گے ایک ساتھ مریں گے ایک ساتھ بولو ساحرہ! ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے میں تمہیں بولنے پر مجبور نہ کروں۔ مگر میری محبت کی سچائی تمہاری زبان سے ہی بولے گی۔"

ساحرہ نے ایک گہری سانس لی۔ پھر اس کے منہ سے 'ہا' کی آواز کے ساتھ سانس نکلی۔ یہ طے نہ ہو سکا کہ محبت کا اثر ہوا اور منہ سے ہائے نکل گئی یا دردِ پنہاں نے آہ بھرنے پر مجبور کیا تھا۔

نادر نے پھر محبت سے التجا کی۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "پلیز آپ مجبور نہ کریں۔"

ساحرہ نے نادر کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ پھر کاغذ اور قلم کا اشارہ کیا۔ جو انسپکٹر بیان لینے کے لئے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بلایا گیا۔ اس سے قلم کاغذ اور کلپ بورڈ لے کر ساحرہ کو دیا گیا۔ وہ لکھنے لگی۔ تحریر کے دوران سب ہی تجسس میں تھے، جو بیان وہ دے رہی تھی، وہ کس کی حمایت اور کس کی مخالفت میں ہوتا۔ لیکن وہ تحریر چند فقروں پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر نے اسے کر بلند آواز میں پڑھا۔ ساحرہ نے لکھا تھا۔ "میں تنہائی چاہتی ہوں۔ مکمل تنہائی۔ کل صبح بیان دوں گی مجھے تنہا چھوڑ کر جانے کا شکریہ۔"

شاہ جی اور مرزا صاحب ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ماں سوچ رہی تھی۔ بیٹی سب کو بھگا کر اسے روک لے گی۔ کیونکہ آدھی بیماری ماں کو دیکھ کر دور ہو جاتی ہے۔

سجاد کا خیال تھا' وہ ساحرہ کو سسرال کے جہنم سے نکال کر لایا ہے شاید وہ خوشگوار مستقبل کے لئے تنہائی میں اس سے کچھ مشورے کرے گی۔

نادر نے پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ دیکھا جائے تو اصل میں وہی تنہائی کا ساتھی تھا ڈاکٹر نے کہا۔ "پلیز آپ لوگ باہر جائیں۔"

وہ سب جانے لگے۔ جاتے جاتے اسے بڑی توقع سے دیکھنے لگے۔ مگر وہ سب کی توقع کے برعکس نکلی۔ اس نے نادر سے بھی ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "چلیے۔"

وہ مجبور ہو کر اٹھ گیا۔ اسے بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے جانے لگا۔ مگر وہ نہیں دیکھ رہی تھی۔ نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ ڈاکٹر نے باہر آ کر کہا۔ "میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں، کل صبح تک کوئی اس سے ملاقات نہ کرے۔"

بیگم نے کہا۔ "ڈاکٹر! آپ کیسی بات کرتے ہیں۔ میں اس کی ماں ہوں مجھے اس سے ملنے کا پورا حق ہے۔"

"اگر بیان دینے کی بات نہ ہوتی تو میں آپ کو ضرور ملنے دیتا۔ مگر وہ کس کی حمایت میں بیان دے گی، کس کی مخالفت کرے گی، یہ وہی جانتی ہے۔ آپ میں سے ہر ایک کی کوشش یہی ہو گی کہ وہ اس کے پاس جائے اور اسے اپنی طرف مائل کرے لیکن اس طرح اس کے دماغ پر بوجھ پڑے گا۔ وہ پھر مریضہ بن جائے گی اور میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ پلیز آپ لوگ یہاں سے جائیں اور ڈی ایس پی! یہ ایسا پولیس کیس نہیں ہے جس کے لئے پولیس کا پہرہ بٹھایا جائے۔ لہٰذا آپ بھی جائیں اور دروازے پر ایک وارڈ بوائے کی ڈیوٹی رہے گی۔ وہ کسی کو اندر نہیں جانے دے گا۔"

ڈاکٹر نے وہاں ایک وارڈ بوائے کو کھڑا کیا۔ اور اپنے چیمبر میں چلا گیا۔ اس دوران شاہ جی نادر، مرزا، بیگم مرزا اور سجاد، ڈاکٹر کو اپنی بات سے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر اس نے ایک نہیں سنی۔ آخر میں سختی سے کہہ دیا۔ "اگر میرے مشورے پر عمل نہ کیا گیا تو میں ساحرہ کا علاج نہیں کروں گا اور اسپتال سے اس کی چھٹی کر دوں گا۔"

سب مجبور ہو کر وہاں سے چلے گئے مگر ان کے لئے وہ دن گزارنا مشکل ہو گیا۔ رات آئی تو قیامت کی طرح طویل ہو گئی۔ صبح نہیں ہو رہی تھی۔ اس روز شام تک سب ہی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ساحرہ ان کے حق میں فیصلہ دے گی۔ پھر انہوں نے سوچا۔ اگر مخالفت میں بیان دیا تو کیا ہو گا؟

کیا اس کے بیان دینے سے پہلے دشمن سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے؟ شاہ جی نے سوچا' اگر وہ اپنے میکے جائے گی، ماں باپ کی حمایت کرے گی تو دوستانہ سمجھوتہ کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کی بہو

بن کر بھی رہے گی، نہ ان کے بیٹے کا رشتہ ٹوٹے گا نہ دل ٹوٹے گا اور اگر ساحرہ نے ان کی حمایت میں بیان دیا اور میکے کو چھوڑ کر پھر ان کے ساتھ رہنا گوارا کیا تو سمجھوتے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یوں بھی لڑکیاں اپنے میکے آیا جایا کرتی ہیں تو ساحرہ بھی چلی جایا کرے گی۔"

مرزا صاحب نے بیگم اور سجاد کو بٹھا کر کہا۔ "ہمیں اپنی بیٹی کے تیور کچھ نہیں آئے۔ اگرچہ اسے سبق حاصل کر لینا چاہئے، ان سے نفرت کرنا چاہئے۔ مگر نادر کے سامنے اس نے ناگواری ظاہر نہیں کی تھی۔ پتا نہیں کل کیا بیان دے گی۔"

سجاد نے کہا۔ "آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ وہ دودھ کی جلی ہے دشمن چھاچھ بن کر آئیں گے تب بھی منہ نہیں لگائے گی۔"

"فرض کرو کہ وہ ان کی حمایت کرتی ہے۔ تب کیا ہوگا؟"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"شاہ جی سے کچھ اس طرح سمجھوتہ کیا جا سکتا ہے کہ ساحرہ کا بیان ہماری مخالفت میں تو ان سے رشتے داری قائم رہے اور بیٹی ہمارے پاس آتی جاتی رہے۔ میں تو دعا مانگ رہا ہوں وہ ہماری حمایت میں بیان دے۔ اس کے بعد پھر سمجھوتے کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ بیٹی ہمارے پاس آئے گی تو ہم کبھی ادھر کا رخ نہیں کرنے دیں گے۔"

سجاد نے کہا۔ "آپ کوئی ایک فیصلہ کریں۔ شاہ جی سے دوستی کریں گے یا آپ کی بیٹی پر جو ظلم کیا گیا ہے۔ اس کا انتقام لیں گے؟"

"سجاد! فی زمانہ وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو دوہری چالیں چلتے ہیں۔"

"میں صاف اور سیدھی بات کرتا ہوں۔ کیس ہمارے حق میں ہے۔ ہم جیت سکتے ہیں۔ اگر ہارنے کا بھی اندیشہ ہو تو دشمن کے سامنے خواہ مخواہ جھک کر اسے اور مغرور نہیں بنانا چاہئے۔"

"بیٹی ہماری ہے، تمہاری نہیں ہے تم ماں باپ کا درد نہیں جانتے۔ میں کاروباری لوگوں کے درمیان رہتا ہوں اور اس نظریئے کا قائل ہوں ایسا کام کرو کہ چت بھی ہماری اور پٹ بھی ہماری، جیسا موقع ہو ویسا رنگ روپ بدل لو۔"

"مرزا صاحب! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگوں کو خدا پر بھروسا کیوں نہیں ہے جب آپ ایک ظالم کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ آپ کی بیٹی مظلوم ہے اور آپ حق پر رہ کر بات منوا سکتے ہیں۔ قانون آپ کا ساتھ دے رہا ہے تو پھر دوہری چالیں کیوں چلنا چاہتے ہیں اب سے

پہلے بھی دونوں گھروں میں یہی ہوتا رہا۔ دوستی کے پیچھے دشمنی ہوتی رہی اور دشمنی کے پیچھے دوستی کا اظہار کیا جاتا رہا۔ نتیجہ آپ لوگوں کے سامنے ہے۔"

بیگم نے کہا۔ "بیٹے سجاد! ہم اپنی بیٹی کو کسی طرح ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ جو بھی صورت بہتر ہوگی، وہ اختیار کریں گے۔"

"آپ ماں بیٹی ہیں۔ بیٹی کے لئے آپ کے جذبات بہت ہی سچے اور صاف سمجھ میں آنے والے ہیں مگر مرزا صاحب معاف کیجئے گا، آپ بیٹی کی خاطر نہیں اپنی انا کی خاطر لڑنا چاہتے ہیں اسی انا کی خاطر شاہ جی نے میڈیکل رپورٹ کا انتظار نہیں کیا۔ آپ کو نیچا دکھانے کے لئے جبراً بہو بنا کر لے گئے۔"

"میں اس شاہ کے بچے سے سمجھ لوں گا۔"

"یہی تو بات ہے۔ آپ لوگ ایک دوسرے سے سمجھتے رہیں گے اور اولاد کی تباہی ہوتی رہے گی۔ بہرحال، آپ جو بہتر سمجھیں، وہ کریں۔ میں ساحرہ کے بیان کا انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ مرزا صاحب نے بیگم سے کہا۔ "یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ اس لئے دوستی عورتوں سے شروع ہونی چاہئے۔ تم نادر کی ممی کو فون کرو۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگیں مگر لائن انگیج جا رہی تھی۔ دوسری طرف بھی یہی سلسلہ تھا۔ ادھر بیگم شاہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔ انہیں بھی لائن انگیج مل رہی تھی دونوں کے ریسیور اٹھے ہوئے تھے۔ لہٰذا رابطہ قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آخر دونوں نے جھنجلا کر ریسیور رکھ دیا۔ پھر دونوں نے اپنے اپنے ملازم کو ایک دوسرے کے ہاں پیغام بھیجا کہ ہم ملنا چاہتے ہیں۔

شادی کے بعد لڑکی والے جھک کر آتے ہیں لیکن شاہ جی سمجھ رہے تھے ان کی پوزیشن کمزور ہے لہٰذا وہ خود ہی بیگم کو ساتھ لے کر ان کے ہاں پہنچ گئے۔ ان کے درمیان پہلے تو رسمی بات چیت ہوتی رہی۔ وہ ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے رہے۔ مگر رفتہ رفتہ دوستانہ ماحول بنتا گیا۔ ایسا ہوتا ہے۔ دشمن اچانک آکر بستی اجاڑ دیتے ہیں ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے ہیں۔ لیکن جب دوبارہ دوست بن کر آتے ہیں تو حالات سے مجبور ہو کر بستی والوں کو سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔

ان کے درمیان یہ طے پایا کہ وہ صبح اسپتال جائیں گے اور ساحرہ کے بیان دینے سے پہلے

بتا [illegible] ہے گے کہ آپس میں دوستی ہو گئی ہے لہٰذا وہ کسی کے خلاف بیان نہ دے۔ جب وہ صحت مند ہو کر اپنے والدین کے پاس آئے گی تو سب آپس میں بیٹھ کر کوئی مناسب فیصلہ کریں گے۔ جس سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

مرزا صاحب نے بظاہر سمجھوتا کر لیا لیکن دل ہی دل میں گالیاں دیتے رہے "میری بیٹی کی زندگی برباد ہو گئی ہے، پتا نہیں، میڈیکل رپورٹ اس لڑکے کے حق میں ہو یا نہ ہو۔ میں ایسا احمق تو نہیں ہوں کہ اس کی زندگی برباد کرنے کے لئے ان کی رشتے داری قبول کر لوں، خدا ساحرہ اسپتال سے ہمارے ہاں آجائے، اس کے بعد ان سے نمٹ لوں گا۔"

دوسرے دن وہ سب اسپتال پہنچے۔ کمرے کے باہر انتظار کرنے لگے۔ ڈاکٹر، ساحرہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے باہر آ کر ان سب کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "پہلے صرف بیان لینے والا ایک ذمہ دار افسر جائے گا۔ وہ تنہائی میں بیان دے گی اور اس پر دستخط کرے گی۔ اس کے بعد آپ لوگوں کو وہ بیان پڑھ کر سنایا جائے گا۔"

شاہ جی اور مرزا صاحب نے ڈاکٹر کو بتایا کہ ہمارا آپس میں سمجھوتہ ہو گیا ہے اور وہ بیان دینے سے پہلے ساحرہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ ملاقات بیان دینے کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔ میں اپنی مریضہ کا نفسیاتی ٹریٹمنٹ بھی کر رہا ہوں۔ جیسا وہ کہتی ہے ویسا ہی کر رہا ہوں آپ کو بھی یہی کرنا چاہئے۔ پلیز، یہاں انتظار کر لیجئے۔"

سجاد نے اپنے ماتحت افسر کو بیان لینے کے لئے کمرے کے اندر بھیج دیا۔ اس کے بعد انہیں آدھے گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا۔ پھر ماتحت افسر نے باہر آ کر کہا۔ "جناب! آپ لوگ اندر جا سکتے ہیں۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے، ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہوئے پہلے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ سب سے پہلے نادر پہنچا اسے امید تھی، ساحرہ اسے دیکھتے ہی مسکرائے گی۔ لیکن وہ بستر کے سرہانے سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مخاطب کیا۔ "ہیلو ساحرہ! میں آیا ہوں۔"

پھر اس کی آواز دوسروں کی آوازوں میں دب گئی۔ وہ پوچھ رہے تھے۔ "کیا بیان دیا ہے؟" "وہ تحریری بیان کہاں ہے؟"

ساحرہ نے آنکھیں کھول کر سب کو باری باری دیکھا، پھر اپنے پاس رکھے ہوئے کاپی بورڈ

کو اٹھا کر ماتحت افسر کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے پڑھ کر سنانے لگا۔ ساحرہ نے لکھا تھا: "میں مسمات ساحرہ بانو زوجہ نادر شاہ پورے ہوش و حواس میں رہ کر یہ بیان تحریر کر رہی ہوں۔"

شاہ جی نے خوش ہو کر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے سوچا، "ساحرہ ہماری ہے۔ اس نے اس تحریر میں اعتراف کیا ہے کہ وہ میرے بیٹے کی زوجہ ہے۔"

ماتحت افسر پڑھ رہا تھا۔ ساحرہ نے لکھا تھا۔ "مجھ سے ماضی میں غلطیاں ہوئی ہیں جن پر میں بے حد شرمندہ ہوں اور اپنی مم اور پاپا سے معافی مانگتی ہوں۔"

مرزا صاحب خوش ہو گئے۔ بیٹی کو شادی کرنے کے بعد غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور وہ معافی مانگ رہی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔ "مجھے کسی سے شکایت نہیں ہے۔ مجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا ہے شادی کے بعد اچانک میری طبیعت بگڑتی گئی۔ میں دماغی مریضہ کیسے بن گئی، یہ میں نہیں جانتی۔ ڈاکٹر ہی بتا سکتے ہیں۔ بہرحال، اب میں خود کو نارمل سمجھتی ہوں اور پورے ہوش و حواس میں رہ کر اقرار کرتی ہوں کہ میری موجودہ بیماری کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ اسپتال میں میرا علاج ہو رہا ہے میں یہاں سے اپنے والدین کے پاس جانا چاہتی ہوں اور ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

اس کی مم اور پاپا خوش ہو کر ایک ایک کا منہ دیکھنے لگے۔ شاہ جی اور نادر کو اگرچہ اس بات کا اطمینان تھا کہ ساحرہ نے اس بیماری کا ذمہ دار ان کو نہیں ٹھہرایا ہے لیکن اپنے ماں باپ کے پاس جا کر رہنے والی بات پسند نہیں آئی تھی۔

اس نے آگے چل کر لکھا تھا۔ "میں اپنے والدین کے ساتھ ایک شرط پر رہوں گی اور وہ یہ کہ اپنے شوہر سے ملنے اور اس کے ساتھ باہر آنے جانے کے سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کرے گا اگر کسی نے اعتراض کیا تو میں ایسی جگہ رہنا پسند کروں گی جہاں میرے اور نادر کے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرے۔"

نادر خوش ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ ساحرہ کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ اس نے آگے چل کر لکھا تھا۔ "سجاد صاحب نے مجھ پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ میں نے انہیں پہچاننے میں غلطی کی جس کے لئے شرمندہ ہوں۔ آئندہ میں ان کے نیک مشوروں پر ضرور عمل کرتی رہوں گی۔"

نادر مایوس ہو گیا۔ وہ اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ بیان تحریر ہو چکا تھا۔ ساحرہ نے دستخط کر دیئے تھے۔ اب کوئی صورت نہیں تھی۔ اس نے چپ چاپ ساحرہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

اس نے لکھا تھا: "میں آخر میں اپنے والدین سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ مقدمہ واپس

لے لیں، کوئی میرے جیتے جی اس مقدمے میں میرے شوہر کی توہین نہیں کر سکے گا۔ میں کسی بھی میڈیکل رپورٹ کو نہیں مانتی۔ میں بحیثیت بیوی ہر اس میڈیکل رپورٹ کو جھٹلا سکتی ہوں جو میرے شوہر کے خلاف ہوگی۔ میرا خیال ہے، میرا اتنا ہی تحریری بیان کافی ہے۔ فقط راقم الحروف بیگم ساحرہ نادر"

چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی۔ سب چپ چاپ اس تحریری بیان کو دور سے دیکھتے رہے

سجاد نے اپنے ماتحت افسر کو حکم دیا "تم دفتر چلو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ تمام کاغذات لے کر چلا گیا۔ شاہ جی نے کہا۔ "بیٹی! تم نے بہت اچھا بیان دیا ہے۔ صلح صفائی کا راستہ رکھا ہے۔ مگر اس بیان سے پہلے ہی ہم نے آپس میں صلح کر لی ہے، ویسے تمہارا بیان وضاحت طلب ہے، تم نے یہ نہیں لکھا کہ میکے میں کب تک رہو گی۔"

ساحرہ نے تکیے کے نیچے سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر شاہ جی کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے اسے کھول کر پڑھا اس نے لکھا تھا۔ "میں کسی کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی۔ جو وضاحت چاہتے ہیں وہ مجھ سے کمرے میں آکر تنہائی میں باری باری گفتگو کریں۔"

شاہ جی نے یہ تحریر سب کو پڑھ کر سنائی۔ سب نے اتفاق کیا۔ پھر کہا۔ "ٹھیک ہے، ہم سب باہر جاتے ہیں۔ پہلے شاہ جی یہاں آئیں گے، اس کے بعد ہم آتے رہیں گے۔"

ایک ایک کر کے سب چلے گئے۔ شاہ جی وہیں رہ گئے۔ انہوں نے قریب آکر سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! یہ تم مانتی ہو کہ میں نے تمہیں کوئی دکھ نہیں دیا۔ ایک باپ سے بڑھ کر تم سے محبت کرتا رہا ہوں۔"

ساحرہ نے انہیں گھور کر دیکھا۔ پچھلی بار دورہ پڑنے کے بعد پہلی بار اس کے منہ سے آواز نکلی اس نے کہا۔ "اپنی ماں سے بڑھ کر کوئی ماں نہیں ہوتی اور باپ سے بڑھ کر کوئی باپ نہیں ہوتا۔ اگر پاپا کو معلوم ہوتا کہ میڈیکل رپورٹ حاصل نہیں کی گئی ہے۔ ڈاکٹر نے سال یا چھ ماہ تک نادر کو انڈر ٹریٹمنٹ رہنے کے لئے کہا ہے تو کیا پاپا میری شادی ہونے دیتے!"

شاہ جی سٹپٹا گئے۔ انہوں نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "وہ بیٹی! بات دراصل یہ ہے، میں نے سوچا۔ اگر میں شادی میں دیر کروں گا تو مرزا تمہیں دوسری جگہ بیاہ دے گا۔"

"ہرگز نہیں، آپ لوگوں کی ناک کی لڑائی ہے۔ اس لڑائی میں آپ کے بیٹے کا کچھ نہیں بگڑا میں بگڑ کر رہ گئی ہوں۔"

اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا۔ "اب یہ بات میری سمجھ میں آرہی ہے۔ آپ مجھے

کی طرح چاہتے تو ایک جگہ سے اغوا کر کے دوسری جگہ نہ پہنچاتے۔ مجھے میری ممی کے پاس پہنچاتے۔ آپ جانتے تھے کہ ممی کسی سازش میں شریک نہیں ہیں اور ایک بیٹی کو ماں کا سایہ چاہئے۔ اگر آپ باپ ہوتے تو مجھے ایسی جگہ لے جا کر نہ رکھتے جہاں میں اسلحے کے ذخیرے کے ساتھ پکڑی جاتی۔ آپ کس طرح باپ کا رول ادا کرتے ہیں۔ یہ تو مجھے دیکھ کر ہی دنیا کہہ دے گی کہ آپ انتہائی مکار ہیں۔"

وہ غصے میں بولے۔ "ساحرہ! لینگویج پلیز۔"

"آپ کے لئے کوئی لینگویج نہیں ہے۔ میں آپ سے شدید نفرت کرتی ہوں۔ آئندہ میں ہمیشہ اپنے میکے میں رہوں گی۔ آپ کا بیٹا میرے پاس آئے گا۔ آپ اسے روک سکتے ہیں تو روک کر دیکھ لیجئے۔ اگر آپ میں ذرا بھی غیرت اور شرم ہے تو پلیز، یہاں سے چلے جائیں۔"

انہوں نے غصے سے دیکھا۔ پھر پاؤں پٹختے ہوئے باہر آ گئے۔ نادر نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ اسے دوسروں سے دور لے جا کر بولے۔ "ساحرہ بہت گستاخ ہو گئی ہے۔ اس نے ہمارے خلاف بیان نہیں دیا، یہی غنیمت ہے۔ میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں اس کا خیال چھوڑ دو۔ میں نے تمہاری ضد پوری کر دی ہے۔ مرزا صاحب کو نیچا دکھا دیا۔ اب کیا رہ گیا ہے۔ یہ سب پٹے ہوئے مہرے ہیں۔ ان پر تھوک دو۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

"کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اس نے میری انسلٹ کی ہے۔"

"ڈیڈ! میں نہیں مانتا۔"

"پھر خود جا کر اس سے ملو اور پوچھو۔ وہ مجھے مجرم سمجھتی ہے اور احسان جتانا چاہتی ہے کہ مقدمہ واپس لے رہی ہے اور ہمیں عدالت تک گھسیٹنا نہیں چاہتی۔"

مرزا، بیگم مرزا اور سجاد دور کھڑے تھے اور باپ بیٹے کو سرگوشی میں باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ مرزا نے بیگم سے کہا۔ "تم اندر جاؤ۔"

"ہم آخر میں جائیں گے۔"

سجاد نے کہا۔ "پہلے نادر کو بھی ہو آنے دیں۔"

نادر تیزی سے چلتا ہوا آیا۔ ان کی طرف دیکھے بغیر قریب سے گزرتا ہوا کمرے کے اندر چلا گیا اس نے ساحرہ کے پاس پہنچ کر پوچھا۔ "ڈیڈ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا تم نے ان کی انسلٹ کی ہے؟"

اس نے بڑے سکون سے نادر کو دیکھا۔ پھر بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں تم سب کو بند کرے

میں علیحدہ علیحدہ بلا رہی ہوں تاکہ کسی کی انسلٹ کسی کے سامنے نہ ہو۔"

"یا اب تم میری انسلٹ کرنا چاہتی ہو۔"

"بات سمجھ میں آئے تو سونا ہوتی ہے نہ سمجھ میں آئے تو مٹی۔"

وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اچھی بات ہے۔ مجھے بتاؤ تم نے ڈیڈ سے کیا کہا؟"

"صرف ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ میں نے بتایا وہ مجھے باپ کی طرح نہیں چاہتے ہیں صرف اپنی ناک اونچی کرنے کے لئے، میرے باپ کو نیچا دکھانے کے لئے انہوں نے نامناسب اقدامات کئے۔ تم پہلی بار جبراً میرے گھر میں گھس آئے تھے۔ جب گھر کے مکین کو تمہارا آنا پسند نہیں تھا تو پھر تمہارا یہ اقدام سراسر غیر قانونی تھا۔ تمہارے ڈیڈ قانون کے محافظ تھے۔ انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھنا چاہئے تھی لیکن انہوں نے الٹا میرے پاپا کو پھنسا دیا۔"

"تم گڑے مردے اکھاڑ رہی ہو۔"

"میں صرف ایک بات پوچھ رہی ہوں۔ کیا اس روز انکل نے قانون کا احترام کیا تھا؟"

"قانون وہی ہے جو ہمارا بچاؤ کر سکے۔ لہٰذا انہوں نے اپنا اور میرا بچاؤ کیا تھا۔"

"بہت ٹیڑھا جواب ہے۔ ابھی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ یا تم جان بوجھ کر سمجھنا نہیں چاہتے ہو۔ بہرحال میں نے دوسری بات ان سے یہ کہہ دی کہ وہ مجھے وہاں سے لے گئے جہاں میرے پاپا نے چھپا رکھا تھا۔ پاپا بے شک مجرم تھے۔ لیکن میری ممی تو نہیں تھیں۔ انہیں ایک شریف بیٹی کو اس کی ماں کے پاس پہنچانا چاہئے تھا۔ مگر انہوں نے ایسی جگہ لے جا کر رکھا جہاں میں اسلحے کے ساتھ پکڑی گئی، اگرچہ یہ معاملہ دبا دیا گیا ہے لیکن گرفتار نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سب جرم نہیں تھا۔ کیا تم مانتے ہو کہ تمہارے ڈیڈ نے مجھے اسمگلر کے اڈے میں رکھا تھا؟"

"وہاں مجھے بھی رکھا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ میں اسپتال چلا گیا اور تم تنہا پکڑی گئیں۔"

"کیا تمہارے ساتھ پکڑے جانے سے وہ جرم نہ ہوتا؟ میری توہین نہ ہوتی؟ کیا ہم مجرم نہ ہوتے؟"

"ڈیڈ نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔ کیا وہ جانتے تھے کہ تم پکڑی جاؤ گی؟"

"یہ تو بچے بھی جانتے ہیں، کوئلے کی کان میں جاؤ گے تو منہ ہاتھ کالے ہوں گے۔"

نادر نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "آج تم اپنے ماں باپ کی عینک لگا کر دیکھ

رہی ہو۔ اس لئے ڈیڈ دشمن اور مجرم نظر آ رہے ہیں۔ ان کے پاس موقع نہیں تھا۔ وہ کسی اور جگہ نہیں چھپا سکتے تھے لہٰذا وہاں لے گئے تھے۔"

"دو دن تک تمہارے ڈیڈ کو موقع نہیں ملا۔ تم باتیں کیوں بنا رہے ہو۔ حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "ڈیڈ میرے آئیڈیل ہیں، میں ان کے خلاف کچھ نہیں سن سکتا۔ مجھے صاف صاف بتاؤ، کیا ہم سے رشتہ توڑنا چاہتی ہو؟"

"تمہارا خیال ہے کہ میں رشتہ توڑ دوں گی؟"

اس نے ساحرہ کو دیکھا۔ نظریں ملتے ہی ذرا نرم پڑ گیا۔ پھر آہستگی سے بولا۔ "میں جانتا ہوں تم مجھے دل و جان سے چاہتی ہو۔ لیکن صرف مجھے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میرے والدین سے محبت کرنا بھی لازمی ہے۔"

"یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ میں دشمن کو دشمن اور دوست کو دوست مانتی ہوں۔"

"ابھی دو چار دنوں میں ایسی کون سی قیامت آگئی ہے کہ میرے ڈیڈ دشمن بن گئے اور تم ان سے نفرت کرنے لگی ہو۔"

"مجھے نفرت اس لئے ہے کہ وہ زبان سے تو بیٹی کہتے ہیں۔ مگر درپردہ دھوکا دیتے رہے اور محض ایک بکری سمجھ کر شیر کے آگے ڈالنے کا اہتمام کرتے رہے اور انہوں نے وہی کیا۔"

"یہی تو پوچھ رہا ہوں، انہوں نے کیا کیا ہے؟"

ساحرہ چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی۔ پھر بڑے مستحکم لہجے میں بولی۔ "میں اب تک یہی سمجھ رہی تھی۔ آج نہیں تو کل تمہیں اپنے ادھورے پن کا احساس ہوگا۔ مگر یہ میری غلطی تھی۔ آدمی خود کو کبھی عیبی، کمزور اور ناقص نہیں سمجھتا اسے سمجھاؤ تو اپنی انسلٹ سمجھتا ہے۔ طیش میں آجاتا ہے۔ مارنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "گھما پھرا کر باتیں نہ کرو۔ سیدھی طرح بتاؤ۔ کیا میں ادھورا ہوں؟ میری تبدیلی مکمل نہیں ہوئی ہے؟ تم مجھے اپنا شوہر تسلیم نہیں کرتی ہو؟"

"کرتی ہوں مگر ڈاکٹر نے کہا تھا، آخری آپریشن کے بعد تمہیں ایک برس تک انڈر ٹریٹمنٹ رہنا ہوگا۔ پتا نہیں، تم اتنے نادان کیسے ہو گئے ڈاکٹر کی یہ بات تمہیں سمجھ میں نہیں آئی۔ تم نے ایک نئی شخصیت اختیار کرتے ہی سمجھ لیا کہ پہلے مجھے حاصل کرنا چاہئے۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ تم نے

میری محبت میں ایسا کیا۔ مجھے ایک لمحے کے لئے بھی الگ نہیں رکھنا چاہتے ہو۔ میں نے تمہارا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ اپنے والدین سے بغاوت کی اور ان کی بددعائیں لے کر تمہارے ساتھ چلی آئی۔"

"اب تمہیں کیا شکایت ہے؟"

"ہم اور تم عمر کے لحاظ سے نادان کہلائے جا سکتے ہیں۔ مگر تمہارے ڈیڈ کو معلوم تھا کہ ہماری شادی ایک برس بعد ہونا چاہئے تھی۔ مگر وہ بعجلت پاپا سے مجھے چھین لینے کے لئے خود کو برتر، شہ زور ثابت کرنے کے لئے اپنی بہو بنا کر لے آئے۔ میں نے بیان دیا کہ میری موجودہ بیماری کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ مگر تمہارے ڈیڈ ذمے دار ہیں۔ انھوں نے اخلاقی جرم کیا ہے۔ مجھے بیٹی کہا، پھر مجھے ایک سستی، بازاری لڑکی سمجھ کر سہاگ کی تجربہ گاہ میں پہنچا دیا۔ کیا اس بات پر انہیں شرم سے مر نہیں جانا چاہئے۔"

نادر نے غصے سے اٹھ کر کہا: "یُو شٹ اَپ۔ تم میرے باپ کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں کر سکتیں۔"

ساحرہ اسے چند لمحوں تک دیکھتی رہی۔ پھر بڑے سکون سے کہا: "نادر! یہاں سے جاؤ اور فیصلہ کرو، تمہیں باپ کی ضرورت ہے یا میری؟"

"مجھے دونوں کی ضرورت ہے۔"

"کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اسی لئے میں نے میکے میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میری ضرورت ہوگی تو تم میرے پاس آؤ گے۔"

"میں تمہیں جبراً گھر لے جا سکتا ہوں۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔"

"ایسا نہیں کر سکتے، شادی سے قبل میڈیکل رپورٹ حاصل نہ کرنے کا الزام عائد کر کے کسی بھی وقت آسانی سے نجات پا سکتی ہوں۔ مگر تم اچھی طرح جانتے ہو، میں تمہیں چاہتی ہوں۔ اپنا سب کچھ ہار کر بھی تمہیں چاہتی ہوں اور مرتے دم تک چاہتی رہوں گی۔"

وہ غصے سے بولا: "کیا یہی تمہاری چاہت ہے، میرے سامنے اس ڈی ایس پی کو اہمیت دے رہی تھیں۔ اس کے مشوروں پر چلنے کی باتیں کر رہی تھیں۔"

"تم صرف مجھے چاہو گے اور اپنے ڈیڈ کے جرائم کا حساب کرو گے تو اس دن یہ تسلیم کرو گے کہ آج میری جان بچانے والا سجاد ہے۔ اس نے شادی سے پہلے ہی سمجھایا تھا کہ مجھے میڈیکل سرٹیفکیٹ پہ نو۔ لینا چاہئے لیکن میں محبت میں اندھی ہو گئی تھی۔"

وہ طنزیہ انداز سے بولا: "اگر شادی سے پہلے آنکھ کھل جاتی تو مجھے ٹھکرا کر سجاد کے پاس چلی جاتیں۔"

ساحرہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہیں۔ پھر وہ بولی "تم بہت چھوٹے ہو کر چھوٹی باتیں کر رہے ہو۔ میں محبت میں بدگمانی برداشت نہیں کرتی۔ ایک بات اچھی طرح سمجھ لو، اب سجاد صاحب مجھ سے ملتے رہیں گے میں آزادی سے ان کے ساتھ گھوم پھر سکتی ہوں۔ تمہیں اعتراض ہوگا تو تم مجھ سے نہیں ملو گے۔ بہت زیادہ اعتراض ہوگا تو تم مجھے ٹھکرا دو گے۔ اس کے باوجود تمہاری محبت میرے دل سے کم نہ ہوگی۔ میں چاہوں گی، تم مکمل ہو جاؤ۔ کوئی تمہارے خلاف مقدمہ نہ کر سکے ہمیں عدالت میں جا کر شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ تمہیں بدنامی سے بچانے کے لئے مجھے میڈیکل رپورٹ کو چیلنج نہ کرنا پڑے۔ آج میں نے جو بیان دیا ہے، وہ تمہیں بدنامی سے بچانے کے لئے ہے، آج کے بعد کوئی تمہارے خلاف کچھ بولے گا تو میں اسے منہ توڑ جواب دوں گی۔ جاؤ، ٹھنڈے دماغ سے سوچو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں اور تمہارے لئے میں نے کیسا طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ پلیز، چلے جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تمہاری الٹی سیدھی باتوں سے پھر دورہ پڑنے لگے۔ اس سے پہلے چلے جاؤ۔ اب ہمارے درمیان کوئی دیوار نہیں ہے۔ تم جب چاہو گے، یہاں آ سکو گے اور میں گھر میں بھی صبح و شام تمہارا انتظار کرتی رہوں گی۔"

وہ جانے کے لئے کہہ رہی تھی۔ مگر اسے دیکھتی جا رہی تھی جیسے جانے سے پہلے اسے آنکھوں میں نقش کر لینا چاہتی ہو۔ نادر کے کتنے ہی نقوش دل میں تھے مگر وہ ہر روز، ہر لمحہ نیا لگتا تھا۔ پرانی نادرہ اور نئے نادر نے مل کر اسے جکڑ لیا تھا۔

وہ غصہ دکھا رہا تھا لیکن اس کے غصے میں بھی پیار تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں جا رہا ہوں لیکن تمہاری طلب ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ میں جیسی محبت کرتا ہوں ایسی کوئی نہیں کر سکتا۔ میں ایک مرد بننے سے پہلے تمہارا عاشق تھا۔ یعنی جب پیدا نہیں ہوا تھا تب سے تمہارا اسیر ہوں۔ میری محبت کی مثال کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ ایک بات یاد رکھو، تم صرف میرے لئے پیدا ہوئی ہو اور میں وہ عاشق ہوں جو ہاتھ پھیلا کر بھیک نہیں مانگتا۔ ہاتھ بڑھا کر چھین لیتا ہے۔ میں آج تک تمہیں چھینتا آیا ہوں، آئندہ بھی چھین کر لے جاؤں گا۔ تمہارا وہ نیا عاشق، سپاہی کی وردی پہن کر سپاہیوں کا پہرہ بٹھا کر تمہیں دور نہیں رکھ سکے گا۔ میں جب چاہوں گا گولیوں کی بوچھاڑ میں خون کی لکیر بناتا ہوا تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

وہ غصہ دکھاتا ہوا چلا گیا۔ ساحرہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے جاتے جاتے آنکھوں میں بند کر لیا
اس کا مردانہ اور سپاہیانہ انداز دل دھڑکا دیتا تھا۔ کیا ہوا۔ اگر وہ ادھورا تھا۔ سال چھ ماہ میں
مکمل ہو سکتا تھا۔ کیا ہوا۔ اگر اس نے دماغی مریضہ بنا دیا تھا۔ آخر اپنا آدمی ہے۔ آدمی محبت سے ظلم
کرتا ہے۔ عورت اس کے ظلم سے محبت کرتی ہے۔ جو ایسا نہیں کرتی، وہ محبت نہیں کرتی، مرد کو
محض زندگی گزارنے کا ذریعہ سمجھتی ہے۔

اس نے سجاد کی آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ پوچھ رہا تھا "کیا تھکن محسوس کر رہی ہو؟"
وہ تھکے ہوئے انداز میں مسکرا کر بولی "آج میں نے بہت زیادہ باتیں کی ہیں۔"

"پھر آرام کرو۔ میں بعد میں آؤں گا۔"

"جی تو یہی چاہتا ہے کہ آنکھیں بند کرکے لیٹ جاؤں مگر آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے شام کو آ جاؤں گا۔"

"کوئی غیر ضروری ملاقاتی ہو تو اسے ٹالا جا سکتا ہے۔ آپ میرے لئے بہت اہم ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔

ترے خیال میں ہوں میں، ترے سخن میں ہوں
زہے نصیب کہ میں تیری انجمن میں ہوں

"میں جانتی ہوں، آپ مجھے چاہتے ہیں۔ کیا آپ میری خاطر نادر سے دوستی نہیں کر سکتے؟"
وہ ذرا بجھ سا گیا۔ پھر ذرا مسکراتے ہوئے بولا "تمہارا دوست میرا دوست ہے۔ کیا چاہتی ہو؟"

"احساسِ محرومی نے اسے تند مزاج بنا دیا ہے، کوئی اپنی ذات میں مکمل نہیں ہوتا۔ ہر شخص میں
کوئی نہ کوئی کمی یا خامی رہتی ہے۔ اکثر لوگ اپنی ذہانت اور عملی کوششوں سے کسی کمی کو پورا کرتے ہیں
کسی خامی کو دور کرتے ہیں۔ جو لوگ ایسا نہیں کر پاتے وہ شدید محرومی کے باعث تشدد اور تباہ کاری
کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔"

"میں ایک پولیس افسر کی حیثیت سے تمہاری بات اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ دنیا کا ہر مجرم کسی نہ کسی
محرومی کا شکار ہوتا ہے۔ وہ محرومی کو چھپانے کے لئے شدید برتری ظاہر کرتا ہے۔ اپنے پاس خطرناک
ہتھیار رکھ کر دشمنوں پر دھونس جماتا ہے۔ جن سے دشمنی نہیں ہوتی انہیں بھی نقصان پہنچاتا ہے اور
قتل کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگ تخریبی سیاست میں ملوث ہوتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ بین الاقوامی مافیا
تنظیم کے ایجنٹ اور آلۂ کار بن جاتے ہیں۔"

"میں نہیں چاہتی، وہ غلط راہ پر چل نکلے۔"

"جس راہ پر باپ چل رہا ہے، بیٹا بھی چلتا رہے گا۔ تم نادر کے تیور اچھی طرح سمجھتی ہو۔ میں نے تمہیں
پہلے بھی نیک مشورہ دیا تھا۔ آج بھی ایک نیک مشورہ دیتا ہوں، ان باپ بیٹے سے اچھائی کی توقع
مت رکھو۔"

"میں صرف نادر سے توقع رکھتی ہوں۔ میں آج نہیں تو کل اسے باپ سے دور کر دوں گی کیا میرے
بیان سے ظاہر نہیں ہوتا کہ میں ان کے ہاں جا کر رہنا پسند نہیں کرتی۔"

"تمہارا بیان بہت ہی نپا تُلا اور ذہانت سے بھرپور ہے۔"

"میں اپنے والدین کے ہاں نادر کا انتظام کروں گی۔ وہ آئے گا تو ہماری ملاقات کھلی فضا میں
ہوا کرے گی۔ میں کسی مکان یا ہوٹل کی چار دیواری میں اس سے نہیں ملوں گی۔"

"بہت ہی دانش مندانہ فیصلہ ہے۔"

"میں اس کی باتوں میں آکر کہیں نہیں جاؤں گی۔ لیکن اغوا جیسی کوئی واردات ہوئی تو؟"

"تم اپنا پروگرام مجھے بتا دیا کرو تو نادر تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکے گا۔ میرے آدمی سادہ
لباس میں نگرانی کرتے رہیں گے۔"

"اگر میں نادر سے ایسے وقت ملاقات کروں جب آپ ڈیوٹی سے فارغ ہوں تو؟"

"تو میں خود تمہاری نگرانی کروں گا۔"

"میں جانتی تھی، آپ میرا ساتھ دیں گے لیکن یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے۔"

"چاہت ایک دو دن کی نہیں ہوتی۔ میں عمر بھر تمہاری نگرانی کروں گا۔"

ساحرہ کی نظریں جھک گئیں۔ وہ چند لمحوں تک تذبذب میں رہی پھر بولی "میں نے نادر کو پانے
کے لئے ایک نئی بازی شروع کی ہے۔ آپ کو اس کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ پہلے میرے اور اس کے
درمیان بزرگوں کی سازشیں تھیں۔ اب آپ رقیب بن کر آئے ہیں۔ اب یہ بات اس کی سمجھ میں
آئے گی کہ رقیب سے بازی لے جانے کے لئے اور اپنی بیوی کو جیتنے کے لئے اسے ہر حال میں مکمل
ہونا چاہئے۔"

سجاد نے بڑی محبت اور سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میں تمہاری زندگی میں اہم کردار
ادا کر رہا ہوں۔ میرا انجام کیا ہوگا؟"

"سوال اس سے کر رہے ہیں جو خود اپنا انجام نہیں جانتی۔"

"جاننا چاہیئے، تمہیں بھی اور مجھے بھی۔"

وہ سجاد کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر ایک ہاتھ سے سر کو تھام لیا۔ اس کے بعد بولی۔ "آپ نے مجھے ایک اسمگلر کی کوٹھی سے نکال کر میرے گھر پہنچا دیا تھا۔ پاپا انعام دینا چاہتے تھے۔ آپ نے انکار کیوں کیا؟"

"پولیس والوں کو پبلک سے انعام وصول نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ رشوت کی ایک صورت ہوتی ہے۔"

"آپ صرف ڈیوٹی کے وقت فرض ادا کرتے ہیں یا ڈیوٹی کے بعد بھی؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو، ڈیوٹی کے بعد بھی تمہارے کام آتا رہا ہوں اور آتا رہوں گا۔"

"کیا میرے کام آ کر مجھے انعام کے طور پر حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ رشوت نہیں ہوگی؟"

پہلے تو وہ گڑبڑایا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "جہاں کام کی تنخواہ ملتی ہو، وہاں انعام نہیں لینا چاہیئے۔ تمہارا کام تنخواہ داری کا نہیں ہے۔ آج تک کسی نے ماہانہ تنخواہ پر کبھی محبت نہیں کی۔"

وہ ہنس پڑی۔ سجاد نے بڑی محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بیار چہرے پر ہنسی یوں لگ رہی ہے جیسے خزاں میں پھول کھل رہا ہو لیکن میرے سوال کو ہنسی میں نہ ٹال دینا۔"

وہ سنجیدہ ہوگئی۔ کہنے لگی۔ "ہمارے طبقے میں تنخواہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ میرے پاپا کو سولہ ہزار ماہانہ ملتے ہیں مگر وہ ہمارے لیے سولہ روپے کے برابر ہیں۔ یہ صرف ہماری بات نہیں ہے۔ بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہنے والے افسران صرف تنخواہ پر زندہ نہیں رہ سکتے۔ رشوت کی رقم سے ہماری سانس چلتی ہے۔ پانچ دس لاکھ کی کار اور پچیس پچاس لاکھ کی کوٹھی نہ ہو تو ہم خود کو چھوٹا محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے پاس خواہ کتنے ہی قیمتی کپڑے ہوں، ان کے ساتھ بیش قیمت ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے زیورات نہ ہوں تو دوسری بیگمات کے سامنے سُبکی محسوس ہوتی ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہارے طبقے کی عورتیں صرف دولت سے محبت کرتی ہیں۔"

"ہاں، دولت سے محبت کرتی ہیں اور دولت مند سے وفا۔ تمہارے سامنے میری مثال ہے۔ میں چاہوں تو نادر کو چھوڑ کر جس کی طرف آنکھ اٹھاؤں، وہ لاکھوں کا بینک بیلنس میرے نام کر دے گا لیکن دولت پر مرنے والی عورتیں بھی انسان ہوتی ہیں اور وہ دولت کمانے والے پر بھی مرتی ہیں۔ بُرے وقت میں اس کا ساتھ چھوڑ کر نہیں جاتیں۔ میں بھی نادر کو کبھی ادھورے راستے پر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"میرا سوال اب تک جواب طلب ہے۔"

"میں جواب دے چکی ہوں۔ اب بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا ہے تو صاف طور پر سُن لیجئے۔ جس دن آپ پاپا سے کار کی چابی لیں گے، اس دن میں آپ کے سوال کا جواب سوچوں گی۔"

"کیا ایک ایماندار افسر کو بے ایمان بنانا دانشمندی ہے؟"

"ہمارے ہاں ہر طبقے میں دانشمندی کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ نہایت غریب طبقے میں صبر و شکر سے گزارا کرنا، اللہ جو دیتا ہے اس سے زیادہ کی طلب نہ کرنا دانشمندی ہے اور یہی ان کا ایمان ہے۔ متوسط طبقے میں زیادہ سے زیادہ محنت کرنا، پھر اوور ٹائم کرنا، پھر اپنے گھر کی پڑھی لکھی عورتوں کو بھی ملازمت کروانا، اپنے بچوں کو بیک وقت پڑھانا اور ان سے نوکری کروانا اور ہر طرح سے اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنا دانشمندی ہے۔ اس طبقے میں ایمان ذرا سا کمزور پڑ جاتا ہے۔ اللہ جتنا دیتا ہے، وہ اس سے کچھ زیادہ حاصل کرنے کی ناتواں کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے اونچے طبقے میں زندہ رہنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کیونکہ زندگی گزارنے کو گُتّے بھی گزار لیتے ہیں۔ یہاں شاہانہ زندگی گزارنے کا منصوبہ بنانا اور اس منصوبے پر کامیابی سے عمل کرنا اور عمل کرنے کے دوران دین، ایمان اور قانون کو نظر انداز کرنا سب سے بڑی دانشمندی ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ساحرہ نے کہا۔ "سیدھی سی بات یہ ہے کہ آپ ایک غریب ساحرہ کو اپنی دلہن بنانا چاہیں گے تو اس کے لیے ایک جھگی بنانا کافی ہوگا۔ ایک متوسط طبقے کی ساحرہ کو اپنانے کے لیے قسطوں پر ایک فلیٹ

بک کرا سکتے ہیں اور میرے طبقے کی کسی بھی ساحرہ کو اپنانے کے لیے ڈیفنس جیسے علاقے میں لاکھوں روپے کی کوٹھی تعمیر کرانا ہوگی۔ میرا خیال ہے، میں بہت بول رہی ہوں۔ میرا سر دکھ رہا ہے۔"

سجاد نے کہا۔ "میں پہلے ہی کہہ رہا تھا، آرام کرو۔ میں پھر آؤں گا۔"

اسی وقت اس کی ممّی اور پاپا کمرے میں آگئے۔ سجاد نے اسے الوداعی نظروں سے دیکھا۔ پھر سوچتے ہوئے باہر آگیا۔ اس بیمار حسینہ نے اسے ایک لمبی سوچ اور فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔ مشکل یہ ہے کہ ہم جس سے محبّت کرتے ہیں، وہ اس دُنیا کی نہیں، خوابوں کی پری لگتی ہے، جو آنکھ کھلنے کے بعد ہاتھ نہیں آتی۔ ساحرہ بھی خواب سی تھی۔ اس خواب کی تعبیر صرف اتنی سی تھی کہ وہ اس کے پاپا سے کار کی چابی لے اور اونچے طبقے میں قدم رکھنے کی مشق شروع کر دے۔

جس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے، وہ کبھی نہیں پھسلتا لیکن وہ راستے میں کیلے کے چھلکے کی طرح پڑی ہوئی تھی۔

شام کو نشتر پارک میں شاہ جی کی سیاسی پارٹی کا جلسہ تھا۔ ایک ہفتہ پہلے سے جلسے کے سلسلے میں پبلسٹی ہو رہی تھی۔ شہر کی دیواروں، دروازوں اور بڑے بڑے ہورڈنگز پر پوسٹر چسپاں کیے گئے تھے۔ جن پر جلی حروف سے لکھا ہوا تھا۔

"چوہدری عنایت اللہ شاہ، آپ کے بے باک راہنما جنہوں نے اپنی دینداری اور دیانتداری کی خاطر پولیس کی ملازمت چھوڑ دی۔ کیوں کہ وہ پولیس کے محکمے میں دھاندلی، بدعنوانی اور رشوت خوری برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کے وہی بے باک راہنما نشتر پارک کے جلسے میں ایسے چہروں کو بے نقاب کریں گے جو مافیا کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔"

شہر میں پہلے ہی منشیات اور اس کے پس پردہ مافیا کے خلاف پوسٹر چسپاں کیے جاتے تھے۔ شاہ جی نے مافیا کے مقامی ایجنٹوں کو بے نقاب کرنے کا دعویٰ کر کے پورے شہر میں کھلبلی مچا دی تھی۔ ہر طرف شاہ جی کا چرچا ہو رہا تھا۔ شہری اور صوبائی انتظامیہ میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ وہ جانتے تھے، شاہ جی اتنے عرصے تک پولیس ڈیپارٹمنٹ میں رہ کر ٹھوس ثبوت حاصل کر چکے ہوں گے۔ وہ کسی کی بھی کرسی ہلا سکتے تھے۔ پچھلے ایک ہفتے سے کتنے ہی بڑے بڑے افسران سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ عالی جناب نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ وہ پہلے کی طرح اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک بہت بڑی سیاسی پارٹی کے بہت بڑے لیڈر بن چکے تھے۔

وہ پہلی بار عالی جناب کی کوٹھی میں بڑی شان سے پہنچے، کیوں کہ اب وہ ماتحت افسر نہیں تھے۔ سیکرٹری نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ ذرا دیر بعد ہی عالی جناب آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی کہا۔ "مسٹر شاہ! میں فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ آپ صاف صاف بتائیں، کیا چاہتے ہیں؟"

"میں قوم کا خادم ہوں۔ ان کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ کہنا چاہتا ہوں۔ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ سچ مچ لیڈروں کے انداز میں تقریر کرنے لگے ہیں۔ صرف مطلب کی بات بتائیے۔"

"مطلب کی بات نشتر پارک میں بتاؤں گا۔"

"میں جانتا ہوں۔ تم اس شاہی قیدی کی نشان دہی کرو گے مگر بہت بڑی حماقت کرو گے۔"

"عالی جناب! میں پولیس کا بڑا افسر رہ چکا ہوں۔ تیس برس تک اسی محکمے میں رہ کر بھی کیا ایسی حماقت کروں گا؟ ہرگز نہیں، کیا میں اتنی سی بات نہیں جانتا کہ نشتر پارک کے جلسے سے پہلے ہی اس شاہی قیدی کو ہٹا دیا جائے گا یا ہٹا دیا گیا ہوگا۔"

عالی جناب نے غصے سے پوچھا۔ "میرے خلاف تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟"

"جناب! میں نے کب کہا کہ میرے پاس آپ کے خلاف کوئی ثبوت ہے اور میں آپ کی شان میں گستاخی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ دیواروں پر لگے ہوئے پوسٹر کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا تم بھول گئے کہ اس شاہی قیدی سے تمہارے تعلقات تھے اور اس کا تحریری ثبوت موجود ہے کیا تم بھول گئے کہ حشمت نواز جیسے بدنام زمانہ اسمگلر کی کوٹھی سے تمہارے بچے گرفتار کیے گئے۔ تمہارا سیکیورٹی آفیسر تحریری بیان دے چکا ہے کہ تم نے اسے وہاں ڈیوٹی پر لگایا تھا اور تمہارا تعلق حشمت نواز سے ہے اور اسی بنا پر تم نے استعفیٰ پیش کیا ہے۔"

شاہ جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ جتنا بھی تحریری ثبوت میرے خلاف ہے، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیوں کہ مجھے گن پوائنٹ پر رکھ کر ایسی تحریریں لکھوائی گئی تھیں۔"

"مسٹر شاہ! تم بچگانہ باتیں کر رہے ہو۔"

"جو شخص عوام کا لیڈر بن جاتا ہے، اس کی آواز اتنی مستحکم ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے حکمرانوں کی کرسیاں لرزنے لگتی ہیں۔ میں اسی جلسے میں صاف طور پر کہوں گا کہ مجھے گن پوائنٹ پر رکھ کر ایسی تحریریں لی گئی ہیں جن کے ذریعے مجھے لوگوں میں بدنام کیا جائے۔"

وہ ذرا مسکرائے، پھر بولے۔ "عالی جناب! جب میں عوام کے سامنے مافیا کے مقامی ایجنٹوں کو بے نقاب کروں گا اور عوام کی امنگوں کے مطابق سہراب گوٹھ کے خلاف اشتعال پیدا کروں گا تو لوگ مجھے کسی طور بھی مجرم تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور نہ ہی یقین کریں گے کہ میرا تعلق بھی کبھی مافیا تنظیم سے رہا ہے۔"

"مسٹر شاہ! آپ بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہ بھول رہے ہیں کہ عوام میں اشتعال پیدا کریں گے تو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیے جائیں گے۔ پھر جو ثبوت ہمارے پاس موجود ہے، اس کے مطابق ہم آپ پر مقدمہ چلا سکتے ہیں۔ آپ کو سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتے ہیں۔ آپ کی طرح کتنے ہی بہروپیے لیڈر گرفتار کیے جاتے ہیں اور جیلوں میں ٹھونس دیئے جاتے ہیں۔ پھر ان کی لیڈری برسوں تک دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔"

"دیر کس بات کی ہے۔ مجھے بھی جیل پہنچا دیجئے۔"

"ایسا شاید ہونے والا ہے لیکن ہم سمجھوتے کی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم جیل جانے تک اتنی کیچڑ اچھال دو کہ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں یا ہم بھی قانون کی گرفت میں آ جائیں۔ ٹوبی ویری فرینک۔ ہم ایک ہی حمام میں رہ چکے ہیں۔ میں تمہارے لیے مرکزی حکام بالا سے سفارش کر سکتا ہوں۔ تم چاہو تو کوئی اچھا سا عہدہ حاصل کر سکتے ہو۔"

شاہ جی نے اپنی جیب سے ایک کیسٹ نکال کر عالی جناب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔" میں جب بھی آپ سے یا اس شاہی قیدی سے گفتگو کرتا تھا تو میرے پاس ایک پاکٹ ریکارڈر ہوتا تھا۔"

انہوں نے کیسٹ لے کر اسے بڑی پریشانی سے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر پوچھا۔" کیا اس میں ہماری باتیں ہیں؟"

"یہ مکمل نہیں ہے۔ جس طرح پہلے پوری فلم دکھائی نہیں جاتی، نمونہ دکھایا جاتا ہے، اسی طرح یہ ایک نمونہ ہے۔ میرے پاس آڈیو اور تحریری ثبوت کی بھرمار ہے۔ جب تک میں زندہ اور بخیریت رہوں گا، یہ ثبوت منظرِ عام پر نہیں آئیں گے۔"

عالی جناب نے سوچتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا پھر پوچھا۔" جب میں نے تمہیں استعفیٰ دینے پر مجبور کیا تھا، اس وقت تم نے بلیک میل کیوں نہیں کیا؟"

"صرف ٹھوس ثبوت رکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اسے عدالت تک پہنچانے یا اس کے ذریعے بلیک میل کرنے کے لیے خود کو ہر طرف سے محفوظ رکھنا لازمی ہوتا ہے۔ میرے جسم سے وردی اتار کر میری تمام طاقت چھین لی گئی تھی۔ لہٰذا طاقت حاصل کرنے کے لیے سیاسی میدان میں آنا پڑا۔ آج میں ایک مضبوط سیاسی پارٹی کے اہم لیڈروں میں سے ایک ہوں۔ آج میرے چاروں طرف زندہ باد کے نعرے لگانے والوں کی بھیڑ ہے۔ میں نے ایسے انتظامات کیے ہیں کہ میرے جیل جاتے ہی آپ تمام حضرات کے خلاف وہ ثبوت میری پارٹی کے دوسرے لیڈروں تک پہنچ جائیں گے اور مجھے پورا یقین ہے، آپ ایسا نہیں چاہیں گے۔"

انہوں نے کیسٹ کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔" دو لفظوں میں کام کی بات کرو۔"

"میرا عہدہ۔"

"کس ڈیپارٹمنٹ میں جانا چاہتے ہو؟"

"جس سے نکالا گیا ہوں۔"

"اسے بھول جاؤ۔ میں اس سے بھی اونچا مقام دے سکتا ہوں۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔" اوّل تو میں شکست برداشت نہیں کرتا جس چیز سے محروم کیا جائے، اسے دوبارہ چھین لیتا ہوں۔ دوئم یہ کہ اس عہدے

پر رہ کر مجھے بے تاج کا بادشاہ بننے کی لت پڑ گئی ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئے۔ پھر بولے۔" اپنے مطالبے میں لچک پیدا کرو۔"

"سوری، آپ کے حکم کے مطابق میں نے دو لفظوں میں کام کی بات کہہ دی۔ اب جانا چاہتا ہوں۔"

وہ جانے کے لیے اٹھ گئے۔ عالی جناب نے کہا۔" ٹھہرو، میں تمہارا مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کروں گا مگر تم جلسے میں بکواس نہیں کرو گے۔"

"اس عہدے پر تقرری کا پروانہ مل جائے تو میں بازی پلٹ دوں گا۔"

"کیسے؟"

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ آپ اپنے مسئلے پر غور کریں۔"

"تم جانتے ہو، یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ تمہیں اتنے بڑے عہدے پر واپس لانے میں کچھ وقت لگے گا۔ تمہیں ایک آدھ ہفتہ صبر کرنا چاہیے۔"

"کر لوں گا، آپ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"جلسے میں کیا کہو گے؟"

شاہ جی نے ہنستے ہوئے کہا۔" آج رات مجھ پر دل کا دورہ پڑے گا۔ مجھے اسپتال میں داخل کیا جائے گا۔ دوسرے دن بائی پاس کے لیے لندن جاؤں گا۔ دو ہفتے کے اندر میری تقرری ہو گی تو سیاست چھوڑ دوں گا ورنہ عوام میری صحت یابی کا جشن مناتے ہوئے میرے دوسرے جلسے میں شریک ہوں گے۔"

انہوں نے پھر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔" جس ملک کے لوگ ناخواندہ ہوتے ہیں انہیں ایک سیاسی لیڈر کسی طرف بھی بھیڑوں کی طرح ہانک سکتا ہے۔"

"تم سیاست میں زیادہ کامیاب رہ سکتے ہو۔ پھر اپنے عہدے کے لیے سیاست کو چھوڑنا کیوں چاہتے ہو؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولے۔" سیاسی کامیابی صرف پانچ برس کے لیے اقتدار دلاتی ہے، جب کہ میں تیس برس سے حکومت کرتا آ رہا ہوں اور

"آپ کی مہربانی سے آئندہ بھی کروں گا۔"

وہ فاتحانہ انداز سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے
عالی جناب غصّے سے دیکھتے رہے اور سوچتے رہے۔ ایک نیا ڈرائیور
کمرے میں آیا۔ وہ پلٹ کر جاتے ہوئے بولے "کم آن۔"

ڈرائیور ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ پھر دروازے
کو اندر سے بند کرتے ہوئے اسے لاک کر دیا۔ عالی جناب نے پوچھا۔
"کیا تم نے شاہ کی باتیں سُنی تھیں؟"

ڈرائیور نے بڑی بے تکلفی سے سامنے والی کُرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "سُن
چکا ہوں۔ یہ شاہ بڑے جوڑ توڑ والا ہے۔ اس کی پشت پر ایک بڑی سیاسی پارٹی ہے
اس پر ہاتھ ڈالا گیا تو ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا، آپ اس کُرسی سے گر پڑیں گے۔"

عالی جناب نے ناگواری سے پوچھا "تمہارے منشیات کے اڈّوں اور اسلحے
کے ذخیروں کا کیا ہوگا؟"

"آپ کی کُرسی جاتے دیکھ کر ہم شاہ جی سے گٹھ جوڑ کر لیں گے۔"

وہ غصّے سے بولے "تم مافیا والے دوغلے ہوتے ہو۔ کیا میرے احسانات
کا یہی صلہ ہے۔ میں نے اس شاہی قیدی کا مقدمہ ختم کرایا۔ اسے ملک سے نکل
جانے دیا۔ اس کی جگہ تم ڈرائیور بن کر آئے ہو۔ قانون کے سائے میں کوئی تم پر
شبہ نہیں کرے گا۔ میں تمہیں تحفظ دے رہا ہوں اور تم بُرے وقت میں ساتھ
چھوڑنے کی بات کرتے ہو؟"

"آپ بُرا وقت نہ آنے دیں۔ جیسا سمجھوتہ کیا ہے، اس کے مطابق شاہ کو
اس کے عہدے پر واپس لے آئیں۔ حرام خوری کے کاروبار میں جھکنا پڑتا ہے۔ شاہ
کو ایک وقت آپ نے جھکایا تھا۔ اب آپ کو جھکنا ہے۔ مجھے دیکھ لیجئے، میں آپ
جیسے عہدے داروں کو بڑی بڑی رقمیں دیتا ہوں مگر مصلحتاً ڈرائیور بن کر رہتا ہوں۔
آپ مجھے جوتا بنا کر پہن لیں گے۔ میں اُف نہیں کروں گا کیونکہ مجھے بھی مافیا تنظیم
سے ہزاروں لاکھوں روپے ملتے رہتے ہیں۔"

یہ بات سمجھانے کی نہیں، خود سمجھنے کی تھی کہ حرام کی دولت سے ایمان چلا جاتا

ہے تو عزت کیوں نہیں جائے گی؟ یہ تو غنیمت ہے کہ آپس ہی میں کبھی کبھی ذلتیں اٹھانا
پڑتی ہیں۔ ورنہ عوام میں تو دولت، عزت اور حاکمیت کا ڈنکا بجتا رہتا ہے۔

عالی جناب چُپ رہے۔ مافیا کے ایجنٹ نے ایک سگار نکال کر سُلگایا، پھر کش لے
کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا "سہراب گوٹھ کا پھوڑا پک گیا ہے۔ اس کا آپریشن
لازمی ہو گیا ہے۔ اس آپریشن سے جہاں بہت سے مسائل حل ہوں گے، وہاں شاہ جی
کا مسئلہ بھی آسانی سے حل ہو جائے گا۔"

عالی جناب نے تائید میں سر ہلا کر کہا "شاہ جی نے کچھ زیادہ ہی مجبور کر دیا ہے
تیاریاں تو پہلے سے مکمل ہیں۔ صرف میرے حکم کی دیر ہے۔ آپریشن بڑے ڈرامائی انداز
میں ہوگا۔"

"اور ردِّ عمل اس سے بھی زیادہ ڈرامائی انداز میں ہوگا۔"

سگار کا سرا سُلگ رہا تھا اور مافیا کے مُنہ سے دھواں یوں نکل رہا تھا
جیسے بارود نکل رہی ہو۔

نادر چھت پر تھا۔ دُوربین لگا کر مرزا صاحب کی کوٹھی کو مختلف زاویوں سے دیکھ رہا تھا۔ ساحرہ پہلے دُور سے نظر آجاتی تھی، اب دُوربین سے بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ کوٹھی سے باہر نہیں آتی تھی۔ نادر کے لیے تشویش کی بات یہ تھی کہ سجاد کوٹھی میں آتا تھا اور جب تک واپس نہیں جاتا تھا، نادر بے چینی میں مُبتلا رہتا تھا۔

جس روز وہ اسپتال سے آئی، نادر نے فون پر مخاطب کیا۔ پھر بولا "مجھ سے نہیں ملوگی؟"

"ضرور ملوں گی۔ آجاؤ۔"

"تمہارا گھر یہ ہے۔ تمہیں یہاں آنا چاہیئے۔"

"میں مناسب اور موزوں وقت پر دلہن بن کر آؤں گی تو وہ گھر میرا ہوگا۔"

"تم میری انسلٹ کر رہی ہو۔"

"میں تم سے الگ نہیں ہوں۔ تمہارے ساتھ میری بھی انسلٹ ہو رہی ہے۔"

"ایسا ہے تو مجھے چھوڑ دو۔"

"آخری سانس تک نہیں چھوڑوں گی۔ محبت کرتی ہوں، مذاق نہیں کرتی۔"

"مجھ سے دُور رہنا محبت ہے؟"

"میری بھلائی اور تمہاری تکمیل کے لیے فاصلہ ضروری ہے۔"

"تم میرے گھر نہیں آنا چاہتیں۔ میں تمہارے گھر نہیں آؤں گا۔ ہمیں باہر کہیں ملنا چاہیئے۔"

"میں یہی چاہتی ہوں، ہم کھلی فضا میں ملیں گے۔"

"میں ابھی ہالی ڈے ان میں ایک کمرہ لے رہا ہوں۔"

"سوری، میں کسی بھی مکان یا ہوٹل کی چار دیواری میں نہیں ملوں گی۔"

وہ غصّے سے بولا "یہ کیا بکواس ہے۔ کیا تم میری بیوی نہیں ہو؟"

"بُرا نہ مانو تو کہوں، محفل میں بیوی اور تنہائی میں بیوہ ہوں۔"

اس نے غصّے سے ریسیور کو پٹخ دیا۔ کسی کو اس کی کمزوری بتاؤ تو وہ طیش میں آجاتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو فراخدلی سے اپنی خامیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ صبح سے دوپہر تک ساحرہ کو دل سے نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے بغیر وقت گزارنے کے لیے ڈاکٹر کے پاس گیا۔ اس نے بظاہر ساحرہ کی تنقید کو برداشت نہیں کیا تھا مگر اپنی تکمیل کے لیے فکرمند ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر کے پاس سے واپس آیا تو کوٹھی کے قریب گاڑی روک دی۔ سجاد حیدر موٹر سائیکل ڈرائیو کرتا ہوا مرزا صاحب کی کوٹھی میں داخل ہو رہا تھا۔

وہ فوراً کوٹھی میں آیا اور دُوربین لے کر چھت پر پہنچ گیا۔ مرزا صاحب کی کوٹھی اور سجاد کی موٹر سائیکل دُوربین کے بغیر بھی نظر آرہی تھیں۔ جسے وہ دیکھنا چاہتا تھا، وہ سجاد کے ساتھ کوٹھی کے اندر جانے کیا کر رہی تھی؟ جی میں آیا، ابھی دندناتا ہوا رقیب کے گریبان تک پہنچ جائے لیکن وہ کہہ چکا تھا "تم میرے گھر نہیں آنا چاہتیں تو میں تمہارے گھر نہیں آؤں گا۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں اُترتے ہوئے ٹیلیفون کے پاس آیا۔ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر ساحرہ کی آواز سنائی دی "ہیلو"

اس نے غصّے سے پوچھا "کیا کر رہی ہو؟"

"تمہارا ذکر کر رہی ہوں۔"

"کس سے کر رہی ہو؟"

"جس کی موٹر سائیکل دُوربین سے نظر آرہی ہے۔"

چوری پکڑی گئی تھی۔ وہ ذرا چُپ رہا، پھر بولا "میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آجاؤ۔ میرے گھر کا دروازہ آدھی رات کو بھی تمہارے لیے کھل سکتا ہے۔"

"میں تمہارے گھر نہیں آؤں گا۔ تم باہر آؤ۔"

"میں اپنے محسن کو چھوڑ کر نہیں آسکتی مگر شاید آسکتی ہوں۔ ذرا ایک منٹ۔

میں ان سے پوچھتی ہوں، کیوں سجاد صاحب! اگر میں نادر سے ملنے جاؤں تو آپ میری نگرانی کریں گے؟"

نادر نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا "وھاٹ نان سنس"۔ کیا تم کسی کی نگرانی میں مجھ سے ملو گی؟ کیا تم وہی ساحرہ ہو جو مجھ پر اندھا اعتماد کرتی تھی؟"

"میں وہ اندھی ساحرہ نہیں رہی۔ تم مجھے ذہین سمجھتے تھے۔ میری تعریفیں کرتے تھے۔ میں ایک ٹھوکر کھانے کے بعد سنبھل گئی ہوں۔ آج بھی میری ذہانت کی تعریف کرو۔"

"کیا ایک غیر کے سامنے شوہر کی توہین کرنا ذہانت ہے؟"

"توہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سجاد صاحب کو ہمارے کیس کی تمام تفصیلات معلوم ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں پاگل خانے میں ہوتی۔"

"کیا اس شخص کو میری چڑ بنا رہی ہو؟"

"نہیں، تمہارے لیے چیلنج بنا رہی ہوں۔ جس دن تم مکمل ہو جاؤ گے، یہ چیلنج ختم ہو جائے گا۔"

"کیا میں سمجھ لوں کہ تم بے حیائی پر اُتر آئی ہو؟"

"جس لمحے مجھے یقین ہوگا کہ تمہارا اعتماد مجھ پر سے اٹھ گیا ہے، میں مر جاؤں گی۔"

نادر نے ایک گہری سانس لی۔ عجب طُرفہ تماشا تھا۔ وہ اپنی بھی تھی اور پرائی بھی لگتی تھی۔ بات بات پر جلاتی بھی تھی، بُجھاتی بھی تھی۔ دیکھو تو بہت دُور تھی، سمجھو تو رگِ جاں کے قریب تھی۔ وہ ریسیور رکھ کر سوچتا ہوا کوٹھی سے باہر آیا۔ لان سے گزرتا ہوا احاطے کے مین گیٹ تک پہنچا۔ شاہ جی اپنی کار میں آرہے تھے۔ بیٹے کو دیکھ کر گیٹ پر گاڑی روک دی۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

وہ قریب آکر بولا "اچھا ہوا، آپ آگئے۔ میں اُلجھن میں ہوں، وہاں جانا نہیں چاہتا مگر خود پر اختیار نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے، مجھے پتا بھی نہیں چلے گا اور میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

انہوں نے کار کی کھڑکی سے ہاتھ نکال کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر کہا "جب تک اختیار میں ہو، اُدھر کا رُخ نہ کرو۔"

"وہ کم بخت سجّاد اس کے پاس ہے۔"

"اس کی بے حیائی کو سمجھو، وہ ایک بازاری عورت کی طرح دوسرے کو پاس بُلا کر تمہارا مذاق بھی اڑاتی ہے اور تمہیں طیش بھی دلاتی ہے۔ اس کے باوجود میں دیکھ رہا ہوں، اس کے لیے تمہاری طلب بڑھتی جا رہی ہے۔"

"ڈیڈ! پلیز، آپ اسے بے حیا نہ کہیں۔"

"اس ذلیل لڑکی نے اسپتال میں میری اِنسلٹ کی اور تم چاہتے ہو، میں اس کی عزت کروں۔"

"وہ دشمنوں کے بہکانے میں آگئی ہے۔ ایک دن ضرور آپ سے معافی مانگے گی۔"

"کوئی مجھے ایک بار گالی دیتا ہے، میں اس کی زندگی حرام کر دیتا ہوں۔ اگر میری عزت اور میرے مرتبے کا ذرا بھی خیال ہے تو اس کے گھر کبھی نہ جانا۔ تم مرزا کی چالوں کو نہیں سمجھتے ہو۔ وہ بے غیرت اپنی بیٹی کا جادو چلا کر تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔"

"میں ایسا کام نہیں کروں گا جس سے آپ کی ہتک ہو۔ میں نے اس سے باہر ملنے کے لیے کہا ہے، وہ راضی ہے۔"

"ضرور ملو اور اسے ہمارے گھر آنے پر مجبور کرو۔"

"لیکن ڈیڈ! وہ ڈی ایس پی کی نگرانی میں ملنا چاہتی ہے۔"

وہ ایک دم سے بھڑک گئے۔ سجاد کو گالیاں دیتے ہوئے کہنے لگے۔

"اب بھی عقل سے کام لو۔ وہ لڑکی تم پر اعتماد نہیں کرتی ہے، ایک باہر کا آدمی اس کے لیے قابلِ اعتماد ہے۔ وہ بڑی آزادی اور بے باکی سے تمہاری توہین کر رہی ہے اور تم اس کے لیے مرے جا رہے ہو۔"

"آپ غصہ نہ کریں۔ وہ اچھی ہے یا بُری ہے، جیسی بھی ہے، میں اسے اپنے گھر میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ بیٹے کی دیوانگی کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "تم میری کُل کائنات ہو، تمہاری ہر خوشی پوری کروں گا۔ اس لڑکی کو اپنے گھر لا کر مرزا کو بھی نیچا دکھاؤں گا۔ صرف میری ایک بات مان لو۔ مرزا صاحب کے گھر نہ جاؤ۔"

"سجاد کو نگرانی کرنے دو۔ اس سے باہر ملتے رہو۔"

نادر خوش ہو کر کوٹھی کے اندر آیا۔ پھر اس نے فون پر مخاطب کیا۔ "ساحرہ! میں باہر ملنا چاہتا ہوں۔"

"تم نے فیصلہ کرنے میں دیر کر دی۔ سجاد صاحب جا چکے ہیں۔"

"سجاد سے ہمیں کیا لینا ہے؟"

"میں ان کی نگرانی میں کل مل سکتی ہوں۔"

"ٹو ہیل ود یور میٹنگ۔ آئی ہیٹ یو (جہنم میں جائے تمہاری ملاقات۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں) اب ہم کبھی نہیں ملیں گے۔ سن رہی ہو۔ ہم قیامت کے دن بھی نہیں ملیں گے۔"

وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔ "اس کے باوجود میں کل شام نو کوٹھی کے باہر انتظار کروں گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ نادر نے غصے سے اپنے ریسیور کو دیکھا۔ پھر چیخ کر کہا۔ "میں نہیں ملوں گا۔ تم شام کو انتظار کرو بلکہ ساری رات انتظار کرتی رہو، میں نہیں آؤں گا۔ کتا نہیں ہوں کہ تمہارے دوسرے عاشق کی طرح پیچھے پیچھے آتا رہوں۔ میں نہیں ملوں گا، کبھی نہیں ملوں گا۔"

باپ نے آکر ریسیور لیا۔ پھر کان سے لگایا۔ اس کے بعد بیٹے کو حیرانی سے دیکھا۔ ہاتھ سے ریسیور نکل جانے کے بعد بھی وہ یوں چیخ رہا تھا جیسے وہ آنکھوں کے سامنے اسے دیکھ رہا ہو اور اسے اپنے اندر ایک آسیب کی طرح پا رہا ہو۔

دوسرے دن شام چار بجے وہ بے اختیار کوٹھی کے باہر آگیا۔ دسمبر کی سرد ہواؤں میں ساحرہ کا آنچل اڑ رہا تھا۔ گھنی زلفیں لہرا رہی تھیں۔ وہ نارنجی رنگ کے لباس میں یوں لگ رہی تھی جیسے شعلہ ایک جگہ ٹھہر گیا ہو۔ اسے دیکھ کر دل باغ باغ ہوا مگر دور موٹر سائیکل پہ تھری نظر آ رہی تھی۔ اس نے ناراض ہو کر کہا۔ "میرے ساتھ تنہا آسکتی ہو تو آؤ۔ میں کسی تیسرے کا وجود برداشت نہیں کروں گا۔"

وہ جواب سنے بغیر میدان کی طرف جانے لگا۔ اس کے آنے کی آس تھی۔ اس

لیے رفتار سست رکھی۔ چند قدم جانے کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔ "نادر! یہ غصہ نہیں، دکھاوا ہے۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

وہ پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھے بغیر کہا۔ "مجھے صاف صاف بتاؤ، تمہیں باڈی گارڈ کی ضرورت کیوں ہو گئی؟"

"میرے اور تمہارے بزرگوں نے اغوا کی ایسی شرمناک سازشیں کی ہیں جس کے بعد میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"

"کیا مجھ پر بھی نہیں؟"

"تم نے بھی شادی کے نام پر اغوا کیا۔ تم بالکل ہی نادان نہیں ہو۔ مکمل علاج کے بغیر باپ نے شادی کے لیے کہا اور تم نے کر لی۔"

وہ سر جھکا کر چلتا رہا۔ ساحرہ اس کے برابر آگئی۔ وہ بولا۔ "ہم محبت اور عقیدت میں اندھے ہو جاتے ہیں۔ تم میری محبت میں آنکھ بند کر کے دلہن بن گئیں۔ مجھے ڈیڈ سے اتنی عقیدت ہے کہ میں نے میڈیکل رپورٹ کی پروا نہیں کی۔ انہیں تمہارے پاپا سے برتر دیکھنے کے لیے گھر لے آیا۔"

"تمہارے دل میں میری طلب نہیں تھی۔ اپنے ڈیڈ کی برتری قائم رکھنے کے لیے مجھے اپنے گھر سے اسپتال پہنچا دیا۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں نے ڈیڈ کا حکم اس لیے بھی مانا کہ تم ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں آ رہی تھیں۔"

"کیا تمہارا خیال ہے کہ تم نے اور تمہارے ڈیڈ نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ جو کچھ بھی مجھ پر گزری، اس کے ذمے دار تم باپ بیٹے نہیں ہو؟"

وہ میدان میں پہنچ گئے۔ نادر نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ وہی میدان ہے جہاں برسوں سے ہر صبح ہماری محبت پروان چڑھتی رہی ہے۔ پلیز، پچھلی باتوں کو بھول جاؤ۔ میرے ڈیڈ تمہارے بزرگ ہیں۔ بزرگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے یا اشارے کنائے میں احساس دلانا چاہیے۔ بجائے کہ تم نے انہیں برا بھلا کہا۔ میری ایک بات مانو گی؟"

"ہاں، بولو۔"

"ڈیڈ سے معافی مانگ لو۔"

"ظالم سے پناہ مانگی جاتی ہے، معافی نہیں۔"

"ڈیڈ کو ظالم مت کہو۔"

"تم ان کا ذکر مت کرو۔"

"کیا تم ہمارے ساتھ زندگی نہیں گزارو گی؟"

"صرف تمہارے ساتھ گزاروں گی۔ وہ بھی میڈیکل رپورٹ حاصل ہونے کے بعد۔"

"آج ڈاکٹر کہہ رہا تھا، رپورٹ مکمل ہونے کے لیے ایک سال سے زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔ کیا یہ عرصہ تمہارے بغیر گزاروں گا؟"

"ہم آؤٹ ڈور میں میاں بیوی رہیں گے۔ ان ڈور کا کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔"

"تم ایسی باتیں کر رہی ہو۔ ایسا رویّہ اختیار کر رہی ہو جیسے مجھ سے دِل پھر گیا ہو۔"

"تم جانتے ہو، سجّاد صاحب نے ڈاکٹر شیرازی اور سرجن صمد انصاری سے تمہارے متعلق ایسی رپورٹیں حاصل کی ہیں جن کی بنیاد پر میں بہ آسانی علیحدگی اختیار کر سکتی ہوں۔ سجّاد صاحب اور پاپا تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ایک ادھورے شخص سے نکاح جائز نہیں۔ ہمارا نکاح نہیں ہوا ہے لیکن میں نہیں مانتی۔"

"بہت سی باتیں باہمی گفتگو سے سمجھ میں آتی ہیں۔ میں مانتا ہوں، تم چاہتیں تو میڈیکل رپورٹ کی بنیاد پر نکاح منسوخ ہو جاتا۔ تم مجھے چاہتی ہو۔ دیوانہ وار چاہتی ہو۔ کوئی سجّاد تمہیں گمراہ نہیں کر سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں، اپنا مستقل علاج کراؤں گا۔ پابندی سے دوائیں استعمال کروں گا اور ڈاکٹروں کی ہدایات پر پوری طرح عمل کروں گا۔ اب میری تکمیل کو برس لگ جائیں۔ کوئی بات نہیں۔ تم میری ہو، میری ہی رہو گی۔"

"مجھ پر اتنا اعتماد ہے تو میرے ساتھ گھر چلو۔"

وہ کھلے میدان میں ٹہلتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ساحرہ کے گھر جانے کی بات پر وہ چپ رہا۔ وہ چلتے چلتے رُک گئی، پھر بولی۔ "ہم خواہ مخواہ یہاں

تھک رہے ہیں، گھر چل کر آرام سے بیٹھ کر چائے پئیں گے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "میں ڈیڈ سے پوچھ کر آؤں گا۔"

وہ حیرانی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ "تم مجھ سے ملنے کے لیے، میرے گھر آنے کے لیے باپ کی اجازت لو گے؟ کیا تم ابھی تک دودھ پیتے بچے ہو؟ باپ کی انگلی پکڑ کر بیوی کے گھر آنا چاہتے ہو، اوہ گاڈ، تم باپ سے محبت نہیں کرتے۔ ان کی پرستش کرتے ہو۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔ میں ساری دنیا کو چھوڑ کر تمہیں چاہوں اور تم باپ کو چھوڑ کر مجھے نہ چاہو، میں برداشت نہیں کروں گی۔"

وہ ناراض ہو کر جانے لگی۔ "ساحرہ! رُک جاؤ۔ میری بات سنو۔"

وہ دُور جا کر بولی۔ "مجھے کچھ نہیں سننا ہے۔ ایک بات سمجھ لو، عورت کبھی سوکن کو برداشت نہیں کرتی، اگر میرے سامنے سوکن آئے گی تو شاید میں اُسے سہہ جاؤں لیکن تمہارے باپ کو کبھی برداشت نہیں کروں گی۔"

وہ غصّے سے جانے لگی۔ سجّاد نے دُور ہی سے اس کی چال دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ وہ کسی بات پر نادر کو چھوڑ کر آ رہی ہے۔ اس نے موٹر سائیکل کی رفتار بڑھائی اور اس کے پاس پہنچ گیا۔ نادر نے دوڑ لگائی تاکہ وہ سجّاد کے ساتھ نہ بیٹھے، لیکن وہ بیٹھ گئی تھی۔ موٹر سائیکل آگے جا رہی تھی۔ اس نے آواز دی۔ "رُک جاؤ ساحرہ!"

"میرے ساتھ گھر چلو گے تو رُک جاؤں گی۔"

"آج نہیں، پھر کبھی چلوں گا۔"

"تو ہم پھر کبھی ملیں گے۔"

موٹر سائیکل کی رفتار بڑھ گئی۔ وہ سجّاد کے ساتھ دُور ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا کتنی دُور جائے گی، کوٹھی قریب ہی ہے لیکن وہ اپنی کوٹھی سے بھی آگے نکل گئی۔ سجّاد کے ساتھ کہیں تفریح کے لیے جا رہی تھی۔ تب پہلی بار اسے اپنے ڈیڈ پر غصّہ آیا۔ اگر میں اپنی چاہنے والی کے گھر جانا چاہتا ہوں تو ڈیڈ کی ناک نیچی کیوں ہوتی ہے؟ میری بیوی غیر کے ساتھ جائے تو میری ناک کیا رہ جاتی ہے؟ اس سلسلے میں ان سے کھل کر گفتگو کرنا ہوگی۔

وہ بوجھل قدموں سے اپنی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ شاہ جی کوٹھی کی اُوپری منزل سے [illegible] رہے تھے۔ بیٹے سے نظریں ملیں۔ وہ نیچے آ گئے۔ نادر نے پوچھا۔

"کیا آپ [illegible]؟"

"ہاں، مگر ہر انسان کے دیکھنے اور دیکھنے کے بعد سمجھنے میں فرق ہوتا ہے تم نے اسے سجاد کے ساتھ جاتے دیکھا اور رقیب کی طرح جل گئے۔ میں نے دیکھا تو سبق حاصل کیا۔ عورت کسی کی نہیں ہوتی۔"

"ڈیڈی! عورت ماں اور بہن بھی ہوتی ہے۔"

"مائیں اور بہنیں اپنے شوہروں کے لیے عبرت کا سبب بنتی ہیں۔ رشتے کو نہ دیکھو، اس کی فطرت اور اس کے مزاج کو سمجھو۔ اسے آدھی روٹی دو گے، وہ صبر شکر سے کھائے گی۔ اسے آدھا پہننے کو دو گے، وہ شکایت نہیں کرے گی، اسے آدھی مسرتیں دو گے، آدھے صدمات دو گے۔ آدھا ظلم کرو گے، پھر بھی وہ وفا کرے گی۔ لیکن آدھے جذبات دو گے تو وہ دوسروں کے پیچھے چلی جائے گی۔"

"وہ ایسی نہیں ہے۔"

"آنکھوں سے دیکھ کر بھی حقیقت سے انکار کر رہے ہو۔ اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو بیٹے! وہ تمہاری تکمیل کا انتظار کر رہی ہے۔ تمہیں چھوڑنا نہیں چاہے گی۔ کیوں کہ یہاں میرے پاس روپے کی صورت میں اور غیر ممالک میں ڈالر کے حساب سے بے انتہا دولت ہے۔ یہ سب کچھ تمہارا ہے صرف تمہارا۔ اس لیے یہ سب کچھ اس کا رہے گا مگر میں نے کہا، نا دل و جان سے محبت کرنے والیاں بھی ایسے وقت ساتھ چھوڑ دیتی ہیں جب کوئی دریا کی طرح بہنا اور بہتے بہتے سمندر میں ڈوبنا اور اس میں جذب ہونا نہیں جانتا۔ میرے بیٹے! ذرا عقل سے سوچو، تم اس کے معیار پر پورے نہ اترے تو بے انتہا دولت کے باوجود وہ تمہیں چھوڑ دے گی۔ اس کے باپ کے پاس کچھ کم دولت نہیں ہے۔ اس مقام پر عورت سجاد جیسے کنگال پر مر مٹتی ہے۔"

نادر سوچ میں پڑ گیا جب وہ ساحرہ سے ملتا تو وہ اپنی اپنی لگتی تھی۔ ڈیڈ سے ملتا تو ان کی دانشمندی کا قائل ہو جاتا تھا۔ انہوں نے بیٹے کو سوچتے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں

زیادہ وضاحت سے سمجھا نہیں سکتا۔ تمہارا دل نہ مانے تو ساحرہ کے گھر جا سکتے ہو۔"

وہ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ تنہائی میں وہی یاد آتی تھی کبھی محبوبہ بن کر اور کبھی دلہن کے روپ میں للچاتی تھی۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ دلہن کی راتیں حرام ہو جاتی ہیں اس کے باوجود وہ دوری برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہتا تھا اور اس کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ ساحرہ نے اپنے موجودہ رویے سے اس کے ڈیڈ کو دشمن بنا لیا تھا۔

دوسرے دن شاہ جی بہت خوش تھے۔ وہ عالی جناب سے تمام معاملات طے کر کے آئے تھے۔ انہوں نے بیٹے کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "آج میں بہت خوش ہوں۔ مجھے جلد ہی بہت بڑی کامیابی حاصل ہونے والی ہے۔ جاؤ بیٹے! جو جی میں آتا ہے کرو۔ میں فراخدلی سے اجازت دیتا ہوں۔ ساحرہ کے گھر جاؤ۔"

وہ خوشی سے لپٹ کر بولا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ کیا آپ نے ساحرہ کو معاف کر دیا ہے؟"

"اسے تو ایسا معاف کیا ہے کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔"

"آپ کی بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"آنے والا وقت سمجھائے گا۔ ابھی کچھ نہ پوچھو اس کے پاس جاؤ اور دن رات جاتے رہو۔ میں اب اعتراض نہیں کروں گا۔"

اسے یقین ہو گیا کہ باپ واقعی خوش ہے۔ اسے دل سے جانے کی اجازت دے رہا ہے۔ اگرچہ دل میں ساحرہ کے لیے کوئی اپنائیت نہیں ہے۔ نادر نے سوچا، رشتے داری میں ایک دوسرے سے مخالفت ہوتی رہتی ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ اجازت مل رہی ہے۔ اس نے ساحرہ کے پاس پہنچنے میں دیر نہیں کی۔ وہ اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم اور میرے گھر میں؟ کیا میں جاگ رہی ہوں؟"

وہ مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "میں چٹکی لیتا ہوں۔ ابھی آنکھ کھل جائے گی۔"

وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ نادر نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"چٹکی لینے کے بہانے مجھے ہاتھ لگانا چاہتے ہو۔"

"کیا میں ہاتھ نہیں لگا سکتا؟"

"تم میرے گھر آئے ہو۔ ہم کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ایک دوسرے کی دل شکنی ہو۔"

"تو پھر محبت سے استقبال کرو۔ میرا ہاتھ تھام لو یا میرے بازوؤں میں آجاؤ۔"

"میں تمہیں صاف لفظوں میں سمجھا چکی ہوں، ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"پھر ہم کس رشتے سے مل رہے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ تجدیدِ محبت کا رشتہ ہے یعنی ہم محبت پھر سے شروع کر رہے ہیں۔"

"یہ کیا حماقت ہے۔ محبت کوئی فلم ہے کہ ریوائنڈ کر کے پھر سے دیکھی جائے۔"

"بے شک، انسان کا ہر عمل اس کے دماغ میں، اس کی ڈائری میں یا اس کی البم میں ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس بھی ہماری محبت کی ابتدا سے لے کر آج تک کی بہت سی باتیں ریکارڈ ہیں۔ کچھ مجھے یاد ہیں، کچھ تمہیں یاد ہیں۔ لہٰذا ہم شروع سے محبت کریں گے اور جہاں جہاں غلطی کرتے آئے ہیں۔ اس غلطی کو درست کرتے جائیں گے۔"

"یہ تو سراسر بچپنا ہے۔"

"بچپنا تو وہ تھا جب میں نے اپنی محبت کے ساتھ والدین کی عزت اور خاندان کی نیک نامی کا خیال نہیں رکھا تھا۔ بچپنا وہ بھی تھا جب میں مذہبی اور قانونی رشتہ قائم کیے بغیر تمہارے ساتھ ایک اسمگلر کی کوٹھی میں رہنے پر آمادہ ہو گئی تھی اور بچپنا یہ بھی تھا کہ تم نے میاں بیوی کے رشتے کو گڈے گڑیا کا کھیل سمجھا اور مجھے دُلہن بنا کر لے گئے ـــــ میں سمجھتی ہوں، مجھے کچھ عقل آ گئی ہے۔ تمہارا اپنے متعلق کیا خیال ہے؟"

وہ ایک صوفے میں دھنس گیا۔ پھر بولا۔ "تمہارے پاس آتا ہوں تو کچھ اور طرح کی عقل آتی ہے۔ ڈیڈی کے پاس کچھ اور طرح کی۔ اب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دو چار عقلمندوں کے درمیان رہ کر آدمی کہیں کا نہیں رہتا۔ مجھے خود اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہیئے۔"

"اس کا مطلب ہے، تمہیں مجھ سے بھی زیادہ عقل آ رہی ہے۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ نادر نے تسلیم کیا، ابھی ساحرہ کو اس کے گھر نہیں آنا چاہیئے

وہ مناسب وقت پر اسے دوبارہ دُلہن بنا کر لے جائیگا۔ ساحرہ نے وعدہ کیا۔ "جب تم اتنی سوجھ بوجھ سے کام لو گے تو میں تمہارے گھر جانے سے انکار نہیں کروں گی۔ ہم مناسب وقت کا انتظار کریں گے۔"

وہ جب اپنی بربادی کے متعلق سوچتی تو اسے شاہ جی سے بے حد نفرت ہونے لگتی تھی لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ نادر کی محبت میں ایک وقت ایسا آئے گا، جب ان کے گھر جانا ہوگا اور ان سے سامنا بھی کرنا ہوگا۔ وہ وقت اچانک آنے لگا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، ایسا ہو جائے گا۔ اچانک شاہ جی کو دل کا دورہ پڑا اور انہیں اسپتال پہنچا دیا گیا۔ انہوں نے اپنی فرضی بیماری کا رازدار اپنے بیٹے اور اپنی بیگم کو بھی نہیں بنایا تھا۔ صرف عالی جناب جانتے تھے اور ان کے ذریعے ڈاکٹر کو بہت ہی رازداری سے احکامات جاری کیے گئے تھے کہ ان کی بیماری کی تصدیق کی جائے اور انہیں بائی پاس کے لیے لندن بھیجنے کا مشورہ دیا جائے۔

ان کے اسپتال پہنچنے کے چند گھنٹے بعد ہی پارٹی لیڈروں اور اہم کارکنوں کی بھیڑ لگ گئی۔ کسی کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ ڈاکٹر تشویش ناک حالت بتا رہے تھے۔ اس کے باوجود سب کے سب اسپتال کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب بھی اپنی بیگم اور بیٹی کے ساتھ ملنے آئے تھے۔ انہیں بھی اجازت نہیں ملی۔ صرف ساحرہ، نادر کے ساتھ شاہ جی کے کمرے تک گئی۔ اندر جانے کی اجازت بیٹے اور بیوی کو بھی نہیں تھی۔ وہ کھڑکی کے باہر سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ بیگم چپکے چپکے رو رہی تھیں۔ نادر بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ ساحرہ کی سمجھ میں نہیں آیا، کس طرح اسے تسلیاں دے۔ اس نے چپ چاپ اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ نادر نے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ "ہمیں حوصلے سے کام لینا چاہیئے۔ ممی کو تسلیاں دینی چاہئیں۔"

وہ دونوں بیگم کے آس پاس آ گئے۔ انہیں دونوں طرف سے تھام لیا۔ پھر ساحرہ نے کہا۔ "ہمیں گھر چلنا چاہیئے۔"

مرزا اور بیگم مرزا نے ان سے خیریت دریافت کی۔ ساحرہ نے کہا۔ "ڈاکٹر تسلیاں دے رہے ہیں۔ ہمیں بھی ان سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہم نے

کمرے کے باہر سے دیکھا ہے۔ بہر حال، آپ لوگ گھر جائیں، میں آنٹی کے ساتھ جا رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گی۔"

انہوں نے رات کے کھانے تک دو بار اسپتال والوں سے شاہ جی کی خیریت معلوم کی۔ کھانے کے بعد وہ جانا چاہتی تھی۔ نادر نے کہا۔ "میری ممی کو سُلا کر جاؤ ورنہ وہ رات بھر جاگتی رہیں گی۔"

وہ پھر رُک گئی۔ اس نے رات بارہ بجے تک اپنی ساس کو سُلانے کی کوشش کی مگر وہ بے چین تھیں، صرف شاہ جی کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔ سونا نہیں چاہتی تھیں۔ آخر اس نے کسی طرح ایک خواب آور گولی کھلا دی۔ سر سہلاتے سہلاتے سُلا ہی دیا۔ پھر وہاں سے جانے لگی۔ نادر نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کوٹھی کے برآمدے میں پہنچ کر کہا۔ "اتنی رات ہو گئی ہے۔ اب کہاں جاؤ گی۔ کیا میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں؟"

"تم نے آج کہا تھا کہ اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق عمل کرو گے۔"

وہ اسے تکنے لگا، پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "آؤ، میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں۔"

وہ ساتھ چلتے ہوئے لان میں آئے۔ چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی میں دونوں ایک دوسرے کو واضح طور پر دیکھ سکتے تھے۔ مگر ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ نادر سوچ رہا تھا۔ "یہ میری ہے، میرے گھر نہیں آنا چاہتی مگر حالات نے مجبور کر دیا۔ کاش حالات اسے ہمیشہ میرے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیں یا قسمت ابھی چلتے چلتے مجھے مکمل کر دے۔"

وہ اپنے گیٹ سے نکل کر اس کے ساتھ چلتا ہوا دوسرے گیٹ میں داخل ہوا۔ ساحرہ اپنے احاطے میں پہنچ کر سوچنے لگی۔ "یہ کیسی ستم ظریفی ہے، مجھے دل و جان سے چاہنے والا میرے دروازے تک آ رہا ہے اور مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ میں اس کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ اس کے ساتھ رہ نہیں سکتی۔ آہ، کاش ہمارے دلوں میں صرف ساتھ رہنے کی خواہش ہوتی۔ باقی ہر خواہش کا دم نکل جاتا۔"

وہ کوٹھی کے دروازے تک پہنچ گئے۔ ساحرہ نے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ نادر نے کہا۔ "کاش، گھنٹی بجتی رہے اور کوئی دروازہ کھولنے نہ آئے۔ ہم چاندنی میں بھیگتے رہیں۔ بات ہوتی رہے۔ رات گزرتی رہے۔"

"کل صبح اسپتال جانا ہے، اس لیے نیند پوری کرو، آرام سے جا کر سو جاؤ۔"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، اسی وقت دروازہ کھُل گیا۔ اُس کی ممی نے نادر کو دیکھ کر پوچھا "بیٹے! تمہارے ڈیڈ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ابھی تک خیریت کی اطلاع مل رہی ہے۔"

"اللہ نے چاہا تو جلد ہی صحت یاب ہو کر آئیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔ ساحرہ نے کہا۔ "بہت رات ہو گئی ہے۔ اگر تم سونا نہیں چاہتے تو آؤ، ایک کپ چائے کا پی کر چلے جاؤ۔"

"ایک کپ چائے پینے کے بعد پھر ایک کپ چائے پینے کی ضرورت ہو گی۔ اس کے بعد ایک اور، ایک اور کے بعد ایک اور، پھر ایک اور . . . ."

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "یہ سلسلہ کب تک چلے گا۔"

"جب تک میں چاہ مانگتا رہوں گا اور تم چلنے دیتی رہو گی۔"

"یہ لفظوں کی جادوگری اور شاعری بڑی محبت سے ہمیں بہکاتے ہوئے اس مقام تک لے جائے گی جہاں ابھی نہیں پہنچنا چاہیے۔"

وہ دروازے پر ہاتھ رکھ کر اسے بند کرنے کے انداز میں بولی۔ "اب آرام سے جا کر سو جاؤ۔"

نادر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ گویا دروازے کو بند کرنے سے روک رہا تھا۔ وہ جلدی سے ہاتھ ہٹا کر بولی۔ "پلیز، تم تو میری بات مان لیتے ہو۔"

اس نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر پیچھے ہٹ کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "اچھی بات ہے۔ خدا حافظ، شب بخیر۔"

وہ جانے لگا، ذرا دُور جا کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "دروازہ بند کرو۔ میں جا رہا ہوں۔"

"تم جاؤ، میں بند کر لوں گی۔"

وہ مسکرانے لگا۔ جانتا تھا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گا، ساحرہ اسے دیکھتی رہے گی۔ وہ مین گیٹ کے پاس پہنچ کر برآمدے کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا۔ دروازہ پھر کھُل گیا تھا۔ وہ برآمدے میں آ گئی تھی اور الوداعی انداز میں ہاتھ ہلا رہی تھی۔ اسے باہر نکلتے دیکھ کر نادر واپس آنے لگا۔ وہ جلدی سے دوڑ کر پھر اندر

سی اور دروازے کو بند کر لیا۔

نادر کے قدم رُک گئے۔ اس نے بڑی حسرت سے بند دروازے کو دیکھا۔ ایک گہری سانس لی۔ پھر سر جھکا کر واپس جانے لگا۔ آدمی سے صبر نہیں ہوتا لیکن اس کی خواہشوں کے آگے رکاوٹیں پیدا کر دی جائیں۔ اسے ہر طرح سے پابند بنا دیا جائے۔ مجبور کر دیا جائے تو رفتہ رفتہ صبر کرنا آجاتا ہے۔

دوسرے دن یہ خبر پھیل گئی کہ شاہ جی کو ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق لندن بھیجا جا رہا ہے۔ شام تک ڈاکٹر نے انہیں سفر کرنے کی اجازت دے دی۔ بیگم ساتھ جا رہی تھیں۔ انہوں نے ایک ہی رات میں سفر کی تیاریاں مکمل کیں۔ نادر کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھیں۔ اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھیں مگر وہ ساحرہ کا دیوانہ تھا۔ ساحرہ نے بھی اسے سمجھایا۔ "اگر لندن جانا چاہتے ہو تو پھر وہاں کچھ عرصہ رہ کر اپنا بھی علاج کراؤ۔"

"میں زیادہ عرصہ تم سے دُور نہیں رہ سکوں گا۔"

"تو پھر نہ جاؤ۔ انکل کی دیکھ بھال اور خدمت کے لیے آنٹی کافی ہیں۔"

اس نے باپ کے پاس آکر مشورہ کیا۔ باپ نے کہا۔ "بیٹے! تمہیں یہاں سے نہیں جانا چاہیئے۔ ورنہ تمہاری عدم موجودگی میں وہ سجاد کی باتوں میں آجائے گی اور میڈیکل رپورٹ کی بنیاد پر تم سے طلاق لے لے گی۔"

نادر نے اس اہم نکتے پر غور نہیں کیا تھا۔ باپ کے سمجھانے پر بات سمجھ میں آگئی۔ اس نے ساحرہ سے کہا۔ "میں نہیں جاؤں گا۔"

دوسرے دن وہ اپنے والدین کو ایئر پورٹ تک چھوڑنے کے لیے ساحرہ کے ساتھ آیا۔ وہاں بھی سیاسی لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ سب اپنے ہر دلعزیز راہنما کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنے آئے تھے۔ ان کی صحت یابی اور جلد وطن واپسی کی بھی دعائیں کر رہے تھے۔ آخر کار شاہ جی عوام کی نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ اس قوم کا المیہ یہی ہے۔ یہ اپنے عمل اور دُعاؤں سے ظالم کو پنپنے کا موقع دیتی ہے اور جب وہ ظلم کرتا ہے تو پھر بددُعائیں دینے لگتی ہے۔ شاہ جی جیسے لوگوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی قوم کی دُعائیں جلد قبول ہوتی ہیں اور بددُعائیں ہمیشہ ناقابلِ قبول ہی رہتی ہیں۔

ان کے جانے کے بعد ساحرہ کو محسوس ہوا جیسے دماغ پر کوئی بوجھ تھا جو اتر گیا ہے وہ اندر سے یوں ہلکی پھلکی ہو گئی تھی جیسے کسی آسیب نے پیچھا چھوڑ دیا ہو۔ وہ بہت خوش تھی۔ واپسی میں نادر سے خوب ہنستی بولتی رہی۔ اسے اپنے ساتھ گھر لے آئی۔ اس کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ پروگرام بنایا کہ کھانے کے بعد وہ اپنے اپنے گھر آرام کریں۔ شام تک سوتے رہیں گے۔ پھر تفریح کے لیے نکلیں گے۔

نادر آرام کرنے اپنے گھر چلا گیا۔ شام سے پہلے سجاد کا فون آیا۔ اس نے کہا۔ "میں ڈیوٹی سے فارغ ہوں۔ کہو تو آجاتا ہوں۔"

"میں نادر کے ساتھ پروگرام بنا چکی ہوں۔ ہم باہر جا رہے ہیں۔"

"پھر تو میرا سائے کی طرح ساتھ رہنا ضروری ہے۔"

وہ ذرا سوچ میں پڑ گئی۔ سجاد نے پوچھا۔ "خاموش کیوں ہو؟"

وہ بولی۔ "دراصل بات یہ ہے کہ نادر بُرا مانتے ہیں۔ کہتے ہیں آپ کو ہمارا تعاقب نہیں کرنا چاہیئے۔"

سجاد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے تعاقب کرنے کا شوق نہیں ہے۔ نہ ہی میں شہر کی لڑکیوں کو نصیحتیں کرتا ہوں اور نہ ان کی نگرانی کرتا ہوں۔ تم سے ایک طرح کا لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ تم ایک بار زبردست دھوکہ کھا چکی ہو۔ دوسری بار تمہیں سنبھالنا چاہتا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارا محافظ نہیں ہوں، محض تعاقب کرنے والا ایک رقیب ہوں تو میں آج سے کبھی تمہاری طرف رُخ نہیں کروں گا۔"

"آپ ناراض ہو گئے۔ دراصل میں چاہتی ہوں، ایک آدھ بار تنہا نادر کے ساتھ جا کر آزماؤں کہ وہ میرے ساتھ نارمل رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی پریشانی کی بات ہوئی تو میں آپ کو ضرور یاد کروں گی۔ کیا میں آپ کو آواز دوں گی تو آپ ناراض رہیں گے۔ میرے پاس نہیں آئیں گے؟"

اس نے اتنی محبت سے کہا کہ سجاد پگھل گیا۔ کہنے لگا۔ "جب اتنی محبت اور لگاوٹ سے باتیں کرتی ہو تو جی چاہتا ہے تمہارے پاپا سے کار کی چابی لے لوں۔"

"اب تک کیوں نہیں لی؟"

"ابھی دیکھنا اور اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہوں کہ عورت کس طرح مرد کو اصولوں کی

جنت سے نکالتی ہے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی "نادر آ رہے ہیں۔ میں کل فون پر بات کروں گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ سجّاد نے اپنے ریسیور کو یوں دیکھا جیسے ساحرہ کو تک رہا ہو۔ اس نے دوسری طرف ریسیور رکھنے کی آواز صاف طور پر سُنی تھی۔ پھر بھی دل کہہ رہا تھا۔ وہ بولے گی، اس کی رس بھری آواز سُنائی دے گی۔ حالانکہ یہ ممکن نہ تھا۔"

اگر وہ اتنے بڑے ریسیور کو تھامنے کی بجائے ایک چٹکی میں کار کی چابی پکڑ لیتا تو ساحرہ اس کی دسترس میں ہوتی۔ صرف ایک ہی مسئلہ رہ جاتا کہ وہ کن حالات میں نادر کو چھوڑنے والی اور سجّاد کو پکڑنے والی ہے۔

پتا نہیں وہ کب تک یونہی ریسیور پکڑے بیٹھا رہتا۔ اچانک ہی اپنے سینئر آفیسر کی آواز سُن کر چونک گیا۔ پھر اسے سامنے دیکھ کر ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ ریسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اس نے اٹینشن ہو کر سلیوٹ کرتے ہوئے کہا "یس سر۔"

"یہ تم ریسیور کو کیا تک رہے تھے۔ میں اتنی دیر سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور یہ فون انگیج مل رہا ہے۔"

وہ جلدی سے ریسیور کو اٹھا کر کریڈل پر رکھنے لگا۔

افسر نے پوچھا "تم ریسیور میں کیا دیکھ رہے تھے۔ کیا اس میں کوئی خرابی ہے؟"

"نو سر، میں کچھ سوچنے لگا تھا۔"

"تم جانتے ہو، سوچنے والا شاعر سپاہی نہیں بن سکتا۔ اسی طرح ایک سپاہی کسی شاعر کی طرح اتنی گہرائی سے نہیں سوچتا جیسا تم سوچ رہے ہو۔"

"آپ تشریف رکھیے۔"

افسر نے بیٹھتے ہوئے کہا "تم بھی بیٹھو اور غور سے سُنو، اوپر سے احکامات آئے ہیں۔ ہمیں چوبیس گھنٹے وردی میں رہنا ہو گا۔ کسی وقت بھی ایمر جنسی آ سکتی ہے۔"

سجّاد نے حیرانی سے پوچھا "جناب، بات کیا ہے؟"

"میں خود نہیں جانتا۔ معاملہ ایسا ہے جسے بہت ہی راز میں رکھا جا رہا ہے۔"

تقریباً آدھی رات کو ہنگامی حالات کا انکشاف ہوا اور دوسرے دن اہلِ شہر نے بڑی حیرت و مسرت سے سُنا کہ سہراب گوٹھ کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ بے شمار

لوگ تماشا دیکھنے آئے لیکن مسلح فوجیوں نے کسی کو سہراب گوٹھ کی طرف جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس علاقے کے لوگوں کا تعلق بھی دوسرے علاقوں سے منقطع کر دیا گیا تھا۔ فوج اور پولیس کے اس دلیرانہ اقدام کو آپریشن کلین اپ کا نام دیا گیا۔ کلین اپ کا مطلب ہے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دینا۔ پتا چلا، منشیات اور اسلحے کا کاروبار کرنے والے آپریشن کلین اپ کو آپریشن صفاچٹ بنا چکے ہیں۔ وہ اپنا ذخیرہ کہیں دوسری جگہ منتقل کر کے روپوش ہو گئے تھے۔

عالی جناب غصّے سے دھاڑ رہے تھے۔ ان کے سامنے وہ اہم افراد موجود تھے جو آپریشن کلین اپ کو راز میں رکھنے کے ذمّے دار تھے۔ وہ سب کے سب قسم کھا رہے تھے کہ انہوں نے اس خفیہ آپریشن کا ذکر اپنے بیوی بچّوں سے بھی نہیں کیا تھا۔ اگر دیواروں کے کان ہوتے ہیں تو ہوا کریں۔ ان میں سے کوئی دیوانہ نہیں تھا کہ دیوار کی طرف منہ کر کے بڑبڑاتا اور کوئی سُن لیتا۔

اجلاس کے بعد سب جانے لگے۔ عالی جناب نے رانا شمشاد علی کو روک لیا۔ پھر پوچھا "بنارس چوک میں کس افسر کی ڈیوٹی تھی؟"

"ڈی ایس پی سجّاد حیدر ڈیوٹی پر تھا لیکن اس کے سینئر آفیسر نے اسے دوسرے پولیس اسٹیشن میں طلب کیا تھا۔ دہشت گردوں نے تقریباً پانچ گھنٹوں تک علی گڑھ اور قصبہ کالونی میں قتل و غارت گری کی۔ اس عرصے میں سجّاد حیدر جائے واردات پر نہیں تھا۔"

"تمہارے ایسا کہہ دینے سے وہ الزامات سے بچ نہیں سکے گا۔ اس کے سینئر آفیسر نے بیان دیا ہے کہ اس نے سجّاد کو ڈیوٹی چھوڑ کر آنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ یہ سجّاد کی مجرمانہ غفلت نہیں بلکہ سازش ہے۔ وہ اپنی پولیس پارٹی کے ساتھ دہشت گردوں سے ملا ہوا تھا۔"

"یہ محض الزام ہے۔"

"مسٹر رانا! تم ہمیشہ اس کی حمایت کرتے ہو، ایک بار اس نے کسی مرزا سے ایک قیمتی کار رشوت میں لی تھی۔"

"یہ بھی محض ایک الزام تھا۔ بعد میں جھوٹا ثابت ہوا۔"

صاف کیوں نہیں کہتے، تم نے اسے بچالیا۔ تم دونوں ایک دوسرے کا بچاؤ کرتے ہو۔"

"کیا آپ مجھے بھی کسی معاملے میں ملوث کر رہے ہیں؟"

"کیا مافیا تنظیم سے تمہارا دوستانہ رابطہ نہیں ہے؟"

"آپ ثابت کردیں۔"

"تمہارے خلاف ثبوت کا سلسلہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جب تم شاہ جی کا عہدہ حاصل کرنے کے لیے سازشیں کر رہے تھے۔ لیکن شاہ نے ٹیلیفون پر تمہاری مجرمانہ گفتگو ڈیٹیکٹ کرلی تھی۔"

"آپ اس وقت کی بات کر رہے ہیں، جب میرا ضمیر مُردہ تھا۔"

"کیا اب ضمیر کے زندہ ہونے کی کوئی سند ہے؟ جبکہ تمہاری سازشی حرکتوں کا ریکارڈ موجود ہے۔ کچھ عرصہ پہلے سینٹرل جیل میں ایک قیدی تھا۔ ایک ہفتہ پہلے اس کا مقدمہ خارج ہوگیا۔ وہ رہائی پاکر ملک سے باہر چلا گیا، بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ مافیا کا نمبرون ایجنٹ تھا اور تمہاری اس سے خاصی دوستی تھی۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"ایک بار تم اس سے ملنے جیل میں گئے تھے۔ آج بھی چشم دید گواہ موجود ہیں۔"

"وہ چشم دید گواہ یہ بتائیں گے کہ میں اس مافیا کے ایجنٹ کی پٹائی کرنا چاہتا تھا۔"

"وہ ایسا کوئی جواب نہیں دیں گے۔ کیونکہ دوستوں کے درمیان مار پیٹ نہیں ہوتی۔ شاہ جی نے دو روز پہلے مجھے ایک کیسٹ دیا، اس میں ایسے لوگوں کی گفتگو ریکارڈ کی گئی ہے جو مافیا سے تعلق رکھتے ہیں، اس میں تمہاری آواز بھی ہے، تمہاری گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ تم مافیا کے ذریعے شاہ جی کا عہدہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

رانا نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس گفتگو کے آخر میں یہ بھی ثابت ہوگا کہ جب مجھے وطن کے خلاف کام کرنے کے لیے کہا گیا تو میرا ضمیر تڑپ گیا۔ میں نے شاہ جی کے عہدے پر لعنت بھیج دی۔ مافیا کے اس ایجنٹ کو مارنے دوڑا مگر جیلر وغیرہ نے اسے بچالیا۔"

"ہمارے پاس تمہاری گفتگو کا ریکارڈ صرف وہاں تک ہے، جہاں تم مافیا کے

ایجنٹ سے دوستانہ باتیں کر رہے تھے۔ اس کیسٹ کے ذریعے تمہاری مافیا دشمنی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔"

رانا کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ روشنی کی صرف ایک کرن دکھائی دے رہی تھی۔ اور وہ ایک کرن تھی۔ دین، ایمان اور سچائی کی۔ اس نے کہا۔ "عالیجناب! کیا یہ حقائق آپ کے علم میں نہیں ہیں کہ اس شہر میں جتنے ایماندار اور فرض شناس پولیس افسران ہیں، انہیں آپریشن کلین اپ سے پہلے یا تو ٹرانسفر کردیا گیا یا ان کی چھٹیاں منظور کرلی گئیں یا انہیں کسی الزام پر سسپینڈ کردیا گیا۔ میں چونکہ اس محکمے کا ایک بہت بڑا افسر ہوں اس لیے مجھے آپ کے سوا کوئی چارج شیٹ نہیں دے سکتا تھا اور نہ ہی سسپینڈ کر سکتا تھا اور نہ ہی میرے ٹرانسفر کا کوئی جواز موجود تھا۔ آپ نے مجھے آپریشن کلین اپ کا ایک رازدار بنالیا اور اس راز کے فاش ہونے کا الزام مجھ پر رکھ دیا۔"

انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا وقت ضائع نہ کرو۔ میں کہہ چکا ہوں، تمہاری حمایت کرنے کے باوجود کچھ نہ ہوسکے گا۔ یہاں سے سیدھے دفتر جاؤ۔ تمہیں سسپینڈ کرنے اور تم پر مقدمہ چلانے کے سلسلے میں ضروری کاغذات وہاں پہنچا دیئے گئے ہیں، انہیں دستخط کرکے وصول کرلو۔"

وہ جانے لگے۔ رانا نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ پھر دانت پیستے ہوئے کہا۔ "رُک جائیے محترم عالی جناب! میں اتنی دیر سے سمجھ رہا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے لیکن سوچ رہا تھا، شاید دین ایمان کا حوالہ دینے، اللہ رسولؐ کا واسطہ دینے سے آپ ایک ایماندار اور فرض شناس افسر کے لیے کچھ کرسکیں گے لیکن نہیں کریں گے۔ عوام پوچھ رہے ہیں کہ آپریشن کلین اپ کا راز کیسے فاش ہوا اس کا الزام کسی کے سر ڈالنا ہی تھا۔ لہٰذا بدنامی کا یہ طوق پہنانے کے لیے میرا انتخاب پہلے ہی ہوچکا تھا۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ جا چکے تھے۔ ڈرائنگ روم میں سناٹا تھا، کوئی اس کی آواز، اس کی فریاد سُننے والا نہ تھا۔ وہ ڈرائنگ روم ایک سیاسی اور محکماتی اکھاڑہ تھا۔ وہاں بڑے بڑے پہلوانوں کو پچھاڑ دیا جاتا تھا۔ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دیا جاتا تھا۔ رانا شمشاد علی نے درست کہا تھا، بدنامی کا وہ طوق کسی کے گلے میں ڈالنا ہی تھا، سو اسکے گلے میں ڈالا جارہا تھا لیکن اسکے علاوہ کچھ اور باتیں بھی تھیں جنہیں رانا نہیں جانتا تھا مگر آئندہ اسے معلوم ہونیوالا تھا کہ اسے جس کرسی سے گرایا جارہا ہے اس کرسی پر شاہ جی بیٹھنے والے ہیں۔

ساحرہ اور نادر تجدیدِ محبت میں مصروف تھے۔ دونوں کو یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی محبت اب شروع ہوئی ہے۔ نادر اسے جیتنے کے لیے پہلے کی طرح شاعرانہ انداز میں گفتگو کرتا تھا اور اسے بات بات پر چھیڑتا تھا، وہ بھی پہلے کی طرح شرماتی تھی۔ اس سے فاصلہ رکھتی تھی، وہ قریب آتا تو کترا جاتی تھی۔ پہلے ایک غلطی سے وہ ہاتھ آگئی تھی۔ اب نہیں آرہی تھی۔

خواہ کوئی چیز ہو، وہ ہاتھ نہ آئے تو نئی نئی لگتی ہے۔ ہاتھ سے گزر جائے تو پرانی ہو یا نہ ہو مگر سیکنڈ ہینڈ ہو جاتی ہے مگر عورت کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ وہ پرانی ہونے کے باوجود اپنی حکمتِ عملی سے نئی بن سکتی ہے جیسا کہ ساحرہ بن رہی تھی۔ نادر کبھی کبھی سوچتا رہ جاتا، کیا یہ وہی ساحرہ ہے؟ نہیں، یہ وہ نہیں ہے۔ جسے اس نے دیکھا تھا، وہ خواب تھا۔ جسے پایا تھا، وہ سراب تھا۔ اور اب اسے پائے گا تو ایک نئی دریافت کرے گا۔

ساحرہ کو اس کے نارمل ہونے کا یقین ہو چلا تھا اس لیے وہ اس کے گھر جانے لگی تھی۔ وہ گھر ایسا تھا جسے وہ مانتی تو سسرال تھا۔ نہ مانتی تو کچھ بھی نہ تھا۔ بہر حال، وہ نادر کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ باہر بھی جانے لگی تھی اور اس کی خبر سجاد کو نہیں ہوتی تھی۔

ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر اس نے ریسیور کو اٹھایا۔ نادر ابھی اس سے مل کر لباس تبدیل کرنے گیا تھا۔ وہ مسکرانے لگی، اس کے بغیر وہ اتنا بے قرار رہتا تھا کہ ذرا سی جدائی گوارا نہ تھی۔ اب گھر جاتے ہی فون کر رہا تھا، وہ بولی "کیا میرے بغیر

چند منٹ بھی نہیں رہ سکتے؟"

دوسری طرف سے سجاد کی آواز سنائی دی "میرا بس چلے تو تمہارے بغیر ایک سانس بھی نہ لوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "ارے سجاد صاحب، آپ ہیں، میں سمجھ رہی تھی، نادر پریشان کر رہے ہیں۔ فرمائیے، کیسے یاد کیا؟"

"تمہاری یاد میرے پاس پوچھ کر نہیں آتی، اس لیے میں نے بھی پوچھ کر یاد نہیں کیا۔ فوراً فون پر مخاطب کر لیا۔"

"چلیے اچھا کیا، آپ نے تو ادھر آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"شاید فون کے ذریعے بھی نہ آتا لیکن ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے مل سکتی ہو؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں ابھی نادر کے ساتھ باہر جانا چاہتی ہوں۔"

"دیکھو ساحرہ! بہت اہم بات ہے۔ تمہاری زندگی کا، تمہارے مستقبل کا سوال ہے۔ ہو سکے تو نادر سے کچھ نہ کہو، چپ چاپ مجھ سے ملنے آؤ۔ میں ہر حال میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں، اس لیے ایسی بات کہنے بلا رہا ہوں جس کی تم توقع نہیں کر سکتیں۔"

اس نے حیران ہو کر پوچھا "آخر ایسی کون سی بات ہے؟"

"میں فون پر نہیں بتا سکتا۔ ہماری گفتگو کوئی بھی سن سکتا ہے۔"

"اچھا، میں کوشش کرتی ہوں۔"

"کوشش کرو گی اور ناکام رہو گی۔ مجھ سے نہیں ملو گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔ پلیز کوشش نہ کرو۔ بس اٹھو اور چلی آؤ۔ میں تم سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ جب تم اپنی کوٹھی کے پچھلے راستے سے پیدل چلتے ہوئے گلی کے موڑ تک پہنچو گی تو میں جیپ میں موجود رہوں گا۔"

"آپ اتنے قریب ہیں تو میرے پاس آجائیں۔"

"میں مجبور ہوں، اس وقت ڈیوٹی پر ہوں، ابھی میرا یہاں سے جانا ضروری ہے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور یہیں لاکر چھوڑ دوں گا۔ اس دوران ڈیوٹی بھی انجام دیتا رہوں گا۔"

”اچھی بات ہے، میں آرہی ہوں۔“

اس نے ریسیور رکھا، کچھ سوچا، پھر اسے اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا۔ ”ہیلو نادر! میں تھوڑی دیر کے لیے سجّاد صاحب کے ساتھ جا رہی ہوں۔“

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ”یہ کیا کہہ رہی ہو۔ ابھی تو تم نے میرے ساتھ باہر جانے کا پروگرام بنایا تھا۔“

”ہاں، مگر تھوڑی دیر کے لیے جاؤں گی۔ وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔“

”یہ سب بہانے ہیں، وہ تم پر ڈورے ڈال رہا ہے۔ کسی نہ کسی بہانے اپنے ساتھ لگائے رکھنا چاہتا ہے۔“

”میں نادان نہیں ہوں۔ تم اطمینان رکھو، میں آدھے گھنٹے میں واپس آجاؤنگی۔“

”کیا تمہارا جانا بہت ضروری ہے ؟“

”ہاں، وہ کوئی اہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

”نان سنس، کوئی اہم گفتگو نہیں ہوگی۔ وہ مکّار ہے۔“

”ایسا نہ کہو، مجھے اس شخص پر بہت اعتماد ہے۔ بہت ہی فرض شناس افسر ہے اس نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ میں اس کی بات ٹالنا نہیں چاہتی۔“

”اچھی بات ہے، تم چلو۔ میں پیچھے پیچھے آؤں گا۔“

”ایسا نہ کرنا۔ سجّاد صاحب نے کہا تھا کہ میں تمہیں اس ملاقات کے بارے میں نہ بتاؤں۔ اگر تم نظر آؤگے تو پھر وہ مجھ سے شکایت کریں گے۔“

”میں تعاقب کروں گا۔ اس کے ساتھ تنہا جانے نہیں دوں گا۔“

”اچھی بات ہے، تم جیتے ہو، میں ... چلو باہر نکلو۔ میں کوٹھی کے پچھلے راستے سے جا رہی ہوں لیکن پیدل گلی کے موڑ تک جاؤں گی۔ تم دور سے مجھے دیکھتے رہنا۔ جب میں سجّاد کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جاؤں تو پھر چلے آنا۔“

وہ ریسیور رکھ کر کوٹھی کے پچھلے حصّے سے نکلی۔ پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گلی کے موڑ پر پہنچی۔ سجّاد ایک جیپ کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اتر کر استقبال کرتے ہوئے کہا۔ ”آؤ بیٹھ جاؤ، مجھے لیاقت آباد پولیس اسٹیشن میں حاضر ہونا ہے۔ جلدی چلو۔“

وہ سامنے والی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے نادر کی گاڑی دیکھی ہے۔“

وہ بولی۔ ”سجّاد صاحب! آپ نے بلایا، میں آگئی۔ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونا چاہیے۔ وہ رہ گئی نادر کی بات تو میں اسے اپنی ہر بات بتاتی ہوں۔ اس سے کچھ چھپاتی ہوں تو محسوس ہوتا ہے، اسے نہیں، خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہی ہوں۔“

سجّاد نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ ساحرہ نے پوچھا۔ ”آپ کون سی اہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں نے تمہیں پہلے سمجھایا تھا، نادر کا میڈیکل سرٹیفکیٹ دیکھے بغیر شادی نہ کرنا۔ مگر تم نے میرے مشورے پر عمل نہیں کیا۔“

”آپ مجھے کب تک میری غلطی پر شرمندہ کرتے رہیں گے۔“

”بخدا میں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔ وہ باتیں دہرا کر ایک نئی بات کہنا چاہتا ہوں۔“

”آپ کسی تمہید کے بغیر وہ بات کہہ دیں۔“

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ ماما شمشاد علی کو سسپنڈ کر دیا گیا ہے۔ ان کی جگہ خالی ہوگئی ہے ؟“

”میں بھلا پولیس والوں کے معاملات کو کیا جانوں اور مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ؟“

”تمہیں دلچسپی ہونا چاہیے کیونکہ شاہ جی اپنے پرانے عہدے پر واپس آنے والے ہیں۔“

اس نے بے یقینی سے اور حیرانی سے سجّاد کو دیکھا، وہ بولا۔ ”جانتی ہو، جب یہ حضرت اپنی کرسی پر واپس آئیں گے تو پہلے سے زیادہ فرعون بن جائیں گے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا کہ انہوں نے مکمل میڈیکل رپورٹ کے بغیر اپنے بیٹے سے تمہارا نکاح پڑھوایا جو سراسر غلط ہے۔ تم نامکمل میڈیکل رپورٹ کی بنا پر طلاق حاصل کر سکتی تھیں۔ مگر تم نے انکار کر دیا تھا۔ میں آج بھی کہہ رہا ہوں اگر آج تم نے طلاق کی درخواست نہ دی اور اس معاملے کو عدالت تک نہ پہنچایا

تو پھر تم کبھی طلاق حاصل کرنے کے قابل نہیں رہو گی۔"

ساحرہ گم سُم بیٹھی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی اور سجاد کی باتوں کو توجہ سے سنتی جا رہی تھی، اگر وہ کوئی انتہائی پریشان کن بات کہتا تو یہ اس قدر پریشان نہ ہوتی۔ جتنا شاہ جی کے متعلق سُن کر ہو رہی تھی۔ وہ نادر سے جتنی محبت کرتی تھی، اتنی ہی اس کے باپ سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے اسپتال میں کھری کھری سنائی تھیں۔ اس بوڑھے سُسر کو اپنے خلاف کر لیا تھا بلکہ دشمن بنا لیا تھا۔ اب وہ اپنی کرسی پر واپس آئے گا تو ایسی بدمعاشیاں کرے گا کہ اس کے پاپا بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور پہلے ہی انہوں نے کیا بگاڑ لیا تھا۔

سجاد نے کہا "میں اچھی طرح جانتا ہوں، تم بڑے سے بڑا نقصان اٹھا کر بھی نادر کی محبت سے باز نہیں آؤ گی۔ میں نے کہا تھا کہ تم اسے ساتھ نہ لانا مگر وہ ہمارے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ اسی طرح تم ابھی جاؤ گی تو شاہ جی کے متعلق یہ خبر سُناؤ گی۔ بیٹے کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری ہو گی لیکن تمہارے لیے کیا ہو گی؟ یہ تم خود فیصلہ کرو۔"

وہ چپ تھی، سوچ رہی تھی اور سوچ سوچ کر اُلجھتی جا رہی تھی۔ سجاد نے کہا۔ "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نادر کے پاس جاؤ گی تو وہ اپنی لچھے دار باتوں سے بہلائے گا، پھُسلائے گا۔ اپنی محبت کا یقین دلائے گا اور اس بات کی بھی قسمیں کھائے گا کہ شاہ جی آئندہ تم پر کوئی ظلم نہیں کریں گے۔ اور اس وقت تم یہ بھول جاؤ گی کہ اس شاہ نے تمہارے باپ کی کتنی توہین کی۔ تمہیں کس طرح بینڈ باجے کے ساتھ تماشا بنا کر اپنے گھر لے گیا۔ اس نے میڈیکل رپورٹ کے سلسلے میں کتنا بڑا فراڈ کیا، کس طرح تمہاری زندگی برباد کی۔ یہ تمام باتیں تم نادر کی ایک محبت بھری بات سن کر بھول جاؤ گی۔"

وہ بولتا جا رہا تھا، یہ سُنتی جا رہی تھی مگر کوئی جواب نہیں دے رہی تھی سوچ میں، فکر میں اس طرح ڈوب گئی تھی کہ پیچھے آنے والے نادر کو بھول گئی تھی۔ ایک ٹک، ونڈ اسکرین کے پار دیکھے جا رہی تھی۔ سجاد نے فیصلہ کر لیا تھا، آج خوب بولے گا۔ بولتا ہی رہے گا۔ اسے ہر پہلو سے سمجھائے گا، اسے ایک بہتر [illegible] حیثیت سے بہتر مشورے دے گا، محبت کا حق ادا کرے گا۔ اس

کے بعد بھی وہ اپنے بُرے بھلے کو نہ سمجھے تو پھر خُدا ہی حافظ ہو گا۔"

اسے بعد میں احساس ہوا کہ وہ زندگی میں پہلے کبھی اتنا نہیں بولا۔ اتنا بولا کہ وہ بولتے بولتے ڈیفینس سے جیل روڈ تک پہنچ گیا۔ اگر تھوڑا اور بولتا تو سیاسی لیڈر بن جاتا۔ شاید لوگ زندہ باد کے نعرے بھی لگاتے لیکن ساحرہ چپ تھی، کچھ نہیں بول رہی تھی۔ پتا نہیں چل رہا تھا کہ اس پہ باتوں کا کچھ اثر ہو رہا ہے یا نہیں؟ جیل روڈ سے تین ہٹی اور لیاقت آباد کی طرف کرفیو لگا ہوا تھا۔ مسلح فوجی گشت کر رہے تھے۔ آگے سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں، کسی کو گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ چونکہ سجاد وردی میں تھا اور ڈیوٹی پر تھا اس لیے کسی نے نہیں روکا لیکن پیچھے آنے والے نادر کو روک لیا گیا۔

وہ تلملا کر کار سے باہر آ گیا۔ ساحرہ اور سجاد کو دُور جاتے دیکھ کر ایک فوجی جوان سے بولا۔ "میں ان کے ساتھ آیا ہوں۔"

فوجی جوان نے پوچھا۔ "کن کے ساتھ آئے ہو؟"

"وہ جو ڈی ایس پی سجاد حیدر جا رہے ہیں۔"

"وہ تو جا چکے ہیں۔ اگر تم ساتھ ہوتے تو چھوڑ کر کیوں جاتے؟"

"میں سچ کہتا ہوں، اُنہی کے ساتھ ہوں۔ مجھے جانے دو۔"

"اگر ان کے ساتھ ہو اور وہ تمہیں بھول گئے ہیں تو ضرور واپس آئیں گے۔ یہاں انتظار کرو۔"

نادر کی ایسی حالت ہو گئی جیسے دن دیہاڑے کوئی اس کی بیوی کو اٹھا کر لے گیا ہو۔ وہ بھپٹ پڑنا چاہتا تھا مگر فوجی جوانوں کے آگے بے بس تھا۔ ایک وقت تھا، جب وہ کرفیو زدہ علاقے سے بغیر روک ٹوک کے گزر جاتا تھا، کوئی اگر روکنا چاہتا تو اسے باپ کا شناختی کارڈ دکھا دیتا تھا۔ آج اس کے پاس کچھ نہیں تھا، وہ صرف اتنا ہی کہہ سکتا تھا کہ "پدرم سلطان بود۔"

پولیس اسٹیشن کے قریب پہنچ کر ساحرہ چونک گئی۔ اس نے پیچھے گھوم کر دیکھا، پھر اسے احساس ہوا کہ وہ ایسے علاقے سے گزر رہی ہے جہاں سڑکیں ویران ہیں۔ ایک بھی گاڑی نظر نہیں آ رہی ہے۔ نادر بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، اس نے پوچھا۔ "نادر کہاں ہے؟"

”مجھے کیا معلوم، میں تم سے باتیں کر رہا تھا۔ کہیں پیچھے رہ گیا ہوگا۔“

”فوجیوں نے اسے روک لیا ہوگا۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”پلیز، واپس چلیں۔ اسے لے آئیں۔“

”سوری، میں کسی بھی غیر ضروری شخص کو کرفیو زدہ علاقے میں نہیں لا سکتا۔“

”تو پھر میری کیا ضرورت ہے؟“

”اب تک یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہیں کس لیے لایا ہوں۔ کیا سمجھ رہا ہوں؟“

”وہ تو میں سمجھ رہی ہوں مگر......“

”مگر میں سپاہی ہوں۔ بُرائیوں کو ختم کرنا میری ڈیوٹی ہے، جب میں یہ کہتا ہوں کہ اس کا باپ بُرا ہے اور تمہارے قابل نہیں ہے تو پھر میں اس بُرے شخص کے بیٹے کو جو تمہارے قابل نہیں ہے، یہاں کیسے لا سکتا ہوں؟“

وہ جیپ ڈرائیو کرتے ہوئے پولیس اسٹیشن کے احاطے میں داخل ہوا۔ دُور تک کھڑے ہوئے سپاہی الرٹ ہو کر سلام کرنے لگے۔

جیپ ایک دفتر کے سامنے رُک گئی۔ اس نے کہا۔ ”آؤ، ہم اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔“

ساحرہ اس کے ساتھ دفتر کے اندر آئی۔ باہر بہت سے لوگ ملاقات کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ سجاد نے چپڑاسی سے کہا۔ ”جو لوگ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں، انہیں فریدی صاحب کے پاس لے جاؤ۔“

چپڑاسی چلا گیا۔ سجاد نے پوچھا۔ ”ہاں، تو تم کیا سوچ رہی ہو، کیا سمجھ رہی ہو؟“

فون کی گھنٹی بجنے لگی، وہ ریسیور اٹھا کر باتیں کرنے لگا۔ ساحرہ اسے دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے ریسیور رکھ کر اس کی طرف دیکھا تو اس نے نظریں جھکا لیں، پھر کہا۔ ”آدمی آدمی کو سمجھاتا ہے مگر سمجھا نہیں پاتا کیونکہ ہر آدمی کا نقطۂ نظر مختلف ہوتا ہے میں نے آپ کو کتنا سمجھایا، پاپا سے کار کی چابی لے لیجئے، میرے طبقے میں قدم جمانے کی کوشش کیجئے۔ آپ کے سامنے سیدھا اور صاف راستہ ہے۔ آپ بڑی آسانی سے ترقی کرتے ہوئے بہت بڑے افسر بن سکتے ہیں۔ شاید آپ کی موجودہ تنخواہ سے

کچھ نہیں بچتا ہوگا۔ یہاں کسی بینک میں آپ کا اکاؤنٹ نہیں ہوگا۔ میرے مشورے پر عمل کریں گے تو پاکستان کے اندر اور باہر کتنے ہی ممالک میں آپ کا بھاری بینک بیلنس ہوگا۔“

سجاد نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ”تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟“

اس نے پھر نظریں جھکا لیں۔ اس کے بعد جواب دیا۔ ”آپ میری بھلائی چاہتے ہیں۔ مجھے پیش آنے والے نقصانات سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ میں بھی آپ کی بھلائی چاہتی ہوں۔“

”ساحرہ! ایک جاہل عورت بھی نیکی اور بدی میں تمیز کرتی ہے۔ تم تعلیم یافتہ ہو اور یہ چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ جو نیکی کر رہا ہوں، اس کے جواب میں مجھے بدی کے راستے پر لے جاؤ۔ میں جھوٹ، دھوکے، رشوت خوری کے ذریعے دولت مند بنتا جاؤں اور ملک دشمن عناصر سے محض اس لیے دوستی کروں کہ وہ مجھے بیرونی ممالک میں ہزاروں، لاکھوں ڈالر اور پاؤنڈ ادا کرتے رہیں گے۔“

ساحرہ نے کہا۔ ”ہم اسے بُرا نہیں سمجھتے۔ ہاں، بُرائی اسے سمجھتے ہیں آدمی نماز نہ پڑھے، روزے نہ رکھے۔ ہمارے ہاں سب نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، خیرات دیتے ہیں، غریبوں اور محتاجوں کی ایک حد تک ضرورتیں پوری کرتے ہیں ہم دوسروں سے محبت کرنا جانتے ہیں اور جس سے محبت کرتے ہیں، اسے کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ اس سے بے وفائی نہیں کرتے۔ آپ کے سامنے میری اور نادر کی مثال موجود ہے۔ ہمارے اندر مذہبی اور قانونی نقطۂ نظر سے بہت سی خوبیاں ہیں۔ صرف ایک بُرائی ہے جس کے ذریعے ہم بے انتہا دولت مند بنتے ہیں اور وہ ہمارے لیے بُرائی نہیں ہے۔ لہٰذا تم اسے بُرے الفاظ میں نہ سمجھاؤ۔“

باتوں کے دوران بار بار فون کی گھنٹی بجتی تھی۔ وہ ریسیور اٹھا کر دو چار باتیں کرتا تھا۔ پھر ریسیور رکھ دیتا تھا۔ اس نے کہا۔ ”ساحرہ! میں تمہیں سمجھانے کے لیے یہاں لایا ہوں اور تم مجھے سمجھا رہی ہو۔ کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہے کہ کتنے خطرات میں گھری ہوئی ہو۔ آنے والے چند دنوں میں تم بے دست و پا ہو جاؤ گی۔ کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔“

"میں نے آپ کی باتیں، آپ کے مشورے غور سے سُنے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچ رہی ہوں کہ اگر آپ کے مشوروں پر عمل کیا اور نادر سے طلاق لے لی تو آئندہ اس کا یا انکل شاہ کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہوگا۔ وہ کسی رشتے سے مجھے اپنے ہاں لے جانے کی جبراً کوئی کوشش نہیں کریں گے۔ اگر وہ اپنی اعلیٰ افسری سے فائدہ اٹھانا چاہیں گے تو میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی۔"

"بالکل یہی بات ہے، میں چاہتا ہوں، پہلے تم اپنا تحفظ کر لو۔"

"فرض کیجیے، وہ میں نے کر لیا۔ اس کے بعد میڈیکل رپورٹ ملے گی۔ نادر مکمل ہو جائے گا۔ ہم دونوں ساتھ زندگی گزارنا چاہیں گے۔ تب کیا ہوگا؟"

"جب حالات تمہارے موافق ہوں گے، جب وہ شخص تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور جب تم یقین کر لوگی کہ اس کے ساتھ اچھی خوشحال زندگی گزار سکتی ہو تو شادی کر لینا۔"

"سجّاد صاحب! یہ آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہیں؟ ایک بار طلاق لینے کے بعد جب نادر مکمل ہوگا اور میں اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے شادی کرنا چاہوں گی تو کیا دوبارہ نادر سے میرا نکاح جائز ہوگا؟"

وہ ذرا چُپ ہوا۔ سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے کہا "ہاں، طلاق لینے کے بعد تم نادر سے شادی نہیں کر سکوگی۔ اس کے لیے تمہیں کسی اور سے نکاح پڑھانا ہوگا۔ جس سے نکاح پڑھایا جائے گا، اگر اس نے بعد میں بخوشی طلاق دے دی تو پھر نادر سے شادی کر سکوگی۔"

"اور آپ یہی چاہتے ہیں۔ آپ نے سوچا، پتا نہیں، میں ساری عمر کے لیے مل سکوں یا نہیں لہٰذا کیوں نہ......"

"یُو شٹ اپ"۔ وہ غصّے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ مٹھیاں بھینچ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا "اگر تم عورت نہ ہوتیں تو اسی وقت بُری طرح تمہاری پٹائی کرتا۔ ساجدہ بیگم! کیا تم خود کو حُور پری سمجھتی ہو۔ کیا تم نے یہ نہیں جانا کہ میں تمہیں چاہتا ہوں لیکن نادر کی طرح دیوانہ اور جنونی نہیں ہوں۔ ہوش میں رہتا ہوں، چونکہ ہوش میں رہتا ہوں اس لیے آج تک تمہارے پاپا سے کار کی چابی نہیں لی ورنہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے

مجھے تمہارے پاپا کی تمام دولت مل سکتی ہے اور جب میں حرام خوری کے راستے پر چل پڑوں گا تو نہ میرے پاس دولت کی کمی ہوگی نہ تمہارے جیسی حسین لڑکیوں کی۔ ناؤ گیٹ آن یور فیٹ اینڈ گیٹ آؤٹ۔ اب تم فوراً کھڑی ہو جاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔"

وہ سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ سجّاد نے دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ کر گھنٹی بجائی، چپڑاسی اندر آیا تو اس نے کہا۔ "ڈرائیور سے کہو، بیگم صاحبہ کو ان کے گھر پہنچا دے۔"

چپڑاسی چلا گیا، اس کے بعد سجّاد نے اسے دیکھتے ہوئے کہا "عورت کے آنسو شاعر کو رُلا سکتے ہیں، میں سپاہی ہوں۔ جب کسی غلط راستہ چلنے والے پر محبّت اور نصیحت اثر نہیں کرتی تو اس پر سختی کرتا ہوں اور اس وقت سختی سے حکم دے رہا ہوں یہاں سے اٹھو، باہر جاؤ، میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ میرے آدمی تمہیں گھر پہنچا دیں گے۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی "میں نہیں جاؤں گی۔ میرے مُنہ سے ایک غلط بات نکل گئی تو اتنا غصّہ دکھا رہے ہیں۔"

وہ غصّے سے بولا "کیا یہ معمولی بات ہے۔ میں تمہیں پیش آنے والی مصیبتوں سے بچانا چاہتا ہوں۔ تمہیں نادر سے طلاق دِلا کر اس سے ہمیشہ کے لیے نجات دلانا چاہتا ہوں اور تم مجھے اتنا ذلیل اور کمینہ سمجھتی ہو کہ میں تمہیں حلالہ کے طور پر اپناؤں گا۔ لعنت ہے تم پر۔ میں صاف لفظوں میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اب میرا دل تمہاری محبّت میں کبھی نہیں دھڑکے گا۔ جو لوگ زر، زن اور زمین کے لالچی نہیں ہوتے وہ اپنے دل کو قابو میں رکھنا جانتے ہیں۔ پلیز، گیٹ آؤٹ۔ یہاں سے چلی جاؤ۔"

وہ غصّہ دکھاتے ہوئے بولی "نہیں جاؤں گی۔ دیکھتی ہوں، کتنے بڑے افسر ہو۔ مجھے یہاں سے دھکّے دے کر نکال دو مگر میں یہی کہتی رہوں گی کہ میرے منہ سے ایک غلط بات نکل گئی، میں اس پر شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ تم بہت اچھے ہو۔ دیکھو، میں تمہیں، تم کہہ رہی ہوں۔"

یہ کہنے کی ایسی ادا تھی، ایسا انداز تھا کہ سجّاد اپنی جگہ چُپ بیٹھا رہ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے انداز میں افسرانہ شان تھی۔ وہ اکڑا ہوا تھا اور فولاد کی طرح سخت

نظر آرہا تھا مگر اندر سے گھل گیا تھا۔

چپڑاسی نے آکر کہا۔ "جناب ڈرائیور آگیا ہے۔"

سجاد نے ساحرہ کو دیکھا پھر کہا۔ "ابھی ضرورت نہیں ہے، جاؤ۔"

وہ چلا گیا، فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے جھنجلا کر ریسیور اٹھایا، کتنا اچھا ماحول بن رہا تھا۔ محبت آپ سے تم پر آگئی تھی مگر ٹیلیفون کی گھنٹیاں خطرے کی گھنٹیوں کی طرح بجتی جاتی تھیں۔ ریسیور کان سے لگاتے ہی نادر کی آواز سنائی دی۔ سجاد نے چونک کر ساحرہ کو دیکھا۔ اس نے تم کہا تھا اور تم کے پیچھے دُم ہوتی ہے۔ ابھی نادر کا دُم چھلا موجود تھا۔ اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو، آپ کون ہیں؟"

"میں نادر بول رہا ہوں۔ ڈی ایس پی سجاد حیدر سے بات کراؤ۔"

"وہ تو آئے تھے پھر چلے گئے۔"

"کیا ان کے ساتھ کوئی لڑکی تھی؟"

"ہاں، وہ اس کے ساتھ کہیں گئے ہیں۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں، وہ کہاں گئے ہیں؟"

"سوری، بڑے افسروں کی بات ہم کسی کو نہیں بتا سکتے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ساحرہ نے کہا۔ "میں مانتی ہوں، آپ محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ ..."

"ابھی تم نے تم کہا تھا۔"

وہ ذرا ہچکچائی۔ پھر بولی۔ "ہاں، تم اپنی محبت کا حق ادا کر رہے ہو۔ مجھے مصیبتوں سے بچانا چاہتے ہو۔ میں خود انکل شاہ کے گھر جانا نہیں چاہتی۔ پھر سوچتی ہوں، جب وہ فرعون بن جائیں گے تو ہم ان کے سامنے مجبور ہو جائیں گے۔ وہ قانون سے کھیلنا خوب جانتے ہیں۔ میرے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ نادر سے طلاق لے لوں، وہ رشتہ ختم کردوں جس کے ذریعے وہ مجھ پر طرح طرح سے دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ لیکن بات وہی ہے، میں پھر نادر کی زندگی میں کیسے جاؤں گی؟ کیسے اسے اپناؤں گی؟"

"نادر میں ایسی کیا بات ہے کہ اس کے لیے اتنی دیوانی ہو؟"

"مجھ میں ایسی کیا بات ہے کہ آپ محبت کیے جا رہے ہیں، مجھ جیسی ہزاروں لاکھوں لڑکیاں اس شہر میں، اس ملک میں مل سکتی ہیں۔ کیا آپ نہیں سمجھ سکتے کہ دل کسی ایک کو چاہتا ہے۔ کسی ایک کو مانتا ہے۔ اس کے بعد پھر کسی کو نہیں مانتا۔ محبت کرنے والے کا خدا ایک ہوتا ہے، محبوب ایک ہوتا ہے۔"

"اگر محبوب ایک ہوتا ہے تو میں تمہارا کیا ہوں۔ تم آپ سے تم پر کیوں آئی ہو؟"

اس نے سجاد کو دیکھا۔ ذرا سوچا پھر کہا۔ "میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہاری ہر نیکی سے متاثر ہو جاتی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ اپنی سہیلی نادرہ سے محبت کرتے کرتے کس طرح نادر سے قریب ہو گئی۔ اسی طرح تمہاری نیکی سے متاثر ہوتے ہوتے کس طرح تمہارے قریب ہو جاتی ہوں، یہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ ابھی میں نے بے اختیار تم کہہ دیا اور تم خوش ہو گئے تو مجھے بھی خوشی ہوئی۔"

وہ کہتے کہتے چپ ہوئی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "محبوب ایک ہوتا ہے۔ پتا نہیں، میرے مقدر میں کیا ہے۔ نادر مجھے مکمل ہو کر ملے گا یا نہیں۔ اگر نہیں ملے گا تو کیا میں ساری عمر یونہی گزار دوں گی۔ ایک شریف لڑکی کسی جیون ساتھی کے ساتھ ہی تمام تر نیکی و شرافت اور عزت آبرو سے زندگی گزار سکتی ہے۔ مجھے ایک جیون ساتھی کی ضرورت پیش آئے گی۔ پہلے میں نادر کو اپنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔ اگر اس کی طرف سے کوئی خامی یا کمزوری رہ گئی اور وہ مجھے اپنا نہ سکا تو مجبوراً کسی کو جیون ساتھی بنانا ہوگا اور ایک اچھی خوشحال زندگی گزارنے کے لیے تم سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔"

وہ ذرا خوش ہوا۔ ساحرہ نے کہا۔ "اگر زندگی کے کسی موڑ پر تم میرے جیون ساتھی بن گئے تو میری وفا، میری خدمات سب تمہارے لیے ہوں گی لیکن ابھی سے ایک بات کہہ دیتی ہوں، نادر کو کبھی بھلا نہیں سکوں گی۔ آخری سانس لیتے وقت بھی اسے یاد کرتی رہوں گی۔"

سجاد نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "چلو، آج یہ تو معلوم ہوا کہ میں بھی زندگی کے کسی موڑ پر تمہارا جیون ساتھی بن سکتا ہوں۔ اب یہ بتاؤ، موجودہ صورت حال

سے کس طرح سُننا چاہتی ہو، یہ تو معلوم ہو گیا، تم طلاق نہیں لو گی۔ پھر کیا کرو گی؟"

وہ چند لمحوں تک خاموشی سے سوچتی رہی۔ پھر بولی "نادر اور اس کے گھر والے مسلمان ہیں، نماز، روزے کے پابند ہیں، خُدا سے ڈرتے ہیں۔ آئندہ وہ مجھ پر زیادتی کریں گے تو میں انہیں اللہ رسولؐ کا واسطہ دوں گی۔"

وہ ہنسنے لگا۔ اس نے پوچھا "کیوں ہنس رہے ہو؟"

وہ بدستور ہنستے ہوئے بولا "تمہارے ساتھ وہی ہو رہا ہے جو اس شہر کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ابھی ریڈیو آن کر کے دیکھو، تمہیں ہر گھنٹے دو گھنٹے بعد نصیحتیں سُنائی دیں گی۔ مُسلمانوں کو آپس میں لڑنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ انہیں خُدا اور رسولؐ کا واسطہ دیا جا رہا ہے۔

"اسی بات پر تمہیں ایک دلچسپ قصّہ سُنانا چاہتا ہوں۔ قصّہ مختصر ہے، شاید تم پر اثر ہو جائے۔"

وہ کُرسی کی پُشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ سجّاد نے کہا "ایک شخص کی چار بیویاں تھیں اور چار منزلہ مکان تھا۔ ہر بیوی کے لیے ایک منزل وقف تھی۔ وہ پہلی سے تیسری منزل تک جس بیوی کے پاس جاتا تھا، ہنستا بولتا رہتا تھا مگر چوتھی منزل پر پہنچ کر گالیاں بکنے لگتا تھا۔"

ساحرہ نے تجسّس سے پوچھا "چوتھی منزل والی بیوی کو گالیاں کیوں دیتا تھا؟"

"تم سُنتی جاؤ، تمہارے سوالوں کا جواب ملتا جائے گا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا اس کے گالیاں بکنے کی آواز دُور محلّے والوں تک پہنچتی تھی۔ وہ سوچتے تھے، آخر ماجرا کیا ہے۔ اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے ناگواری سے کہا "یہ میرے گھریلو معاملات ہیں۔"

اس کا جواب سُن کر محلّے والوں کو اس مکان کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہیے تھا مگر دن بدن تجسّس بڑھتا گیا۔ اس عورت کے رونے اور فریاد کرنے کی آوازیں آتی تھیں۔ وہ اپنے شوہر سے التجا کرتی تھی۔ "تمہیں خُدا کا واسطہ، مجھے گالیاں نہ دو۔ تمہیں رسولؐ کا واسطہ، مجھے نہ مارو۔"

مگر وہ مارتا تھا۔ مار نے پیٹنے کی آواز کے ساتھ اس عورت کی آواز سُنائی

دیتی تھی "میرے سرتاج، تم بھی مُسلمان ہو، میں بھی مُسلمان ہوں۔ دیکھو، میرے بدن کی کھال پھٹ گئی ہے، خون بہہ رہا ہے۔ مسلمان کو مسلمان کا خون نہیں بہانا چاہیے۔ خُدا سے ڈرو۔"

مسلمان میں یہی خرابی ہے، اسے یاد نہیں رہتا کہ وہ مسلمان ہے۔ جب وہ یہ بھُول جاتا ہے تو خُدا سے بھی نہیں ڈرتا۔ محلّے والے سوچتے تھے، یہ چوتھی بیوی اتنی کمزور کیوں ہے۔ تین بیویاں مار نہیں کھاتیں، وہ کھاتی ہے۔ تین بیویاں ہنستی ہیں اور وہ روتی ہے۔ آخر ماجرا کیا ہے؟

ایک مشاطہ نے رفتہ رفتہ اس مکان میں آنا جانا شروع کیا۔ ایک بار وہ پہلی منزل پر گئی۔ اس شخص کی پہلی بیوی سے انٹرویو کیا۔ "بیٹی! کیا تمہارا شوہر بہت غصّے والا ہے؟"

پہلی نے جواب دیا "ہو گا، میری بلا سے۔"

"کیا وہ تمہیں گالیاں نہیں دیتا؟"

"وہ ایک دے گا، میں دس سُناؤں گی۔ دن میں چوبیس مرتبہ ریڈیو سے خبریں سُناتی ہوں، وہ مجھے کیا سُنائے گا، مہینے میں ڈھائی ہزار روپے کماتی ہوں۔ میاں کی محتاج نہیں ہوں۔ زیادہ بولے گا تو ٹھینگا دکھا کر چلی جاؤں گی۔"

مشاطہ اس سے رخصت ہو کر دوسری منزل پر پہنچی۔ اس شخص کی دوسری بیوی سے پوچھا "اے بی بی! تیرا میاں کیسا ہے؟"

بیوی نے جواب دیا "جیسا پہلی بار دیکھا، ویسا ہی ہے۔"

"کیا وہ تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاتا؟"

"ایک بار اٹھایا تھا۔ اب دُعا کے لیے اٹھاتا ہے۔"

"کیا کہتی ہو؟"

"ٹھیک کہتی ہوں۔ میرا بھائی پہلوان ہے۔ میاں کا ہاتھ چار دنوں تک اسپتال کے ہینگر میں لٹکتا رہا تھا۔"

مشاطہ وہاں سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی تیسری منزل پر پہنچی پھر تیسری بیوی سے پوچھا "اے بانو! کیا تیرا میاں تجھے مارتا ہے؟"

"مارتا نہیں، مجھ پہ مرتا ہے۔"

"تم میں کیا خوبی ہے؟"

"میں دس سالہ منصوبہ ہوں۔"

"اے بانو! میں نے پانچ سالہ منصوبہ سُنا ہے۔ یہ دس سالہ کیا ہوتا ہے؟"

"پانچ سالہ منصوبہ عوام کو خوش کرنے کے لیے اور دس سالہ منصوبہ شوہر کو خوش رکھنے کے لیے ہوتا ہے۔"

"بھلا وہ کیسے؟"

"ایسے کہ میرے ابّو نے شادی سے پہلے میرے میاں سے کہہ دیا تھا کہ بیٹی کو جہیز نہیں دیں گے البتہ دو لاکھ روپے کے سیونگ سرٹیفکیٹ دیں گے، جو دس سال بعد منافع کے ساتھ کیش ہوں گے۔"

"اے میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔ لڑکیاں جہیز میں فرنیچر، کپڑے، برتن وغیرہ لے کر آتی ہیں اور یہ چیزیں سال بھر میں ختم ہو جاتی ہیں یا پرانی ہو جاتی ہیں۔ یوں سمجھو کہ جو چیز ہاتھ آ جائے اس کی اہمیت نہیں رہتی اور جو چیز ہاتھ آنے والی ہو، مرد اس کے سپنے دیکھتا رہتا ہے۔ جیسے میرا میاں شادی کی رات سے دس برس تک مجھے ایک حسین خواب کی طرح دیکھتا رہے گا۔ مجھے کبھی ناراض نہیں کرے گا۔ میری ہاں میں ہاں ملاتا رہے گا۔"

"دس سال بعد کیا ہوگا؟"

"وہ سیونگ سرٹیفکیٹ منافع کے ساتھ کیش ہوں گے۔ مجھے لاکھوں روپے ملیں گے۔ میں اس میں سے منافع میاں کو دوں گی۔ باقی دو لاکھ روپے کے سیونگ سرٹیفکیٹ پھر دس برس کے لیے خریدوں گی۔ اس طرح ساری عمر دس سالہ منصوبہ جاری رہے گا اور میرا میاں مجھ پہ جان چھڑکتا رہے گا۔"

مشاطہ کی سمجھ میں آ گیا کہ ٹھوس منصوبہ ہو اور منصوبے پر حُسنِ خوبی سے عمل کیا جائے تو ساری زندگی کے لیے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ منصوبہ باز بانو کو دُعائیں دیتی اس سے رخصت ہوئی۔ پھر سیڑھیاں چڑھ کر چوتھی منزل پہ پہنچ گئی۔

چوتھی بیوی کی حالت قابلِ دید تھی۔ وہ ننگے فرش پر سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ چہرہ سُوج گیا تھا۔ آنکھیں رو رو کر موٹی ہو گئی تھیں۔ لباس تار تار ہو گیا تھا، وہ زخموں

سے چُور تھی، زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ اس کا میاں بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اُسے مارتا ہوگا، اس لیے سر کے بال گچھوں کی صورت میں فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ مشاطہ نے پاس آ کر اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا: "اے بیٹا! یہ تیری کیا حالت ہو گئی ہے؟"

وہ روتے ہوئے بولی: "ماں جی! وہ مجھے بہت مارتے ہیں۔"

"کیوں مارتے ہیں؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں کپڑے دھوتی ہوں، کھانا پکاتی ہوں، ان کے ہاتھ پاؤں داب‌تی ہوں پھر بھی بھول چوک ہو جائے تو روئی کی طرح دُھنک کر رکھ دیتے ہیں۔"

"تمہیں اپنی حفاظت کا سامان کرنا چاہئے۔"

"میں کرتی ہوں اور اس سے زیادہ کیا کروں گی کہ ان سے محبت کرتی ہوں، ان کی خدمت کرتی ہوں۔"

"یہ تو ہے، مگر جب وہ مارتا ہے، تب کیسے بچاؤ کرتی ہو؟"

"تب میں خدا اور رسولؐ کا واسطہ دیتی ہوں۔ اسے مسلمان ہونے کا احساس دلاتی ہوں مگر اس پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"بیٹی! ہماری دنیا میں جو شہ زور ہے، وہ طاقت سے بچاؤ کرتا ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی طاقت۔۔۔؟"

"کیسی طاقت؟"

"جیسی تمہاری سوکنوں کے پاس ہے۔ جو پہلی منزل پہ رہتی ہے، وہ خود مختار ہے۔ خود کماتی ہے اور خود کھاتی ہے۔ میاں کی محتاج نہیں ہے۔ اس گھر سے نکلے گی تو دوسرا گھر بسا لے گی۔ اس لیے تمہارا میاں اسے گالی تک نہیں دیتا۔ کیا تم خود مختار ہو؟"

چوتھی نے انکار میں سر ہلایا۔ مشاطہ نے کہا: "جو دوسری منزل پر رہتی ہے، اس کا بھائی پہلوان ہے۔ کیا تمہاری پشت پر کوئی سپر پاور ہے؟"

چوتھی نے بے بسی سے انکار میں سر ہلایا۔ مشاطہ نے کہا: "جو تیسری منزل پر رہتی ہے، وہ اپنی زندگی کے ہر سال کا منصوبہ بنائے بیٹھی ہے، آخری سانس تک اس پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا ٹھوس منصوبہ ہے؟" چوتھی نے

دائمی تحفظ دے سکے؟

وہ کمزور عورت سرد آہ بھر کر رہ گئی۔ مشاطہ وہاں سے اُٹھ کر جاتے ہوئے بولی۔ "تم واسطہ دیتی رہو۔ میں تمہارے لیے صرف دُعا کر سکتی ہوں۔"

سجاد یہ قصّہ سُنا کر خاموش ہو گیا۔ ساحرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب تم مشاطہ کی طرح کہو گے کہ میں ظلم کرنے والوں کو اللہ رسولؐ کا واسطہ دیتی رہوں گی اور تم مجبور ہو کر صرف دُعا کرتے رہو گے۔"

"میں آج بھی دُعا کرتا ہوں، کل بھی کروں گا۔ آج بھی سمجھاتا ہوں، کل بھی سمجھاؤں گا۔ میں نے کہا نا تمہاری اور اس شہر کی حالت ایک جیسی ہے۔ جس طرح تمہیں سہاگن بنا کر تمہارے جذبات کی نگری میں آگ لگائی گئی، اسی طرح آگ اور بارود کے ذریعے یہاں کی بستیوں کو کھنڈر بنا دیا گیا۔ کتنی ہی عورتیں، بچّے، بوڑھے اور جوان مارے گئے۔ ان کی مغفرت کے لیے ٹی وی اور ریڈیو کے شعبوں میں، صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں دُعائیں مانگی گئیں اور آئندہ بھی مانگی جاتی رہیں گی۔ میں بھی مانگتا ہوں مگر یہ میرا ایمان ہے کہ جو مثبت کردار کا حامل نہ ہو، اس کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اسی لیے دو سال سے اسمبلیوں میں مانگی جانے والی دُعائیں شرفِ قبولیت سے محروم ہیں۔ اس محرومی کے سلسلے میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں۔

ع دُکھ اور طرح کے ہیں، دُعا اور طرح کی

اور دامنِ قاتل کی ہوا اور طرح کی"

ساحرہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "کسی کو قاتل سے محبت ہو جائے تو وہ کیا کرے؟"

شاہ جی آ گئے۔

چند خاص لوگوں کو معتبر ذرائع سے پہلے ہی ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ پھر اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تو ان سے ملنے والوں کا تانتا بندھ گیا مگر اب ان سے ملنا اتنا آسان نہ تھا۔ از سرِ نو ان کی شاہانہ زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ دروازے پر مسلح سپاہی اٹینشن رہتے تھے۔ جس سیاسی پارٹی میں وہ شریک ہوئے تھے۔ اس پارٹی کے لیڈروں کو ان پر بڑا غصّہ آ رہا تھا لیکن وہ ایسے عہدے پر تھے جہاں انہیں کوئی آنکھ نہیں دکھا سکتا تھا۔ اس پارٹی کے سب سے اہم لیڈر نے ان سے ملاقات کی اور کہا۔ "جناب شاہ جی! آپ تو بڑے اُستاد نکلے۔ اپنی کرسی پر واپس آنے کے لیے ہماری پارٹی کی شہرت سے فائدہ اٹھایا ہے۔"

شاہ جی نے کہا۔ "میں نے لندن جانے سے پہلے پارٹی لیڈری سے استعفا دے دیا تھا۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں سیاست پر گفتگو نہیں کرنا چاہیے۔ آپ فرمائیں، میں ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

پارٹی کے لیڈر وہاں سے اٹھ گئے پھر ان میں سے ایک نے جاتے ہوئے کہا۔ "اس ملک کا خُدا ہی حافظ ہے۔"

شاہ جی نے دھتکارنے کے انداز میں کہا۔ "جاؤ بھئی، جاؤ، اپنے کاروبار کے نقصان پر دوسروں کو بُرا مت کہو۔ جس سیاسی پارٹی کو اقتدار حاصل نہیں ہوتا، وہ یہی ایک فقرہ دہراتی ہے کہ اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے اور جس پارٹی کو اقتدار حاصل ہو جائے، وہ خُدا کو بھول جاتی ہے۔"

ان کے جانے کے بعد سکیورٹی آفیسر نے آکر ملنے والوں کی فہرست پیش کی۔ ان میں ایسے افراد کے نام تھے جو اسمگلر تھے، چور بازاری کرتے تھے اور مختلف کالے دھندوں کے ذریعے کماتے تھے اور شاہ جی جیسے شاہ خرچ کو بھی اندھی کمائی کا موقع دیتے تھے۔ انہوں نے فہرست پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کہا "پچیس دسمبر کو میرے بیٹے کا ولیمہ ہے، ان سب کو دعوت نامے بھیج دو۔"

سکیورٹی آفیسر کے جانے کے بعد ان کی بیگم نے آکر پوچھا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ پچیس تاریخ کو ولیمہ؟ مگر بہو کہاں ہے؟"

"آج اکیس تاریخ ہے، بیچ میں تین دن ہیں۔ ان تین دنوں میں مرزا اور اس کے پورے خاندان کو یہاں آنا چاہیئے۔"

"آپ آنے کی بات کر رہے ہیں، انہوں نے آپ کی صحت یابی پر مبارکباد بھی نہیں دی ہے۔ آپ کا عہدہ واپس ملنے پر جل بھن کر رہ گئے ہیں۔"

"پھر تو جل بھن کر ہی آئیں گے مگر آئیں گے ضرور۔"

بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "ویسے بہو ہماری طرف ہے۔ جب آپ اسپتال میں تھے تو وہ میرے ساتھ اس گھر میں آئی تھی۔ اس نے میری بڑی خدمت کی۔ پھر ہم لندن گئے تو وہ کئی بار ہمارے بیٹے کے ساتھ یہاں آچکی ہے۔"

"تمہارا خیال ہے، وہ اپنے والدین کی مرضی کے خلاف پچیس تاریخ کو دلہن بن کر آئے گی؟"

"اسے آنا چاہیئے۔"

"سامنے ٹیلیفون رکھا ہے، ریسیور اٹھاؤ اور بہو سے بات کرکے دیکھ لو۔"

بیگم نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ پھر مرزا صاحب کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ تھوڑی دیر میں ہی ساحرہ کی آواز سنائی دی۔ اس نے بیگم کی آواز پہچان کر کہا۔ "آنٹی! السلام علیکم۔"

انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ دعائیں دیں پھر پوچھا "تمہیں پتا ہے، ہم کل سے آئے ہوئے ہیں۔ تم نے انکل سے آکر ان کی خیریت بھی معلوم نہیں کی۔"

"آنٹی! میں کیا جواب دوں۔ آپ بزرگوں نے بڑے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نادر سے بات کریں۔"

نادر کی آواز سنائی دی "ہیلو ممی! میں ساحرہ کے پاس ہوں اور اسی سلسلے میں بات کر رہا ہوں۔"

"بیٹے! تم بات کچھ بھی کرو مگر یاد رکھو، پچیس تاریخ کو بہو ہمارے گھر میں ہونی چاہیئے، ہماری عزت کا سوال ہے، تمہارے ڈیڈی نے ولیمے کی تقریب رکھی ہے۔"

"وھاٹ؟" دوسری طرف سے نادر نے حیرانی سے پوچھا "پچیس تاریخ کو ہمارا ولیمہ۔ ڈیڈ نے پہلے نہیں بتایا؟"

"تم ڈیڈ سے بات کرو۔"

پھر شاہ جی کی آواز سنائی دی "بیٹے! یہاں آجاؤ، گھر کی بات گھر میں کریں گے۔"

نادر نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا "ساحرہ! ڈیڈ بلا رہے ہیں۔ میں ابھی ان سے بات کرکے آتا ہوں۔"

"تمہیں ضرور جانا چاہیئے لیکن میری بات اٹل ہے۔ میں اس وقت تمہارے گھر آؤں گی، جب تمہارے ہاتھ میں مکمل میڈیکل رپورٹ آئے گی۔"

نادر نے ریسیور کے ذریعے کہا "ڈیڈ، میں آرہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھنے کے بعد کہا "تم پرابلم پیدا کر رہی ہو۔ اگر ہمارے ہاں کوئی تقریب ہوگی، کوئی ہنسی خوشی کی بات ہوگی تو تمہیں آنا چاہیئے۔ جیسے تم ہمارے برے وقت میں آئی تھیں۔ تم اپنے دل سے آئی تھیں۔ اسی طرح ہمارے ہاں کوئی تقریب ہو تو خود چل کر آنا چاہیئے۔"

"خدا نہ کرے، انکل پر دل کا دورہ پھر پڑے۔ وہ برا وقت تھا، میں آگئی۔ اگر آپس میں رنجشیں ہوں تو برے وقت میں شریک ہوا جاتا ہے۔ خوشی میں کوئی شریک نہیں ہوتا۔"

"اگر میری عزت کا سوال ہو تو؟"

ساحرہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا "ایسی بات ہوگی تو ضرور آؤں گی؟"

"پچیس تاریخ کو ہمارا ولیمہ ہے۔"

"اچھا اسی ولیمے کی بات کر رہے تھے۔ تمہارے والدین کو چاہیئے کہ پہلے میرے

والدین کو دعوت دیں۔"

"وہ یقیناً دیں گے، بلکہ دے چکے ہوں گے۔ تم اپنی بات کرو۔"

"میں اپنی بات کتنی بار کہوں۔ تمہاری عزت کا سوال ہے، اس لیے اتنی دیر کے لیے آؤں گی جتنی دیر مہمان رہیں گے۔ اس کے بعد چلی آؤں گی۔"

"کوئی بات نہیں، فی الحال یہی غنیمت ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ وہاں سے نکلا۔ پھر اپنے ڈیڈ کے پاس پہنچ گیا۔ انہوں نے بیٹے کو دیکھتے ہی پوچھا "اس نے ضرور انکار کیا ہو گا؟"

نادر نے حیرانی سے پوچھا "کس بات پر انکار؟"

"کیا تم نے اسے نہیں بتایا کہ ہمارے ہاں تقریب ہے؟"

"بتایا ہے اور وہ ضرور آئے گی۔"

"واقعی؟ میں حیران ہوں۔"

"آپ کی حیرانی بجا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے نہیں، صرف میری اور اس خاندان کی عزت رکھنے کے لیے آئے گی۔ پھر مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد خود رخصت ہو جائے گی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، گھر کی بہو گھر میں رہے گی۔ رخصت ہو کر کہاں جائے گی، اس کا یہی گھر ہے۔"

"آپ بھی درست کہتے ہیں، وہ بھی درست کہتی ہے۔ وہ اس گھر کی بہو ہے۔ میری شریک حیات ہے۔ میرے ساتھ زندگی گزارے گی مگر رپورٹ ملنے کے بعد۔"

"بس اتنی سی شرط ہے۔ اگر یہ رپورٹ کل مل جائے تو؟"

اس نے چونک کر پوچھا "سچ؟ کیا مکمل میڈیکل رپورٹ کل مل جائے گی؟"

"بیٹے! تم بھول رہے ہو کہ میں کس کرسی پر بیٹھا ہوا ہوں۔"

اس نے خوش ہو کر کہا "اوہ ڈیڈ! یو آر گریٹ۔ میں ابھی یہ خوشخبری سنا کر آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے نکلا۔ شاہ جی نے مسکراتے ہوئے ریسیور کو اٹھایا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگے۔ بیگم نے پوچھا "کس سے بات کر رہے ہو؟"

"مرزا ابھی دفتر میں ہو گا۔"

انہوں نے ریسیور کان سے لگا کر کہا "ہیلو، میں شاہ بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے مرزا صاحب کی آواز سنائی دی "میں آپ کو صحت یابی کی مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ اسپتال میں تھے، میں اپنی بیٹی اور بیوی کے ساتھ آیا تھا مگر آپ سے ملنے کی اجازت نہیں ملی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ آپ نے میرے لیے زحمت اٹھائی، اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں مرزا صاحب! جس طرح آپ میرے دکھ میں شریک ہوئے اسی طرح خوشی میں شریک ہو جائیے، پچیس تاریخ کو ولیمے کی تقریب ہے، آپ اپنی بیگم کے ساتھ ضرور تشریف لائیں اور اپنی بیٹی کو ایک دن پہلے میرے ہاں بھیج دیں۔"

"پچیس تاریخ کو؟ یعنی تین دن کے بعد آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ابھی ہمارے درمیان بہت سے معاملات طے ہونے ہیں۔ کیا آپ میڈیکل رپورٹ سے پہلے میری بیٹی کو لے جانا چاہتے ہیں؟"

"بھئی، میڈیکل رپورٹ کل آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔"

"اوہ نو، آپ کتنے ظالم ہیں شاہ جی! اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے میری بیٹی کی زندگی برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ ایک بار ہم نے اسے پاگل ہونے سے بچا لیا۔ اب تو وہ مر جائے گی۔ یہ آپ ہیں شاہ جی، یہ آپ جیسے لوگ ہیں جن کے رعب، دبدبے اور حاکمیت سے مجبور ہو کر بڑی بڑی یونیورسٹیاں ناقص لوگوں کو فرسٹ کلاس انجینئر کا ڈپلوما دیتی ہیں اور یہ انجینئر ہماری زمین پر ایسی عمارتیں تیار کرتے ہیں جو لوگوں کی قبریں بن جاتی ہیں۔ یہ آپ جیسے جاہ و جلال والے شاہ ہوتے ہیں جو نیم حکیم طلبا کو فرسٹ کلاس ڈاکٹر ہونے کی سند دلاتے ہیں اور یہ آدھے انسان اور آدھے شیطان ڈاکٹر ایک بیماری کا علاج کرنے کے بہانے دس بیماریاں اور لگا دیتے ہیں۔ ہاں، یہ آپ ہیں، آپ جیسے لوگوں میں اتنی شیطانیت پیدا ہو گئی ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنے لگے ہیں۔ عورتوں کو مرد بننے کا سرٹیفکیٹ دینے لگے ہیں۔ یاد رکھو شاہ! میں اپنی ساری زندگی، ساری دولت اور سارا غرور ہار جاؤں گا مگر اپنی بیٹی پر تم لوگوں کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔ اسے تمہارے دروازے تک کبھی جانے نہیں دوں گا۔"

"اگر وہ اپنی مرضی سے آنا چاہے تو ؟"

"تو میں اسے گولی مار دوں گا۔"

دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ پھر شاہ نے کہا۔ "گولی تیار رکھنا۔ وہ پچیس تاریخ کو میرے ہاں آنے والی ہے۔"

شاہ نے ریسیور رکھ دیا۔ اسی وقت نادر سر جھکائے کمرے میں داخل ہوا۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا بات ہے ؟"

اس نے سر اٹھا کر باپ کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "آپ کی بات سُن کر میں خوش ہو گیا تھا۔ میں ساحرہ کو یہ خوشخبری سنانے گیا، دراصل میں اسے اپنے قریب رکھنا چاہتا ہوں۔ دن رات اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔ اسے پاس رکھنے کی خوشی میں یہ بھول گیا کہ ایک کاغذی سرٹیفکیٹ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

انہوں نے بیٹے کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا تمہارے مُنہ میں ساحرہ کی زبان بول رہی ہے ؟"

"جی ہاں، یہ وہی کہہ رہی تھی۔"

نادر نے سر جھکا لیا۔ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا، پھر ماں باپ کی طرف سے مُنہ پھیر کر کہا۔ "وہ درست کہتی ہے۔ وہی میری زندگی ہے، وہی میری جان ہے اور وہی میری میڈیکل رپورٹ ہے۔"

شاہ جی نے کہا۔ "جاؤ بیٹے، اپنے کمرے میں آرام کرو۔ تمام فکر اور پریشانیاں دماغ سے نکال دو۔ وہ تمہاری ہے، تمہاری رہے گی اور ہمیشہ تمہارے ساتھ زندگی گزارے گی۔ مگر ابھی اس سے نہ ملنا۔ شام کے بعد جب چاہو مل سکتے ہو۔"

نادر وہاں سے چلا گیا۔ بیگم نے پوچھا۔ "آپ کو اتنی جلدی کیا پڑی تھی۔ کیوں پچیس تاریخ کو ولیمے کی دعوتیں دے رہے ہیں۔"

انہوں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔ "یہ پچیس دسمبر بہت اہم ہے۔ تم جانتی ہو، میرے جوتوں کے نیچے آنے والے، عید، بقرعید، علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی پیدائش کے دن ہمارے لیے مٹھائیاں اور نقدی لے کر آتے ہیں۔ پچیس دسمبر قائداعظمؒ کی پیدائش کا دن ہے۔ اس روز وہ دستور کے مطابق

بہت کچھ لائیں گے۔ یہ تحفے اور نذرانے دینے والے بڑے طوطا چشم ہوتے ہیں۔ پچھلے چند ماہ کے لیے میرے جسم سے وردی اُتر گئی تو انہوں نے نظریں پھیر لیں۔ اب مجھے خوش کرنے کے لیے دس ہزار، پچیس ہزار اور ایک لاکھ کی رقم لے کر آئیں گے۔ میں نے سوچا، اسی دن میرے بیٹے کے ولیمے کی تقریب ہو جائے تو دینے والوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اس دن ان کی سمجھ میں آ جائے گا کہ شاہ اب ستائیس دن نہیں کرے گا لہٰذا وہ میری بہو کے لیے ہیرے جواہرات کے سیٹ ضرور لائیں گے۔"

بیگم نے کہا۔ "لعنت ہے ایسی بہو پر، جسے ہماری عزت کا خیال نہیں ہے۔"

"میں عزت کے لیے ہی اتنے پاپڑ بیل رہا ہوں۔ ورنہ اس چھوکری میں کیا رکھا ہے۔ اگر وہ ہمارے گھر میں آ کر بہو کی حیثیت سے نہیں رہے گی تو میرا بیٹا بدنام ہوتا رہے گا۔ جب تک میں اس عہدے پر ہوں، اس وقت تک کوئی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرے گا مگر میرے ریٹائر ہونے کے بعد سب نادر پر انگلی اٹھائیں گے۔ اس کا مذاق اڑائیں گے۔"

"خدا نہ کرے، ایسا ہو۔ آپ تو مایوس ہو جاتے ہیں۔ چند مہینوں میں اسکی رپورٹ آ جائے گی۔"

"فرض کرو، وہ رپورٹ ہمارے بیٹے کے حق میں نہ ہو تو ؟"

بیگم چپ ہو کر پریشان نظروں سے اپنے شوہر کو تکنے لگیں۔ وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر رہے تھے۔ پھر رابطہ قائم ہونے کے بعد کہا۔ "ساحرہ! میں بول رہا ہوں۔"

"انکل! مجھے آپ کو انکل کہتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔ آپ نے ابھی نادر سے کہلا بھیجا ہے کہ کل اس کی رپورٹ ملے گی۔ کیا آپ ذرا بھی یہ احساس نہیں کر سکتے کہ یہ کتنی شرمناک بات ہے ؟"

"مجھے احساس ہے۔ اس لیے اب تک میں نے تم سے براہِ راست گفتگو نہیں کی تھی۔ اب معاملہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے۔ میں صرف ایک سوال کرتا ہوں۔ اس کا جواب دو۔"

"فرمایئے۔"

اگر میڈیکل رپورٹ چند مہینوں کے بعد یا ایک سال کے بعد ملے اور وہ نادر

کے خلاف ہو تو تمہارا فیصلہ کیا ہوگا ؟"

"میں اپنا فیصلہ نادر کو سُنا چکی ہوں۔ میں سجاد سے شادی کر لوں گی اور نادر محض دوست بن کر رہے گا۔ ہم نے دو سہیلیوں کی حیثیت سے بھی محبت کی ہے اور مرتے دم تک دوستوں کی حیثیت سے بھی محبت کرتے رہیں گے۔"

"کیا تم نے سوچا کہ تمہارے دوست کو دنیا کس طرح بدنام کرے گی۔ کس طرح اس کا مذاق اڑائے گی اور کس طرح اس کا جینا حرام کر دے گی؟"

"یہ باتیں ہمیں بھی پریشان کر رہی ہیں۔ میں نے نادر کو حوصلہ دیا ہے۔ وہ مردانہ وار ان حالات کا مقابلہ کرے گا اور میں اسے آئندہ بھی حوصلہ دیتی رہوں گی۔"

"تمہارے حوصلہ دینے سے دنیا والوں کی زبانیں بند نہیں ہوں گی۔"

"انکل! ٹوبی ویری فرینک۔ ہم رشوت خور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دنیا والوں کی پروا نہیں کرتے۔ پھر ایک بیٹے کے سلسلے میں کیوں پروا کر رہے ہیں۔ ہونے دیجئے جو ہوتا ہے۔"

"میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ہوتا ہے، تو ہونے دیتے ہیں اور اپنی بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مجھے اپنے بیٹے کی نیک نامی چاہئے۔ میں تمہیں صرف تین گھنٹے کی مُہلت دیتا ہوں۔ اگر تم میرے گھر نہیں آؤ گی تو کسی بہت بڑے نقصان کے لیے تیار رہنا۔"

"میں مر جاؤں گی مگر آپ کی دھمکیوں میں نہیں آؤں گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ سجاد نے پہلے ہی سمجھایا تھا، جس دن شاہ جی اپنے جاہ و جلال کے ساتھ واپس آئیں گے، اس دن سے نجات کے تمام راستے مسدود ہو جائیں گے۔ پتا نہیں، وہ کس نقصان کی دھمکی دے رہے تھے۔ اس وقت تو سمجھ میں نہیں آیا مگر شام کے چھ بجے اچانک اسے مَم کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھیں "ساحرہ! کہاں ہو بیٹی۔ جلدی آؤ، ساحرہ!"

وہ اپنے بیڈ روم سے دوڑتی ہوئی ماں کے پاس آئی۔ وہ ریسیور ہاتھ میں لیے ہوئے تھیں اور تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ اس نے فوراً ہی ریسیور ہاتھ میں لیتے ہوئے، دوسرے ہاتھ سے ماں کو سنبھالتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے

"بیٹی، وہ، وہ تمہارے پاپا۔"

"پاپا کو کیا ہوا ؟"

اس نے ریسیور کان سے لگا کر کہا "ہیلو، ہیلو، کون ہے، کون بول رہا ہے، ہیلو، ہیلو۔"

دوسری طرف خاموشی تھی۔ اس نے ریسیور کو رکھتے ہوئے پوچھا "مَم! کیا بات ہے ؟"

"اسپتال سے فون آیا ہے، کسی نے تمہارے پاپا کو گولی مار دی ہے۔"

ساحرہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ بالکل ساکت ہو گئی، ایک طرف تکنے لگی۔ مَم رو رہی تھیں، اس سے لپٹ گئی تھیں مگر اس کی آنکھ میں آنسو نہیں آ رہے تھے۔ وہ حوصلے سے کام لے رہی تھی، برداشت کر رہی تھی۔ مَم نے کہا "بیٹی! جلدی سے شاہ جی کو فون کرو، نادر کو بلاؤ۔"

وہ یک بیک ماں سے الگ ہو گئی۔ بپھر کر بولی "نہیں کبھی نہیں، آپ کبھی ان کے گھر کا رُخ نہیں کریں گی۔ کبھی ان سے ہمدردی طلب نہیں کریں گی۔"

اس نے فوراً ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔ پھر رابطہ قائم ہوتے ہی بولی "سجاد! ہیلو سجاد! ہیلو ڈی ایس پی سجاد! کیا تم بول رہے ہو؟"

"ہاں، میں ہوں، کیا بات ہے ؟"

"اوہ، میں کیا بتاؤں۔ ابھی اسپتال سے اطلاع ملی ہے کہ میرے پاپا کو کسی نے گولی مار دی ہے۔"

"کس اسپتال سے اطلاع ملی ہے ؟ مجھے بتاؤ اور وہاں پہنچو۔"

ساحرہ نے ماں سے پوچھ کر اسپتال کا نام بتایا۔ پھر کہا "میں وہاں پہنچنے سے پہلے تمہیں ایک اہم بات بتا دوں۔ چار گھنٹے پہلے شاہ جی نے دھمکی دی تھی کہ میں ان کے گھر نہ آئی تو مجھے بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ میں یقین سے کہتی ہوں، میرے باپ کا قاتل وہی شاہ ہے۔ آئی ہیٹ ہم، آئی ہیٹ ہم۔ میں مر جاؤں گی مگر اس کے گھر اس کے مُنہ پر تھوکنے بھی نہیں جاؤں گی۔"

"ساحرہ! ہوش و حواس میں رہو۔ ہو سکے تو اپنی مَم کو گھر میں روک لو۔ اسپتال

نہ آنے دو۔ وہ روتی پیٹتی آئیں گی اور بے حال ہوتی رہیں گی۔ ان کا آنا مناسب نہیں ہے۔

”میں ابھی آرہی ہوں۔“

اس نے ریسیور رکھ کر کہا۔ ”آپ یہیں انتظار کریں، میں ابھی آتی ہوں۔“

”نہیں، میں بھی جاؤں گی۔“

”آپ میری بات مان لیں۔“

وہ روتے روتے یک بیک کھڑی ہوگئیں۔ کچھ غصّے سے، کچھ صدمے سے بولیں۔ ”کیوں مان لوں۔ تمہاری بات کیوں مان لوں۔ کیا تم نے ہماری بات مانی تھی؟ کیا تم ہمارے گھر سے دُلہن بن کر گئی تھیں؟ تمہارا باپ تو اسی دن مر گیا تھا۔ تم کہتی ہو، شاہ نے ایسا کیا ہے تو ضرور کیا ہوگا۔ جاؤ، چلی جاؤ۔ دلہن بن کر جاؤ۔ میں تمہارے باپ کو کفن پہنا کر لا رہی ہوں، تم سُرخ جوڑا پہن کر جاؤ۔“

وہ پاگل ہو رہی تھیں، روتی جا رہی تھیں، چیختی جا رہی تھیں اور بیٹی کو دھکّے دے کر کہہ رہی تھیں۔ ”نکل جاؤ یہاں سے۔ نہیں جاؤ گی تو پھر تم سے کہا جائے گا، گھر آجاؤ، نہیں تو تمہاری ماں کو بھی مار ڈالا جائے گا۔ تب کیا کرو گی؟ میں مرنا نہیں چاہتی۔ میں تمہاری خاطر مرنا نہیں چاہتی۔ وہ اولادیں اور ہوتی ہیں جن کے لیے مائیں جان دے دیتی ہیں۔ نکل جاؤ میرے گھر سے۔ ۔ ۔“

انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بیٹی کو مارا مگر مارتے مارتے خود ہی نڈھال ہو کر گرنے لگیں۔ ساحرہ نے انہیں سنبھالنے کی کوشش کی مگر ان کے ساتھ وہ بھی فرش پر آگئی۔ گھر کے ملازم دُور کھڑے تھے، پاس آگئے۔ ساحرہ نے کہا۔ ”ممّی کو سنبھالو۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔“

اس نے ریسیور اٹھا کر ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا۔ پھر انہیں فوراً آنے کے لیے کہا۔ اس کے بعد ریسیور رکھ کر بولی۔ ”دیکھو، ممّی کا خیال رکھنا۔ میں ابھی اسپتال سے آرہی ہوں۔“

وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کوٹھی کے باہر آئی۔ کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا۔ پھر جیسے ہی احاطے سے باہر نکلنے لگی، نادر نظر آگیا۔ وہ ملنے آرہا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی پوچھا۔ ”رُک جاؤ، کہاں جا رہی ہو؟“

وہ دوسرے دروازے کی طرف آیا، اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ اندر سے لاک تھا۔ ساحرہ نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔ ”چلے جاؤ یہاں سے، چلے جاؤ، میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔ تم قاتل کے بیٹے ہو۔ تمہارے باپ نے میرے پاپا کو قتل کر دیا ہے۔“

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

وہ دوڑتا ہوا، کار کے پچھلے حصّے سے گھومتا ہوا اسٹیئرنگ سیٹ کی طرف آیا۔ پھر کہا۔ ”مجھے ڈرائیو کرنے دو۔ مجھے بتاؤ، کہاں جا رہی ہو۔ تمہارے پاپا کیسے ہیں؟“

”اپنی زبان سے ان کا نام بھی نہ لینا۔ میں تم لوگوں سے نفرت کرتی ہوں۔ اسپتال جا رہی ہوں۔ ان کی لاش لے کر آؤں گی۔ اس کے بعد ایسا بیان دوں گی کہ تم باپ بیٹے کے ہوش اُڑ جائیں گے۔“

”دیکھو، تم ہوش میں نہیں ہو۔ دروازہ کھولو۔ میری بات سُن لو۔“

اس نے کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی، اس سے پہلے ہی ساحرہ نے دروازے کو اتنے زوردار جھٹکے سے کھولا کہ وہ دروازے سے ٹکراتا ہوا، لڑکھڑاتا ہوا دُور گیا اور دو گملوں کے درمیان گر پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا ساحرہ نے دروازے کو بند کر لیا تھا اور کار اسٹارٹ کر کے اس سے دُور جا چکی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا اپنی کوٹھی کے احاطے میں آیا۔ شاہ جی، بیگم کے ساتھ باہر آرہے تھے۔ بیٹے کو دیکھتے ہی رُک گئے۔ انہوں نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے، تم اس طرح کیوں دوڑ رہے ہو؟“

اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔ ”ڈیڈ! کیا آپ نے ساحرہ کے پاپا کو قتل کرایا ہے؟“

وہ چونک کر بولے۔ ”یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟“

”ابھی ساحرہ غصّے میں اسپتال کی طرف گئی ہے۔ ہم سے نفرت کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی، اپنے پاپا کی لاش کو واپس لانے کے بعد ایسا بیان دے گی کہ ہم باپ بیٹے تلملا جائیں گے۔ ڈیڈ! یہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟“

”تم اس کے اشاروں پر ناچتے ہو۔ اس کی باتوں کو پتھر کی لکیر سمجھتے ہو۔ کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے۔ میں تو صبح سے گھر میں ہوں۔ میں نے قتل کیا ہے،

نہ کرایا ہے۔"

"پلیز، آپ یہ معلوم کریں کہ اس کے پاپا کی لاش کس اسپتال میں پہنچائی گئی ہے؟"

"تم گاڑی لے کر جاؤ۔ ساحرہ تمہیں عباسی میں ملے گی مگر بیٹے! اسے اپنے قابو میں رکھنا۔ سجاد کے فریب میں نہ آنے دینا۔ اگر اس نے کوئی ایسا ویسا بیان دیا تو ہمارے لیے مشکلات پیدا ہوں گی۔"

وہ دوڑتا ہوا اپنی کار کی طرف گیا۔ پھر دروازہ کھول کر جیسے ہی بیٹھنے لگا، چونک گیا۔ اس نے باپ کو دیکھتے ہوئے پوچھا "ابھی تو آپ نے کہا تھا، صبح سے گھر میں ہیں۔ نہ آپ نے قتل کیا ہے نہ کرایا ہے۔ پھر آپ کو کیسے پتا چلا کہ ان کی لاش عباسی میں ہے؟"

"مجھ پر شبہ نہ کرو، مجھے ابھی فون پر اطلاع ملی ہے۔ میں تمہاری ممی کو لے کر ساحرہ کی ممی کے پاس جا رہا ہوں۔"

نادر کار ڈرائیو کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اسپتال میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بعد لاش کو ساحرہ کے حوالے کر دیا گیا۔ سجاد نے کہا "چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ ایک جیپ سڑک پر سے گزر رہی تھی۔ اس میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے تمہارے پاپا پر فائرنگ کی۔ وہاں اور بھی راہگیر تھے جو اُن کے آگے پیچھے گزر رہے تھے، وہ بھی زخمی ہو کر اسی اسپتال میں آئے ہیں۔ دیکھو ساحرہ! ہوش میں رہنا، جوش میں آ کر شاہ جی کے خلاف ابھی کوئی بیان نہ دینا۔"

"شاہ جی سے تم ڈرتے ہو، میں نہیں ڈرتی۔ تم ان کے ماتحت ہو، میں نہیں ہوں۔"

"ڈرنے اور ماتحت ہونے کی بات نہیں ہے۔ آج کل کراچی کی سڑکوں پر یہی ہو رہا ہے۔ دہشت گرد گاڑیوں میں دندناتے پھرتے ہیں اور راہگیروں پر فائرنگ کرتے ہیں۔"

"کیا شاہ کا تعلق دہشت گردوں سے نہیں ہے؟"

"کیا تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے؟"

"کیا ثبوت نہ ہو تو سچائی ختم ہو جاتی ہے؟"

"ہمارے ہاں اسی طرح سچائیاں مرتی آئی ہیں اور مرتی رہیں گی۔ میں نے پہلے بھی کئی بار مشورے دیئے مگر تم نے ان پر عمل نہیں کیا۔ آج بھی عمل نہیں کرو گی تو بُری طرح پچھتاؤ گی۔"

"تو کیا میں قاتل کے خلاف کوئی فریاد زبان پر نہ لاؤں؟"

"ابھی خاموشی اختیار کرو۔ ہمیں اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ شاہ جی کے خلاف ثبوت فراہم کرنے ہوں گے۔ پلیز، ساحرہ! میری بات مان لو۔"

ایک سپاہی نے آ کر سجاد کو سلام کرتے ہوئے کہا "جناب! لاش بردار گاڑی آ گئی ہے۔"

اسی وقت نادر پہنچ گیا۔ وہ ساحرہ کی طرف بڑھتے ہوئے کچھ کہنا چاہتا تھا، ساحرہ نے پیچھے ہٹ کر کہا "میری پہلی اور آخری بات سُن لو۔ اگر تم قریب آؤ گے تو میں تم لوگوں کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دوں گی۔"

نادر نے کہا "میں اسی لیے آیا ہوں، تم اپنے دل اور دماغ کا بوجھ ہلکا کرو۔ میری جان بھی چاہتی ہو تو ابھی دے دوں گا، اگر یہ ثابت ہو گیا کہ میرے ڈیڈ کا ہاتھ اس قتل میں ہے تو خدا کی قسم، میں انہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ اچانک ٹھنڈی پڑ گئی، کہاں تو غصے سے آگ ہو رہی تھی۔ سجاد گھنٹے بھر سے سمجھا رہا تھا مگر اثر نہیں ہو رہا تھا۔ محبوب کے دو بول نے اسے متاثر کر دیا تھا۔ وہ ایک دم سے دوڑتی ہوئی آئی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ اتنی دیر بعد سمجھ میں آیا کہ اسے ایک سہارے کی ضرورت تھی۔ ایک سرہانے کی ضرورت تھی جہاں وہ سر رکھ کر رو سکے۔ وہ نادر کے سینے پر سر رکھے ایک ننھی سی بچی کی طرح روئے جا رہی تھی۔

سجاد حیرانی سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا "میں نے محبت کرنے والوں کے قصے پڑھے ہیں اور سُنے ہیں لیکن پہلی بار ایک محبت کرنے والی کی دیوانگی دیکھ رہا ہوں، اس نے نادر کی خاطر ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے۔ نادر کی خاطر دماغی مریضہ بن گئی، یہ بھی ہوتا ہے لیکن پھر دماغی مریضہ بننے کے لیے اس کی طرف یوں دوڑی جاتی تھی جیسے ہوشمندی سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ سر میں دماغ نہ ہو۔ خالی سر

میں صرف محبت کی حکمرانی ہو اور محبت کوڑے مار مار کر کہتی ہو "چلو نادر کے پاس"۔ اور وہ اس کی طرف دوڑ پڑتی "چلو قاتل کے باپ کے پاس"۔ اور وہ اس سے لپٹ پڑتی ہے۔ یہ دیوانگی کی انتہا ہے کہ مظلوم محبت، ظالم سے لپٹ کر روتی ہے اور اسی کی آغوش میں سکون پاتی ہے۔

سجاد نے کہا "میں لاش لے کر جا رہا ہوں۔ تم نادر کے ساتھ آؤ۔"

وہ جانے لگا۔ ساحرہ نے نادر سے کہا "ہمیں بھی چلنا چاہیے۔ ممی کی حالت نازک ہے۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

وہ دونوں باہر آئے۔ ساحرہ نے سجاد کو چابی دیتے ہوئے کہا "تمہیں زحمت ہوگی۔ پلیز میری کار لے جاؤ۔"

اس نے چابی لے لی۔ ساحرہ، نادر کی کار میں آکر بیٹھ گئی۔ پھر فوراً ہی باہر نکلتے ہوئے بولی "مجھے اس کار سے وحشت سی ہوتی ہے۔"

نادر کار میں بیٹھنے جا رہا تھا، رُک گیا۔ پھر پوچھا "کیوں ہوتی ہے؟ کیا بات ہے؟"

"پتا نہیں کیوں۔ تمہیں چھوڑ کر باقی تمہارے ہاں کی ہر چیز پر ظالم شاہ کی چھاپ نظر آتی ہے۔ میں اپنی گاڑی میں جاؤں گی۔"

سجاد نے اسے چابی دے دی۔ نادر نے کہا "چلو میں ڈرائیو کروں گا۔ میری گاڑی کوئی سپاہی لے آئے گا۔"

سجاد نے اپنی موٹر سائیکل سنبھالی۔ پھر لاش بردار گاڑی کے ساتھ جانے لگا۔ نادر نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتے ہوئے کہا "تم نے سجاد کے سامنے میرے ڈیڈ کو ظالم کہا، میرا سر جھک گیا۔ تم غصے میں ہو۔ انہیں قاتل سمجھ رہی ہو۔ غصے میں ہر بات غلط سمجھ میں آتی ہے۔"

"نادر! میں بڑے سکون سے بات کر رہی ہوں۔ وہ تمہارے لیے پیار کرنے والے باپ ہیں۔ وہ تمہاری خاطر کسی کی بھی جان سے کھیل سکتے ہیں۔ کیا تم انکار کر سکتے ہو کہ انہوں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی مجھے تمہاری شریکِ حیات بنا دیا۔ بیٹے کی خوشی پوری کرنے کے لیے مجھے اسپتال پہنچا دیا۔ اگر بروقت طبّی امداد نہ ملتی تو پاگل خانے پہنچ جاتی۔ اب سے چار گھنٹے پہلے انہوں نے کہا تھا۔ بیٹے کی نیک نامی کا سودا، یہ تم

نہیں ہو گی تو دُنیا میرے بیٹے کو ادھورا سمجھ کر مذاق اُڑائے گی۔ میں اپنے بیٹے کو مذاق نہیں بننے دوں گا۔ آ جاؤ۔ ورنہ شام تک بہت بڑا صدمہ اٹھاؤ گی اور تم دیکھ رہے ہو، میں صدمہ اٹھا رہی ہوں۔"

"ساحرہ! میرے ڈیڈ دشمنی کر سکتے ہیں مگر تمہارے پاپا کی جان نہیں لے سکتے۔"

"کیا انہوں نے میری جان لینے میں کوئی کسر چھوڑی تھی؟ کیا پاپا کے بعد میری ممی کی باری آئے گی، تب تمہیں یقین آئے گا؟ نہیں، تب بھی تم ان کی وکالت کرو گے۔ تم دونوں انوکھے باپ بیٹے ہو۔ انہیں تم میں کوئی کمی نظر نہیں آتی اور تمہیں ان کی خرابیاں دکھائی نہیں دیتیں۔ جب میں جھوٹ بولتی ہوں، جب میں تمہارے باپ کی دشمن ہوں تو کیوں آتے ہو میرے پاس۔ جاؤ، میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔ روک دو گاڑی۔ میں کہتی ہوں گاڑی روک دو۔"

وہ اسے جھنجوڑنے لگی۔ اس نے رفتار سُست کرتے ہوئے کہا "کیا کر رہی ہو۔ حادثہ ہو سکتا ہے۔ دیکھو، میں تمہاری باتوں کو جھوٹ نہیں سمجھتا۔ البتہ تمہاری سچائی پر یقین کرنے کے لیے بحث کر رہا ہوں۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ جو بیٹا اپنے باپ کو پرستش کی حد تک چاہتا ہو، وہ اتنی بڑی سچائی کو اچانک کیسے تسلیم کر لے گا۔ مگر اسی باپ کا یہ بیٹا تمہیں بھی دیوانہ وار چاہتا ہے، اپنی زندگی ہار کر تمہیں جیتنا چاہتا ہے۔"

"اب یہ پیار بھری، لچھے دار باتیں مجھے متاثر نہیں کریں گی۔"

"یقین کرو، جب تم مجھ سے لپٹ کر رونے لگیں تو میرے اندر آواز آئی، میں تمہیں ایک مدت سے رُلا رہا ہوں۔ تمہارے آنسو پونچھنے کے لیے مجھے باپ پر تھوڑا سا شُبہ کرنا چاہیے۔ شُبہ کرنے سے محبت میں فرق نہیں آئے گا بلکہ شُبہ غلط ہوا تو محبت اور پختہ ہو گی۔ اگر درست ہوا تو ایک ناقابلِ برداشت سچائی کو برداشت کرنا ہو گا۔ پھر تمہارے لیے کچھ کر گزرنا ہو گا۔"

"ہاں، یہ تم معقول بات کہہ رہے ہو۔ شُبہ کرو گے تو سچائی تک پہنچو گے۔ سب سے پہلے تم اس بات کا نوٹس لو کہ وہ باپ ہیں اور دوست بن کر تمہارے ہر معاملے میں رازدار ہوتے ہیں مگر اپنے اہم معاملات میں تمہیں اپنے رازدار نہیں بناتے۔ کیوں نہیں بناتے؟"

شاید اس لیے کہ میں ان کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا ہوں۔"

"کیا وہ میرے خلاف تم سے باتیں نہیں کرتے ہیں؟"

"پہلے کرتے تھے، اب نہیں کرتے۔"

"اب سمجھ گئے ہیں کہ تم میرے خلاف کچھ سُننا نہیں چاہتے۔ اگر تم فرمانبردار بیٹے کی طرح میری مخالفت برداشت کر لیتے اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے تو تمہیں خوش رکھتے اور مجھے تمہارے پاس پہنچانے کے لیے تمہیں پاپا کے قتل کے منصوبے میں ضرور شریک کرتے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ چپ چاپ ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار تکنے لگا۔ ساحرہ نے پوچھا "کیا میری بات سمجھ میں نہیں آئی؟"

"آئی ہے، بہت اچھی طرح سمجھ میں آئی ہے۔"

اس نے اچانک گاڑی روک دی۔ پھر کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "میں اسپتال جا رہا ہوں۔ اپنی کار میں واپس آؤں گا۔"

"یہ اچانک ارادہ کیوں بدل گیا؟"

سجاد نے قریب پہنچ کر موٹر سائیکل روکتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے؟"

نادر نے کہا "میں ساحرہ کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ ڈیڈ کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ یہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ میں اسپتال جا کر اپنی گاڑی میں آؤں گا۔"

ساحرہ اور سجاد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ بولی "بات کچھ سمجھ میں آرہی ہے۔ نادر کو جانے دو۔"

سجاد نے کہا "اگر مناسب سمجھو تو میری موٹر سائیکل لے جاؤ۔"

"میں مناسب سمجھتا ہوں۔ اس طرح ڈیڈ تمہیں ساحرہ کے ساتھ کار میں دیکھیں گے۔"

وہ موٹر سائیکل لے کر چلا گیا۔ سجاد نے کار کی اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال لی۔ اُن سب کی جگہ بدل رہی تھی۔ کہتے ہیں، کبھی کبھی نام بدلنے سے تقدیر بدل جاتی ہے مگر وہاں ایک کا نہیں، کتنوں ہی کا مقدر ایک دوسرے سے وابستہ تھا۔ اسلئے تقدیر نہیں بدل رہی تھی۔ بار بار محض جگہ بدل رہی تھی۔ ساحرہ نے آگے جانے والی میت گاڑی کو دیکھا پھر پیچھے جانے والے نادر کو دیکھا۔ اس کے بعد سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

بہو کا باپ قتل ہو گیا۔ اس لیے ولیمے کی تاریخ بڑھا دی گئی۔ شاہ جی کو یقین تھا، بہو گھر آئے گی۔ پھر کبھی واپس نہیں جا سکے گی۔ حالاں کہ مرزا کی تجہیز و تکفین کے دن ان کی بڑی بے عزتی ہوئی تھی۔ ماں بیٹی نے ان کے عہدے کا خیال کیے بغیر کوٹھی کے احاطے سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں دی تھی مگر شاہ جی نے ولیمے کے دعوت نامے پر چالیس دن کے بعد کی تاریخ لکھوادی تھی۔

بیگم نے پوچھا "کیا ایسی کوئی صورت نہیں نکل سکتی کہ ساحرہ بہو بن کر نہ آئے۔ وہ لڑکی تو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔"

"مجھے بھی نہیں بھاتی مگر بیٹے کو بدنامی سے بچانے کے لیے یہ لڑکی ضروری ہے۔"

"کیا ہم دوسری بہو نہیں لا سکتے؟"

"تم اتنی نادان تو نہیں ہو۔ اتنا سمجھ سکتی ہو، کوئی بھی آئے گی تو دوسرے دن میکے جا کر واپس نہیں آئے گی۔ ساحرہ کے ساتھ اتنی بات تو ہے کہ وہ نادر کی دیوانی ہے۔ خواہ کچھ ہو جائے، اسے بدنام نہیں کرے گی۔"

نادر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا "ڈیڈ! یہ بدنامی کیا کم ہے کہ وہ میری بیوی ہے اور گھومتی سجاد کے ساتھ ہے۔"

شاہ جی نے کہا "گاڑی اپنے گیراج میں، گھوڑی اپنے اصطبل میں اور عورت اپنے گھر میں رہے تو کوئی دوسرا اُسے ہاتھ نہیں لگاتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ساحرہ کو فٹ پاتھ کی عورت بننے سے پہلے گھر لے آنا چاہتا ہوں۔"

نادر نے ناگواری سے کہا "مجھے تو اس سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"کیا واقعی؟" شاہ جی نے حیرانی سے پوچھا۔ "مگر کیوں؟"

"میں اس کے باپ کی میت لینے اسپتال گیا تھا تو وہ سجاد کے بازو پر سر رکھے رو رہی تھی۔ میں نے سوچا، صدمے سے نڈھال ہے۔ کوئی بات نہیں۔ مجھے دیکھے گی تو مجھ سے لپٹ کر روئے گی۔ میں نے آواز دی۔ اس نے دیکھا۔ پھر اچانک ہی پھٹ پڑی۔ جانے کیا الٹی سیدھی بکواس کرتی رہی۔ اسپتال میں میری بڑی بے عزتی ہوئی۔ میں غصے سے چلا آیا۔ یہاں پتا چلا کہ ساحرہ نے اسپتال سے آکر آپ کو اور ممی کو اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ میرا تو جی چاہتا ہے، میں ماں بیٹی دونوں کو گولی مار دوں اور کسی دن میں ایسا کرکے رہوں گا۔"

"بیٹے! غصے میں نہ آؤ۔ کیونکہ تمہاری نفرت اور غصہ عارضی ہوتا ہے۔ ساحرہ کا جادو پھر سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے۔"

"ڈیڈ! میں آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ کی بے عزتی کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اب اس کا جادو نہیں چلے گا۔ مجھے ریوالور دیجیے۔ میں ثابت کر دوں گا کہ باپ شیر کو مار سکتا ہے تو بیٹا شیرنی کو ٹھکانے لگا سکتا ہے۔"

شاہ جی نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ پھر پوچھا "تم نے ابھی کیا کہا؟"

"وہی جو آپ مجھ سے چھپاتے ہیں۔"

شاہ جی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "میں.... میں کیا چھپاتا ہوں؟"

"ڈیڈ! مجھے افسوس ہے کہ آپ دوست بن کر میرے معاملات میں شریک ہو جاتے ہیں مگر اپنے معاملات میں ایسے باپ بن جاتے ہیں، جو اپنی اولاد پر بھروسہ نہیں کرتے۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ آپ نے بیٹے کو نہیں سمجھا۔ بے شک میں ساحرہ کو دیوانگی کی حد تک چاہتا رہا لیکن آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں آپ سے زیادہ اسے چاہتا ہوں اور کوئی آزمائش کی گھڑی آئے گی تو آپ کی خاطر اسے چھوڑ نہیں سکوں گا۔ آپ ابھی سے چھوڑنے کا حکم دیجیے۔ میں اسے دنیا چھوڑنے پر مجبور کر دوں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹے کے پاس آئے۔ پھر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ

رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "مجھے تم پر فخر ہے۔ میں تمہیں بچپن سے دیکھتا اور سمجھتا آیا ہوں۔ تم جو کہتے ہو، وہ کر گزرتے ہو۔ خصوصاً مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ اپنی کوئی بات نہیں چھپائی۔ اپنا کوئی بھی معاملہ ہو، مجھے اندھیرے میں نہیں رکھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اپنے اکثر معاملات میں تمہیں شریک نہیں کرتا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ تمہیں الجھانا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یونہی ہنستے کھیلتے زندگی گزارتے رہو۔"

اس نے باپ کے ہاتھوں کو شانوں پر سے ہٹاتے ہوئے کہا "ساحرہ نے میری ہنسی چھین لی ہے۔ میں اس کی ہنسی چھین لوں گا۔ میرے دماغ میں ایک منصوبہ پک رہا ہے۔ میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ باپ نے آواز دی "رک جاؤ۔ دیکھو کوئی قدم نہ اٹھانا۔"

مگر وہ کمرے سے جا چکا تھا۔ شاہ جی نے دروازے پر آکر دیکھا۔ وہ ٹی وی لاؤنج سے گزرتا ہوا زینے کی طرف جا رہا تھا۔ انہوں نے کہا "بیٹے! ہم آج بھی دوست ہیں۔ میرے مشورے کے بغیر کسی منصوبے پر عمل نہ کرنا۔"

وہ باپ کی طرف دیکھے بغیر زینے پر چڑھتا ہوا، اپنے کمرے میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بیگم نے پریشان ہو کر کہا "ہمیں جا کر سمجھانا چاہیے۔ وہ جنون میں مبتلا ہوتا ہے تو......"

شاہ جی نے بات کاٹ کر کہا "تم یہیں رہو۔ میں تنہا جا کر سمجھاؤں گا۔"

وہ زینے پر چڑھتے ہوئے دروازے پر آئے۔ اسے کھول کر دیکھا۔ وہ غصے میں ٹہل رہا تھا۔ انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا "کتنی بار سمجھایا ہے، غصہ برداشت کیا کرو۔ چلو آرام سے بیٹھو اور بتاؤ کیا سوچ رہے ہو؟"

وہ بیٹھ گیا مگر یوں خاموش رہا جیسے غصہ برداشت کر رہا ہو۔ باپ نے کہا "میں تمہارے کیس کے پیشِ نظر سمجھتا تھا، وہ ایک دن گمراہ ہو جائے گی تب تمہاری سمجھ میں آئے گا کہ انسانی خواہشات کی تکمیل تک پہنچنے کے لیے محبت کی جاتی ہے۔ ہر آئندہ ایک مطالبہ رکھتی ہے۔ مطالبہ پورا نہ ہو تو بھٹک کر دوسرے کی ہو جاتی ہے۔ میں جانتا تھا، وہ ایک دن تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائے گی۔"

"نو ڈیڈ! میں اسے برداشت کر سکتا ہوں مگر محبت سے نہیں، نفرت سے۔ اگر آپ میرا ساتھ دیں گے تو میں اُسے یہاں لاؤں گا، پھر واپس نہیں جانے دوں گا۔"

"میں تو ہمیشہ تمہارا ساتھ دیتا ہوں۔"

"آپ ڈی ایس پی سجاد کو کسی بھی غلطی پر سسپینڈ کر سکتے ہیں یا کسی دُور دراز علاقے میں ٹرانسفر کر سکتے ہیں۔ آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"اسے علی گڑھ اور قصبہ کالونی کے کیس میں پھانسنے کی کوشش کی گئی تھی مگر وہ بچ نکلا۔ کم بخت کسی کے گھر کی چائے تک نہیں پیتا ہے، ڈیوٹی رجسٹر پر ایک ایک گھنٹے ایک ایک منٹ کی رپورٹ درج کرتا ہے۔ میں اسی کی تاک میں ہوں۔ آخر آدمی کا بچہ ہے، کبھی نہ کبھی تو غلطی کرے گا۔ پھر میں اس سے نمٹ لوں گا۔"

"جب آپ کے نمٹنے کا وقت آئے گا اُس وقت تک ساحرہ سے طلاق کا مطالبہ کرا دے گا۔"

"ایسا وقت نہیں آئے گا۔"

"وہ گلے میں ہڈی کی طرح اٹکی ہوئی ہے۔ نہ نگل سکتا ہوں نہ اُگلنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ رہے گی تو میری تبدیلی کا بھرم رہے گا۔ میں اسے یہاں آنے پر مجبور کر دوں گا۔"

"کیسے کرو گے؟"

"دہشت گردوں نے اس کے پاپا کو قتل کر دیا۔ وہ آپ کو قاتل سمجھتی ہے۔ کہتی ہے، اسے بہو بننے پر مجبور کرنے کے لیے آپ نے ایسا کیا ہے۔ ایسی بات ہے تو ہم دھمکی دے سکتے ہیں کہ اس کے پاپا کے بعد مَمّی کی باری ہے۔ اگر وہ طلاق نہیں لے گی۔ ہمارے ہاں آ جائے گی تو اس کے سر پہ ماں کا سایہ ہمیشہ رہے گا۔"

"اگر وہ دھمکی میں نہ آئی تو؟"

"وہ ماں سے بہت محبت کرتی ہے۔ باپ کا قتل دیکھ چکی ہے۔ ماں کے لیے ایسی ظالمانہ موت پسند نہیں کرے گی۔"

انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آخر میرے بیٹے ہو۔ میری ہی لائن پر سوچ رہے ہو مگر ذرا محدود ہو کر سوچ رہے ہو۔"

"میں آپ کے سامنے بچہ ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ساحرہ کی علیحدگی سے میری بدنامی نہ ہو۔"

انہوں نے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ جیتے جی علیحدہ ہوگی تو بدنامی ہے۔ اگر موت اسے لے جائے گی تو بدنامی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ دُنیا تم سے ہمدردی کرے گی۔ تم اس کے غم میں دوسری شادی نہیں کرو گے۔ آئندہ نہ دوسری آئے گی۔ نہ گھر کی بات باہر جائے گی۔"

نادر کے چہرے پر ایک رنگ جا رہا تھا، ایک آ رہا تھا۔ وہ دونوں مٹھیاں بھینچے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ سمجھنا مشکل تھا کہ یہ باپ کی باتوں کا ردِعمل ہے یا ساحرہ سے نفرت کا؟ باپ نے پوچھا۔ "کیا اب بھی غصے اور جنون میں ہو؟"

"میں سوچ رہا ہوں، موت اسے کیسے لے جائے گی۔ میرے بس میں ہوتا تو اسے ٹھکانے لگا دیتا۔ مگر شدید نفرت کے باوجود ایسا نہیں کر سکوں گا۔"

"میں سمجھتا ہوں، تمہیں ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے۔ بس یہ عہد کر لو کہ تمہیں ایک مکمل شخصیت کا بھرم رکھنا ہے اور بھرم توڑنے والی ہستی کو ہمیشہ کے لیے مٹ جانا ہے۔"

"میرے سوچنے سے وہ مٹ تو نہیں جائے گی۔"

"یہ تمہارے سوچنے سمجھنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ جو ہونا ہے، وہ ہو جائے گا۔"

وہ جانے لگے۔ نادر نے کہا۔ "ڈیڈ! آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ یہ نامناسب ہے۔ آپ مجھے ناقابلِ اعتبار سمجھ رہے ہیں۔"

وہ پلٹ کر بولے۔ "ریلیکس مائی سن۔ تم ہی میرا آج ہو، تم ہی میرا کل ہو۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپاتا۔ بھئی، کبھی خود بھی سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔"

وہ بیٹے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے لگے۔ تھوڑی دیر تک بیٹا ان آنکھوں کو پڑھتا رہا۔ پھر بولا۔ "اوہ آئی سی۔ جس طرح باپ گیا اسی طرح بیٹی بھی جائے گی۔"

"ہاں۔ شہر میں دہشت گردی عام ہے۔ راستہ چلتے فائرنگ ہوتی ہے نامعلوم ڈاکو بڑے لوگوں کی گاڑیاں روک کر انہیں لوٹ لیتے ہیں۔ یہ ڈاکو کہیں بھی ساحرہ کی گاڑی روک کر اسے گولی مار سکتے ہیں۔"

پھر جیسے آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہو۔ نادر نے حلق پھاڑ کر چیختے ہوئے کہا "کون مارے گا اُسے؟ مجھ پر جان دینے والی کی جان کون لے گا؟"

یہ بات شاہ جی کی توقع کے خلاف تھی۔ وہ شدید حیرانی سے بیٹے کو دیکھنے لگے۔ وہ پوچھ رہا تھا "اس ملک میں آپ کے کتنے ڈاکو ہیں جو بینک لوٹتے ہیں۔ راہ زنی کرتے ہیں۔ دیہات کے زمینداروں اور شہر کے سرمایہ داروں اور سیاستدانوں کو اغوا کر کے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں اور آپ کے ایک اشارے پر بیٹے کی محبت کو گولی مار دیتے ہیں۔ آپ مملکتِ خداداد کے سپاہی ہیں یا ڈاکو؟"

تڑاخ کی آواز کے ساتھ اس کے مُنہ پر تھپڑ پڑا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ پھر ساکت ہو کر باپ کو تکتا رہ گیا۔ اسے یاد نہیں آیا کہ آج سے پہلے باپ نے کبھی ڈانٹا ہو۔ تھپڑ مارنا تو دُور کی بات تھی۔ وہ بیٹی بن کر پیدا ہوا تھا۔ ماں باپ نے بڑے لاڈ پیار سے پرورش کی تھی۔ چونکہ اس پر کبھی کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا، اس لیے تھپڑ کی آواز بم کے دھماکے سے زیادہ تھی۔ بیگم نے جلدی سے آ کر بیٹے کے سامنے ڈھال بنتے ہوئے پوچھا "کیا دماغ چل گیا ہے؟ آپ نے میرے بیٹے کو مارا ہے؟ کیا ایک چھوکری کے لیے خون کی محبت مر گئی ہے یا خون سفید ہو گیا ہے؟"

وہ اب تک باپ کو تک رہا تھا۔ باپ کی نظریں جھک گئی تھیں۔ تھپڑ مارنے والا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ وہ صدمے سے چور ہو کر کہہ رہے تھے "بیٹے نے ڈاکو کہا تو دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ آدمی جیسا ہو، ویسی ہی گالی پڑے تو تلملا جاتا ہے۔ بے اختیار ہاتھ اٹھ جاتا ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ آئی ایم سوری بیٹے! ریلی سوری۔"

وہ ماں کو سامنے سے ہٹا کر آگے بڑھا پھر قدموں میں جھک کر لپٹ گیا۔ "میں نے بہت بڑی بات کہہ دی۔ آپ ایسے نہیں ہیں۔ آپ تو میرے آئیڈیل ہیں۔ آپ کا عمل صحیح ہو یا غلط، میں آپ کے ہر عمل پر فخر کرتا ہوں۔"

باپ نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ اس نے کہا "مجھے دو چار دن کی مُہلت دیجئے۔ میں ساحرہ کے متعلق کسی آخری فیصلے تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"کیا اتنی مُہلت کے دوران وہ طلاق کا مطالبہ نہیں کرے گی؟"

"میں اس سے ناراض نہیں رہوں گا۔ ہمیشہ اس کے پاس رہوں گا تو وہ ایسا کوئی مطالبہ نہیں کرے گی۔ آپ وعدہ کریں، چار دنوں تک اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ تم بھی اچھی طرح سمجھ لو، اگر تم بدنام ہوئے تو میں کسی سے نظریں نہیں ملا سکوں گا۔"

"میں بدنام نہیں ہوؤں گا۔ آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔"

"آل رائٹ۔ میں دیکھوں گا، آخر تم مُہلت لے کر کیا کرتے ہو۔"

وہ اس کی پیٹھ تھپک کر چلے گئے۔ ماں نے کہا "آج پہلی بار ہمارے گھر میں ایسا ہوا ہے۔ وہ لڑکی جو تباہی لانے، وہ کم ہے۔ کم بخت کو موت بھی نہیں آتی۔"

"ممی! اس کی ماں بھی میرے متعلق یہی سوچتی ہوگی۔"

"دشمن تو ایسا ہی بُرا سوچتے ہیں۔"

وہ ماں کو دیکھتے ہوئے بولا "کوئی اپنی دشمن سوچ کو نہیں سمجھتا۔ میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔"

اس نے سوچا فون پر ساحرہ کی آواز سُنے اور کچھ اپنی سُنائے، یوں جی کا بوجھ ہلکا ہو تو اپنی محبت کی سلامتی کے لیے کوئی تدبیر کرے۔ دل نے کہا "فون پر باتیں ہوں گی مگر وہ سامنے نہیں ہوگی۔" وہ سوچتا ہوا کوٹھی سے باہر آ گیا۔ ساحرہ اپنی کوٹھی کے پورچ میں کھڑی سجاد سے باتیں کر رہی تھی۔ شاید ماں کے ساتھ کہیں جانے والی تھی۔ وہ دونوں نادر کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ جب وہ قریب آیا تو سجاد نے آہستگی سے پوچھا "تم نے تو کہا تھا، ساحرہ سے چھپ کر ملا کرو گے۔ تمہارے ڈیڈ کو علم نہیں ہونا چاہیے؟"

نادر نے اپنی کوٹھی کی طرف دیکھا۔ پھر کہا "اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔"

ساحرہ نے پاس آ کر اس کے بازو کو تھام لیا۔ پھر پوچھا "کیا بات ہے؟ پریشان لگ رہے ہو؟"

اس نے ساحرہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا "تم میری پریشانی اس طرح دُور کر سکتی ہو؟"

جس طرح تم کہو گے؟"

"میرے ساتھ کہیں چلو۔ آج میں زیادہ سے زیادہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"صرف آج کیوں؟ کیا کل بھی زیادہ ساتھ نہیں رہ سکتے؟"

"کیا تم آنے والے کل کو دیکھنے کا دعویٰ کر سکتی ہو؟ میں تو نہیں کر سکتا۔"

سجاد نے کہا۔ "نادر کسی الجھن میں گرفتار ہے۔ تمہیں اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رہنا چاہیئے۔ میں تو پہلے سوری کہہ چکا ہوں۔ مجھے ڈیوٹی پر رہنا ہے۔ الجھن زیادہ ہو تو میرے پاس چلے آنا مجھے بلا لینا۔ اوکے سو فار۔"

وہ موٹر سائیکل پہ بیٹھ کر چلا گیا۔ ساحرہ نے کار کی چابی نادر کی طرف بڑھائی۔

وہ بولا۔ "تم ڈرائیو کرو۔ میں خوب باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ کار میں آکر بیٹھ گئے۔ ساحرہ نے اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔ "سچ سچ بتاؤ، کیا تم پاپا کے قاتل کو دیکھ چکے ہو؟"

"دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ دیکھا تو تم نے بھی ہے کیا ہمارے پاس ثبوت ہے؟"

کار احاطے سے باہر آئی۔ پھر پختہ سڑک پر دوڑنے لگی۔ ساحرہ نے کہا۔ "مجھے ثبوت نہیں، تمہارا اعتراف چاہیئے۔"

وہ چند لمحوں تک پس و پیش میں رہا۔ پھر بولا۔ "میں اعتراف کرتا ہوں۔"

ان کے درمیان بڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ساحرہ نے کہا۔ "تم نے اسپتال میں کہا تھا، میرے پاپا کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑو گے لیکن اب میں کہوں گی، زندہ رہنے دو۔ ایک بیٹے نے باپ کے لیے عقیدت کا جو بُت تراشا تھا، وہ آج ٹوٹ گیا۔ جب اعتماد لرز جائے۔ عقیدت مر جائے تو آئیڈیل بھی مر جاتا ہے۔ صرف ہمارا ڈھانچے کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ اپنے باپ کے ڈھانچے کو زندہ رہنے دو۔ میں ان لمحات میں بے حد سکون محسوس کر رہی ہوں۔"

نادر نے آنکھیں بند کر لیں۔ بات درست ہو، انکار ممکن نہ ہو، ندامت بھی ہو تو آنکھیں خود بخود بند ہو جاتی ہیں۔ وہ ایک ساحلی ریستوران میں پہنچ گئے۔

ساحرہ نے چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم میرے مزاج کو سمجھتے ہو۔ میں ٹوٹ سکتی ہوں، جھک نہیں سکتی۔ اب تمہارے ڈیڈ کیسے توڑنا چاہتے ہیں۔ ہم

گویا مجھے؟"

"اس بار مجھے ٹوٹنا ہے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔"

"ہم بہت دیر سے بلکہ بہت عرصے سے فضول باتیں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں صرف اپنے پیار اور اعتبار پر گفتگو کرنا چاہیئے۔"

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنی ممی کے ساتھ محفوظ ہوں، ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے تو ہم صرف محبت کریں گے۔"

"میں یقین دلاتا ہوں، تم لوگوں پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا یہ یقین تمہارے ڈیڈ نے دلایا ہے؟"

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ باقی ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے وہ باقی بات بتاؤ۔"

"بھئی، جھگڑا یہ ہے کہ ڈیڈ تمہیں بے وقت بہو بنا کر دنیا میں پیش کرنا چاہتے ہیں اور تم مناسب اور معقول وقت پر آنا چاہتی ہو۔ میں انہیں سمجھا رہا ہوں کہ ان کی ضد بے جا ہے، وہ جلد ہی مان جائیں گے۔"

وہ ریستوران سے نکل کر ساحل پر آئے پھر جوتے اتار کر ننگے پاؤں ریت پر چلنے لگے۔ ساحرہ نے پوچھا۔ "کیا مجھے ایک قاتل کے گھر میں بہو بن کر جانا چاہیئے؟"

"کبھی نہیں مگر ابھی تم یہ سوال نہ اٹھانا۔ میڈیکل رپورٹ ملنے تک ہم ڈیڈ کو ٹالتے رہیں گے۔"

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم مجھے ٹال رہے ہو۔ بات کچھ ہے اور زبان سے کچھ کہہ رہے ہو۔"

"تم خواہ مخواہ شک کر رہی ہو۔"

وہ چلتے چلتے رُک گئی۔ اس کے دائیں ہاتھ کو تھام کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ "جھوٹ بولو گے تو مر جاؤں گی۔ اب بولو۔"

"مرنے کی بات نہ کرو۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، تمہیں زندہ سلامت رکھنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔"

اس نے اپنا ہاتھ اس کے سر سے کھینچ لیا۔ "کیا مجھے نادان سمجھتے ہو؟ تم نے

۔۔۔ بات بنائی ہے قسم نہیں کھائی ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں، تمہارے ڈیڈ کے ہاتھوں میں فرعونی اختیارات ہیں۔ وہ ہمیں جھکا کر رہیں گے یا بالکل نابود کر دیں گے۔"

"جب تم ضد کر رہی ہو تو سمجھ لو، ایسی ہی کچھ بات ہے مگر یہ کیوں بھولتی ہو کہ میں فرعون کا بیٹا ہوں۔ باپ کی ہر چال کا توڑ کر سکتا ہوں میری جان! محبت آزما رہی ہے۔ تم دیکھتی رہو میں آزمائش پر پورا اتروں گا۔"

وہ باتیں کرتے کرتے ساحل کے ویران حصے میں آ گئے تھے۔ وہاں سے واپس جانے لگے۔ "میں موجودہ آزمائش کو سمجھتی ہوں۔ ہمارے درمیان جو دیوار ہے اسے گرانا تمہارا فرض ہے۔"

"ایک دیوار ڈیڈ ہیں۔ تم یہ فولادی دیوار گرا نہیں سکتیں اور میں ان سے اونچی آواز میں بولنا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں۔"

"پھر تو بات ہی ختم ہو گئی۔"

"ڈیڈ سے بھی اہم دیوار ہے ہمارا ازدواجی رشتہ۔ تم اسے طلاق کی ایک ضرب سے گرا سکتی ہو۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔ البتہ تیسری دیوار میں ہوں۔ مر جاؤں تو قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔"

"چوتھی دیوار میں ہوں۔ مجھے مر جانا چاہئے۔ میں نہیں رہوں گا تو ڈیڈ کو میرے مذاق بننے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ میرے بغیر وہ تم پر کوئی حق نہیں جتا سکیں گے۔ میری آخری سانس کے ساتھ سسر کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔"

"تم نے ایسا کوئی جذباتی قدم اٹھایا تو یاد رکھنا، میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔"

وہ کار میں واپس آئے تو رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ اس نے کہا۔ "جی چاہتا ہے، ساری رات تمہارے ساتھ گھومتا رہوں۔"

"مم اکیلی ہیں گھر کا ماحول ہاتی ہے، وہ میری ضرورت محسوس کرتی رہتی ہیں۔" گاڑی پورچ میں آ کر رک گئی۔ "تمہیں کیا ہو رہا ہے۔ تم کانپ رہے ہو۔ تمہاری آواز بیٹھ رہی ہے۔ ایئر کنڈیشنر آن ہے اور تمہیں پسینہ آ رہا ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ۔"

لیکن تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔"

"میں ابھی ڈاکٹر سے کنسلٹ کروں گا۔"

وہ کار سے باہر آ گئے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ کو تھام لیا۔ جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ ممی کی آواز سن کر چونک گئی۔ ہاتھ چھڑا کر بولی۔ "میں فون پر پوچھوں گی۔ تم نے ڈاکٹر سے کنسلٹ کیا ہے یا نہیں؟

"فون پر نہیں، آج ہم واکی ٹاکی کے ذریعے بات کریں گے۔"

"اوکے۔" وہ اندر چلی گئی۔ نادر بوجھل قدموں سے چلتا ہوا احاطے کے باہر آیا۔ ساحرہ کی کوٹھی کو یوں حسرت سے دیکھنے لگا جیسے آخری بار دیکھ رہا ہو۔ پھر وہ اپنی کوٹھی میں آیا۔ اس کی ممی اور ڈیڈ کھانے کی میز پر تھے۔ ممی نے کہا۔ "آؤ بیٹے! ٹھیک کھانے کے وقت پر آئے ہو۔"

اس نے جھوٹ کہہ دیا۔ "میں ساحرہ کے ساتھ باہر کھا کر آیا ہوں۔"

شاہ جی نے پوچھا۔ "کیا اس کا دماغ ٹھیک ہوا؟"

"کل تک سب کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ ممی مجھے تیسرے کمرے کی چابی دیجئے۔"

"سنگھار میز کی دراز میں ہے۔"

وہ والدین کے کمرے میں گیا۔ وہاں سے چابی لے آیا۔ شاہ جی نے پوچھا۔ "تم کبھی تیسرے کمرے میں جاتے نہیں تھے۔ آج کیا بات ہے؟"

"میں اپنی وڈیو فلم دیکھنا چاہتا ہوں۔"

شاہ جی اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ زینے پر چڑھتا ہوا اپنے کمرے میں آیا۔ اپنی الماری کھولی پھر دراز کو کھولا۔ اس میں سے ایک تہہ کیا ہوا چاقو نکال کر جیب میں رکھا۔ اس کے بعد اپنے کمرے سے نکل کر تیسرے کمرے کے دروازے پر آ گیا۔ شاہ جی کھانے کے دوران بار بار نظریں اٹھا کر تیسرے کمرے کی جانب دیکھتے جا رہے تھے۔ نادر نے چابی سے دروازے کو کھول کر چوکھٹ پر سے دیکھا۔ وہ کمرہ نادرہ مرحومہ کا تھا۔

وہ پلٹ کر بالکونی کی ریلنگ کے پاس آیا۔ نیچے دیکھا، وہاں ماں باپ میز کے طرف بیٹھے باتیں کرتے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ شاہ جی نے پھر نظریں اٹھا کر دیکھا۔ بیٹے سے نظریں ملتے ہی پوچھا۔ "آر یو آل رائٹ سن ؟"

اس نے جیب سے چاقو نکالا۔ ہاتھ کو آگے بڑھایا۔ پھر ایک کھٹاکے کی آواز کے ساتھ اسے کھولا۔ ماں کے سینے سے ہائے نکلی۔ چاقو کا پھل چمک رہا تھا اور چمک چمک کر اپنی پیاس کا اعلان کر رہا تھا۔

شاہ جی ہڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔ کرسی پیچھے کی طرف گر پڑی۔ وہ پریشان ہو کر بولے "یہ۔ ۔ ۔ یہ چاقو۔ تم۔ ۔ ۔ ۔ تم کرنا کیا چاہتے ہو ؟"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے زینے کی طرف آنے لگے۔ نادر نے کہا "رک جائیے چاقو کی نوک میرے سینے پر ہے۔"

ماں باپ دونوں ہی ٹھٹک گئے۔ زینے کے نچلے حصے پر رک کر دیکھنے لگے۔ بیٹے نے چاقو کی نوک اپنے سینے پر رکھی ہوئی تھی۔ صرف ایک ہی دباؤ میں دل کے آر پار ہو سکتی تھی۔ ماں نے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا "میرے بچے! اسے ہٹا لے، اپنے سینے سے ہٹا لے۔ میرا دل کٹ رہا ہے۔"

باپ نے کہا "یہ کیا حماقت ہے۔ اسے پھینک دو۔ کوئی شکایت ہے تو مجھ سے کہو۔ ہم تمہاری کون سی ضرورت، کون سی ضد پوری نہیں کرتے ہیں؟ بولو، تم کیا چاہتے ہو؟ ہم تمہاری خاطر ساحرہ کی توہین آمیز شرطیں بھی مان لیں گے۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

وہ باتوں میں لگا کر زینے کے ایک ایک پائیدان پر چڑھنا چاہتے تھے۔ وہ بولا "اسٹاپ ڈیڈی! جب تک میں تیسرے کمرے میں نہیں جاؤں گا، آپ اوپر نہیں آئیں گے۔"

"آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم چاہتے کیا ہو؟"

"میں اپنی موت چاہتا ہوں۔ وہ ایک قاتل کے گھر میں بہو بن کر کبھی نہیں آئے گی۔"

"آئے گی۔ محبت سے آئے گی یا جبر سے آئے گی۔ تم جس طرح چاہو، ہم اسی طرح لائیں گے۔"

"ڈیڈی! دونوں صورتوں میں اس کی موت ہو گی۔ وہ نہیں آئے گی تو آپ اس کے پاپا کے پاس اسے پہنچا دیں گے۔ آئے گی تو یہاں سے پاگل خانے یا قبرستان پہنچ جائے گی۔ میں ہر پہلو پر غور کر چکا ہوں۔ محبت قربانی چاہتی ہے۔ میری قربانی سے ساحرہ کی زندگی میں بہار آ سکتی ہے۔"

شاہ نے گرج کر کہا "تم قربانی نہیں دے سکتے۔ یاد رکھو، تم میری دنیا ہو، میری زندگی ہو۔ اگر تم نے جان دی تو میں ساحرہ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"مت لیجئے ایک قاتل کی زبان سے اس کا نام۔ وہ نام میرے دل پر لکھا ہے اور میرے حواس پر چھایا ہوا ہے۔ اسے کوئی قاتل مٹا نہیں سکے گا۔ میں دہشت گردوں اور ڈاکوؤں سے تنہا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ مگر آپ سے گستاخی نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ نہیں مریں گے مگر میرے بعد آپ کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

وہ تیزی سے گھوم کر تیسرے کمرے کے دروازے پر آیا۔ اس سے پہلے کہ ماں باپ اوپر آتے، اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ اندر چاروں طرف دیواروں پر نادرہ کی قدِ آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ ساڑی، شلوار اور غرارہ سوٹ اور نت نئے ڈیزائن کے ملبوسات میں بڑے ناز و انداز سے جلوہ گر تھی۔ شیشے کے کئی شوکیس بڑے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں خوبصورت ڈیزائن کی سینڈلیں، چپلیں اور طرح طرح کے استعمال شدہ ملبوسات رکھے ہوئے تھے۔ اس کی ضرورت اور شوق کی تمام چیزیں بڑی ترتیب سے رکھی گئی تھیں۔ ایک طرف ٹی وی، کیسٹ ریکارڈر اور وڈیو فلم کا کیبنٹ تھا۔ نادر نے وی سی آر میں فلم رکھ کر اسے اور ٹی وی کو آن کیا۔ ریکارڈر میں بھی اپنی آواز کا کیسٹ لگا دیا۔ اس دوران ماں باپ دروازہ پیٹ رہے تھے۔ شاہ جی نے چیختے ہوئے کہا "میں آخری بار کہتا ہوں، دروازہ کھولو۔ ورنہ توڑ دوں گا۔"

اس نے دروازے کے قریب آ کر کہا "ڈیڈی! جب تک دروازہ سلامت ہے، میں سلامت رہوں گا۔ آپ دروازہ توڑ کر مجھے ہمیشہ کے لیے توڑ ڈالیں گے۔"

۔۔۔ اور بیگم شاہ کو چپ لگ گئی۔ وہ ضدی بیٹے کو خوب سمجھتے تھے۔ [illegible]

بدرے اطمینان بخش تھی کہ دروازے کی طرح بیٹا سلامت رہے گا اور وہ اسے پیار سے سمجھا منا کر باہر لے آئیں گے۔ وہ دروازے سے کان لگا کر سُننے لگے۔ انہیں اپنی بیٹی نادرہ کی سُریلی ہنسی سُنائی دے رہی تھی۔

نادر کے ہاتھ میں کھُلا ہوا چاقو تھا۔ وہ وحشت زدہ نظروں سے کبھی اپنی نسوانی ہنسی سُن رہا تھا۔ کبھی ٹی وی کے اسکرین پر خود کو لڑکی کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک طرف بڑھتا ہوا واکی ٹاکی کے پاس آیا۔ وہ جب تک لڑکی رہا ۔۔ واکی ٹاکی کے ذریعے سہیلی سے گفتگو کرتا رہا۔ اب اسے یادگار کے طور پر اس کمرے میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس نے اسے آپریٹ کیا۔ دوسری طرف ساحرہ منتظر تھی۔ اس نے پوچھا "ہیلو کیا تم نے ڈاکٹر سے کنسلٹ کیا ؟"

وہ بولا "ابھی میں زندگی اور موت سے کنسلٹ کر رہا ہوں"۔

"کیوں فضول باتیں کرتے ہو؟ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟"

"کوئی سوال نہ کرو۔ آواز سُنو۔ کچھ سُنائی دے رہا ہے ؟"

وہ کیسٹ ریکارڈر کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ ساحرہ نے کہا "ارے یہ تو نادرہ کی آواز ہے۔ کیا تم تیسرے کمرے میں ہو ؟"

"ہاں۔ میرے سامنے اسکرین پر نادرہ مختلف لباس میں چلتی پھرتی نظر آ رہی ہے میرے چاروں طرف دیواروں پر اس کی قدِ آدم تصویریں ہیں۔ ساحرہ! یہ وہ نادرہ ہے، جس نے تمہاری محبت میں مر کر مجھے جنم دیا۔ یہ ہوتی تو میں نہ ہوتا۔ میرے ہونے سے یہ نابود ہو گئی۔ میں نے تمہاری سہیلی پر ظلم کیا ہے۔ میں تمہاری سہیلی کا قاتل ہوں"۔

ساحرہ پریشان ہو کر بولی "اوہ گاڈ! معلوم ہوتا ہے تم فرسٹریشن (دماغی انتشار) میں مبتلا ہو۔ نادر، پلیز خود کو قابو میں رکھو۔ ارے یہ کیا، دروازہ پیٹنے کی آواز سُنائی دے رہی ہے۔ کیا تم نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا ہے ؟ آخر تم کیا کر رہے ہو؟ تمہارے گھر والوں کی آوازیں سُنائی دے رہی ہیں مگر سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ خُدا کے لیے دروازہ کھول دو۔ انہیں اندر آنے دو"۔

نادر نے قہقہہ لگاتے ہوئے چاقو والا ہاتھ بلند کیا پھر چاروں طرف گھومنے لگا۔ چاقو کے پیچھے نادرہ کی ایک ایک قدِ آدم تصویر گزرتی جا رہی تھی۔ اس

کے قہقہے رُک گئے تھے۔ اب وہ وحشت و جنون میں کہہ رہا تھا "نادرہ! میں نے تیری سہیلی کو دُکھ پہنچایا۔ اسے دماغی مریضہ بنا دیا۔ میں مجرم ہوں"۔

وہ چاقو کے اس پار دوسری تصویر کو دیکھتے ہوئے بولا "میری محبت تیری سہیلی کے لیے عذاب بن گئی۔ میں ظالم ہوں۔ سزا کا مستحق ہوں"۔

اس کا چاقو میری تصویر کے پاس سے گزر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "مٹا دوں گا۔ اس ہستی کو مٹا دوں گا جو عذابِ محبت بن گئی ہے۔ میں اس دنیا سے نادر شاہ کا نام و نشان مٹا دوں گا۔ مٹا دوں گا۔ مٹا دوں گا"۔

عجیب منظر تھا۔ ٹی وی پر نادرہ جلوے دکھا رہی تھی۔ ریکارڈر کے ذریعے بول رہی تھی۔ اس سے اونچی آواز میں نادر بول رہا تھا۔ اس سے اونچی آواز میں ماں باپ چیخ رہے تھے۔ دروازے پر مسلسل دھکے لگ رہے تھے۔ پھر پتا چلا، کوال چلائی جا رہی ہے۔ نادر نے وحشیانہ انداز میں دروازے کی طرف رُخ کیا۔ پھر چیخ چیخ کر کہنے لگا "ڈیڈ! یو لیسن ٹو می ڈیڈ! آپ کے اچھے بھی ساحرہ کو نہیں مار سکیں گے۔ میں آپ کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ آپ کی فرعونیت سر پکڑ کر رہ جائے گی"۔

ساحرہ اپنی جگہ تڑپ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ دیوانہ کیا کرنے والا ہے۔ وہ واکی ٹاکی سے مُنہ لگائے اسے صدائیں دے رہی تھی۔ نادر نے چاقو والے ہاتھ کو بلند کیا۔ پھر کہا "ممی، ڈیڈ! خُدا حافظ۔ ساحرہ! میری ساحرہ! تمہارا نامراد ناکام عاشق جا رہا ہے۔ الوداع ۔۔۔۔"

اس کے ساتھ ہی بلندی پر چمکتا ہوا چاقو کا پھل نیچے آیا۔ نادر کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ اس کے دیدے وحشت سے پھیل گئے۔ وہ ادھر سے اُدھر ڈگمگایا۔ پھر فرش پر گر پڑا۔

دروازہ ٹوٹ کر انگ ہوا، سب لوگ دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر آئے۔ ماں کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے مُنہ کو ڈھانپ لیا۔ ممتا میں کچھ اور دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ صرف اتنا ہی نظر آیا کہ دونوں ہاتھ لہو میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چاقو ایک طرف پڑا تھا اور وہ فرش پر تڑپ رہا تھا۔

نادرہ اسپتال کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ ساحرہ نے اس کے ہاتھ کو محبت سے اپنے ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔

"کیا تمہاری ان حرکتوں سے میں محفوظ رہوں گی؟ تمہارے ڈیڈ مجھ سے انتقام نہیں لیں گے؟"

"جوان بیٹے کی موت بوڑھے باپ کی کمر توڑ دیتی ہے۔ اب وہ میرے سامنے آتے ہیں تو ٹوٹے ہوئے آدمی کی طرح مجھے دیکھتے ہیں۔ یقیناً سوچتے ہوں گے کہ میں کیا ہوں؟ بیٹا ہوں یا بیٹی؟"

"تم کیا ہو؟"

"ان کے لیے تو بیٹا ہوں۔ وہ دنیا والوں کو بڑی ناک لگا کر مجھے مرد کہہ چکے ہیں۔ اب ان کی ناک نہیں کٹنی چاہیے۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔ اگر تمہیں کسی طرح کا نقصان پہنچایا گیا تو یہ تماشی بیٹا بھی جان سے گزر جائے گا۔ اب تمہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

"میں نے سنا تھا محبت میں بڑی بڑی قربانیاں دی جاتی ہیں۔ مگر تم نے تو انتہا کر دی۔ میں سوچتی ہوں تو غصہ بھی آتا ہے، محبت بھی آتی ہے، رونا بھی آتا ہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں نے ایسا کیا تو سماجی، مذہبی اور قانونی دیواریں گر گئیں۔ اب میں تمہارے لیے نامحرم نہیں ہوں۔ میں بے روک ٹوک تم سے مل سکتی ہوں۔ تم سے آزادانہ محبت کر سکتا ہوں اور کر سکتی ہوں۔ تمہارے ساتھ ایک کمرے میں رہ سکتا ہوں اور رہ سکتی ہوں کیونکہ میں تمہارا مُردہ دوست اور زندہ سہیلی ہوں۔"

ساحرہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ آگے کو جھکی اور اپنی نادرہ سے لپٹ کر رونے لگی۔

محی الدین نواب کی تحریریں ہمارے معاشرے کے قریب ترین ہوتی ہیں۔ زیرِ نظر تحریر میں بھی محی الدین نواب نے ایک انتہائی نازک موضوع پر قلم اٹھایا ہے جس کا ہماری آج کل کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ ایسے واقعات اکثر اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ ایک لڑکی لڑکا بن گئی یا ایک لڑکا لڑکی بن گیا۔ اس ناول میں آپ کو اس نازک اور حسّاس موضوع کو پڑھنے کے علاوہ وہ سب کچھ بھی ملے گا جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں۔

نامکمل لوگوں کی مکمل کہانی
ادھورا ادھوری — ایڈونچر سے بھرپور

ناشر: علی میاں بک سیلرز۔ اردو بازار لاہور